دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے زیر نگرانی
دلائل کی تخریج، حوالہ جات اور کمپیوٹر کتابت کیساتھ
مدلل ومکمل
کفایت المفتی
مع عنوانات
مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی
www.ahlehaq.org
دارالاشاعت

مدلل مکمل

کِفَایتُ المُفتی

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کے زیر نگرانی
دلائل کی تخریج و حوالہ جات اور کمپیوٹر کتابت کیساتھ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ

جلد ہشتم

کتاب البیوع، کتاب الربوا، کتاب الصرف، کتاب الشرکۃ والمضاربۃ
کتاب الودیعۃ، کتاب الدیون، کتاب الھبۃ والعاریۃ، کتاب الغصب
کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ، کتاب الفرائض، کتاب الوصیۃ

دارالاشاعت اردو بازار کراچی
فون: 021-2213768

فہرست مضامین

کتاب البیوع

پہلا باب
بیع باطل اور بیع فاسد

دوسرا باب
زمین و مکان کی خرید و فروخت

تیسرا باب
حق شفعہ

چوتھا باب
نباتات کی خرید و فروخت

پانچواں باب
نیلام

مضمون	صفحہ
بارھواں باب	
بیع سلم	

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ

کتاب الصرف

پہلا باب

مبادلہ سکہ

مضمون	صفحہ

دوسرا باب
کرنسی نوٹ

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

پہلا باب
ایک شریک کی کارگزاری

دوسرا باب
مضاربت
(ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت)

تیسرا باب
کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت

چوتھا باب
متفرق مسائل

کتاب الودیعۃ

پہلا باب
امانت اور اس کے ضائع ہونے کا تاوان

کتاب الدیون

پہلا باب

قرض کی تشریحات و تفریعات واحکام

دوسرا باب

دخلی رہن

تیسرا باب
تصرف فی المرہون

چوتھا باب
بیع بالوفا

پانچواں باب
قرض کو اوٹ لینا (حوالہ)

مضمون	صفحہ
چھٹا باب	
دین کی خرید و فروخت	
دین کی بیع غیر مدیون سے کرنا	۱۵۰
ساتواں باب	
ضامن بننا	
کیا دائن نیا دین ضامن سے لے سکتا ہے؟	۱۵۲
مقروض کو مفلس قرار دیا جائے تو ضامن سے قرض وصول کیا جائے گا یا نہیں؟	"
آٹھواں باب	
غیر جنس میں قرض وصول کرنا	
مشترکہ مکان سے شریک کے حصے کو بیچ کر قرض وصول کرنا	۱۵۳
كتاب الهبة والعارية	
پہلا باب	
صحت و جواز ہبہ	
کیا بیوی زوج کی کوئی چیز بلا اجازت ہبہ کر سکتی ہے؟	۱۵۶
مرض الموت میں وصیت کرنے کا حکم	۱۵۷
کیا ایک مکان کئی افراد کو ہبہ کیا جا سکتا ہے؟	"
کیا ہندہ کے قول "میں اپنا شیئر بیٹے کو دیتی ہوں" سے ہبہ ہو جائے گا؟	۱۵۸
متبنی کو جائیداد وقف کرنے کا حکم	۱۵۹
تمام جائیداد ایک بیٹے کو ہبہ کرنا	"
ہبہ کی ہوئی جائیداد سے رجوع کا حکم	۱۶۰
مشترکہ مال بغیر تقسیم کئے بیٹوں کو ہبہ کرنے کا حکم	"
میں نے یہ مکان صرف رہنے کے لئے دیا ہے عاریت ہے	۱۶۱
وراثت سے محروم کی ہوئی بیٹی کو شرعی طریقے سے جائز حق دلوانا ثواب کا کام ہے	۱۶۲
طویل بیماری میں وفات سے پہلے بعض وارثوں کو ہبہ کرنا	۱۶۴
کیا اپنی زندگی میں ہبہ کی ہوئی جائیداد پر ورثاء ترکہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟	"
مرض الموت میں مکان اور روپیہ غیر وارث کو ہبہ کرنا	۱۶۵
کیا نابالغ لڑکوں کے لئے جائیداد خریدنا ہبہ ہے؟	"

مضمون	صفحہ

تیسرا باب

ما اہل بہ لغیر اللہ

صفحہ	مضمون
	چھٹا باب
	ذبیحہ
	فصل اول' اجرت ذبح
۲۴۳	ذبح کی اجرت ذبح کرنے والے کا حق ہے
"	اجرت پر ذبح کرنے والے شخص کی امامت درست ہے
"	ذبح کی اجرت لینا ہر وقت جائز ہے
	فصل دوم غیر مسلم کا ذبیحہ
۲۴۴	ذابح مسلمان اور معاون مشرک ہو تو ذبح درست ہے
۲۴۵	فرقہ مہدویہ والوں کا ذبیحہ درست نہیں
"	مرزائی کے ذبیحہ کا حکم
"	مرزائی کے بیٹے کے ذبیحہ کا حکم
۲۴۶	آج کل کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم
"	عیسائیوں کے ذبیحہ کا حکم
"	کیا موجودہ یہودی اور نصرانی اہل کتاب ہیں؟
۲۴۷	ذبیحہ کے حلت کے لئے ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے
۲۴۹	عیسائیوں اور یہودیوں کے تکبیر پڑھ کر ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم
	فصل سوم مشتبہ ذبیحہ
۲۵۰	مشتبہ ذبیحہ کے گوشت کا کیا حکم ہے؟
	فصل چہارم مقصد ذبیحہ
"	بزرگان دین کو ثواب پہنچانے کے لئے قبرستان میں ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم
۱۵۱	(۱) مرض سے نجات کی غرض سے جانور ذبح کرکے صدقہ کرنا
"	(۲) جانور اس نیت سے ذبح کرنا کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے کیسا ہے؟
	فصل پنجم ذبح کرنے کا طریقہ
۱۵۳	جانوروں کو زخمی کرکے ذبح کرنے کا حکم
"	جانور کو ذبح کرنے کی دو حالتیں ہیں

مضمون	صفحہ
بچہ کا چمڑا حاصل کرنے کے لئے حاملہ بھیڑ کو ذبح کرنا	۲۶۱
فصل دہم کچا گوشت کھانا	
حلق میں ذبح کی جگہ کونسی ہے؟	۲۶۲
کچا گوشت کھانا کیسا ہے؟	//
خصیے، حرام مغز اور گردے کھانے کا حکم	//
عضو تناسل، اوجھڑی اور آنت کھانے کا حکم	۲۶۳
سری اور پائے کھانے کا حکم	//
کتاب الفرائض	
پہلا باب	
میراث کے احکام	
فصل اول تشریحات و تفریعات	
کیا خدمت کے عوض قاضی کو ملنے والی زمین میں وراثت جاری ہوگی؟	۲۶۴
تحریری طلاق زوجہ تک پہنچنے سے قبل شوہر فوت ہو تو عورت میراث میں شریک ہوگی یا نہیں؟	۲۶۵
وظیفہ میں ملنے والی زمین مالک ہی کی ہوگی وارثوں کو اس میں کوئی حق نہیں	۲۶۶
کیا نابالغ لڑکی پر کئے گئے اخراجات اس کے ترکہ سے لئے جاسکتے ہیں؟	۲۶۷
مالک اپنی مملوکہ جائیداد کے فروخت کا حق رکھتا ہے	۲۶۸
تجارتی فرم میں صرف نام ڈالنے سے شرکت ثابت نہیں ہوتی	۲۶۹
مشترکہ مال میں کسی ایک شریک کی محنت سے ہونے والی زیادتی سب شرکاء کو ملے گی	//
قانون وراثت کے منکر کا حکم	۲۷۰
پرورش نہ کرنے کی صورت میں بھی باپ میراث کا حقدار ہوگا	//
خاوند بیوی کے اخراجات برداشت نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کی میراث سے حصہ لے گا	//
باپ کی میراث بیٹوں کی اولاد پر تقسیم کرنے کی ایک صورت	۲۷۱
باپ کی میراث بیٹوں کے حصوں کے اعتبار سے ان کی اولاد پر تقسیم ہوگی	۲۷۲
مصلحتاً مکان کو کسی کے نام کردیا تو اس کا کیا حکم ہے؟	۲۷۳
کیا نصف مکان کے عوض اس کے مالک کا پورا نام قبالہ میں لکھوانا صحیح ہے؟	۲۷۴
شوہر کا یہ قول "میں اپنی جائیداد سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا" بیوی کو میراث سے	

صفحہ	مضمون
	استدراک جواب مذکورہ
٣٥٣	تقسیم ترکہ مناسخہ کی صورت میں
٣٥٤	شوہر بہنوں اور دادی میں تقسیم
//	بیٹی اور بیٹے کو ملنے والی جائیداد کے تین حصے ہوں گے
٣٥٥	بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی محروم ہوگا
//	صرف شوہر اور بھائی وارث ہوں تو میراث نصف نصف تقسیم ہوگی
//	بہن کے معاف کردہ حصہ اس کا شوہر دوبارہ طلب نہیں کرسکتا
٣٥٦	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
//	تقسیم ترکہ کی ایک صورت؟
٣٥٧	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
//	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
	تیسرا باب
	متفرقات
٣٥٨	خاوند کی میراث تقسیم سے پہلے نواسہ کو ہبہ کرنا
٣٥٩	تقسیم ترکہ کی ایک صورت
//	کیا زندگی میں علیحدہ حصہ وصول کرنے والا وفات کے بعد ترکہ میں سے حصہ لے سکتا ہے؟
٣٦٠	نکاح کے ثبوت کے بغیر بیوی اور اس کی اولاد ترکہ کی مستحق نہیں
//	شرعی شہادت سے ثابت ہونے والی بیوی اور اس کی اولاد وراثت کی مستحق ہے
٣٦٣	کیا وصیت کئے ہوئے مال کو موصی لہ کے وارث لے سکتے ہیں؟
//	سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ڈرا دھمکا کر وراثت سے محروم کرنا
٣٦٤	کیا مسلمان کے قادیانی وارث کو ترکہ میں سے حصہ ملے گا؟
٣٦٥	بیٹے کو عاق کرکے میراث سے محروم کرنا ناجائز ہے
//	لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے پیش کئے ہوئے بل کی ضمانت ناجائز ہے
	کتاب الوصیۃ
	پہلا باب
	صحت و جواز وصیت
٣٦٧	وصیت کی نفاذ کی صورت اور اس پر اجرت کا حکم

دوسرا باب

امانت میں وصیت

مضمون	صفحہ
تیسرا باب	
ثلث میں وصیت	

کتاب البیوع

پہلا باب
بیع باطل اور بیع فاسد

چوری کے مال کو خریدنا اور اس پر حاصل شدہ نفع کا حکم

(سوال) ایک تاجر چرم سولہ ہزار بکری کے چمڑے کو ایک یورپین تاجر کے ہاتھ فروخت کر چکا تجارت میں اس کے لڑکے نے اس میں سے چرا کر چمڑا فروخت کر ڈالا اور مشتری کو بھی علم ہے کہ لڑکا باپ کے فروخت کردہ چمڑے کو چرا کر فروخت کر رہا ہے اس مشتری کا باوجود چوری کے علم کے یہ معاملہ شراء شرعا درست ہوگا یا نہیں ؟ نیز لڑکے کا باپ کے مال کو چورا کر فروخت کر ڈالنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟ نیز اس چوری کے مال کو جس شخص نے خرید کیا ہے وہ حاجی نمازی مؤدی زکوٰۃ ہے اس چوری کے مال کو خرید کرنے سے اس کی دینداری اور نیکی میں کوئی نقصان لازم آئے گا یا نہیں ؟ اور اس معاملہ شراء سے وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں ؟ نیز اس مال مسروقہ کے نفع اور اصل مشتری کے مال حلال میں اگر مخلوط ہو جائے تو اس کے حلال مال میں کوئی شرعی قباحت لازم ہوگی یا نہیں اگر لازم ہو تو اس سے مال حلال کو کس طرح پاک کیا جائے ؟
المستفتی نمبر ۸۶۱ حاجی مولا بخش ڈھاکہ ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱) لڑکے کا یہ فعل حرام ہے اور اگر مشتری کو یہ علم تھا تو اس کو خریدنا بھی حرام تھا اور بیع و شراء دونوں ناجائز واقع ہوئیں[1] اور مشتری کی صلاحیت اس فعل سے خراب ہوگئی اور اس مال کا نفع بھی اس کے لئے حلال نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مبیع کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا

(سوال) سونا چاندی یا دیگر اشیاء کو اس طرح خریدیں کہ اس کا نرخ طے کر کے تھوڑا روپیہ بطور بیعانہ کے دیکر کچھ مدت مقرر کرلیں کہ اس مدت کے بعد ہم باقی کا روپیہ دیکر مال لے لیں گے لیکن مدت ختم ہونے سے پیشتر ہم نے اس مال کو دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اس مال کے اندر جو کچھ نفع ہوا وہ مالک مذکور سے لے لیا یا جو کچھ نقصان ہوا وہ ہم نے مالک مذکور کو دیدیا اس طریقہ سے تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر (بلیماران' دہلی)

---

(۱) وبطل بیع مالیس فی ملکہ ... و حکمہ عدم ملک المشتری (الدر المختار مع الرد' باب بیع الفاسد ۵/ ۵۸' ۵۹ ط سعید)
(۲) وفی الدر : الحرمۃ تتعدد مع العلم بها الا فی حق الوارث وفی الشامیۃ' وان لم یردہ یکرہ للمسلمین شراء ہ لانہ ملک حصل لہ بسبب حرام شرعا (ردالمحتار مع الدر باب بیع الفاسد ۵/ ۹۸ ط سعید

(جواب ۲) بیع و شراء کا یہ طریقہ ناجائز اور حرام ہے یہ سٹہ ہے جو قمار میں داخل ہے اور قمار حرام ہے۔[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

پھل ظاہر ہونے سے پہلے کی گئی بیع باطل اور پھل پورا ہونے سے پہلے فاسد ہے اور ان سے بچنے کیلئے متبادل صورت

(سوال) فصل انبہ کی بہار فروخت کرنے کی ملک ہندوستان میں چند صورتیں ہو سکتی ہیں اول صرف پھول کے نکلتے ہی بہار کی بیع کی جائے ثانی پھل نکل آئے ہیں لیکن بڑے نہیں ہوئے یعنی اس میں گٹھلی نہیں پڑی ان کی اس شرط پر بیع و شراء کی کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دے ثالث پھل بڑے ہو چکے ہیں لیکن پختگی نہیں آئی اس شرط پر عقد واقع ہوا کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دے رابع پھل بڑے ہونے کے بعد مطلق عقد واقع ہوا کوئی شرط صلب عقد میں نہیں کی نہ قطع کی نہ ترک کی بعدہ مشتری نے باجازت بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دیا حالانکہ عرف اور عموم بلوی بھی ہے کہ پھلوں کو تا اختتام فصل نہیں کاٹتے اور بائع بھی اصرار قطع پر نہیں کرتا۔

اگر کوئی شخص چاہے کہ ایسی صورت اختیار کرے جس میں کوئی شرعی نقص نہ ہو تو کس صورت پر عمل کرے تاکہ اس کے عقد میں کوئی حرمت یا فساد لازم نہ آئے اور فصل بھی اس کے لئے حلال ہو۔ المستفتی نمبر ۲۳۷۴ بابو فضل الرحمن صاحب بلند شہر ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۷ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۳) پہلی صورت تو بیع باطل کی ہے[2] اور دوسری صورت اور تیسری صورت بیع فاسد کی ہے[3] اور چوتھی صورت صورۃً جائز ہے اور معنی بحکم عرف وہ بھی فاسد ہے لیکن یہی چوتھی صورت اقرب الی الجواز ہے[4] اور بالکل جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں مدت اجارہ وہ معین کی جائے جو پھلوں کی آخری مدت ہو تو اس صورت میں پھلوں کا درختوں پر

---

(۱) قال اللہ تبارک و تعالیٰ : یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان الخ (سورۃ مائدۃ' پ ۷ ایۃ ۷)

(۲) فی الدر المختار' و بطل بیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم' و مالہ خطر العدم' و فی الشامیۃ (قولہ خطر العدم) کالحمل واللبن فی الضرع (وفی حاشیۃ ابن عابدین) ای وکذا التمر والزرع قبل الظھور الخ (الدر المختار مع الرد باب بیع الفاسد ۵/۵۹ ط سعید)

(۳) فی الدر المختار' ومن باع ثمرۃ بارزۃ ظھر صلاحھا اولا صح ولو برز بعضھا دون بعض لا فی ظاھر المذھب و یقطعھا المشتری فی الحال وان شرط ترکھا علی الاشجار فسد الخ (الدر المختار' مع الرد کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والشجر ۴/۵۵۴ ط سعید)

(۴) فی العالمگیریۃ' ولو اشتراھا مطلقاً وترکھا باذن البائع طاب لہ الفضل (عالمگیریۃ ' کتاب البیوع ۳/۱۰۶ ط کوئٹہ)

رہنا جائز ہو جائے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

دوسرا باب
زمین و مکان کی خرید و فروخت

اپنی زمین پر تعمیر کی خاطر پڑوسی کو بلاوجہ رقم دینا صحیح نہیں

(سوال) ایک شخص نے ایک زمین خریدی‘ پڑوس میں ایک مکان ہے جس کی دیوار میں کھڑکیاں ہیں کھڑکیاں کھلے رہتے ہوئے بیس سال کا عرصہ ہوا جس نے زمین خریدی ہے وہ مکان بنانا چاہتا ہے پڑوسی کہتا ہے کہ تم ہماری کھڑکیاں بند نہیں کر سکتے کیونکہ سرکاری قاعدہ کے موافق کوئی حق بند کرنے کا تمہیں نہیں ہے اگر بند کرنا چاہتے ہو تو ہم کو اس قدر روپیہ دو چنانچہ وہ شخص جس نے زمین خریدی ہے آپس میں طے شدہ روپیہ دیتا ہے اور کچھ لکھا پڑھی ہوتی ہے پھر صاحب زمین مکان بنا سکتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ روپیہ کس چیز کی قیمت یا بدلہ ہے اور پڑوسی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ٤) یہ معاملہ ناجائز ہے جس نے زمین خریدی ہے اسے اپنی زمین اور ملک پر مکان بنانے کا حق حاصل ہے اور پڑوسی کا روکنا ظلم ہے اور اس کے عوض میں روپیہ لینا باطل ہے۔ رجل له باب او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الى الجار ليترك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا وكذا لو كان الصلح بينهما على ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا كذافي الظهيرية (فتاویٰ عالمگیری)[2] کوہ روشندان‘ کھڑکی دریچہ کو کہتے ہیں۔
واللہ اعلم‘ محمد کفایت اللہ غفر لہ‘ سنہری مسجد‘ دہلی

دوسرے کے لئے کوئی چیز خرید کر اسپر اپنا دعویٰ کرنا

(سوال) ایک جائیداد زید و عمر کے نام خالد خریدتا ہے بعد مدت کے خالد مدعی لنفسہ بنتا ہے ثبوت یہ پیش کرتا ہے کہ میرے بہی کھاتے میں اس کا اندراج میری ملکیت میں واقع ہے قبل اس کے جائیداد کا اکثر حصہ مملوکہ و مقبوضہ زید اور عمرو کا ہے جس کو خالد تسلیم کرتا ہے بقیہ حصہ جو متنازعہ فیہ ہے اس کا ممر اور طریق بھی حصہ مسلمہ میں واقع ہے عمرو بقید حیات ہے لیکن زید انتقال کر چکا ہے زید کی زندگی میں خالد نے کوئی نزاع نہیں

---

(١) في الدرالمختار' و الحيلة ان ياخذ الشجرة معاملة على ان له جزءً من الف جزء و يستاجر الارض مدة معلومة يعلم فيها الادراك باقي الثمن و في الاشجار الموجود و يحل له البائع مايوجد (الدر المختار مع الرد مطلب فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن ٤ / ٥٥٧ ط سعيد)
(٢) (عالمگيرية' كتاب الصلح' الباب العاشر في الصلح وما يتعلق به ٤ / ٢٥٧' ط ماجديه كوئته)

گیا اور نہ اپنی ملکیت کا اظہار کیا بعد (۱) انتقال اس کی اولاد صغار باقی ہے خالد بکر یہ ان کے مکان میں سکونت رکھتا تھا اور اب اس پر قابض ہو گیا خالد کا یہ دعویٰ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۷ ۳۴۷** شیخ عطاء الرحمن ادھوڑی صدر بازار دہلی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۲۴ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۵) جب کہ جائیداد کا قبالہ[1] زید و عمر کے نام ہے اور خود ہی خالد نے ان کے نام جائیداد خریدی ہے اور وہی اس کارکن اور منتظم تھا اور زید کی زندگی میں کبھی خالد نے اس جائیداد کو اپنی ملک نہیں بتایا اور نہ اس طویل عرصہ میں اس نے اپنی ملکیت ثابت کرنے کی کوئی کارروائی کی تو اب اس کا یہ دعویٰ ناقابل سماعت ہے[2] اور بہی کھاتے کا اندراج اس بارے میں حجت نہیں کہ اس کے مقابلے میں صاف و صریح قبالہ زید و عمر کے نام کا موجود ہے جو خود خالد کا کرایا ہوا ہے[3] نیز بہی کھاتہ اپنے فائدہ کے لئے حجت نہیں۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیع میں دھوکہ کا ازالہ

(سوال) زید نے جو شرع محمدی کا پابند مسلمان ہے بکر مسلمان کے ہاتھ ایک قطعہ اراضی سکنی برائے تعمیر مکان فروخت کی اور بکر مذکور کو قبالہ بیع نامہ میں تحریر کر دیا کہ غرب پلاٹ ہذا کی طرف دیوار سراسر اٹھا کر لے جانے کا حق ہوگا اور خریدار قطعہ دیگر کو جو بالکل قطعہ مذکور کے متصل ہے اور جس کی دو عدد کھڑکیاں اور دو عدد روشن دان بطرف پلاٹ بکر کھلتی تھیں تیغہ[5] کرا دیں اور بند کرا دیں اور قبالہ میں بھی تحریر کر دی کہ خریدار کو دیوار سراسر اٹھا کر لے جانے کا حق ہے اور خریدار متصل مکان کو روکنے کا مجاز نہ ہوگا جس کا قبالہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء کو ہوا لیکن ۷ امارچ ۱۹۳۶ء کو متصل مکان کے خریدار کو جس کا بکر کو کچھ علم نہیں تھا قبالہ میں لکھ دیا کہ دو عدد روشن دان اور دو عدد کھڑکیاں ہیں جن کی پیمائش وغیرہ بھی لکھ دی اور بعد میں خریدار نے تیغہ بھی کھلوا دیا جس سے بکر کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی اور بعض ضروریات مثلاً باورچی خانہ و غسل خانہ و حجرہ باذینہ وغیرہ کی تکمیل نہ ہونے کی وجہ سے سخت نقصان بکر کو ہو رہا ہے اور حکم امتناعی دیوانی ہوا ہے اور دیوانی مقدمہ چل رہا ہے۔ **المستفتی نمبر ۲۰۹۴** محمد عالمگیر خاں صاحب کشمیری گیٹ دہلی ۴ شوال ۱۳۵۶ھ ۸ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۶) زید کا یہ فعل کہ اس نے بکر کو یہ لکھ دیا کہ سراسر دیوار لے جانے کا حق ہے اور پاس والے خریدار کو یہ لکھ دیا کہ اس کی کھڑکیاں اور روشن دان قائم ہیں معاملہ کے خلاف اور ایک قسم کی تلبیس ہے اور اس سے

---

(۱) قبالہ: بیع نامہ وہ کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو۔ (فیروز اللغات ص ۹۴۷)

(۲) واما شروط صحة الدعوى عدم التناقض في الدعوى الا في النسب والحرية وهو ان لا يسبق منه ما يناقض دعواه (عالمگيرية كتاب الدعوى ۴ / ۲ ط ماجديه كوئته)

(۳) لان الصريح يفوق الدلالة اعني العرف (رد المحتار مع الدر كتاب النكاح باب المهر ۳ / ۱۴۲)

(۴) ذكر في الخانية والاسعاف ادعى على رجل في يده ضيعة انها وقف واحضر صكا فيه خطوط الدول والقاضين وطلب القاضي القضاء بذلك الصك. قالوا ليس للقاضي ذالك الى قوله لان الخط تشبه الخط (رد المحتار مع الدر كتاب الوقف مطلب احضر صكا فيه خطوط العدول ۴ / ۴۱۳ ط سعيد)

(۵) تیغہ: ... (فیروز اللغات)

بکر کو جو نقصان پہنچا اس کی من وجہ ذمہ داری زید پر عائد ہوتی ہے اور اس کا فرض ہے کہ اپنے قول کے موافق بکر کی دیوار کو پوری اونچائی تک پہنچانے کی ذمہ داری خود قبول کرے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تیسرا باب
حق شفعہ

(۱) مسجد کی زمین پر شفعہ کا دعویٰ
(۲) مسجد کے لئے خریدی گئی زمین پر شفعہ کے دعوے کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص نے سفید زمین متصل مسجد و حجرہ مسجد کو بیع کر کے دی تھی رقم بعض حضرات نے جو متولیان مسجد ہیں دیکر خریدی تھی اب بعض شفعہ داران شفعہ کا تقاضا کیا ہے چونکہ تحریر اسٹامپ میں وہ بیع قطعی حق مسجد لکھ دی گئی ہے اور وہ سفید زمین مسجد کی بیع کے ماتحت وقف میں داخل کر دی گئی ہے کیا صورت مذکورہ شفعہ دار شفعہ کر سکتا ہے؟
(۲) ایک مکان جس پر مسجد کا شفعہ تھا اور متولیان مسجد اس مکان کو مسجد کے لئے لینا چاہتے تھے مگر ایک شخص نے وہ مکان خرید کیا بعد خرید کرنے کے مسجد کا شفعہ کیا گیا جس پر اس شخص نے کہا کہ میں پچھ حصہ اس مکان کا مسجد کو دیدوں گا اس وعدہ پر متولیان مسجد خاموش ہو گئے اور بعض متولیان ناراض ہو گئے مگر بعد میں اس شخص وعدہ کنندہ نے مسجد کو کوئی حصہ نہ دیا اس حالت میں اس مکان پر مسجد کے متولیان دعوائے شفعہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ عرصہ قریباً پانچ سال گزر چکا ہے۔ المستفتی نمبر ۸۰۳ شیخ عبدالرشید (ملتان) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۷) (۱) اس صورت میں شفیع اس زمین کو حق شفعہ لے سکتا ہے۔[1]
(۲) مسجد کے لئے حق شفعہ نہیں ہوتا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

حق شفعہ بیع مکمل ہونے کے بعد ثابت ہوتا ہے

(اخبار الجمعیۃ سہ روزہ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید نے اپنے مملوکہ مکان کو آٹھ سو روپے میں بکر مشتری کے ہاتھ فروخت کرنا طے کر کے خالد شفیع کو ایک تحریر مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۵ء کو دی کہ میں بکر مشتری کو بقیمت مذکورہ اپنا مکان فروخت کر رہا

---

(۱) فی الدر : و سببها اتصال ملک الشفیع بالمشتری بشرکۃ او جوار (الدر مع الرد ۶ / ۲۱۷ ط س)
(۲) فی الدر : ولا شفعۃ فی الوقف ولا بجوارہ (وفی الشامیۃ) مالا یجوز بیعہ من العقار کالاوقاف لا شفعۃ فی شیء من ذالک (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعۃ ۶ / ۲۲۳)

ہوں۔ چونکہ آپ شفیع ہیں اس لئے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ بوجہ حق شفعہ اگر آپ مکان مذکور بقیمت طے شدہ متذکرہ لینا چاہیں تو مجھے جلد اطلاع دیں ورنہ ۲۹ ستمبر سنہ مذکورہ کو میں بیع نامہ کی تکمیل عدالت سے کرادوں گا اور یہ تحریر خود بائع نے شفیع کو دی تاریخ مقررہ یعنی ۲۹ ستمبر تک کوئی اطلاع شفیع نے تحریری دی نہ زبانی۔ ۲۹ ستمبر کو بیع یعنی ایجاب و قبول مکمل ہو چکا مگر رجسٹری کی تکمیل نہ ہوئی۔ پھر شفیع نے بائع سے ۵ اکتوبر کو مل کر کہا کہ میرے ساتھ بوجہ حق ملاقات و ہمسائیگی میرے اور میرے والد مرحوم کے کچھ قیمت میں کمی کر دیجئے بائع نے کہا کہ خیر صحیح ہے نقصان کو آپ کی خاطر برداشت کرتا ہوں معاملہ میں آپ کے نام بکر مشتری کو راضی کر کے رجسٹری کرادوں گا لیکن آج چار بجے تک آپ اس کا جواب دیں ورنہ کل رجسٹری بکر کے نام کرادوں گا ۶ اکتوبر کو تعطیل تھی ۷ اکتوبر کو عدالت سے رجسٹری کرادی گئی اور منجانب خالد کے کوئی تحریری جواب یا زبانی بائع یا مشتری کو نہ ملا اب سوال یہ ہے کہ شفیع کا حق شفعہ باطل ہوا یا نہیں اور اگر شفیع ۸ اکتوبر کو ۸ بجے صبح طلب مواثبت و اشہاد کرے تو وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ جونہ بقدر علم بیع کیا گیا ہو نہ باتحاد مجلس؟

(جواب ۸) حق شفعہ کا ثبوت وغیرہ مدار مشفوعہ کی بیع سے ہوتا ہے[1] قبل بیع اگر شفیع خاموش رہے یا انکار بھی کردے تاہم وقوع بیع کے وقت اس کو مطالبہ حق شفعہ کا اختیار ہوتا ہے[2] اس لئے ۲۹ ستمبر سے پہلے کی تمام کارروائی یعنی بائع کا خالد شفیع کو تحریری اطلاع ارادہ بیع کی دینا اور خالد کا سکوت کرنا کالعدم ہے[3] ۲۹ ستمبر کو معاملہ بیع مکمل ہو چکا مگر خالد کو اس کی خبر ہونا سوال میں مذکور نہیں ۵ اکتوبر کو جو گفتگو زید بائع اور خالد شفیع کی مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خالد کو ابھی تک بیع ہو چکنے کا علم نہ تھا اس لئے وہ زید سے بواسطہ حق ہمسائیگی تخفیف ثمن کی درخواست کرتا ہے اور زید کے کلام میں بھی کوئی ایسے لفظ نہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ اس نے بیع ہو چکنے کی اسکو خبر کی ہو بلکہ اس نے یہ کہا کہ ہاں میں پچاس روپے کم کر کے بکر کو راضی کر کے (چونکہ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں اس لئے اس کو راضی کرنے کی ضرورت ہے) تمہارے نام معاملہ میں رجسٹری کرادوں گا۔ اس سے خالد یہ سمجھا ہوگا کہ بیع ابھی تک واقع نہیں ہوئی پھر ۸ اکتوبر تک جو اس نے جواب نہیں دیا اس سے حق شفعہ ثابت ہونے میں نقصان نہیں آتا ممکن ہے کہ اس کو ۸ اکتوبر کو ہی اطلاع ہوئی ہو کہ معاملہ بیع مکمل ہو گیا اور اس نے بفور علم طلب مواثبت کی ہو بہر حال اگر شفیع کو بیع واقع ہو چکنے کی اطلاع ہوئی ہو اور اس نے طلب مواثبت و طلب اشہاد نہ کی ہو تو حق شفعہ باطل ہو گیا[4] واقعات مذکورہ سوال سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور ارادہ بیع کی اطلاع ہونے اور شفعہ طلب نہ کرنے سے حق

---

(۱) تجب بعد البیع ولو فاسدا انقطع فیہ حق المالک کما یاتی (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعہ ۶: ۲۱۹ س)

(۲ - ۳) اسقط الشفیع قبل الشفعۃ الشراء ولم یصح لفقد شرطہ وھو البیع وان وجد السبب وھو اتصال ملک الشفیع بالمشتری لانہ لا یکون سببا الا عند وجود الشرط (رد المحتار مع الدر کتاب الشفعۃ ۶: ۲۴ ط سعید)

(٤) وھذا الطلب لا بدمنہ حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول و لم یشھد بطلت شفعتہ (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعۃ ۶: ۲۲۶ ط سعید)

شفعہ ساقط نہیں ہوتا[1] واللہ اعلم 'محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ 'دہلی

(۱) مسجد کی زمین پر شفعہ کا دعویٰ
(۲) مسجد کے لئے شفعہ کے دعوے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ یکم اپریل ۱۹۳۶ء)

(سوال) (۱) متولیان مسجد نے مسجد سے متصل ایک زمین مسجد کے واسطے خریدی ہے۔ اب ایک شفعہ دار نے شفعہ کا تقاضا کیا ہے۔ چونکہ اسٹامپ کاغذ میں وہ بیع قطعی بحق مسجد لکھ دی گئی ہے اور بعد خریداری وقف میں داخل ہوگئی ہے ایسی صورت میں کیا شفعہ دار اس زمین کو لے سکتا ہے؟

(۲) ایک مکان مسجد کے متصل تھا مسجد والے اس کو خریدنا چاہتے تھے مگر ایک شخص نے اس کو خرید لیا اور وعدہ کیا کہ میں کچھ حصہ اس میں سے مسجد کو دیدوں گا پھر وہ وعدہ سے پھر گیا کیا اہل مسجد اس کو شفعے میں لے سکتے ہیں؟

(جواب ۹) (۱) اس صورت میں شفیع اس زمین کو بحق شفعہ لے سکتا ہے[2]

(۲) مسجد کے لئے حق شفعہ نہیں ہوتا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) وبتاخیرہ مطلقا بعذر او بغیرہ شہرا او اکثر لا تبطل الشفعة حتی یسقطها بلسانه (ایضاً ۶/ ۲۲۶)

(۲) وسببها اتصال ملک الشفیع بالمشتری بشرکة او جوار (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعة ۶/ ۲۱۷ ط س)

(۳) و لاشفعة فی الوقف ولا بجواره (الدر المختار مع الرد کتاب الشفعة ۶/ ۲۲۳) واضح رہے کہ یہی سوال وجواب بعینہ پہلے گزر چکے ہیں۔

چوتھا باب
نباتات کی خرید و فروخت

کلیاں نکلنے سے پہلے پھولوں کی خرید و فروخت

(سوال) باغ متعلقہ مسجد میں مختلف پھولوں کے پودے ہیں جن کو ہمیشہ پھولوں کی فصل میں مالی خرید لیا کرتے تھے جن سے مسجد میں سالانہ چھ سات روپے کی آمدنی ہو جاتی تھی لیکن جب سے یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ شئ معدوم کی بیع ناجائز ہے اس وقت سے یہ کیا جانے لگا کہ پھول آنے پر توڑ کر روزانہ فروخت ہونے لگے اس صورت میں فقط ایک دو روپے کی آمدنی ہوتی ہے اس میں مسجد کا نقصان ہے اگر ابتدائے فصل میں جب کہ پھولوں کی فصل شروع ہو تو پوری فصل کے لئے پھولوں کی بیع شرعاً ہو سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ١٦ محمد عبدالمجید خاں مرو (؟) ٨ ربیع الثانی ١٣٥٢ھ مطابق یکم اگست ١٩٣٣ء

(جواب ١٠) پھولوں کی بیع تو فصل شروع ہونے کے بعد بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ ایک دم کلیاں ظاہر نہیں ہوتیں بلکہ رفتہ رفتہ آتی ہیں تو بہر حال بیع معدوم لازم آئے گی[1] ہاں اس باغ کی زمین و اجارہ پر دی جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں پودوں سے انتفاع کی اجازت ہو سکتی ہے اور مالی روزانہ پھول توڑ کر فروخت کر سکتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کھڑے درختوں کی لکڑیاں بیچنا

(سوال) زید نے عمرو کے ہاتھ پچاس چھٹے لکڑی سوختنی کے اپنے جنگل سے اس شرط پر فروخت کئے کہ جو عمارتی لکڑی شیشم وغیرہ ہو وہ نہ کاٹے اور کوئی قسم کروندہ ڈھاک وغیرہ وہ دیوہ[3] کرے۔ صورت حال یہ ہے کہ جو ڈھاک کے دوسری لکڑی کروندہ بیری روانی وغیرہ وہ پختہ شمار کی جاتی ہے اور ڈھاک کی لکڑی کم درجہ کی شمار ہوتی ہے ڈھاک کی لکڑی شامل کرنے سے قیمت اور ہوتی ہے اور علاوہ ڈھاک کے دوسری قسم کی پختہ لکڑی کی قیمت اور ہوتی ہے اب عمرو نے زید سے خصوصی تعلقات کی بناء پر یہ چاہا کہ چونکہ میں کاروبار کروں گا ممکن ہے کہ ڈھاک کی قیمت اچھی نہ ہو اس لئے مجھ کو ڈھاک کی لکڑی سے مستثنیٰ کیا جائے اور مجھ کو اختیار دیا جائے کہ میں ڈھاک کی لکڑی چھوڑ دوں دوسری پختہ لکڑی کاٹ لوں۔ زید نے یہ سمجھ کر کہ ان کو پر ... چھ

---

(١) وبيع ما ليس في ملكه لبطلان بيع المعدوم وما له خطر العدم (الدر المختار مع الرد، كتاب البيوع، باب بيع الفاسد ٥/٥٨ ط. سعيد)

(٢) فالمشتري إما أن يكون مما يوجد شيئا فشيئا فقد وجد بعضه أو لم يوجد منه شيء ... يشتري الأصول بعض الثمر ... ويستأجر الأرض مدة معلومة ... في الثمر لئلا ... البائع بالقلع قبل خروج الباقي أو قبل الإدراك (رد المحتار مع الدر، باب بيع الفاسد ٤/٥٥٧ ط سعيد)

(٣) ... فيروز اللغات

نقصان رہا ہے اس شرط پر اجازت دیدی کہ وہ خود کاروبار کریں اب عمرو نے اپنی ضرورت سے کچھ منافع لے کر وہ بچاس بچے فروخت کر دیئے اور وہی رعایت جو زید نے عمرو کے ساتھ کر دی تھی وہ ان کے ساتھ بھی کرانا چاہتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ رعایت مخصوص آپ کے ساتھ بشرط کاروبار تھی۔ جب آپ نے کاروبار نہیں کیا تو دوسرا شخص جس کے ہاتھ آپ نے فروخت کئے ہیں اس رعایت کا مستحق نہیں ہے۔ عمرو یہ کہتا ہے کہ جب آپ نے مجھ کو یہ اجازت دیدی تھی خواہ آپ کی نیت کچھ ہو اب آپ کو اس دوسرے خریدار سے یہ لینے کا حق نہیں کہ تم لکڑی ڈھاک کی بھی ضرور دو رو کر دیا قیمت میں اضافہ کرو۔ متعارف یہ ہے کہ شمویت ڈھاک قیمت چند مثلاً بیس روپے ہوتی ہے اور ڈھاک کو چھوڑ کر تیس روپے ہوتی ہے اب اگر زید اس خریدار سے قیمت میں اضافہ کرے تو عند الشرع جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی سید ظفریاب حسین ضلع بجنور ۲۱ جمادی الاولی ۱۳۶۶ھ

(جواب ۱۱) کھڑے درختوں کی لکڑی کی یہ بیع وشرا ہی شرعاً جائز نہیں کیوں کہ اس میں مبیع موجود نہیں یعنی صورت مبیعہ کے ساتھ اس کا وجود نہیں[1] پس زید کو حق ہے کہ وہ اس کے معاملہ کو فسخ کر دے[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

پانچواں باب
نیلام

نیلام میں ایسی شرط لگانا جس میں بائع کا فائدہ ہو

(سوال) زید نے بکر کے ہاتھ نیلام میں ایک قطعہ اراضی مبلغ آٹھ ہزار روپے کی فروخت کی اور اشتہار میں یہ شرط تھی کہ اگر ۱۵ یوم میں رجسٹری نہ کرائی تو بیعانہ ضبط اور اس کی ذمہ داری پر دوبارہ نیلام کر دیا جائے گا چنانچہ بکر نے اس نیلام کی شرط پر عمل نہیں کیا۔ اور اس کی زندگی میں ہی زید نے بکر کو نوٹس دیدیا کہ تمہارا بیع نامہ اشتہار نیلام کی شرائط کے مطابق ضبط کر لیا گیا اور تمہاری ذمہ داری پر دوبارہ نیلام ہو گا اس نے تا زیست رجسٹری نہیں کرائی اور پھر وہ فوت ہو گیا اب اس کے ورثا طلب کرتے ہیں کہ بیعانہ ایک ہزار واپس دو از روئے شرع شریف وہ اس کے حق دار ہیں یا نہیں ؟ جو نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہو گا ؟ دوبارہ نیلام زید کے انتقال کے بعد ہوا ہے المستفتی نمبر ۸۸۵ حاجی محمد اسحٰق بازار ہندو راؤ دہلی محرم ۱۳۵۵ھ ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۲) نیلام (بیع من یزید) بھی بیع کی ایک قسم ہے جو شرعاً جائز اور معتبر ہے[3] مگر جو شرط

---

(۱) البطلان بیع المعدوم وفي الشامية الاصل شرط المعقود عليه ان يكون موجودا مالا متقوما وان يكون ملك البائع فيما يبيع لنفسه وان يكون مقدور التسليم (الدر المختار مع الرد باب بيع الفاسد ۵ / ۵۸ ط. سعيد) (۲) ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض (الدر المختار مع الرد باب بيع الفاسد ۵ / ۹۰ ط. س) (۳) وفي الدر لا يكره بيع من يزيد لما مر و يسمى بيع الدلالة (الدر المختار مع الرد كتاب البيوع باب بيع الفاسد ۵ / ۱۰۲ ط. سعيد)

فاسدہ ہے۔ بیع کو فاسد کرتے ہیں وہ اس بیع کو بھی فاسد کریں گے مثلاً یہ شرط کہ اگر میعاد معین پر ثمن ادا کر کے رجسٹری نہ کرائی گئی تو بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا۔ ایک شرط فاسد مفسد عقد ہے اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی[۱] اور بیع فاسد کا فسخ کرنا متعاقدین کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے اور بیعانہ کی واپسی بائع کے ذمہ واجب ہے[۲] اسے ضبط کرنے کا حق نہیں[۳] دوبارہ نیلام میں کمی قیمت کا خسارہ بھی بائع کے ذمہ ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

گائے خرید کر قبضہ میں آنے سے پہلے آگے بیچنا یا وقف کرنا

(سوال) عرفہ کے روز شام کے وقت ایک شخص مسمی عبدالعزیز نے اپنی طرف سے اور اپنے شرکاء کی جانب سے ایک گائے قربانی کے واسطے خریدی اور ایک روپیہ بیعانہ دے کر کہا کہ کل یہ گائے ہمارے مکان پر پہنچا دو چنانچہ قصائی کل کو گائے ان کے مکان پر پہنچانے چلے راستے میں ان سے چھوٹ کر ایک متمول ہندو کے اصطبل میں گھس گئی۔ وہاں سے نکال کر لے چلے تو آگے جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی قصائیوں نے اس کو اٹھا کر لے جانا چاہا مگر ہندوؤں نے نہیں لے جانے دیا بہت سے ہندو جمع ہو گئے آخر اطلاع پانے پر اہل کار پولیس اس گائے کو تھانہ لے گئے۔ بارہویں شب ذی الحجہ کو وہ گائے بہ سبب اندیشہ فتنہ و فساد (بلوہ) یا بحکم صاحب کلکٹر بہادر چند سر برآوردہ مسلمانوں کو اس شرط سے دی گئی کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کی جائے۔ بعد کئی روز کے ان چند مسلمانوں نے جن کے گائے سپرد تھی بایمائے حکام ایک جلسہ منعقد کر کے مسمی عبدالعزیز جو منجملہ شرکا کا ایک حصہ دار تھا یہ کہا کہ وہ گائے ہم نے تم کو دی جو ہماری سپردگی میں ہے اس نے کہا کہ میں نے مدرسے میں وقف کی اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس گائے کا نیلام انہیں چند سربرآوردہ مسلمانوں نے شروع کر دیا۔ آخر مبلغ دو سو روپے میں وہ گائے ایک مسلمان نے خرید لی اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ :

(۱) بیع اول جو قصائیوں سے ہوئی شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں ؟

(۲) ایام قربانی میں ان چند مسلمانوں کو ایسی شرط جائز تھی یا نہیں کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کریں گے۔

(۳) وقف کا جانور اگر ایک مکان میں بند ہو اور ایک شریک یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کر دیا اور مدرسہ والوں نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ اس کو دیکھا تک نہ ہو اس صورت میں وقف ثابت ہو گیا نہیں اور اس کا نیلام درست ہو گیا نہیں ؟

(۴) درصورت عدم جواز نیلام گائے کے مستحق کون لوگ ہیں ؟

---

(۱) فی التنویر : و بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه و فیه نفع لاحد هما الخ (الدر المختار کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/۸۵ ط سعید)

(۲) ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض (الدر المختار باب بیع الفاسد ۵/۹۰ ط سعید)

(۳) نهی عن العربان ان یقدم الیه شیء من الثمن فان اشتری حسب من الثمن والا فهو له مجانا و فیه المعنی المیسر (حجة الله البالغة مبحث البیوع المنهی عنها ۲/۳۲۲ ط آرام باغ)

(۵) اگر مشتری نیلام اس گائے کو ہندوؤں کو دیدے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟
(جواب ۱۳) (۱) صورت مسئولہ میں وہ بیع جو کہ قصائیوں سے ہوئی وہ منعقد ہوگئی لیکن چونکہ مشتریوں نے مبیع پر قبضہ نہ کیا تھا اس لئے مبیع ان کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی اور جب تک کہ قصائی مبیع کو مشتریوں کے قبضے میں نہ دیدیں مبیع کے ہر نفع نقصان کے ذمہ دار ہیں[1]
(۲) اس شرط میں چونکہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور ایک شعار مذہبی پر صدمہ پہنچتا ہے اس لئے یہ شرط ناجائز تھی۔[2]
(۳) یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ واقف تمام گائے کا مالک نہیں اور وقف بدون ملک صحیح نہیں ہوگا۔[3]
(۴) ابھی تک گائے کے مستحق قصائی ہیں کیونکہ وہ انہیں کے ضمان میں ہے اور نیلام صحیح نہیں ہوا کیونکہ مالکوں کی رضامندی سے نہیں ہوا ہے۔[4]
(۵) مشتری نیلام کی خریداری ہی صحیح نہیں ہے[5] اور ہندوؤں کو دیدینا تو خریداری صحیح ہونے کی صورت میں بھی ناجائز تھا۔ کیونکہ اس میں ایک اسلامی حکم کی ہتک اور بے عزتی ہوتی ہے[6] واللہ اعلم۔

چھٹا باب
خیار شرط

بیع مکمل ہونے کے بعد بائع کو ایک سال تک واپس لینے کا اختیار دینا اور اس دوران مشتری کا مبیع سے فائدہ اٹھانا۔

(سوال) زید مکانات کی شرا اس طور پر کرتا ہے کہ کسی ضرورت مند سے اس کا مکان بازاری قیمت سے کم قیمت پر خرید کرتا ہے اور تکمیل بیع کے بعد بائع سے زبانی یا تحریری وعدہ کرتا ہے کہ اگر مثلاً تاریخ بیع سے ایک سال کے اندر اندر تم اپنا مکان واپس لو گے تو بذریعہ بیع اسی قیمت پر میں تم کو واپس کردوں گا۔ جس قیمت

---

(۱) ولا یصح اتفاقا بیع منقول قبل قبضہ (التنویر الابصار کتاب البیوع ۵/ ۱۴۷ ط، سعید)
(۲) یا ایہا الذین آمنو لا تحلو اشعائر اللہ (پ ۶' سورۃ مائدۃ ۶)
(۳) وفی شرح التنویر' لا یتم الوقف حتی یقبض و یفرز' فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للشافعی و یجعل آخرہ لجہة قربة لا تنقطع (الدر المختار' کتاب الوقف ۴/ ۳۴۸)
(۴) کل تصرف صدر منہ تملیکا ولہ مجیز ای لہذا التصرف من یقدر علیٰ اجازۃ حال وقوعہ انعقد موقوفا وفی رد المحتار' ای علیٰ اجازۃ من یملک ذالک العقد (الدر المختار' مع الرد باب بیع الفاسد فصل فی الفضولی ۵/ ۱۰۷ ط، سعید)
(۵) لا یصح اتفاقا ککتابة واجارۃ و بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ کما سیجئ (التنویر الابصار مع الدر المختار باب المرابحۃ والتولیۃ ۵/ ۱۴۷ ط سعید)
(۶) یا ایہا الذین آمنو لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام (پ ۶' سورۃ مائدۃ ۲)

بیچتی نے تم سے خرید کیا ہے۔ البتہ اس مصارف کے بقدر زر ثمن میں اضافہ کروں گا جو مرمت مکان وغیرہ میں خرچ پڑا ہوگا اور بعد گزرنے ایک سال کے میں اس معاہدے کی پابندی کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ جانبین کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ایک کو روپیہ حاصل ہو جائے اور دوسرے کو بالعوض روپیہ دینے کے میعاد معاہدہ کے اندر سے نفع اٹھانا حلال ہو جائے .... زید بموجب عبارت ذیل اس پر مطمئن ہے کہ یہ معاملہ جائز ہے وان ذکر االبیع من غیر شرط ثم ذکراالشرط علی وجه المواعدة جاز البیع و یلزم الوفاء بالوعد کذافی فتاوی قاضی خان (عالمگیری جلد ثالث الباب العشرون فی البیاعات المکروهة)[1] لہذا دریافت طلب بات یہ ہے کہ :

(۱) کیا یہ بیع جائز ہے (۲) زمانہ معاہدہ میں کرایہ مکان سے انتفاع زید کے لئے جائز اور حلال ہے یا نہیں (۳) بوقت واپسی مکان کیا زید پر شرعاً یہ بھی لازم ہے کہ زمانہ معاہدہ کا قبل از واپسی مکان وصول شدہ کرایہ بھی واپس کرے۔ (۴) عقد مذکورہ بالا مستوجب مواخذہ اخروی ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۲۲۰۱ محمد زبیر (بھوپال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱٤) بیع پہلے اگر قطعی بلاشرط کردی جائے اس کے بعد فریقین باہمی رضامندی سے یہ معاہدہ کریں تو جائز ہے اور عبارت منقولہ میں یہی صورت مراد ہے اور اس صورت میں وفاء عہد لازم اور مدت معاہدہ کا کرایہ مشتری کے لئے حلال ہے واپسی بیع کے وقت کرایہ کی واپسی لازم نہیں۔[2]

لیکن جب کہ پہلے سے فریقین میں یہ بات طے ہو جائے کہ بیع نامہ کے بعد ایک اقرار نامہ واپسی کا لکھنا ہوگا تو یہ صورت پہلی صورت سے مختلف ہے اس میں اگرچہ قضاءً بیع جائز رکھی جائے گی کیونکہ بیع نامہ میں شرط مذکور نہ ہوگی مگر دیانۃً یہ بیع شرط بیع فاسد ہی ہوگی اور دونوں آخرت کے مواخذہ دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مقررہ مدت پر ثمن ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کو ضبط کرنے کی شرط لگانا

(سوال) معروض آنکہ در دیار سندھ مردمان شریف ووضیع علی العموم بایں امر مبتلی می باشند کہ از سرکار انگلیزیہ زمین خرید می کنند بایں نوع مثلاً صد جریب فی جریب شش صد روپیہ کہ جملگی قیمتش شش ہزار شد ازاں دہم حصہ کہ مبلغ شش صد روپیہ شد در وقت خریدن زمین سرکار می دہند و زمین بقبضہ خود می کنند و مثل مالکان دراں زراعت می کاشتند و آں چہ باقی بعد از ادائیگی شش صد ماندہ سرکار براں ربا بستہ در دہ اقساط از خریداراں وصول می کند اگر خریدار دراقساط مقررہ یا پیش ازاں مبلغ ادا کردہ فبہا وزمین او شاں شد الازمین از کاتہ خریدار

---

(۱) (۳/ ۲۰۹ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) وفی النسفیة سئل عمن باع دارہ من آخر بثمن معلوم بیع الوفا و تقابضا ثم استاجرها من المشتری مع شرائط صحة الاجارة و قبضہا و مضت المدة هل یلزمه الاجر قال لا کذافی التتارخانیه (عالمگیریة ۳/ ۲۰۹ ط کوئٹہ)

ضبط کردہ سرکاری می کنند و آنچہ دادہ جملہ رائگاں می رود لہذا خریدار بذمہ خود ایں قرض واجب الاداء می شمرد چرا کہ در صورت عدم ادائیگی آنچہ از وہم حصہ و اقساط دادہ ہست جملہ تلف می رود زمین ہم باز سرکاری می شود۔

المستفتی نمبر ۲۲۷۳ مولوی محمد صدیق صاحب (کراچی) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) گزارش ہے کہ ملک سندھ میں عام طور پر خواص و عوام سرکار سے بایں طریقہ زمین خریدتے ہیں کہ مثلاً ایک سو جریب چھ سو روپے کے نرخ سے خریدی اس کی مجموعی قیمت چھ ہزار روپے ہوئی کل قیمت کا دسواں حصہ تو خرید کے وقت ادا کر دیتے ہیں اور زمین پر قبضہ کر کے کاشت شروع کر دیتے ہیں پھر پہلی قسط (چھ سو روپے) ادا کرنے کے بعد جو باقی رہتا ہے سرکار اس پر سود لگا کر دس قسطوں میں وصول کرتی ہے اگر خریدار دس قسطیں مع سود میعاد مقررہ میں یا اس سے پہلے ادا کر دیتا ہے تو زمین کا کلیتہً مالک ہو جاتا ہے ورنہ زمین کو سرکار ضبط کر لیتی ہے اور جس قدر رقم خریدار ادا کر چکا ہے وہ بھی رائیگاں جاتی ہے لہذا خریدار اس قرضے کو بہر صورت ادا کرتا ہے کیونکہ عدم ادائیگی کی صورت میں جتنی رقم وہ ادا کر چکا ہے وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے اور زمین بھی ضبط بحق سرکار ہوتی ہے۔

(جواب ۱۵) ایں بیع کہ درمیان سرکار و خریدار منعقد می شود بریں منعقد می گردد کہ خریدار حصہ دہم از قیمت معینہ فی الفور ادا بکند و باقی $\frac{9}{10}$ بدہ اقساط ادا کند و بریں دہ اقساط ربا ہم بر وا لازم گردد ایں لزوم ربا از حیز معاملہ بیع خارج است ازیں جہت نفس معاملہ بیع صحیح است و ادائیگی ربا ناجائز و قرض سرکار ثمن مؤجل واجب الادا ہست و شرط ضبطی رقوم ادا شدہ بصورت تخلف از شروط فاسدہ ہست پس ایں معاملہ بہیئت مجموعی کذائی معاملہ بیع فاسد می شود کہ بعد از قبضہ و تصرف مشتری در ملک مشتری داخل می شود' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(ترجمہ) یہ بیع جو سرکار اور خریدار کے درمیان واقع ہوتی ہے اس طرح منعقد ہو جاتی ہے کہ خریدار قیمت معینہ کا دسواں حصہ فی الفور ادا کر دے اور باقی $\frac{9}{10}$ کو دس قسطوں میں ادا کرے ان باقی دس قسطوں پر اس کے ذمہ جو سود لگایا جاتا ہے یہ سود کا لگایا جانا معاملہ بیع کے حدود سے خارج ہے[1] اس بناء پر نفس معاملہ بیع صحیح ہے اور سود کا دینا ناجائز اور سرکار کا قرضہ جو خریدار کے ذمہ ہے وہ ثمن ہے مؤجل واجب الادا۔ اور نادہندگی کی صورت میں زمین کے ضبط کر لینے کی شرط شروط فاسدہ میں سے ہے[2] پس یہ معاملہ متذکرہ ہیئت مجموعی کے ساتھ بیع فاسد کا معاملہ ہے جس میں خریدی ہوئی چیز قبضہ و تصرف کے بعد مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ولا یصح بیع بشرط لایقتضیه العقد ولا یلائمه و فیه نفع لاحد هما (تنویر الابصار مع الدر المختار' کتاب البیوع ۵/ ۸٤ ط سعید)

(۲) فی الدر: لا باخذ مال فی المذهب بحر' و فیه عن البزازیة' و قیل یجوز و معناه ان یمسکه مدة لینزجر ثم یعیده له فان ایس من توبته صرفه الی ما یری وفی المجتبی انه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ (الدر المختار مطلب التعزیر بالمال ٤/ ٦١ ط سعید)

(۳) فی ردالمحتار: وایضا حکم بیع الفاسد یفید الملك بالقبض (رد المحتار' کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/ ٤٩ ط سعید)

ساتواں باب
خیار عیب

خود بنائے ہوئے زعفران کے ساتھ اصل زعفران ملا کر اعلیٰ قسم کا کہہ کر بیچنا

(سوال) زید زعفران بناتا ہے رنگ مزہ اور طبی فوائد کے لحاظ سے اس میں بھی وہی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے زبان پر گھلنے اور رنگ دینے کی وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اصل زعفران کی کیفیت ہے غرضکہ اصلی زعفران سے بھی بہتر ہو جاتا ہے مگر فروختگی کے وقت زید اس کی تصریح نہیں کرتا کہ یہ بنا ہوا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ اعلیٰ قسم کا بہترین زعفران ہے دکاندار اس کو اعلیٰ ہی قسم کے دام پر خریدتے ہیں استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا ایسی حالت میں کہ زید اصلی یا نقلی ہونے کی تصریح نہ کرے اور شئ معلوم اصلی سے کسی حالت میں کم بھی نہ ہو بلکہ صنعت کا ایک بہترین نمونہ ہے اور اصلی سے بھی بعض لحاظ سے بہتر ہے تو کیا اس طریقے پر اس کی بیع و شرا جائز ہے؟ اور اس کا بنانے والا گناہ گار ہے یا نہیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس کو نقلی کر کے ہی بیچا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر مذکورہ کے ساتھ اصلی مخلوط ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں کیا اصلی کا زائد ہونا بھی ضروری ہوگا تاکہ یہ صورت اس صورت کی طرح ہو جائے جیسا کہ فضہ کے ساتھ غیر فضہ مخلوط ہو اور فضہ غالب ہو تو فقہا اس کو فضہ ہی کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۹۰۵ جامعہ حسینیہ (راندیر) ۸ صفر ۱۳۵۵ھ ۳۰ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶) زعفران بنانا فی حد ذاتہ جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ تصریح کر دینی لازم ہے کہ یہ زعفران مصنوعی یا نقلی ہے بغیر تصریح کے فروخت کرنا گناہ ہے اور دھوکا ہے کیونکہ اس صورت میں کہ مصنوعی زعفران میں اصلی زعفران بالکل نہ ہو زعفران کے نام سے فروخت کرنا کھلا ہوا دھوکا ہے اور جب کہ اصلی زعفران بھی ملا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی غیر خالص کی تصریح کرنی ضروری ہے[1] الا اس صورت میں کہ غیر زعفران کی آمیزش اس درجہ کم ہو کہ عرفاً اس کو غیر معتبر قرار دیا جاتا ہو اور اتنی آمیزش سے اصلی زعفران غالب حالات میں خالی نہ ہوتا ہو۔

غالب الفضة فضة کا قاعدہ صحیح ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مشتری خالص چاندی مانگے تو ایسی چاندی جس میں فی تولہ آٹھ ماشے چاندی اور چار ماشے کھوٹ ہو اسے دیدے اور یہ سمجھے کہ میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا اور غش نہیں کیا بیع میں بائع کا فرض یہ ہے کہ مبیع کی اصلی حالت اور معائب سے مشتری کو مطلع کردے جب کہ عارضی اوصاف جو مبیع میں عیب پیدا کرتے ہیں ظاہر کرنا ضروری ہے تو ایسی

---

(۱) لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام' و فی ردالمحتار' اذا باع سلعة معیبة' علیه البیان وان لم یبین قال بعض مشائخنا' یفسق و ترد شهادته (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع ۵/ ۴۷ ط سعید)

صورت کہ تولہ بھر زعفران میں جو مبیع ہے چار ماشے زعفران ہی ذاتاً معدوم ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز ملی ہوئی ہے بغیر بیان کیسے جائز ہو سکتی ہے اور من غش فلیس منا کے دائرے سے کیسے یہ صورت مستثنیٰ ہو سکتی ہے لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام (درمختار)[1] وفی الحدیث وان کذبا و کتما محقت برکة بیعھما (بخاری)[2] ای کتم البائع عیب السلعة والمشتری عیب الثمن (عینی)[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

آٹھواں باب

اقالہ

خریدار کا بائع کو اقالہ پر راضی کرنے کے لئے معاوضہ دینا

(سوال) ایک شخص نے اپنا مملوک مکان ایک مشتری کے ہاتھ فروخت کیا اور مشتری نے وہ مکان ساڑھے بارہ ہزار روپے میں خرید کیا اور ایک ہزار روپیہ بیعانہ دیا اور طرفین سے اسٹامپ کاغذ پر لکھا پڑھی ہوئی اس میں یہ شرط تھی کہ باقی روپیہ میں جب دوں گا کہ جب بائع اس فروخت شدہ مکان کو کرایہ داروں سے خالی کرا کے مجھے قبضہ دیدے اور مجھے قبضہ مل جانے کے بعد باقی روپیہ دیگر کی لکھا پڑھی سرکاری قاعدہ کے موافق کرلوں گا یہ معاملہ ہر طرح طرفین کی رضامندی سے ہوا اس کے بعد بائع نے کرایہ داروں کو مکان خالی کرنے کے لئے نوٹس دینا شروع کئے کئی ایک نوٹسوں کے بعد اس مکان کا بالائی حصہ کرایہ داروں سے خالی ہوا تو مشتری کو بالائی حصہ مکان کی کنجیاں حوالہ کیں لیکن اس عرصے میں مشتری کا ذاتی کاروبار کچھ خراب سا ہو گیا اور مہاجنوں[4] نے اسے قرض دینا بھی موقوف کیا اب ایک طرف مشتری کی تو یہ حالت تھی اور بائع کی جانب سے چونکہ نوٹس کرایہ داروں کو عرصہ سے پہنچ چکے تھے اس واسطے ان لوگوں نے مکان خالی کر دیا اب مشتری مابقی روپیہ کا انتظام نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ معاملہ توڑ دے اور کہتا ہے کہ یا تو یہ ہزار روپے بیعانہ کے اپنے کرایہ وغیرہ کے ہرجانہ میں لیلو اور مجھے اس معاملہ سے سبکدوش کر دیا تمہارے مابقی ساڑھے گیارہ ہزار روپے مجھ پر قرض باقی رکھو اور اس کا سود لیا کرو بائع نے کہا کہ مجھے سود لینا منظور نہیں اور نہ بیعانہ ہضم کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ مابقی روپیہ دیکر اپنے مکان کا قبضہ مجھ سے لے لو مشتری نے انکار کیا کہ میں نہیں لیتا میرا بیعانہ گیا اب بائع نے سرکاری قاعدہ کے مطابق اسے نیلام میں فروخت کرنے کے لئے مشتری

---

(۱) (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع' باب خیار العیب ۵/ ۴۷ ط ، سعید)
(۲) (بخاری شریف باب اذا بین البیعان ۱/ ۲۷۹ ط سعید)
(۳) (عمدة القاری للعینی' باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع ۱۱/ ۱۹۸ ط ، سعید)
(۴) مہاجن' دولت مند' غنی' سوداگر' بیوپار' فیروز اللغات

کی جانب سے مشتہر کرادیا۔ اب مشتری یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے کسی مقدار میں ایک رقم لے کر مجھے اس جھگڑے سے فارغ کرو اب بائع سوال کرتا ہے کہ مجھے مشتری سے اس قسم کی کوئی مقدار لینی شرعاً جائز ہے یا نہیں اور فروخت شدہ مکان کی یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی صاحب ضرورت اپنی سکونت کے لئے خرید کرے تو اس کے دام اس مقدار میں جتنے میں فروخت ہوا ہے آسکتے ہیں اور اگر بائع اپنے طور سے خود فروخت کرنا چاہے تو اتنے دام نہیں اٹھتے اب سرکاری قاعدہ کے موافق آئندہ چل کر یہ ہوگا کہ یہ مکان موافق مسطورہ بالا مشتری کے نام سے عام نیلام میں فروخت ہوگا اور جتنی رقم وصول ہوگی اگر وہ رقم ساڑھے گیارہ ہزار سے زیادہ ہوگی تو زائد مشتری کو دی جائے گی اور اگر کم ہے تو جتنی مقدار کم ہے اس مقدار کا دعویٰ مشتری پر کرنے سے اس پر اتنا روپیہ بائع کو دینے کے لئے ڈگری ہوگی اب ڈگری کے بعد یہ روپیہ جو مشتری کو دینا ہوگا یہ روپیہ شرعاً بائع کو لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کتنی مقدار میں لینا جائز ہے اصل ساڑھے گیارہ ہزار روپے کی مقدار پوری ہونے تک لینا جائز ہوگا یا اتنے عرصے میں مکان خالی رہنے کی وجہ سے جو نقصان کرایہ کا ہوا ہے اور اس مکان کے فروخت کرنے میں دلالی وغیرہ بائع کو دینا ہوئی وغیرہ خرچ جو اس لین دین میں بائع پر آئے ہیں اسی مقدار لینی جائز ہے۔ اب باقاعدہ عدالت میں دعویٰ کرنے سے قبل مشتری یہ کہتا ہے کہ مصالحت کے طور پر کوئی مقدار مجھ سے لے لو اور دعویٰ نہ کرو تو اب بائع کو مشتری سے اس بیعانہ کو رد کر کے مصالحت سے کسی مقدار میں کوئی عوض خواہ کرایہ وغیرہ اخراجات کا ہرجانہ سمجھ کر یا اس طرح فروخت ہونے میں زیادہ قیمت اٹھتی تھی اور اب اتنی قیمت نہیں اٹھتی یہ نقصان سمجھ کر اور آئندہ بھی واللہ اعلم یہ مکان کرایہ داروں سے کب تک خالی رہے یہ نقصان سمجھ کر غرض کوئی معاوضہ بائع کو مشتری سے لے کر اسے فارغ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بے معاوضہ بیعانہ کا اقالہ کر لینا چاہئے لیکن اس شکل میں بائع کو بہت کچھ زیر بار ہونا پڑتا ہے اور یہ ساری زیرباری مشتری کی وجہ سے عائد ہوتی ہے صورت مسئولہ کو ذہن نشین فرما کر موافق شرع شریف جواب باصواب سے مشکور فرمائیں صورت مسئولہ میں بائع مسلم اور مشتری کافر ہے بینوا توجروا

(جواب ۱۷) کرایہ پر دیئے ہوئے مکان وغیرہ کی بیع جب کہ مشتری کو اس کا علم ہو اور وہ راضی ہو جائے جائز ہے فی الشامی باع المستاجر و رضی المشتری ان لا یفسخ الشراء الی مضی مدة الاجارة ثم یقبضه من البائع فلیس له مطالبة البائع بالتسلم قبل مضیها ولا للبائع مطالبة المشتری بالثمن مالم یجعل المبیع بمحل التسلیم (ص ۱۴۵ ج ۴)[1] لیکن یہ ضروری ہے کہ بائع مکان کو کرایہ داروں سے خالی کرا کے مشتری کے حوالہ کر دینے کے لئے کوئی وقت معین کر دے یا مشتری کو اجارہ یا اگریمنٹ کی مدت معینہ کا علم ہو اور اس مدت تک ٹھہرے رہنے پر وہ راضی ہو جائے ورنہ جہالت اجل کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی فی الشامی وا فادان للبائع حبس المبیع حتی یستو فی کل الثمن فلو شرط دفع المبیع قبل نقد الثمن فسد البیع لانه لا یقتضیه العقد وقال محمد لجهالة الاجل فلو سمی وقت تسلیم

....

(۱) (ردالمحتار مع الدر کتاب البیوع فصل فی الفضولی ۵/ ۱۱۱ ط سعید)

المبیع جاز وله الحبس وان بقی منه درهم (ص ٤٤ ج ٤)[1] پس صورت مذکورہ فی السوال میں اگر تسلیم مبیع کا وقت مقرر کردیا ہو مثلاً تین مہینے میں خالی کرا کے حوالہ کردوں گا تو بیع صحیح ہوگئی (پھر خواہ اس مدت مقررہ میں مکان خالی ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اور اگر وقت تسلیم معین نہیں کیا گیا نہ مشتری کو انتہائی مدت اجارہ یا ختم اگریمنٹ کا علم تھا تو بیع فاسد ہوئی فساد بیع کی صورت میں بائع کو لازم ہے کہ رفع فساد کے لئے بیع مذکور کا اقالہ کرے اور اس صورت میں متعاقدین میں سے ہر واحد کو اقالہ کا اختیار ہوتا ہے خواہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو اور اقالہ ثمن اول پر کرنا لازم ہے بیعانہ واپس کرنا ہوگا اور تمام نقصانات خود برداشت کرنا پڑیں گے وتجب فی عقد مکروہ و فاسد (درمختار) لوجوب رفع کل منهما علی المتعاقدین صونا لهما عن المحظور ولا یکون الا بالا قاله (رد المحتار ص ١٥٤ ج ٤)[2] و فیه ان الفاسد یجب فسخه علی کل منهما بدون رضا الاخر وکذا للقاضی فسخه بلا رضا هما[3] (ص ١٥٤) و تصح بمثل الثمن الاول و بالسکوت عنه وان شرط غیر جنسه او اکثر ا ولا قل الخ (درمختار)[4] اور صحت بیع کی تقدیر پر بائع کو اقالہ کرنا لازم نہیں اس کی خوشی ہے کہ کرے یا نہ کرے اور کرے گا تو مثل ثمن اول پر کر کے بیعانہ واپس کرنا ہوگا اور نہ کرے تو اسے حق ہے کہ مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے خواہ بطور خود یا بذریعہ عدالت اور اگر عدالت مشتری کی جانب سے مکان کا قبضہ کر کے نیلام کردے اور بائع کے دین سے کم میں نیلام ہو تو بائع کو بقیہ روپیہ بذریعہ ڈگری وصول کرنا جائز ہے اور اسی صحت بیع کی تقدیر پر اس وجہ سے کہ اقالہ کرنا بائع کے ذمہ لازم نہیں اگر مشتری کچھ رقم دے کر مکان لینے سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے تو اس طرح ممکن ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپے کا نقصان بائع کو پہنچا ہے تو بائع اس مکان کا اقالہ کرنے سے قبل مشتری سے ایک ہزار روپیہ قرض لے اور مشتری اپنے اس قرض سے بائع کو بری کردے پھر بائع مکان کا اقالہ ثمن اول پر کر کے بیعانہ مشتری کو واپس کردے اس طرح اقالہ بھی صحیح ہو جائے گا اور بائع نقصان سے بھی بچ جائے گا اور مشتری کا مقصود بھی پورا ہو جائے گا مشتری کو ابرائے قرض سے رجوع کا حق بھی ہوگا اور طرفین پر کوئی الزام شرعی بھی نہ ہوگا۔

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی

---

(١) (رد المحتار، کتاب البیوع، فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً ٤/ ٥٦ ط، سعید)
(٢-٣) (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع، باب الاقالة ٥/ ١٢٤ ط، سعید)
(٤) (الدر المختار مع الرد کتاب البیوع، باب الاقاله ٥/ ١٢٥ ط سعید)

نواں باب
مرابحہ و تولیت

اصل قیمت خرید سے زیادہ بتلا کر بیچنا

(سوال) زید کے پاس ایک ڈھیر مبیع (یعنی ہیزم سوختنی) کا تھا عمرو نے اس کو خریدنا چاہا اور کہا کہ اصل خرید تمہاری کتنے کی ہے ؟ زید نے کہا کہ میری اصل خرید تین سو روپے کی ہے اور پچاس روپے نفع لوں گا تو عمرو نے کہا کہ چونکہ آپ نمازی اور حاجی آدمی ہیں آپ کا کہنا راست و درست ہے اور ہم کو اعتبار ہے اس لئے تم اپنا نفع چھوڑو اور مول مول میں یعنی اصل اصل میں دے دو زید راضی ہو گیا اور عمرو نے کہا کہ مال جب تک فروخت نہ ہو گا تب تک تمہارے ہی زیر نگرانی اور حفاظت میں رہے گا یعنی اٹھا کر میں اپنی زمین میں نہ لاؤں گا بلکہ وہیں فروخت کروں گا پھر عمرو نے مبلغ دو سو روپے نقد دیئے اور ایک سو روپے کا وعدہ کیا کہ مال کی بکری میں سے دوں گا چنانچہ اسی زمین پر بازار کے نرخ سے مال فروخت کرنا شروع کیا اور اس میں سے زید کو بھی دیتا رہا اس وقت تک ساٹھ روپے ادا ہو گئے اور قریب ایک سو دس روپے کا مال فروخت ہوا تو مال قریب نصف کے رہا اور بکر زید کا ہمراز تھا کہ وقت بیع کے حاضر نہ تھا اس نے کہا کہ زید نے بڑا دھوکہ دیا چونکہ ان کا یہ مال ایک سو پچھتر روپے کا ہے اور خالد بھی اس کا ہمراز ہے وہ بھی کہتا ہے کہ ایک سو پچھتر روپے کا ہے چنانچہ اس امر پر بقیہ مال بھی شاہد ہے تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے عمرو سے دھوکا کیا تو یہ عقد جائز رہا یا نہیں ؟ اور عمرو کو اس کے رد کا حق ہے یا نہیں اور در صورت خالد و بکر کے گواہ نہ ہونے کے زید نے غبن فاحش کیا ہے یا نہیں ؟ اور غبن فاحش ہونے پر بھی عمرو کو بیع کے رد کا اختیار ہے یا نہیں بینوا توجروا !

(جواب ۱۸) یہ صورت بیع تولیہ کی ہے اور تولیہ میں اگر بائع نے خیانت کی ہو اور مشتری اس کی خیانت ثابت کر دے تو مشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدار خیانت کو اصل ثمن یعنی اس قیمت میں سے جو بائع نے اس مشتری کو بتائی اور اس بیع میں مقرر کی ہے وضع کر لے اور بائع کی اصل خرید کی قیمت اسے دے دے[1] خیانت ثابت کرنے کے تین طریقے ہیں اول یہ کہ بائع خود اقرار کر لے۔ دوسرے یہ کہ مشتری بینہ یعنی گواہ پیش کرے۔ تیسرے یہ کہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں بائع سے قسم لی جائے اور وہ قسم سے انکار کر دے۔ ولہ الحط قدر الخیانة فی التولیة لتحقق التولیة (درمختار[2] و کذافی العالمگیریہ[3] والھدایة)[4] واللہ اعلم

کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت ظاہر کر کے بیچنا

(سوال) زید اپنے لئے تجارتی مال خریدنے کو باہر کسی شہر میں گیا وہاں جا کر اس نے چند مال خرید کئے ان میں سے تین مال اپنے والد کے لئے اور دو اپنے بھائی کے لئے (ان کو ان مالوں کا ضرورت مند سمجھ کر) خرید

---

(۱) وان ظهر خيانته باقراره او ببرهان على ذالك او بنكوله عن اليمين اخذه المشترى بكل ثمنه او رده لفوات الرضا وله الحط قدر الخيانة في التولية لتحقق التولية (رد المحتار مع الدر باب المرابحة والتولية ۵/ ۱۳۷ ط. سعيد)
(۲) (ايضا حواله بالا ۵ : ۱۳۷)
(۳) (عالمگيرية باب رابع عشر في المرابحة والتولية ۶/ ۱۶۲ ط ماجديه كوئٹه)
(٤) (هداية اخيرين ۳ : ۷۱ ط . سعيد)

کئے جس میں سے ایک مال کو اس نے کل دو سو روپے کا خرید ااور اس میں سے نصف خود لیا اور نصف اپنے باپ کو روانہ کیا لیکن جو مال اس نے اپنے باپ کو روانہ کیا اس میں اس نے بائع سے جس سے مال خرید ا تھا بجائے سو روپے کے ایک سو پانچ روپے کا مصنوعی بیجک بنوالیا اور سارے مال کی قیمت مبلغ دو سو روپے دکاندار کو ادا کردیئے اور یہاں آکر موجب اس بیجک کے مبلغ ایک سو پانچ روپے وصول کر لئے دوسرا مال اس نے اپنے والد اور بھائی کے لئے خرید کیا اور علیحدہ علیحدہ سب کے نام قرض درج کرایا لیکن قیمت مقررہ سے کچھ قیمت اضافہ کر کے سب کے نام لکھوا کر اضافہ رقم کو اپنے حساب میں مجرا کرالیا تیسرا مال اس نے کل اپنے نام قرض لکھایا اور اس میں سے ایک حصہ اپنے لئے مقرر کیا اور ایک حصہ والد کو اور ایک حصہ اپنے بھائی کو روانہ کرایا اور اس میں بھی وہی ترکیب کی یعنی مقررہ قیمت سے کچھ اضافہ کر کے علیحدہ علیحدہ ان کے نام کے بیجک اس دکاندار سے بنوالئے اور رقم اضافہ اپنے حساب میں مجرا کرالی لہذا ان صورتوں میں جو رقم اضافہ زید نے حاصل کی ہے وہ اس کو جائز ہوگی یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۹) زید نے جو مال اپنے بھائی اور والد کے لئے ان کی اجازت کے بغیر خرید کیا ہے اس مال کا مالک زید ہے اور یہ عقد بیع زید ہی کے حق میں نافذ ہوگا اس کے بعد اگر زید کے والد اور بھائی اس مال کو لے لیں اور قیمت ادا کردیں تو یہ زید اور اس کے والد اور بھائی کے درمیان جداگانہ عقد بیع ہوگا۔ اشتری لغیرہ نفذ علیہ(درمختار)[1] قولہ نفذ علیہ ای علی المشتری ولو اشھد انہ یشتریہ لفلان وقال فلان رضیت فالعقد للمشتری لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملک لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذلک لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ فان دفع المشتری الیہ العبد و اخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما الخ(رد المحتار)[2] اور چونکہ پہلی بیع ہی زید کے حق میں نافذ ہوئی ہے اور دوسری بیع جداگانہ عقد ہے اس لئے زید کو اختیار ہے کہ اپنی اصل خرید پر نفع لگا کردے لیکن وہ اس طرح کہ والد اور بھائی کو یہ دھوکا نہ دیا جائے کہ جس قیمت پر انہیں دیتا ہے اس قیمت پر خریدی ہے کیونکہ اگر اس طرح ان سے ظاہر کر کے انہیں دے گا تو یہ بیع تولیہ ہوگا اور بیع تولیہ میں مشتری ثانی کو جس کے ساتھ بیع تولیہ کی جاتی ہے اگر خیانت ثابت ہو جائے تو مقدار خیانت ثمن سے کم کر دینے کا حق حاصل ہوتا ہے لہذا زید کے بھائی اور والد(اس صورت میں کہ قیمت خرید پر دینا ان سے ظاہر کیا گیا ہو) جتنی مقدار کہ زید نے اصل ثمن پر زیادہ کرلی ہے ساقط کر سکتے ہیں ولہ الحط قدر الخیانۃ فی التولیۃ (درمختار)[3] اور انہیں علم نہ ہو جب بھی زید پر واجب ہے کہ انہیں اتنی مقدار واپس کردے کیونکہ اس صورت میں زیادتی خیانت ہے اور اس کا رد واجب ہے۔ واللہ اعلم

---

(۱) (الدر المختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی ۵/ ۱۰۹ ط ، سعید)
(۲) (رد المحتار مع الدر کتاب البیوع فصل فی الفضولی ۵/ ۱۰۹ ط، سعید)
(۳) (الدر المختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ۵/ ۱۳۷ ط ، سعید)

خریدار مہیا کرنے والا صرف بائع سے اجرت لے سکتا ہے

(سوال) زید آڑھت[1] کے طور پر دوسروں کا مال خریدار پیدا کر کے بکواتا ہے اور اس کا کمیشن بائع اور مشتری دونوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۳-۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

(جواب ۲۰) اس صورت میں اس کو اپنا کمیشن صرف بائع سے لینا چاہئے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دسواں باب
نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی بیشی

سستی چیز ادھار کی وجہ سے مہنگی خریدنا

(سوال) دھان یا گیہوں تین روپے میں بکتے ہیں اور کسی شخص نے کہا کہ اگر مجھ سے دھان لینا ہوں تو پانچ روپے من دینا ہوں گے چونکہ روپے کی فی الحال ضرورت نہیں دو مہینے کے بعد دے دینا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۱) ادھار میں نقد سے زیادہ پر فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں ادھار ہو اور مدت ادائے قیمت وغیرہ کی تعین کر دی جائے فی الهداية انه يزاد في الثمن لاجل الأجل انتهى[3]

ادائیگی کی مدت قریب یا بعید ہونے کے اعتبار سے قیمت میں کمی زیادتی کرنا

(سوال) زید ایک تجارت کرتا ہے مال فروخت کرتا ہے اس میں کچھ نقد لیتا ہے اور کچھ بلا تعین میعاد وصول کرتا ہے عمرو مال خرید نے آیا زید نے کہا کہ میں آپ کو مال اس شرط پر دوں گا کہ سوا چھ روپے فیصدی کے حساب سے نقد مال فروخت کروں گا اگر یہ روپیہ دو روز بعد پہنچا تو ۶۴/۳ فیصدی لوں گا اور اگر ۳ یوم بعد دو گے تو ۴۵ یوم تک ۷۱/۲ فیصدی لوں گا عمرو نے کہا کہ یہ تو سود ہوا زید نے کہا کہ یہ تجارت ہے اور سابق دستور میں نقصان رہتا ہے براہ کرم کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ ﷺ سے جواب مرحمت ہو؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۲) نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی زیادتی تو جائز ہے مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپیہ کو فروخت کرتا ہے اور وہی چیز ادھار لینے والے کو ۱/۴ میں دے تو اس میں مضائقہ نہیں۔[4] مگر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد معین کر لی جائے مثلاً بائع

---

(۱) آڑھت۔ دلالی کمیشن ایجنسی دلالی پر فروخت، فیروز اللغات

(۲) واما الدلال فان العين بنفسه باذن ربها فاجرته على البائع و فى رد المحتار ليس له اخذ شئ من المشترى لانه العاقد حقيقة (درمختار مع الرد كتاب البيوع ۴/ ۵۶۰ ط سعيد)

(۳) (هداية اخيرين باب المرابحة والتولية ۳/ ۷۴ ط شركة علميه)

(۴) (ایضا حوالہ گزشتہ بالا)

مشتری مجلس عقد میں ہی یہ کہہ دیں کہ مبیع کی قیمت ایک ماہ میں ادا کی جائے گی اور عـــہ ہوگی یہ احتمالی صورتیں اگر مہینے کے اندر ہو تو عـــہ اور مہینے کے بعد مگر ۴۵ دن کے اندر ہو تو عـــہ لوں گا۔ جائز نہیں بائع اور مشتری دونوں کو لازم ہے کہ قیمت اور ادائے قیمت کا زمانہ معین کر دیں۔[1] مثلاً مشتری خود اپنی حالت کا اندازہ کرے کہ میں مہینے کے اندر ادا کر سکتا ہوں تو مہینے بھر کا وعدہ کر لے اور بائع مبیع کی قیمت میں عـــہ فیصدی کا اضافہ لگا کر جو قیمت ہوتی ہو وہ معین کر دے مثلاً سو روپے کے مال کی قیمت عـــہ مقرر کر کے کہے کہ عـــہ کو فروخت کرتا ہوں تو یہ صورت جائز ہو جائے گی۔

سستا نرخ مقرر ہوتے ہوئے مہنگے نرخ پر ادھار یا نقد بیچنا

(سوال) ایک شہر میں نرخ مکئی وغیرہ فی روپیہ چار پیمانہ نقدی کا فروخت ہوتا ہے تو زید اس کے بر خلاف نقدی کا تین پیمانہ فی روپیہ فروخت کرتا ہے اور شہر کے عام نرخ کے مطابق فروخت نہیں کرتا یا نقدی کا تو چار پیمانہ فی روپیہ ہی فروخت کرتا ہے مگر ادھار کی صورت میں تین پیمانہ فی روپیہ فروخت کرتا ہے اور قرض لینے والا تین پیمانہ ہی خرید کر جو کہ عام نرخ گاؤں کے خلاف ہے برائے ضرورت لے جاتا ہے تو کیا زید کو عام نرخ کے بر خلاف نقدی کی کمی کر کے نرخ میں بیچنا جائز ہے کیا ادھار کی صورت میں نرخ میں کمی کرنا جائز ہے بعد قبول و ایجاب جانبین کے یہ بیع صحیح ہوگی یا نہیں المستفتی نمبر ۱۹۹۸ محمد خواص صاحب (ہزارہ) ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۳) زید اگر نقد کی صورت میں بھی بازار کے نرخ سے کم دیتا ہے تو اس کا اثر اس پر پڑے گا اور نقصان اٹھائے گا اور شریعت میں اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں[2] اور ادھار خریدنے والے کو کم نرخ پر دینا جائز ہے مگر زیادہ سختی کرنا جو غبن فاحش کی حد تک پہنچ جائے خلاف مروت و انسانیت ہے تاہم بیع صحیح ہو جاتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا سستی چیز ادھار پر مہنگی بیچنا سود ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) تجارتی سود کا لین دین کن صورتوں میں جائز یا ناجائز ہے مثلاً ایک شخص نے پانچ سو روپے کا مال ہندو تاجر سے خریدا لیکن خریدار کے پاس روپیہ کم ہے اس واسطے ہندو تاجر کے ساتھ ادھار کرنا پڑا اور ہندو تاجر

---

(۱) فان کان یترا ضیان بینہما فلم یتفرقا حتی قاطعۃ علی ثمن معلوم واتما العقد علیہ' فہو جائز لا نہما ما افترقا الا بعد تمام شرط صحۃ العقد (المبسوط للسرخسی' باب البیوع الفاسدہ ۱۳/۸ ط بیروت)

(۲) صح التصرف فی الثمن قبل قبضہ والزیادۃ فیہ والحط منہ (درالمختار ۶/ ۱۶۹) (۳) فی الہدایۃ : الا تری انہ یزاد فی الثمن لا جل الأجل' وقال فی البحر لان للاجل شبہا بالمبیع' الا تری انہ یزاد فی الثمن لا جل الاجل ثم قال الاجل فی نفسہ لیس بمال ولا یقابلہ شئ من الثمن حقیقۃ' اذا لم یشترط زیارۃ الثمن بمقابلتہ قصداً (البحر الرائق' کتاب البیوع' باب المرابحۃ' والتولیۃ' ۶/ ۱۲۵ ط بیروت و مثلہ فی رد المحتار مسائل شتی ۶/ ۷۵۷ ط، سعید)

سود حاصل کئے بغیر ادھار رکھنا منظور نہیں کرتا تو کیا سود ادا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اس کے برعکس مسلمان تاجر سے کوئی ہندو یا مسلمان سودا خرید تا ہے اور خریدار کے پاس روپیہ کم ہے تو اس صورت میں خریدار سے باقی روپے کے متعلق سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲٤) نقد خریدنے کی صورت میں قیمت کی کمی اور ادھار خریدنے کی صورت میں قیمت کی زیادتی شرعاً جائز ہے[1] مثلاً ایک چاقو نقد خریدنے والے کو ایک روپے میں اور ادھار خریدنے والے کو ایک روپیہ ایک آنے میں دینا جائز ہے بیچنے والا اگر مسلمان ہے تو اپنے ہندو خریدار سے اس طرح معاملہ کرے کہ جس قدر روپیہ اس کے پاس نقد موجود ہے اتنے روپے کا مال علیحدہ کر کے معمولی قیمت پر اس کا معاملہ کرلے اور جتنا مال وہ ادھار لینا چاہتا ہے اتنا مال علیحدہ کر کے اس کا معاملہ علیحدہ کرے خریدار سے ادائیگی قیمت کی مدت مقرر کرا کے اشیاء کی قیمت میں ادھار دینے کی وجہ سے مناسب اضافہ کرلے تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا اور شرعاً سود قرار نہیں پائے گا اسی طرح اگر مسلمان کسی ہندو سے خریدے اور پورا روپیہ موجود نہ ہو تو نقد کا معاملہ علیحدہ کرے اور ادھار کا علیحدہ ادائیگی کی مدت معین کر کے ادھار کے معاملے میں مناسب اضافے پر راضی ہو جائے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

ایک چیز ایک کو سستی دوسرے کو مہنگی بیچنا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) (۱) ایک چیز گاہک کو پانچ پیسے کی دی اور دوسرے کو چھ پیسے کی یہ جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) نقد میں ایک چیز دس سیر دی اور ادھار میں نو سیر یہ کیسا ہے ؟

(جواب ۲۵) (۱) ایک خریدار کو ایک چیز پانچ پیسے کو اور دوسرے خریدار کو وہی چیز چھ پیسے کو دینے میں مضائقہ نہیں ہے۔[3] (۲) نقد قیمت ادا کرنے والے کو ایک چیز دس سیر دینا اور ادھار خریدنے والے کو وہی چیز آٹھ سیر دینا بھی جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں یہ صاف کر دیا جائے کہ بیع نقد ہو رہی ہے یا ادھار اور ادھار میں قیمت ادا کرنے کی مدت تاریخ کے ساتھ معین کر دی جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

گیارھواں باب

بیعانہ

شرط فاسد کی وجہ سے بیع ختم کرنے پر بیعانہ واپس کرنا

(سوال) زید نے بکر کے ہاتھ نیلام میں ایک قطعہ اراضی مبلغ آٹھ ہزار کی فروخت کی اور اشتہار میں

---

(۱) (حوالہ گزشتہ' البحر الرائق ٦ / ١٢٥ ط بیروت ومسائل شتی من ردالمحتار ٦ / ٧٥٧ ط ، سعید)

(۲-۳-٤) المبسوط للسرخسی' باب البیوع' الفاسدہ ۸/۱۳ ط' بیروت حوالہ گزشتہ ص۵۳

یہ شرط تھی کہ اگر ۱۵ یوم میں رجسٹری نہ کرائی تو بیعانہ ضبط اور اس کی ذمہ داری پر دوبارہ نیلام کر دیا جائے گا بکر نے اس شرط پر عمل نہیں کیا اور اس کی زندگی میں ہی زید نے بکر کو نوٹس دیدیا تھا کہ تمہارا بیعانہ اشتہار نیلام کی شرائط کے مطابق ضبط کرا لیا گیا اور تمہاری ذمہ داری پر دوبارہ نیلام ہوگا اس نے تازیست رجسٹری نہیں کرائی اور پھر وہ فوت ہو گیا اب اس کے ورثا طلب کرتے ہیں کہ بیعانہ ایک ہزار واپس دوازروئے شرع شریف وہ اس کے حقدار ہیں یا نہیں ؟ جو نقصان ہوا اس کا ذمہ دار کون ہوگا' دوبارہ نیلام زید کے انتقال کے بعد ہوا ہے

المستفتی نمبر ۸۸۵ حاجی محمد اسحٰق صاحب صدر بازار دہلی' ۲۸ محرم ۱۳۵۵ھ م ۲۱ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۶) نیلام (بیع من یزید) بھی بیع کی ایک قسم ہے جو شرعاً جائز اور معتبر ہے[1] مگر جو شروط فاسدہ کہ بیع کو فاسد کرتے ہیں وہ اس بیع کو بھی فاسد کریں گے مثلاً یہ شرط کہ اگر میعاد معین پر ثمن ادا کر کے رجسٹری نہ کرائی گئی تو بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا ایک شرط فاسد مفسد عقد ہے اور اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی[2] اور بیع فاسد کا فسخ کرنا متعاقدین کے ذمہ شرعاً واجب ہوتا ہے[3] اور بیعانہ کی واپسی بائع کے ذمہ واجب ہے اسے ضبط کرنے کا حق نہیں[4] دوبارہ نیلام میں کمی قیمت کا خسارہ بھی بائع کے ذمہ ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' (الجواب صحیح حبیب المرسلین عفی عنہ' نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی)

بارھواں باب
بیع سلم

عام بھاؤ سے کم قیمت کی شرط پر بیع سلم کرنا

(سوال) زید نے موسم گرما میں بکر سے ایک ہزار روپے کے گھی کا سودا کیا کہ سات ماہ بعد موسم سرما میں بازار کے نرخ سے دو روپے من کم مال لوں گا اور روپیہ بکر کو اسی وقت دیدیا جب گھی کی پیداوار کا وقت آیا تو نرخ گھی کا زید کو گراں معلوم ہوا زید نے بکر سے وہ گھی فروخت کرا دیا اب زید دو روپے فی من منافع لے لے تو جائز ہو گیا کہ گھی ہی بکر سے دو روپے من کم لے۔ بینوا توجروا؟

(جواب ۲۷) یہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم کے جواز کے لئے چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے ایک

---

(۱) فی الدر: لا یکرہ بیع من یزید لما مر و یسمی بیع الدلالۃ (الدر المختار باب بیع الفاسد ۵/ ۱۰۳ ط س)

(۲) و بیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ و فیہ نفع لاحد ھما الخ (الدر المختار' کتاب البیوع' باب بیع الفاسد ۵/ ۸٤ ط، سعید)

(۳) و یجب علی کل واحد منہما فسخہ قبل القبض الخ (الدر المختار' کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/ ۹۰ ط سعید)

(٤) نہی عن العربان' ان یقدم الیہ شئ من الثمن' فان اشتری حسب من الثمن والا فہو لہ مجانا و فیہ معنی المیسر (حجۃ اللہ البالغہ مبحث البیوع المنہی عنہا ۲/ ۳۲۲ ط ، آرام باغ کراچی)

شرط یہ بھی ہے کہ نرخ مبیع کا متعین کر لیا جائے[1] اور یہ کہنا کہ نرخ بازار سے دو روپے فی من کم لوں گا تعیین نہیں ہے لہذا یہ معاملہ ناجائز اور فاسد ہے[2] اور اس حالت میں متعاقدین پر ضروری ہے کہ اس معاملے کو فسخ کریں[3] اور زید اپنا اصل روپیہ بکر سے لے لے زیادہ لینا جائز نہیں اور نہ گھی لینا جائز ہے۔[4] واللہ اعلم

(۱) بیع سلم کرتے وقت بھاؤ متعین کرنا
(۲) مقررہ نرخ میں کمی بیشی ہونیکی صورت میں بیع سلم کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص نے دوسرے سے روپیہ لیا ایک مقدار معلوم دینے والا اس شرط پر روپیہ دیتا ہے کہ فصل پر چاہے کچھ ہی بھاؤ ہو میں ایک روپیہ من کے حساب سے لوں گا اس وقت روپیہ لینے والے نے منظور کر لیا اس طرح جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ایک شخص نے دس من غلہ تیس روپے کا یعنی فی من تین روپے کے حساب سے دوسرے شخص کو دیا اور کہا کہ اس کے عوض میں تیس روپے کا غلہ لوں گا کیا بھاؤ لوں گا یہ بھی نہیں کہا اور نہ یہ کہا کہ کس وقت لوں گا اب جب غلہ وہ شخص اس سے لیتا ہے اس وقت ایک من کی قیمت دو روپے ہے اس حساب سے تیس روپے کا پندرہ من ہوتا ہے اب جس نے پہلے تیس روپے کا دس من دیا تھا وہ شخص لیتے وقت پندرہ من لیتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۸) روپیہ اول دیدینا اور غلہ کا نرخ معین کر کے ٹھیرالینا اسے اصطلاح فقہ میں بیع سلم کہتے ہیں بیع سلم ان شروط کے ساتھ جائز ہے جس قدر غلہ لینا ہو اس کی پوری قیمت کا روپیہ جو ان کے باہمی طے شدہ نرخ سے ہوتا ہے۔ پہلے ہی یعنی بوقت عقد دیدیا جائے۔ جو غلہ لینا ہے اس کی جنس و نوع و صفت بیان کر دی جائے مثلاً گیہوں فلاں قسم کے اعلیٰ درجے کے نرخ معین کر لیا جائے اجل یعنی مدت معین کر لی جائے کہ کب غلہ لیا جائے گا مکان استیفا کہ غلہ کس جگہ پر حوالہ کیا جائے گا معین کر دیا جائے اس کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جس غلہ میں بیع سلم کی ہے وہ وقت عقد سے وقت استیفا تک بازار میں موجود ہے ورنہ سلم صحیح نہیں ہوگی۔ من شرائط جواز السلم ان یکون معلوم الجنس و منھا ان یکون معلوم النوع و منھا ان یکون معلوم الصفة و منھا ان یکون معلوم القدر بالکیل اوالوزن اوالعدد اوالذراع و منھا ان یکون موجودا من وقت العقد الی وقت الاجل و منھا ان یکون مؤجلا باجل معلوم و منھا ان یکون راس المال مقبوضا فی مجلس السلم انتھی ملتقطا (بدائع)[5]

---

(۱) و بیان قدر راس المال ان تعلق العقد بمقدارہ الخ (الدر المختار باب السلم ۵/ ۲۱۵ ط، س)
(۲) ولا یصح السلم الا بسبع شرائط عند ابی حنیفة (ھدایة باب السلم ۳/ ۹۵ ط شرکة علمیه)
(۳) و یجب علی کل واحد منھما فسخه قبل القبض الخ (الدر المختار کتاب البیوع باب بیع الفاسد ۵/ ۹۰ ط، س)
(۴) ولا یجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم الیه براس المال بعد الاقالة قبل قبضه بحکم الاقالة لقوله علیه السلام لاتاخذ الا سلمك اوراس مالك (الدر المختار کتاب البیوع باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط، سعید)
(۵) (بدائع الصنائع ۵/ ۲۰۷ ط، سعید)

(۲) یہ عقد ناجائز ہے اور ربوا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ غلہ کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اور پھر جس سے سلم کرنی ہوا ہے (غلہ نہیں بلکہ) نقد روپیہ دیگر بشرائط مذکورہ جواب اول سلم کی جائے۔ غلہ کم دے کر زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔ **من شرائطه ان لا یجمعهما (ای البدلین) احد و صفی علة الربا ای ربوا الفضل وذلك اما الكيل والوزن واما الجنس الخ** (بدائع)[1] کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مہتمم مسجد مدرسہ امینیہ دہلی مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی

رقم کی ادائیگی کے چھ ماہ بعد مبیع لینے کا کہنا بیع سلم ہے

(سوال) یہاں برہما میں تاجر لوگ چاول وغیرہ کی تجارت اس طرح کرتے ہیں کہ تین مہینے یا چھ مہینے پہلے بیوپاری سے مال خرید تے ہیں کہ فلاں مہینے میں فلاں قسم کا چاول اتنی قیمت پر ہم نے اتنی ہزار یوری خرید ے۔ چاول کا پتہ بھی نہیں کہ کہاں ہے پھر اس خریدار سے اور لوگ اسی طرح خریدتے ہیں۔ اسی طرح سلسلہ رہتا ہے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ نفع سے بیچتا ہے آیا یہ بیع صحیح ہے یا نہیں اور یہ معاملہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۹) یہ بیع بیع سلم ہے اور چند شرائط کے ساتھ جائز ہے شروط یہ ہیں مبیع وقت عقد سے وقت ایفا تک بازار میں موجود ہو خواہ بائع کی ملک میں ہو یا نہ ہو مبیع کے بازار میں موجود رہنے سے یہ مراد ہے کہ اس قسم کا مال بازار میں مل سکتا ہو نہ یہ کہ مشخص طور پر وہی چیز جس کی بیع کی گئی ہے۔ مبیع کی تعیین اس کی جنس نوع صفت بیان کر کے عقد بیع میں کر دی گئی ہو۔ مبیع کا نرخ متعین کر دیا گیا ہو کہ اس نرخ سے مثلاً روپے کا دس سیر لیں گے جس قدر خریدا ہے اس کی تمام و کمال قیمت عقد بیع کے وقت بائع کو دی جائے ایفائے مبیع کی مدت معین کر دی گئی ہو ان شروط کے ساتھ یہ بیع درست ہے اور اگر یہ شروط متحقق نہ ہوں تو ناجائز ہے۔[2]

ہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس بیع میں اگر بائع کسی وجہ سے مبیع دینے سے عاجز آ کر مشتری کا روپیہ واپس کرنا چاہے تو مشتری صرف اسی قدر روپیہ لینے کا مستحق ہے جس قدر اس نے دیا ہے۔[3] یہ نہ ہوگا کہ مال کی قیمت لگا کر اس وقت کے لحاظ سے زیادہ روپیہ وصول کرے۔ ہر خریدار کے لئے جو سلسلہ وار ایک دوسرے سے خریدے ان تمام شروط کی رعایت ضرور ہے نیز یہ بھی لازم ہے کہ بائع عقد ثانی میں یہ نہ کہے کہ جو چاول میں نے فلاں شخص سے خریدا ہے وہ اتنے نفع پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں ورنہ یہ معاملہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسلم فیہ میں تصرف قبل قبضہ جائز نہیں ہے۔ **ولا یجوز التصرف للمسلم اليه في راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع و شركة و مرابحة و تولية انتهى**[4] **وشرطه بيان جنس**

---

(۱) (بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۴ ط ،سعید)

(۲) و شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة . بیان جنس ونوع الخ(الدرالمختار کتاب البیوع باب السلم ۵/ ۲۱۴ ط ، سعید)

(۳) ولا یجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم اليه براس المال بعد الاقالة قبل قبضه بحكم الاقالة لقوله عليه السلام لا تاخذ الا سلمك اور أس مالك ای الا سلمك حال قيام العقد او رأس مالك حال انفساخه فامتنع الاستبدال الخ(الدر المختار' کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط، سعید)

(۴) (الدرا لمحتار' کتاب البیوع' باب السلم ۵/ ۲۱۸ ط ، سعید)

کبڑ اوتسر و بیان نوع و صفة وقدرواجل الخ (درمختار)[1] والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

فلوس میں بیع سلم کا حکم

(سوال) احقر نے سلم فی الفلوس کو ایک مرتبہ اس بنا پر عمل میں لایا کہ ہمارے (احناف کی) کتب فقہ میں جائز لکھا گیا ہے اور اس کے لئے شرائط سلم کے سوا کوئی قید نظر سے نہیں گزری اتنے میں ایک مولوی صاحب نے مجھے مولانا تھانوی مد فیوضہم کے ایک فتوے کی طرف جو کہ امداد الفتاویٰ کے تتمہ خامسہ میں مسطور ہے اس طرح متوجہ کیا کہ کچہری کے ایک عامی ملازم کی زبان سے مشہور کرادیا کہ یہ شخص سود خور ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں اس فتوے کا اثر ایک مسلمان کے دل پر جس قدر ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے میں نے مجبوراً ایک مختصر مجلس میں اس مسئلے کی تحقیق کی۔ صاحب مذکور کے پاس تتمہ مذکورہ کے سوا کوئی دلیل نہیں ملی۔ چونکہ میں اس مسئلے کو مطلق سمجھتا تھا تتمہ کی عبارت کو بنظر استعجاب دیکھتا ہے ''فلوس میں بیع سلم کی اجازت جب ہے کہ مقصود اس حیلہ سے سود نہ ہو ورنہ اس کا حکم مثل بیع عینہ کے ہے'' الخ۔ اب مجھے اس جگہ چند شکوک ہیں۔ اول یہ قیاس مولانا ممدوح کا اجتہاد ہے یا کسی مجتہد سے نقل ہے بنا بر ثانی منقول عنہ تعیین فرمایا جائے بنا بر اول فی ہذا العصر اجتہاد کرنا جائز ہے بالخصوص اس طرح کہ ائمہ ثلاثہ کے مطلق حکم کو مقید کر سکیں۔ ثانی سود سے کیا مراد ہے۔ اگر معنی شرعی حقیقی (ربوا) مراد ہو چونکہ عدم مجانست اس کا نافی ہے یا مجازی (نسیہ) مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں نسیہ سے لفظ ربوا تعبیر وارد ہے۔ فاجتماع شرائط صحة السلم یابی عنه یا لغوی (ربح) مراد ہو فهو کما تری اذ کثیر من المعاملات مقرون بهذا النفع. فما بال هذا السلم مع كون السلم نعم البدل من الربوا علی مافی الاحادیث اور جب کہ بتائے صحة السلم کی شرائط میں سے وجود مسلم فیہ میں حین العقد الی المحل پس عدم ربح کی صورت میں یہ مسئلہ ایک [illegible] اثر سا معلوم ہوتا ہے۔ ثالث یہ قیاس مع الفارق سا معلوم ہوتا ہے۔ کہ عینہ میں مستقرض روپیوں کا طالب ہے نہ ثوب کا اور مقرض بھی روپیہ ہی دینا چاہتا ہے اور ثوب بطور واسطہ فیہ محض کے ہے پس یہ عقد حرام قطعی نہیں ہوا رعایۃ للظاہر اور مکروہ ہوا نظراً الی المآل اور یہاں تو جو چیز مقصود ہے وہی ایک جانب سے دیا گیا ہے بلکہ اس کا قیاس اس حیلے پر اوفق ہے جس کو حضور ﷺ نے تبادلہ تمر میں تجویز فرمایا ہے وهو هذا ولكن اذا اردت ان تشتري فبع التمر ببيع اخر ثم اشتربه متفق عليه مشكوٰة ج ۱ ص ۲۴۵ باب الربوٰ كتاب البيوع' و مسلم في باب الربوا ج ۲ ص ۲۶ اخرجه البخاري في باب اذا اراد بيع تمر بتمر خير منه' ج ۱ ص ۲۹۳ ولكن بالفاظ مختلفة فقال رسول الله ﷺ لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا اس لئے کہ اگر جید کا بائع اور ردی کا مشتری

---

(۱) (الدر المختار' كتاب البيوع' باب السلم ۵: ۲۱۴ ط. سعيد)

یک ہی شخص ہو تو قدر اور جنس کے ہوتے ہوئے یہ نیت تفاضل رقم کا ہیر پھیر ہی مبیح تفاضل ہوا پس اس جگہ جب کہ مجانست ہی نہیں تو بہ نیت ربح کس طرح حرام ہوا؟ پس نہی عن التشدید و تحلیل حلال و تحریم حرام کی تاکید مد نظر رکھتے ہوئے از راہ ذرہ نوازی یا تو ازالہ شکوک فرمائیے یا تصحیح سے شکریہ کا موقع دیجئے۔ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۲۸ مولوی محمد سیف الرحمن (لنک) ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۰) سلم فی الفلوس روایات فقہیہ کی رو سے جائز ہے فلوس کاسدہ میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ البتہ نافقہ میں بوجہ بقائے ثمنیت و قصد ثمنیت شبہ ہے۔ فقہا کی دلیل لان الثمنية تثبت في حقهما باصطلاحهما فتبطل بابطالهما[1] مخدوش ہے ممکن ہے کہ فقہائے کرام کے زمانے میں ایسا ہی ہو لیکن موجودہ زمانے میں مقدمہ اولیٰ کی صحت غیر مسلم ہے بلکہ الثمنیه تثبت بقانون الحکومة ولا ترتفع الا بقانون الحکومة اس لئے جواز سلم فی الفلوس النافقہ کا فتویٰ دینا مشکل ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیع سلم میں وقت پر ادا نہ کرنے پر جرمانے کی شرط لگانا

(سوال) ایک شخص نے تجارت کے لئے پچاس روپے بایں طریق ایک دوسرے شخص سے لئے کہ لینے کے دن سے چار ماہ بعد متعین تاریخ کو ان پچاس روپیوں کے بالعوض دو من گھی ادا کروں گا اگر گھی نہ ہو سکا تو جتنی رقم بدنی مروجہ کے طریق کے مطابق ہوگی اس کو تاریخ معین پر ادا کروں گا اور آج کل کی بدنی مروجہ کی صورت بنیوں کے یہاں یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی بدنی پر روپیہ لینے والا جنس مقررہ کو وقت پر ادا نہیں کرتا تو جو ایام جنس معہودہ کے ادا کرنے کے مقرر ہوتے ہیں ان میں سے جو ایسا ہو کہ اس میں جنس معہودہ نہایت گراں فروخت ہوئی ہو تو اس نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں مثلاً مقررہ مدت چار ماہ ہے اور جنس مقررہ ادا نہ ہو سکی اور جنس کے دام ادا کرنے ہیں تو ان چار ماہ میں اگر گھی آدھ سیر کا کسی روز فروخت ہو گیا تو دو من گھی کے ایک سو ساٹھ روپے کٹیں گے۔

اب اگر یہ رقم مذکور مقروض نے تاریخ مقررہ پر ادا نہ کی تو ایک سو ساٹھ روپیوں پر سود چالو ہو جائے گا۔ روپیوں کا مالک تین سال کے اندر اندر جب چاہے بذریعہ ڈگری اپنی رقم بمع سود وصول کر لے۔

اور اگر ایسا ہو جائے کہ گھی سیر کا فروخت ہوتا تھا اس وقت ڈیڑھ سیر کے نرخ پر بدنی ہوئی تھی اور بدنی ہوتے ہی مثلاً گھی دو سیر کا ہو گیا تو بنیا دو من گھی کے دام چالیس روپے دو سیر کے نرخ کے حساب سے بالکل نہیں کاٹتے بلکہ سیر کے نرخ کے حساب سے دام کاٹتے ہیں غرضیکہ مطلب یہ ہے کہ پورے پچاس روپے یا پچاس سے کم کی صورت میں نہیں لیتے اس مسئلہ میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ اگر روپیہ لینے والا شخص کسی سے بلا بدنی پچاس روپیہ لیتا تو سود کی ملتے اور ملتے ہی سود چالو ہو جاتا تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ بایں

---

(۱) (ہدایة، کتاب البیوع، باب السلم ۳/ ۸۱ ط شرکة علمیه)

(۲) ہذا من کلام المفتی الاعظم مصنف ہذا الکتاب

طریق روپیہ لے لے اور اس بدنی کی صورت میں چونکہ مقروض کو اپنی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ میں بہر صورت اس دو من گھی کو وقت مقررہ پر ادا کر دوں گا تو اس صورت میں تاہم ایک بگڑی ہوئی صورت بیع سلم کی جب بھی ہے۔ لہذا فریقین مذکور کی بنا پر ایسا معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں۔ نیز ایک پڑھا لکھا شخص کہتا بھی ہے کہ اگر وقت مقررہ پر جنس معہودہ کو مقروض ادا کر دے تو ایسا معاملہ کرنا جائز اور درست ہے ہاں شرط یہ ہے کہ دو من گھی کو وقت مقررہ پر ادا کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پچاس روپے لینے والا شخص بدنی تو کرتا ہے گھی کے اوپر لیکن اس کی نیت روپیہ لیتے وقت یہ ہوتی ہے کہ میں وقت پر وہ دام ادا کروں گا جو دام دو من گھی کے بنیا کاٹے گا تو اس صورت کا حکم بھی بیان فرمایا جائے کہ شرعاً کیا حکم ہے۔ فقط المستفتی نمبر ۲۵۸۸ عبداللہ مالپوری ۹ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء

(جواب ۳۱) اگر کوئی رقم اس طور پر لی جائے کہ اس کے بدلہ میں فلاں جنس اس نرخ سے فلاں تاریخ کو ادا کر دوں گا تو شرط تعیین قسم وصف و نرخ و وقت ادائیگی کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے۔ اس کو بیع سلم کہتے ہیں[1] اور وقت پر جنس ادا نہ ہو تو دی ہوئی رقم واپس دینی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ دینا اور دائن کو لینا حرام ہے اور زیادہ دینے کی شرط سے معاملہ کیا جائے تو معاملہ ہی ناجائز ہوگا[2] اور معاملہ کرتے وقت قرض لینے والے کی نیت اداء جنس کی نہ ہو بلکہ بدنی قاعدہ مروجہ روپیہ ادا کرنے کی ہو تو اس کو یہ معاملہ کرنا ناجائز ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

مویشی رکھوالی کے لئے دینا کہ ان کے بچے آدھو آدھ تقسیم ہوں گے

(سوال) ہمارے یہاں چوپایوں کو بٹ پر اس شرط پر دیتے ہیں کہ ان سے جو بچے پیدا ہوں گے اس میں ہم آدھا تم کو دیدیا کریں گے یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی میانجی نور محمد موضع نی ضلع گوڑگانوہ۔

(جواب ۳۲) اس طرح جانوروں کو دینا کہ ان کے بچوں میں سے آدھے بچے تم کو دیں گے ناجائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ابھی قرض لینا کہ غلہ کے موسم میں گندم دوں گا بیع سلم ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) اگر زید عمرو سے کچھ روپیہ اس شرط پر لے کہ غلہ کی فصل پر غلہ ادا کر دے گا اور اس کا نرخ بھی

---

(۱) (وهو) بيع آجل وهو المسلم فيه (بعاجل) وهو راس المال وركنه ركن البيع وشرطه اى شروط صحته التى تذكر فى العقد سبعة بيان جنس كبر وتمر و بيان نوع كمسقى او بعلى ووصفه كجيد وردى وقدر واجل و بيان قدر راس المال و مكان الايفاء (تنوير الابصار مع درمختار كتاب البيوع باب بيع السلم ٥ : ٢٠٩، ٢١٤، ٢١٥ ط. سعيد)
(۲) ولا يجوز لرب السلم شراء شئ من المسلم اليه الى قوله بحكم الاقالة لقوله عليه السلام لا تاخذ الا سلمك او راس مالك (الدر المختار كتاب البيوع باب السلم ٥: ٢١٩ ط. سعيد)
(۳) دفع بقرة الى رجل على ان يعلفها وما يكون من اللبن والسمن بينهما انصافا فالا جارة فاسدة (عالمگيرية كتاب الاجارة الفصل الثالث قفيز الطحان ٤: ٤٤٥ ط كوئٹه)

وہی ہوگا جو اس وقت طے ہو جائے خواہ غلہ ادا کرنے کے وقت نرخ کچھ ہی کیوں نہ ہو تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟
(جواب ۳۳) ہاں یہ بیع سلم کی صورت ہے اور بیع سلم اپنے شرائط کے ساتھ جائز ہے شرائط کی تفصیل کسی مقامی عالم سے دریافت کر لی جائے۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

بیع سلم میں ادائیگی کے وقت بھاؤ میں کمی بیشی یا جنس کی تبدیلی کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ظہور علی نے پنڈت جی کو پانچ روپے قرضہ دیا ہے اور اقرار یہ ہے کہ فی روپیہ دس سیر مسور فصل آنے پر لی جاوے گی تو فصل پر پنڈت جی کے پاس مسور نہیں ہوئی پنڈت جی و ظہور علی کا فیصلہ ہونا مقرر ہوا ہے کہ مسور کی جگہ پر گندم لی جاوے۔ جس قدر قیمت کی کل مسور ہے اسی قیمت کی جس قدر گندم ہو پنڈت جی دینے کو راضی ہیں ظہور علی اس بارے میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟
دوسرے ظہور علی نے پنڈت جی کو دس روپیہ دیا ہے اور یہ اقرار ہے کہ ہم فی روپیہ دس سیر چنا لیں گے۔ فصل پر چنا نہ ہونے سے ظہور علی و پنڈت جی کا یہ اقرار ہوا ہے کہ فصل پر جس قدر قیمت کے چنے ہیں اسی قدر حساب لگا کر روپیہ لے لیا جائے۔ اگر اقرار مذکور پر شریعت اجازت نہ دے تو کس طریقے سے وصول کیا جاوے ؟
(جواب ۳۴) ظہور علی پنڈت جی کو مجبور کریں کہ وہ مسور اور چنا جس بھاؤ کو بھی ملے ظہور علی کو ادا کر دے۔ ظہور علی کوئی دوسری جنس نہیں لے سکتے۔ صرف مسور اور چنا ہی لے سکتے ہیں۔ اور پنڈت کو یہ دونوں چیزیں دینی چاہئیں خواہ بازار سے ادا کر دے۔ البتہ ظہور علی اگر پنڈت کو مجبور کرنا نہیں چاہتے تو اپنا روپیہ واپس لے سکتے ہیں ظہور علی کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا موعودہ غلہ لیں یا جو روپیہ دیا تھا وہ واپس لے لیں۔[2]
محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی۔

بیعانہ دینے کے بعد مقررہ نرخ میں کمی بیشی ہو جائے تو نفع و نقصان پورا کرنے کی ایک صورت

(سوال) ہم نے آج کے نرخ سے چاندی سونا یا اور کوئی چیز خرید کی اور اس چیز کی مقدار مقرر کر کے اس سے یہ طے کیا کہ یہ مال ہے تجھ سے مثلاً ایک مہینہ یا کچھ کم و بیش دن مقرر کئے کہ اس تاریخ کو لیں گے اس نے یہ بات منظور کر کے بیعانہ لے لیا اور مال آج کے نرخ سے جو نرخ ہم نے منظور کر لیا ہے ہمارے ذمہ صحیح ہو گیا۔ اب جب ہمارے مال لینے کی تاریخ آئی تو اس دن کا نرخ ہماری خرید سے کم ہے۔ ہمیں اس مال کے لینے میں جتنا نقصان ہوتا ہے اتنی رقم ہم اس کو دیدیں اور مال نہیں لیں یا ہمارے مال لینے کی تاریخ آئی تو اس دن کا نرخ

---

(۱) وشروط صحته التي تذكر في العقد سبعة (الدر المختار' كتاب البيوع' باب السلم ۵/ ۲۱۴ ط ، سعید) لیکن مذکورہ صورت بوجہ جہالت ثمن کے درست نہیں' والله اعلم
(۲) ولا يجوز ... ... شراء شئ من المسلم اليه الى قوله بحكم الا قالة لقوله عليه السلام لا تاخذ الا سلمك او رأس مالك الخ(الدر المختار' كتاب البيوع' باب السلم ۵/ ۲۱۹ ط س)

ہماری خرید سے زیادہ ہے۔ ہمیں اس مال کے لینے میں جتنا فائدہ ہوتا ہے اتنی رقم ہم اس دوکاندار سے لیں تو یہ نفع لینا اور نقصان دینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب (بلیماران دہلی)
(جواب ۳۵) یہ صورت نفع لینے یا نقصان دینے کی جائز نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تیرھواں باب
پیمائش اور اوزان

شرعی گز اور تولہ کی مقدار

(سوال) شرعی گز اور انگریزی میں نیز تولہ اور انگریزی روپیہ میں کیا فرق ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۷۱ پروفیسر محمد طاہر صاحب ایم اے (ضلع میمن سنگھ) ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ۳۶) شرعی ذراع نمبری گز کے ۸ $\frac{1}{2}$ گرہ کے برابر ہے[2] اور انگریزی روپیہ کو تولہ قرار دینا حساب میں آسانی کے لئے بہتر ہے۔ ورنہ تولہ کے اوزان ہر زمانہ اور ہر ملک میں مختلف رہتے ہیں۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

چودھواں باب
خرید و فروخت کے لئے وکیل بنانا

دوسرے کے لئے خریدی گئی چیز پر نفع لینے کا حکم

(سوال) زید کو اپنی دکان کے واسطے باہر سے سامان خرید کرلانے کی اور اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ زید بکر سے کہتا ہے کہ مجھ کو مبلغ یکصد روپے دے دو سامان خرید کر لاؤں گا تو اس کی بلٹی جب تم کو دیدوں گا اور اس پر تم کو مبلغ پانچ روپے منافعہ کے دے دوں گا۔ اور ان روپیوں کی ادائیگی کی میعاد تین مہینے قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا تو روزانہ لے لو یا یک مشت تین مہینے میں لے لینا بعض اوقات زید اپنے شہر سے بھی سامان خرید لیتا ہے اس کے متعلق کہتا ہے کہ مال بکر کے قبضے میں دیکر پھر خرید لیا کروں گا۔ اور اس پر کچھ منافع دے دیا کروں گا المستفتی نمبر ۹۰۳ کلن چھٹن مراد آباد مورخہ ۷ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۶ء

---

(۱) کیونکہ اس صورت میں نفع نقصان دینا اور لینا ربا ہے اور ربا حرام ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے لان الربا ھو الفضل الخالی عن العوض (رد المحتار کتاب البیوع باب السلم ۵/ ۲۴۱ ط. سعید)
(۲) شرعی گز دیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے اور یہ انگریزی گز کا نصف ہے (جواھر الفقه لمفتی محمد شفیع ۲/۴۰۸)
(۳) اور اس دور میں انگریزی پیسہ کی چلن ختم ہو چلی ہے مگر تولے کا وزن ماشہ سے کیا جاتا ہے اور ایک تولہ (۱۲) ماشے کا ہوتا ہے فیروز اللغات

(جواب ۳۷) اگر زید بکر سے روپیہ قرض نہیں لیتا بلکہ بکر کے روپے سے مال بکر کے لئے خرید تا ہے اور خود بحیثیت وکیل بکر کے کام کرتا ہے تو اس پر وکالت کے احکام جاری ہوں گے۔[1] اور مال کا مالک بکر ہو جائے گا اس کے بعد اگر زید اسی مال کو بکر سے اپنے لئے خرید لے اور کچھ منافع دیدے تو یہ جائز ہوگا۔[2] اور اس رقم کی ادائیگی کے لئے جو مدت آپس میں طے کر لیں وہ جائز ہوگی۔ لیکن اگر زید مال نہ خریدے تو بکر کو اس پر جبر کرنے کا حق نہ ہوگا۔[3] محمد کفایت اللہ دہلی

پندرہواں باب
متفرقات

(۱) قرآن کریم کو بغرض تجارت بیچنے کا حکم
(۲) قرآن کریم کو پارہ پارہ کر کے چھپوانا
(۳) قرآن پاک کو رنگ کرنے کا حکم

(سوال) (۱) قرآن کریم کی طبع و نشر غیر مسلم اقوام کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہیئے اگر کوئی مسلم کمپنی یا کوئی بینک مسلم ایسا کام اپنے ہاتھ میں لے تو لوگوں کو اس ہستی کا مشکور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس ہستی کو قرآن کریم کو ایک مال تجارت تصور نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اس کے متعلق جس قدر مصارف خواہ کثیر یا قلیل ہوں انکو وصول کرنے کا حق ہے مگر اس صرف سے زیادہ وصول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ جو روپیہ بطور منافع اس طرح سے حاصل ہوگا۔ وہ ناجائز ہے۔ میرا یہ خیال صحیح ہے تو پھر ایسے منافع کے حصے داران بھی جائز روپیہ حاصل نہیں کرتے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس منافع سے پرہیز کیا جاوے۔ عوام کو عموماً اور امراء کو خصوصاً۔
(۲) قرآن کریم کو حصہ حصہ کر کے (مثلاً پنج سورہ، یازدہ سورہ، سیزدہ سورہ) چھپوانا درست ہے؟ کیا اس طرح قرآن کریم کا پارہ پارہ ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے؟ مجھے یقین ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ دار خود اللہ کریم ہے۔ (۳) قرآن کریم کا ہشت رنگ وغیرہ کرنا کہ نظر میں اس کی صورت مزین ہو اور موجودہ زمانہ کے بھی مطابق ہے تو یہ کہاں تک درست ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۱ محمد برکت علی صاحب سب جج پنشنر (جالندھر) ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء۔
(جواب ۳۸) (۱) مصاحف مطبوعہ یا قلمی مالک کی ملک ہیں اور وہ ان کو بیع کر سکتے ہیں اور ان کی تجارت

---

(۱) العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للالفاظ والمبانی (قواعد الفقه ص ۹۱ ط صدف پبلشرز)
(۲) لو وكله شراء شي بغير عينه فالشراء للوكيل الا اذا نواه للموكل او الشراء بماله اى مال الموكل (رد المحتار كتاب الوكالة ۵/ ۵۱۶ ط، سعيد)
(۳) لما في الدر فلو اكره بقتل او ضرب شديد او حبس حتى باع او اشترى او اقر او آجر فسخ ما عقد او امضى لان الاكراه الملجي وغير الملجي يعدمان الرضى و الرضى شرط لصحة هذه العقود وكذا الصحة الاقرار الخ (الدر المختار كتاب الاكراه ۶/ ۱۳۰ ط سعيد)

ممنوع ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں اور قرآن مجید کی طبع اور نشر اور تجارت سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔
(۲) حصہ حصہ کر کے شائع کرنا مباح ہے اور بغرض تعلیم بچوں کے لئے پارہ پارہ کر کے چھاپنا بھی مفید ہے اور سلفاً اور خلفاً معمول بہ ہے۔[۱] (۳) یہ صورت خلاف اولیٰ ہے لیکن اگر غرض قرآن مجید کی عظمت و احترام ہو تو مباح ہے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غلہ کی تجارت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۷ء)

(سوال) غلہ کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟

(جواب ۳۹) غلہ کی تجارت جائز ہے۔ بلکہ انسان اور حیوانات کے لئے حصول غذا میں آسانی پیدا کرنے کی نیت سے ہو تو موجب اجر ہے۔[۳] ہاں احتکار مکروہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کہ مخلوق کو غلہ کی حاجت ہو ایسے وقت کوئی غلہ روک رکھے یا وہ جو نفع ملنے کے زیادہ گراں قیمت پر غلہ فروخت کرنے کے ارادہ سے بند کر لے اور مخلوق کو اس سے مالی اور جسمانی تکلیف پہنچے تو یہ فعل ناجائز ہے۔[۴]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) وعن ابن عباس انه سئل عن اجرة كتابة المصحف فقال لاباس انما هم مصورون وانهم انما ياكلون من عمل ايديهم رواه رزين (مشكوة شريف' كتاب البيوع' باب الكسب مطلب الحلال' ج ۱' ۲۴۲)
(۲) و جاز تحلية المصحف لما فيه من تعظيمه كما فى نقش المسجد و تعشيره و نقطه اى اظهار اعرابه و به يحصل الرفق جدا خصوصا للعجم (الدرالمختار' كتاب الحظر والاباحة' ۶/۳۸۶ ط ،سعيد)
(۳) موجب اجر ہونے کی علامت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء" (ترمذی' كتاب البيوع ۱/ ۲۲۹ ط، سعيد)
(۴) قال عليه الصلاة والسلام " من احتكر طعاما اربعين يوما يريد به الغلاء فقد برئ من الله و برئ الله منه رواه رزين (مشكوة ۱/ ۲۵۱)

کتاب الربوا

پہلا باب
بینک کے معاملات

کفار کے بینکوں سے سود لینے کا حکم

(سوال) کفار و گورنمنٹ بینک میں روپیہ جمع کرانا اور سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیوں؟ اور جواز کے کیا دلائل ہیں' اور جواز کی صورت میں آیات صریحہ واحادیث صحیحہ محرمات ربوا کے کیا معنی ہیں اور ان کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جب کہ ان میں صراحۃً امتناعی حکم موجود ہے۔ کیا روایات فقہ جن سے جواز کا استدلال کیا جاتا ہے نص قرآنی کی معارض یا مخصص ہو سکتی ہیں۔ اور کیا ہندوستان کے دار الاسلام ہونے میں شک ہے جب کہ اس میں حدود کے علاوہ جن کا رواج آج کل بلاد اسلامیہ میں بھی نہیں جملہ احکام شرعیہ بلا مزاحمت نافذ العمل ہیں؟ بینوا توجروا' المستفتی عبدالکریم از سونی پت

(جواب ۴۰) گورنمنٹ کے بینکوں میں روپیہ جمع کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اس سے فریق محارب کی امداد ہوتی ہے اور محاربین کو تقویت پہنچتی ہے۔ جمع شدہ روپے کو واپس لینا چاہئیے اور اس کا سود بھی لے لینا چاہئیے کیونکہ سود ان کے پاس چھوڑ دینے سے اسلام کو یہ نقصان پہنچتا ہے کہ وہ سود کا روپیہ مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دیا جاتا ہے اور وہ اس سے اسلام کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔[1] سود لینے کے بعد اگر سود کے روپے کو محتاج مسکین کو دیدیا جائے تو کسی قسم کا کھٹکا نہیں۔[2] اور خود خرچ کیا جائے تو جو علماء ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہیں انکے نزدیک جائز ہے۔[3] ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ اس میں عرصے سے اختلاف چلا آتا

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

(۲) لو مات الرجل و کسبه من بیع البازق اوالظلم اواخذ الرشوۃ یتورع الورثة ولا یاخذون منه شیئاً وهو اولی و یردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ ۶/ ۳۸۵ ط ، سعید)

(۳) ولا ربابین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمه لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه (الدرالمختار' کتاب البیوع' باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط ،سعید)

(نوٹ) صفحہ ھذا سے لیکر صفحہ ۸۴ تک ایک ہی مسئلہ (کہ بینک سے سودی رقم لی جائے اور اس رقم کو غرباء و مساکین پر خرچ کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ یہ رقم مسیحی تبلیغ کے لئے استعمال ہوگی جو صحیح نہیں ہے) بار بار آرہا ہے جس کے لئے ہم نے تکرار عبارت کے بجائے صرف ص ۶۵ حوالہ نمبر ۲ کا رمز اختیار کیا ہے بس اسی پر اکتفا کیا جائے۔

ہے اور اب (۱) تو اقرب الی الصواب یہی ہے کہ دار الحرب ہی ہے۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ دہلی

مسجد کی رقم پر سود لینا

(سوال) چونکہ مسلمانوں میں معتمد علیہ امین کا ملناد شوار تھا اس لئے سورتی جامع مسجد رنگون کا روپیہ سرکاری بینک میں (محفوظ رہنے کی غرض سے نہ کہ سود حاصل کرنے کی غرض سے) جمع کر دیا گیا۔ جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہو گی جس کی وجہ سے بینک اپنے قاعدہ کے مطابق سود قرار دیکر اندازاً حساب تین چار سو روپیہ ماہوار ہر سال مسجد کو ادا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ٹرسٹیان مسجد نے سود سمجھ کر کبھی اس روپے کو لینا پسند نہیں کیا۔ بلکہ سرکاری بینک نے ہمیشہ اس کو اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں صرف کیا' پس دریافت طلب یہ ہے کہ جب یقیناً یہ غیر مسلمین ان رقوم متروکہ کو اصول اسلام کے متضاد مقاصد میں صرف کر دیتے ہیں تو اگرچہ یہ لوگ اس روپے کو سود کے نام سے نامزد کرتے ہیں لیکن ٹرسٹیان مسجد اس کو سود اعتقاد نہ کریں بلکہ عطیہ رضامندی خیال کر کے اس کو وصول کر لیں اور خدام و اعظین مسجد مذکور وغیرہ پر تمام اعمال و کمال صرف کر دیں تو شرعاً جائز ہو گا یا نہیں؟ مکرر عرض یہ ہے کہ سوال معروضہ بالا میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ معتمد علیہ امین کا ملناد شوار تھا در اصل یہ بات نہیں ہے بلکہ ایک سابقہ مقدمہ متعلقہ مسجد ہذا کے بعد گورنمنٹ کے فیصلے کے مطابق ٹرسٹیان مسجد مجبور ہیں کہ ایک ہزار روپے سے زائد رقم بینک میں جمع کر دیں۔ فقط المستفتی حاجی داؤد ہاشم صاحب نمبر ۴۸ مرچنٹ اسٹریٹ شہر رنگون (برما) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

(جواب ٤١) سرکاری بینک کو امین سمجھنا اور اتنی بڑی بیش قدر رقم اس کو دینا جس سے وہ بڑے بڑے فائدے حاصل کرے ناجائز ہے۔ مسلمانوں کو واجب ہے کہ وہ اس قسم کے تعلقات سرکار کے ساتھ نہ رکھیں جن سے اس کو بیش قدر امداد اور فائدہ حاصل ہو لیکن اگر کوئی سخت مجبوری ہو (جیسی کہ سوال کے آخر میں ظاہر کی گئی ہے) تو اس مجبوری کو زائل کرنے کی پوری کوشش کریں اور زوال مجبوری تک جو رقم کہ سود کی بینک دیتا ہے اسے وصول کر لیں اور احتیاطاً اس رقم کو غریب اور نادار مسلمانوں کی ضروریات میں مسجد کی جانب سے خرچ کر دیں۔ (۱) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بینک میں سودی حساب کتاب کی ملازمت کا حکم

(سوال) بینک کی وہ ملازمت جس میں سود کا حساب کتاب و عملدر آمد وصول باقی کرنا پڑتا ہے یہ ملازمت اہل اسلام کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد یوسف تھانوی اجمیری دروازہ دہلی' مورخہ ۷ ا رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ۔

(جواب ٤٢) سرکاری بینک کی ملازمت اس حیثیت سے کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے ناجائز نہیں ہے۔

---

(۱) یہ فتویٰ تقریباً ۱۹۲۴ء کا ہے۔ (حفیظ الرحمن واصف)

(۱) لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار' کتاب الحظر والاباحة ٦' ٣٨٥ ط س)

کیونکہ بحالت موجودہ گورنمنٹ برطانیہ محارب اور ہندوستان دارالحرب ہے اور اس میں گورنمنٹ سے سود لینا ناجائز نہیں ہے۔[1] لیکن سرکاری بینکوں میں قصداً روپیہ جمع کرنا اور اس ذریعے سے ایک قسم کی امداد پہنچانی درست نہیں۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عیسائی مبلغین پر خرچ ہونے کے خدشہ کی وجہ سے سود لینا

(سوال) ایک مسلمان اپنا روپیہ بینک میں اس غرض سے جمع کرتا ہے کہ روپیہ محفوظ رہے سود لینا اس کا مقصود نہیں مگر بینک کے قاعدہ کے مطابق بہر صورت اس روپے پر سود دیا جاتا ہے اگر روپیہ جمع کرنے والا وہ رقم نہیں لیتا ہے تو وہ عیسائی مبلغین اور دوسرے غیر مسلم اداروں کو دیدی جاتی ہے جس سے وہ اپنے مقاصد کی تبلیغ میں مدد لیتے ہیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۵۰ حکیم ذکی احمد خان' دہلی ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۳) جب کہ بہ نیت حفاظت سرکاری بینک یا سیونگ بینک میں روپیہ جمع کیا گیا ہو تو اس کا سود بینک سے وصول کر لینا چاہئے کیونکہ وصول نہ کرنے کی صورت میں وہ سود کی رقم تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کے فرزندوں کو مرتد بنایا جاتا ہے۔[3] بینک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کر دینا چاہئے ۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سیونگ بینک' ڈاکخانہ کیش سر ٹیفکیٹ پر سود لینا

(سوال) جو سود ہندوستانی اور انگریزی بینک ان رقوم پر ادا کرتے ہیں جو ان کے پاس جمع کی جاتی ہیں ایسا سود حرام ہے یا جائز ؟ یا ایسا سود بینک میں چھوڑ دیا جائے اور ترک کر دیا جائے سود جو سیونگ ڈاکخانہ ادا کرتا ہے اس کی حلت اور حرمت کا کیا حکم ہے ؟ سود کیش سر ٹیفکیٹ و دیگر قرضوں پر گورنمنٹ ادا کرتی ہے اس کا لینا حرام ہے یا جائز ؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۹۱ مولوی عبداللہ ایڈوکیٹ پنڈی گھیپ ضلع اٹک ۱۲ شوال ۱۳۵۲ھ ۲۸ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۴) سیونگ بینک' ڈاکخانہ' کیش' سر ٹیفکیٹ' سرکاری بینک اور قرضوں سے گورنمنٹ جو سود

---

(۱) ولا ربابين حربي ومسلم ثمة لان ماله مباح فيحل برضاه مطلقاً بلاعذر (درمختار كتاب البيوع باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط، سعيد)

(۲) واتفقوا على انه لا يفاوى بنساء وصبيان و خيل و سلاح الا لضرورة ...... وفي الشامية' قوله و خيل و سلاح اى اذا اخذنا منهم فطلبو المفاداة بمال لم يجز ان نفعل لان فيه تقوية يختص بالقتال الخ (الدرالمختار' باب الغنيمة ۴/ ۱۳۹ ط ، سعيد)

(۳) لو مات الرجل و كسبه من بيع البازق اوالظلم اواخذ الرشوة يتورع الورثة ولا ياخذون شيئاً وهو اولى و يردونها على اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبيل الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه (رد المحتار' كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع ۶/ ۳۸۵)

(۴) (ايضاً بحواله سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

دیتی ہے یہ سب وصول کر لیا جائے اور اس کو رفاہ عام کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔[1] یا تو ان چیزوں میں روپیہ جمع نہ کیا جائے یا مجبوری ہو تو جمع کر کے اس کا سود وصول کر لیا جائے۔ مگر نہ تو جمع کرنے میں غرض تحصیل سود ہو اور نہ اس سود کو اپنے ذاتی مصرف میں لایا جائے۔ وصول کرنے کی اجازت اس بناء پر ہے کہ صاحب رقم اگر سود وصول نہ کرے تو وہ سود مسیحی مشنریوں کو دیدیا جاتا ہے اور تبلیغ مسیحیت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔[2]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا سودی رقم، دینی تعلیم، رفاہ عام اور مسلمان فقراء پر خرچ کی جا سکتی ہے

(سوال) میں نے گورنمنٹ ڈاکخانہ سے کیش سرٹیفکیٹ پانچ سالہ خریدے ہیں کیش سرٹیفکیٹ کا مطلب یہ ہے کہ گورنمنٹ ہم سے ایک خاص میعاد (مثلاً پانچ سال) کے لئے روپیہ لیتی ہے اور یہ معاہدہ کرتی ہے کہ اس سے زائد مقررہ رقم پانچ سال بعد واپس کر دے گی۔ سود کا ذکر اس معاہدہ میں نہیں ہے تو اس معاہدہ کی آمدنی جس میں سود کا ذکر نہ ہو اپنے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اپنے صرف میں نہیں لا سکتے تو اسلامی پرائمری مدرسے میں جس میں دینیات کی تعلیم ہوتی ہو خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ نیز خالص دینی تعلیم پر یا غریبوں کی امداد پر یا مسلمانوں کے قرض کی ادائیگی پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۴۳۱ نظم الرحمٰن (دہلی) ۱۶ رمضان ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۵) ڈاکخانہ کے سیونگ بینک اور کیش سرٹیفکیٹ پر جو رقم اصل رقم سے زیادہ ملتی ہے وہ سود کی ہے۔ خواہ اس کا نام سود رکھا گیا ہو یا نہیں۔[3] مگر ڈاکخانہ سے اور حکومت کے کیش سرٹیفکیٹ سے سود کی رقم وصول کر کے مساکین وغیرہ پر قرضدار مسلمانوں کے قرضہ کی ادائیگی پر تعلیم (پرائمری یا دینیات) پر اور ہر رفاہ عام کے کام پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سودی کاروبار والے بینکوں میں تجارت کرنا

(سوال) بینکوں سے تجارتی کاروبار کرنا جن کا معاملہ سودی کاروبار پر ہے درست ہے یا نہیں؟ حالانکہ فی زمانہ غیر ملکی تجارت بغیر بینکوں کے غیر ممکن ہے۔ **المستفتی** نمبر ۶۷۴ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۶) غیر ملکی بینکوں سے کاروبار تجارت کرنا اس بنا پر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اہل حرب کے بینک اور دارالحرب میں قائم ہیں۔ شریعت نے تجارتی اور غیر تجارتی سود کا کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ لیکن دارالاسلام اور دارالحرب کا فرق کیا گیا ہے بس مسلمان مجبوری کی حالت میں ان بینکوں سے کاروبار کریں جن میں سود لینا یا دینا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) (ایضاً) (۳) (ایضاً)
(۴) کیونکہ یہ زائد رقم بغیر کسی عوض کے مل رہی ہے وفی رد المحتار :ربا ہو الفضل الخالی عن العوض (رد المحتار، باب المتفرقات ۵/ ۲۴۱ ط، سعید)

پڑے تو یہ وجہ عذر ہو سکتا ہے۔[1]

سودی رقم استعمال کرنے کا حکم

(سوال) بینک کا سود کھانا خصوصاً کوآپریٹو بینک جو گورنمنٹ کی طرف سے پانچ سو یا ہزار روپے کا سرمایہ فی روپیہ ایک پیسہ سود ماہانہ مقرر کر کے چند اشخاص کو ممبر کر کے فی کس ایک روپیہ وصول کر کے ان کے ہاتھ سپرد کیا جاتا ہے وہ اس روپے کو کچھ زیادہ سود پر قرض دیتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۵۱۵ محمد مقدس (ضلع سلہٹ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۷) سرکاری بینکوں کا سود بینکوں سے وصول کر لینا اور اس کو فقراء و مساکین پر خرچ کر دینا جائز ہے۔[2] کوآپریٹو بینکوں کی شرکت اور ممبری اور اس کے سودی کاروبار سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مسجد یا مدرسہ والی آمدنی پر ملنے والے سود کو طلبہ پر خرچ کرنا

(سوال) آمدنی موقوفہ مدرسہ یا مسجد بینک میں جمع کی جاتی ہے اور اس پر بینک سے سود ملتا ہے وہ سود وہاں سے لے لیا جاتا ہے اس کا مصرف کیا ہے آیا وصول کر کے وہیں اصل میں جمع کر دیا جائے یا طلبہ و مساکین پر خرچ کر دیا جائے؟ المستفتی نمبر ۶۲۹ مولانا شوکت نگینہ ضلع بجنور ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۱ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۴۸) اگر کوئی امانت دار اور معتمد مسلمان بہم نہ پہنچ سکے تو ایسی صورت میں مسجد یا مدرسے کا روپیہ بینک میں رکھنا جائز ہے۔[4] اور اس کا سود لیکر مسکین طلبہ پر خرچ کر دیا جائے تو جائز ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بینک میں رقم اور بیمہ کے ذریعے منافع حاصل کرنے اور استعمال میں لانے کا حکم

(سوال) (۱) میرا روپیہ ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں جمع ہے اور اس کا سود لینا میں حرام سمجھتا ہوں۔ اگر نہ لوں تو وہی سودی روپیہ اسلام کے خلاف تبلیغ مذاہب میں جاتا ہے اس سود کو میں کیا کروں؟ (۲) کیا ایسے سود کا روپیہ لیکر غریب و نادار مسکین مسلمانوں پر یا مسلمان قرض داروں کے قرضے کی ادائیگی میں خرچ کر سکتا ہوں اور غیر مسلم جو امداد کا مستحق ہو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ (۳) میرا روپیہ امپیریل بینک میں جمع ہے جو

---

(۱) لاربا بین حربی و مسلم مستا من ولو بعقد فاسد او قمار ثمۃ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ (الدر المختار ۵/۱۸۶ ط۔ سعید)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۳) لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا و مؤکلہ و شاھدیہ و کاتبہ او کما قال (ابوداؤد شریف ۲/۱۱۷ ط مکتبہ امدادیہ ملتان)
(۴) قال تعالیٰ فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم (پ ۶ مائدۃ آیت ۳)

اب سرکاری بینک ہوگیا ہے کیا اس کے واسطے بھی وہی حکم شرعی ہے جو ڈاکخانہ کے سود کے واسطے ہے ؟ (۴) میرا روپیہ کسی ایسے بینک میں جمع ہے جس کے فیل ہو جانے سے روپیہ مارے جانے کا یا کم ملنے کا امکان ہے تو اس کے سود لینے کا کیا حکم ہے۔ یعنی میں اس بینک کے نفع نقصان میں شریک ہوں (۵) میں نے ایک انشورنس کمپنی میں اپنی زندگی ایک ہزار روپے میں انشورڈ کرائی ہے میرا یہ فعل اس لئے ہے کہ میرے مرنے کے بعد پسماندگان کو گداگری نہ کرنی پڑے اور کچھ دنوں سہولت رہے یہ کمپنی مجھ کو ایک ہزار روپیہ مع سود کے واپس کرے گی اس کا سود لینا کیسا ہے اگر یہ کمپنی بھی فیل ہو جائے تو اصل رقم کا خطرہ ہے۔ **المستفتی** نمبر ۲۷۷ عبدالعلیم خان (میرٹھ) ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۹) جمع شدہ رقم کا سود لے لینا چاہئے۔[۱] (۲) اور ڈاکخانہ سے وصول کر کے اس کو غربا و مساکین یتیموں بیواؤں پر خرچ کر دینا چاہئے۔[۲] (۳، ۴) مسلمان محتاج کو دینا اور مسلمان قرضدار کے قرضے میں دینا اور غیر مسلم محتاج کو دینا جائز ہے۔[۳] امپیریل بینک اور ڈاکخانہ کے سود کا ایک ہی حکم ہے (۵) اس کا حکم بھی وہی ہے انشورنس سے ملی ہوئی رقم پسماندوں کو اپنے خرچ میں لانا بھی درست ہوگا۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(جواب ۵۰) (۸۲۳) ہندوستان دارالحرب ہے اس میں غیر مسلم سے سودی معاملات کرنے کی اباحت ہے[۵] بینک اور ڈاکخانہ کے سیونگ بینک سے سود کی رقم وصول کر لی جائے اور غربا و فقراء طلباء کے مصارف میں خرچ کر دی جائے۔[۶] محمد کفایت اللہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۲) کیونکہ نہ لینے کی صورت میں مسیحی مشنریوں پر خرچ کئے جائیں گے اور قرآن پاک میں برے کاموں کی معاونت سے روکا گیا ہے قال تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (سورۃ مائدۃ پارہ ۶ آیت ۲)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۴) کیونکہ اصل مالکوں تک پہنچانا ممکن ہے اور ایسی صورت میں ثواب کی نیت کئے بغیر اکو دیا جاسکتا ہے وفی رد المحتار: یردونها علی اربابها ان عرفوهم، والا تصدقوا بها لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذ تعذر الرد علی صاحبه (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحة ۶/ ۳۸۵)

(۵) واضح ہو کہ دارالحرب میں کفار سے سود لینے کے بارے میں یہ حضرت مفتی عالم کی سابقہ رائے ہے ورنہ جمہور ائمہ و مجتہدین کے نزدیک دارالحرب میں کفار سے سود لینا بھی حرام ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ائمہ احناف میں امام ابو یوسف اسی حرمت کے قائل ہیں البتہ امام اعظم اور امام محمدؒ سے دارالحرب میں اس کا جواز منقول ہے نیز حضرت مفتی صاحبؒ کے ایک فتویٰ سے عدم اخذ جواز معلوم ہوتا ہے وہ ایک جگہ فرماتے ہیں جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں وہ کفار سے حربیین سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور سرکاری بینکوں کا سود ان کے نزدیک جائز ہے مگر میرا قلب اس خیال کے ساتھ متفق نہیں (کفایت المفتی ۸/ ۷۵) پھر اس میں بعض مشائخؒ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سود لینا جائز ہے دینا جائز نہیں فی الدر: ولا بین حربی و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه مطلقا فی الشامیة قال فی فتح القدیر: لا یخفی ان هذا التعلیل انما یقتضی حل مباشرة العقد الخ (شامیه ۵/ ۱۶۸) پھر امام صاحب کے قول کا بہت سے علمائے محققین نے یہ مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا نیز ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی علماء کا اختلاف ہے نیز سود کے متعلق قرآن و حدیث میں جس قدر سخت اور قطعی وعیدیں آئی تھیں جو کہ ہر اعتبار سے قطعی ہیں ان کو دیکھ کر کوئی مسلمان جرات نہیں کر سکتا کہ جس معاملہ میں سود کا احتمال بھی ہو اس کے قریب جائے (کذافی امداد المفتین ۲/ ۶۸۸ نظام الفتاوی ۲/ ۳۵۶، فتاوی محمودیة ۶/ ۲۹۳)

(۶) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

غیر مسلموں سے منافع لینا

(سوال) سیونگ بینک اور غیر مسلموں سے منافع لینا جائز ہے یا نہیں اور مسلمانوں سے سود لینا کیسا ہے ؟
المستفتی نمبر ۷۷۸ محمد رمضان (ضلع لائل پور) ۲۵ محرم ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۱) سیونگ بینک کا حاصل کردہ منافعہ اور غیر مسلم سے حاصل کردہ منافعہ اپنے مصارف میں لا سکتا ہے لیکن ثواب کے کاموں میں خرچ نہ کرنا بہتر ہے[1] ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں سے سود لینا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود کی رقم سود کی شکل میں واپس کرنا

(سوال) (۱) زید تاجر ہے یورپ سے مال منگواتا ہے' مال کی ہنڈیاں بینک میں آتی ہیں اگر ہنڈی کا روپیہ قبل از میعاد بینک کو ادا کر دیا جائے تو بینک قبل از میعاد کی ادائیگی پر سود دیتا ہے' زید سودی رقم کو اپنے صرف میں نہیں لاتا ہے بلکہ علیحدہ رکھتا ہے' بعض ہنڈیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر بینک سود لیتا ہے زید جو بینک کو سود ادا کرتا ہے تو اپنے مال میں سے نہیں' بلکہ وہ مال سودی جو اس کو بینک سے ملا تھا اور وہ علیحدہ رکھ دیا تھا اس میں سے دیتا ہے کیا یہ طریقہ جائز ہے ؟ (۲) سودی مال کن لوگوں پر تقسیم کرنا جائز ہے ؟ المستفتی نمبر ۹۴۹ نور الٰہی صدر بازار دہلی' ۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۲) زید اس رقم کو جو بینک سے حاصل کی ہے اس رقم میں دے سکتا ہے جو بینک کو دینی پڑے۔[3] اسی طرح سود کی رقم کو محتاجوں' یتیموں' بیواؤں' طالب علموں پر خرچ کر دینا جائز ہے۔[4]

سود کا حساب کتاب کرنا بھی گناہ کا کام ہے

(سوال) لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء[5] عالیجاہا مذکورہ بالا حدیث سے صریحاً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سود کا لکھنے والا بھی برابر گناہ گار ہے۔ بندہ بطور سب انسپکٹر اب تک ملازم ہے اور لازمی ڈیوٹی یہ ہے کہ قرضہ پر سود وغیرہ کا حساب کرنا کتب انجمن میں تحریر کرنا ان سے سود کی وصولی کرنا وغیرہ۔ سود کو محکمہ کی زبان میں منافع بھی کہہ دیتے ہیں۔ پس کیا مطابق حدیث مذکورہ بالا بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیں۔ اس محکمہ میں تو سب انسپکٹر پر ہی یہ گناہ عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ انسپکٹر اور رجسٹرار تک اس کے مرتکب ہوتے ہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۹ محمد اقبال صاحب سب انسپکٹر

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) ولا ربو بین حربی و مسلم و فی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا ھاجر الینا ثم عاد الیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی منہ اتفاقا (در مختار باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط، سعید)
(۳) تاکہ جس محل سے حرام آمدنی حاصل ہوئی ہے اسی پر دوبارہ خرچ ہو جائے۔
(٤) (ایضاً حوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۵) (صحیح مسلم شریف' باب الربا ۲/ ۲۷ ط، قدیمی)

بینک نوح یونین۔ (نوح ضلع گڑگانوہ) ۰ا ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ کیم جولائی ۱۹۳۶ء
(جواب ۵۳) ہاں یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ سود لینے والا دینے والا گواہ اور کاتب سب گناہ میں شریک ہیں مگر ہندوستان میں دار الحرب ہونے کی بنا پر بعض علما بینکوں کے سود کو مباح قرار دیتے ہیں۔[1] آپ کوئی دوسری ملازمت تلاش کرلیں اور مل جانے پر اس کو ترک کر دیں۔

سود کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ دینا

(سوال) مدرسہ کا جو روپیہ زکوۃ وغیرہ کا بینک میں جمع ہے اس کا سود ڈاکخانہ سے لے کر مدرسہ کی تنخواہوں میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں' المستفتی نمبر ۱۰۸۱ مہتمم مدرسہ دینیہ اسلامیہ (غازی پور) ۱۰ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء
(جواب ٥٤) ڈاکخانہ سے جمع شدہ رقم کا سود لینا جائز ہے اور اس کو مدرسہ کی ضرورت میں خرچ کیا جا سکتا ہے تنخواہ میں دینا بھی جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود کی رقم کا مصرف

(سوال) ڈاکخانہ میں جس کا روپیہ جمع رہتا ہے اس کا سود جو ملتا ہے لینا جائز ہے یا کہ ناجائز اگر لے تو کیا کرے المستفتی نمبر ۱۱۷۳ عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء
(جواب ٥٥) ڈاک خانہ سے سود کی رقم لے کر محتاجوں پر خرچ کردے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی
(جواب ٥٦) (۱۱۹۱) خاص سرکاری بینکوں سے سود لیکر خیرات کردیا جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر سود لینے کا حکم
(۲) ڈاکخانہ میں موجود رقم پر زکوۃ کب واجب ہوگی؟

(سوال) (۱) اگر کسی شخص نے ڈاکخانہ میں روپے جمع کئے تو ان روپیوں کا ڈاکخانہ سے اس آدمی کو سود ملے گا جس نے کہ جمع کئے ہوں تو ان سے وہ سود لینا جائز ہے یا ناجائز۔ (۲) ڈاکخانہ میں کسی کا روپیہ جمع ہو تو کیا ان روپوں کی زکوۃ اس وقت دینی ہوگی؟ جب کہ روپوں کو پورا ایک سال ہو جائے' المستفتی نمبر ۱۲۹۸ عظمت اللہ خاں صاحب (بجنور) ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء
(جواب ٥٧) (۱) ڈاکخانہ سے جو سود ملتا ہے اسے وصول کر کے فقراء کو تقسیم کر دینا چاہئیے۔[5] (۲) اس

---

(۱) لاربابین حربی و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه مطلقاً(درمختار' کتاب البیوع' باب الربا ٥ ١٨٦ ط. سعید)
(۲) (ایضا حواله سابق نمبر ۲ ص ٦٥)
(۳-٤-٥) (ایضا بحواله سابق نمبر ۲ ص ٦٥)

روپیہ پر ملک میں آنے کی تاریخ سے ایک سال گزر جانے پر زکوۃ دینی ہوگی۔ مثلاً کسی کے پاس یکم جنوری کو ۱۰۰ روپے آئے اور چھ مہینے اس نے اپنے پاس رکھ کر ڈاکخانہ میں داخل کئے تو یکم جنوری سے سال قمری پورا ہونے پر زکوۃ دینی چاہئے۔ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک 'ڈاکخانہ اور بجلی کمپنی میں جمع شدہ رقم پر سود کا حکم

(سوال) بینک 'ڈاک خانہ اور بجلی کمپنی میں جو روپیہ جمع ہے اس کا منافع لینا جائز ہے یا ناجائز؟ **المستفتی** مولوی محمد رفیق دہلوی

(جواب ۵۸) بینک اور ڈاکخانہ اور بجلی کمپنی میں جمع شدہ روپیہ کا سود وصول کر کے خیرات کر دینا بہتر ہے۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی۔

مسجد 'مدرسہ اور مد زکوۃ کی آمدنی پر سود کو کہاں خرچ کیا جائے!؟

(سوال) (۱) یہاں پر مسجد کے ممبران نے مسجد کا زائد روپیہ سیونگ بینک میں داخل کرنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اس پر جو رقم ڈاک خانہ سے سود کی ملے وہ طلباء مدرسہ پر صرف کر دی جائے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسجد کے مال موقوفہ سے اس طریقہ پر جو زیادتی حاصل ہو کیا وہ وقف میں شمار ہوگی اور ممبران کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس رقم کو مسجد کے علاوہ مدرسہ کے طلباء پر منتقل کر دیں اور اگر بالفرض یہ حق حاصل ہے تو کیا مہتمم مدرسہ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اس رقم کو بجائے صرف طلباء کے دوسرے مصرف میں صرف کر دے۔

(۲) مدرسہ کا روپیہ کچھ مد تعلیم کا اور کچھ مد زکوۃ کا پہلے سے سیونگ بینک میں داخل ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پر جو سود ملتا ہے کیا وہ اسی حساب سے تقسیم کیا جائے یا کسی ایک مد میں علی التعیین داخل کر دیا جائے۔

(۳) مد زکوۃ کا روپیہ سیونگ بینک میں داخل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۱۵۹۲ مولانا محمد سعید صاحب ناظم مدرسہ قاسمیہ نگینہ ضلع بجنور ۴ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۱۳ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۹) بینک میں روپیہ داخل کر کے سود لینا اگر اس نظریہ سے جائز قرار دیا جائے کہ ادخال رقم اور اخذ ربوا فی حد ذاتہ جائز ہے تو بطور سود لی ہوئی رقم اصل رقم کی طرح مسجد کی ملک ہے اور انہیں مصارف میں صرف کی جاسکتی ہے جن میں اصل رقم کا خرچ کرنا ضروری ہے۔ اس نظریہ کی **لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب** [3] پر بنا ہوگی مگر ہم نے ابھی تک اس پر فتویٰ اور عام اجازت نہیں دی ہے اور اگر اس خیال سے جائز کہا جائے کہ ادخال رقم کی تو بضرورت حفاظت اجازت دی جاتی ہے اور سود لینے کی اجازت اس پر

---

(۱) وحولها ای الزکاۃ قمری لا شمسی (تنویر الابصار مع الدر المختار' کتاب الزکوۃ ۲/ ۲۹۵ ط۔ سعید)
(۲) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۳) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۶۹)

مبنی ہے کہ اگر سود نہ لیا جائے تو سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دی جاتی ہے۔ اس لئے جمع کرنے والا خود وصول کر کے رفع وبال کی نیت سے صدقہ کردے۔ تو اس صورت میں سود کی رقم مسجد کی ملک نہ ہوگی اور اس کا مصرف بھی وہ نہ ہوگا جو اصل رقم کا مصرف ہے بلکہ اس کا مصرف فقراء و مساکین ہوں گے اور ان پر صرف بہ نیت رفع وبال ہوگا نہ کہ بہ نیت ثواب۔[1]

ہم نے سیونگ بینک کے سود کی رقم وصول کرنے کا فتویٰ اسی دوسرے نظریے کے ماتحت اب تک دیا ہے اور اس صورت میں رقم سود کا مصرف مسجد اور مدرسہ نہیں نہ رقم ماخوذ مسجد و مدرسہ کی ملک ہے ہاں طلبہ پر بحیثیت نادار اور مسکین ہونے کے خرچ کی جاسکتی ہے۔[2]

(۲) بغرض حفاظت داخل کردی جائے تو مباح ہے اور اس کے سود کا حکم بھی یہی ہے جو نمبر ا میں لکھا گیا ہے۔[3]

(۳) اگر فوری خرچ سامنے نہ ہو اور بغرض حفاظت (بجائے مدرسہ میں رکھنے کے) سیونگ بینک میں داخل کردی جائے تو مباح ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک میں موجود رقم پر زکوٰۃ کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شخص اپنا نقد روپیہ کسی بینک صوبہ سرحد پنجاب پرائیویٹ یا سرکاری میں داخل کرے بینک والے اس روپے کا ضرور سود دیتے ہیں بموجب قواعد خود کے گاہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر بینک دیوالیہ ہو جائے یا سرمایہ گم ہو جائے تو لوگوں کا اصل راس المال روپیہ بھی برباد ہو جاتا ہے اس بارے میں بعض علماء کے قسم قسم کے اقوال و فتاوے ہیں صحیح اور راجح قول کون سا ہے آیا یہ سود جائز ہے یا نہیں؟ (۲) جو روپیہ کسی بینک پرائیویٹ یا سرکاری میں بہ امید منافع رکھا جاتا ہے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا داخل کنندہ کے حق میں کون سا حکم ہے کیا بینک میں روپیہ داخل ہے اس کی زکوٰۃ دیوے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۱۶۵۴ حاجی صوفی سعد اللہ خاں صاحب (ڈیرہ اسماعیل خاں) ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ ۳ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۰) (۱) سرکاری یا پرائیویٹ بینک جو داخل شدہ رقم پر ضروری طور پر سود دیتے ہیں اور صاحب رقم نہ لے تو وہ سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دیدی جاتی ہے ایسی رقم بینک سے لے لینی چاہئے اور کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کردینی چاہئے یا یتیموں اور مسکینوں کو دے دی جائے[5] کیونکہ نہ لینے کی صورت میں وہ مسیحی تبلیغ اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے کام میں خرچ ہوگی اور اس کا وبال صاحب رقم پر بھی آنے کا[6]

(۱-۲-۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم (پارہ ۶ مائدۃ آیت نمبر ۳)

(۵) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۶) کیونکہ سود کی رقم نہ لینے کی صورت میں مسیحی تبلیغ میں معاونت سمجھی جائے گی جب کہ قرآن پاک میں گناہ کی معاونت سے روکا گیا ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (پ ۶ سورۃ مائدۃ آیت ۲)

(۲) سرکاری یا پرائیویٹ بینک میں بامید نفع رقم جمع کرنی جائز نہیں اگر بخیال حفاظت مجبوراً جمع کی جائے تو مباح ہے[1] اور اس کی زکوۃ صاحب رقم پر واجب ہے[2] اور اس سے حاصل شدہ سود کا وہ حکم ہے جو نمبر اول کے جواب میں لکھا گیا ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم کہاں خرچ کی جائے؟

(سوال) زید نے اپنی پونجی بغرض حفاظت بینک میں جمع کردی' ایک عرصہ کے بعد زید کو بینک سے اصل رقم کے علاوہ کچھ اور رقم ملی لہذا وہ رقم لینی جائز ہے یا نہیں اگر لی جاوے تو کس کام میں صرف کی جائے۔
المستفتی عبدالرحمن' فورٹ ولیم کلکتہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء
(جواب ۶۱) وہ رقم لے لینی چاہئیے اور لے کر غریبوں کو دے دی جائے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟

(سوال) ایک شخص ڈاک خانہ کے جمع شدہ روپے کے سود کو اپنے اخراجات میں لگا دیتا ہے آیا وہ سود کا روپیہ اس کو لے لینا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے خیال میں ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالامن؟ المستفتی نمبر ۱۸۰۰ احمایت اللہ غفرلہ' متعلم درجہ دہم (آگرہ) رجب ۱۳۵۶ھ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۶۲) ہندوستان اگرچہ قول راجح کی بنا پر دارالحرب ہے مگر پھر بھی بعض علما اسے دارالاسلام قرار دیتے ہیں اور اس وجہ سے ایک اشتباہ ضرور ہو گیا ہے پس بہتر یہی ہے کہ ڈاکخانہ سے سود کی رقم وصول کر کے فقراء و مساکین کو دیدی جائے۔[5] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم کو کس استعمال میں لایا جائے؟

(سوال) مسلمانوں کی رقم بینک میں بلا سود جمع رہتی ہے وہ سود بینک والے کسی غیر مسلم تبلیغی مشن کو دے دیتے ہیں جس سے غیر مسلموں کو فائدہ پہنچتا ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے اس لئے ایسے سود کی رقم غربا و محتاجین و یتامی یتیم خانہ جات' و مدارس اسلامی وغیرہ پر صرف کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۸۶۷ ڈاکٹر خواجہ معین صاحب (حیدر آباد دکن) ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۶۳) مسلمان بینک میں رقم جمع کر کے یہ موقعہ بہم نہ پہنچائیں کہ اس رقم کے سود سے مسیحی تبلیغ ہو' مسلمان مرتد بنائے جائیں اس لئے یا تو مسلمان بینک میں رقم جمع نہ کریں اور یا اس کا سود بینک سے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ۷٤)
(۲) فتجب زکاۃ الدیون اذا تم نصاباً وحال الحول (درمختار کتاب الزکوۃ ۲/۳۰۵)
(۳-٤-۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦۵)

وصول کر کے فقراء ویتامی و مساکین کو دے دیں۔ یہ نہ نیت ثواب میں بلکہ بہ نیت رفع وبال دیا جائے۔[1]

سودی رقم سے رشوت دینا

(سوال) ایک زمیندار سنت جماعت کے روپے بینک میں جمع ہیں اور اس کے پاس زمینداری بھی ہے اور زمیندار کو بقایا لگان کا دعویٰ جو اسامیوں پر کیا جاتا ہے اور اس میں سود لگایا جاتا ہے مع سود کے ڈگری ہوتی ہے اس مقدمہ میں علاوہ اصل خرچہ کے ناجائز خرچہ یعنی رشوت دیا جاتا ہے اگر رشوت نہ دی جائے تو مقدمہ میں خرابی پیدا کر دیتے ہیں اور وہ خرچ زمیندار کو نہیں ملتا۔ ایسی حالت میں وہ سود کا روپیہ جو بینک سے ملنا چاہئے اور جو بقایا لگان میں سود لگایا جاتا ہے تو وہ سود کا روپیہ رشوت میں دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۸۱۲ محمد عبدالشکور فیض آباد ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

(جواب ٦٤) اگر مجبوری سے سود کا روپیہ لگانا ضروری ہو اور لگا کر نالش کی جائے بعد وصول کے وہ روپیہ اس کو اپنے طور پر واپس کر دیا جائے اس کو خرچہ میں محسوب کرنا درست نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ له، دہلی

بینک میں روپیہ جمع کرانے کا حکم

(سوال) بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ٦٥) بینک میں حفاظت کی غرض سے روپیہ جمع کرنا (جب کہ حفاظت کی کوئی اور صورت نہ ہو) مباح ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ له، دہلی

مجبوری کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرنا مباح ہے

(سوال) روپیہ بینک ڈاکخانہ میں بغرض حفاظت جمع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس کا سود لینا اور اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ٦٦) مجبوری سے ڈاکخانہ یا بینک میں روپیہ جمع کرنا مباح ہے[4] اور سود لے لیا جائے اور لے کر خیرات کر دیا جائے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ له، دہلی

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦٥)
(۲) تاکہ جس شکل سے حرام آمدنی حاصل ہوئی ہے اسی پر دوبارہ خرچ ہو جائے
(۳ - ٤) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ٦٧)
(٥) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ٦٥)

(۱) غیر مسلم سے سود لینے کا حکم اور ہندوستان دار الحرب ہو تو سود لینے دینے کا حکم۔
(۲) سود کی رقم کے استعمال کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) (۱) آجکل بعض علماء فتویٰ دیتے ہیں کہ غیر مسلم اشخاص سے قرضہ کا سود لینا جائز ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) زراعتی یا تجارتی یا دیگر اقسام کے بینکوں میں جو روپیہ داخل کیا جاتا ہے اس کا سود نا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۶۷) (۱) سود کا لین دین مسلم اور غیر مسلم غیر محارب سے کرنا مسلمان کے لئے جائز نہیں[1] جو علماء ہندوستان کو دار الحرب اور انگریزوں کو حربی قرار دیتے ہیں وہ صرف انگریزوں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور ان کے اس خیال پر عمل کر لینے کی گنجائش بھی ہے لیکن سود دینا کسی حال میں جائز نہیں۔[2]

(۲) گورنمنٹ کے بینکوں سے سود لینا اس لئے مباح ہے کہ نہ لینے کی صورت میں وہ سود عیسائی مشنریوں کو دے دیا جاتا ہے اور تبلیغ مسیحیت کا کام اس سے چلایا جاتا ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

امانات پر سود لینے دینے کا حکم

(سوال) ہم نے بغرض حفاظت زیور بیچ کر ڈاکخانہ کے پانچ سالہ کیش سرٹیفکیٹ خرید لئے تھے اب پانچ سال بعد وہ کیش سرٹیفکیٹ دے کر رقم وصول کر کے ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں جمع کرا دی ہے تاکہ رقم حفاظت سے رہے اس رقم میں ہماری زیور والی رقم اور ڈاکخانہ کا سود دونوں شامل ہیں جس کی **تفصیل** مندرجہ ذیل ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے جو رقم ڈاک خانہ میں جمع کرائی گئی ۴۲۰ روپیہ تھی۔ اب پانچ سال بعد جو رقم ڈاکخانہ نے دی ۵۶۰ روپیہ سود ڈاکخانہ ۱۴۰ روپیہ۔

(۱) اس کیش سرٹیفکیٹ والے سود اور ڈاک خانہ کے سیونگ بینک والے سود کے استعمال کے متعلق شرعی حکم کیا ہے۔ (۲) کیا اگر ہم مندرجہ ذیل کاموں میں خرچ کریں تو شرعی مواخذہ تو نہ ہو گا؟

(الف) مکان بنانا ہے اس کام میں غیر مسلم (بھنگی عیسائی) مزدوروں کو مزدوری کے عوض دے دیں۔ (ب) ہندو دوکانداروں سے لوہا و سیمنٹ خریدیں یا ہندو بھٹے والے سے اینٹیں خرید لیں۔ (ج) ریل گاڑی میں اپنا اور اپنے اسباب کا کرایہ دے دیا جائے۔ (د) خط و کتابت کے لئے ڈاک خانہ سے ٹکٹ لفافے اور خطوط وغیرہ لئے جائیں۔ (ر) گورنمنٹ اسکول میں بچوں کی فیس دے دی جائے۔ **المستفتی** نمبر ۱۹۲۵ صادق حسین صاحب (لودھیانہ پنجاب) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۱۷)
(۲) والظاهر ان الاباحة بقيد نيل المسلم الزيادة' وقد التزم الاصحاب في الدرس ان مراد هم في حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا الى العلة وان كان اطلاق الجواب خلافه (رد المحتار' فصل في الربا ۵/۱۸۶ ط ، سعيد)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۶۵)

(جواب ۶۸) کیش سرٹیفکیٹ اور ڈاکخانہ کا سود آپ اپنے کام میں لا سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں صورتیں وہ ہیں۔ جن کی ذمہ دار گورنمنٹ ہے اور گورنمنٹ کافرہ حربیہ ہے۔[1] لیکن احتیاط اور تقویٰ یہ ہے کہ یہ رقم سود محتاجوں و یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کی جائے۔[2] آپ نے جو مدات لکھیں ان میں سے (الف' ب' ج' د) تک تو ذاتی مصارف ہیں۔ "ر" میں آپ محتاج بچوں کی فیس میں دے سکتے ہیں وہ صدقہ ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام ؟
(۲) ڈاکخانہ اور بینک سرکاری سے سود لے لینا چاہئے

(سوال) ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام ؟ اگر دار الحرب ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے اگر دار الاسلام ہے تو پھر اس کی صورتیں تحریر کریں ان دونوں صورتوں میں سے کون سی طرف بڑے بڑے علما کی جماعت ہو گئی ہے۔ اس کو بھی تحریر فرمائیں اگر پہلی صورت ہو تو سود کا لین دین جو کہ سوسائٹی اور بینک میں ہوتا ہے وہ کہاں تک جائز ہے۔ اس میں دفتری کام بوجہ مجبوری کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۷۴۳ ماسٹر مرزا احمد حسین صاحب (گجرات) کاٹھیاواڑ ۲۷ شعبان ۱۳۵۹ھ م ۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۶۹) ہندوستان دار الحرب ہے مگر مسلمانوں کو سود دینا تو دار الحرب میں بھی جائز نہیں[4] ڈاک خانہ و بینک سرکاری سے سود لے لینا چاہئے[5] اور بنظر احتیاط اس کو رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دینا چاہئے۔[6]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینکوں سے سود لینے کا حکم

(سوال) استخراج روپیہ کہ در بنکہا ودیعت و جمع شود مع منافعہ آں قبول کردن روا باشد یا نہ ؟ المستفتی نمبر ۲۰۳۶ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء، ۱۲ رمضان ۱۳۵۶ھ۔

(ترجمہ) بینکوں میں جو روپیہ بطور امانت جمع کرایا جاتا ہے اس کو مع سود کے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۷۰) رقم منافعہ یا سود بنکہا گرفتن نہ صرف جائز بلکہ ضروری است۔ زیرا کہ اگر جمع کنندہ روپیہ رقم سود نگیرد بینک آں رقم را مشن مسیحی بدہد و مشن بایں رقم ارتداد و الحاد را نشوونماد ہد پس مسلمانان را لازم است کہ ایں رقوم منافع از بنکہا گرفتہ بہ یتامی و مساکین و بیوگان دہند۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

(ترجمہ) بینکوں کا منافعہ یا سود وصول کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے کیونکہ کہ اگر روپیہ جمع کرانے والا سود کی رقم نہ لے تو بینک اس رقم کو عیسائی مشن کو دیدیتا ہے اور مشن اس رقم کو اپنے مقاصد ارتداد و الحاد

(۱-۲-۳) (ایضاً بمطابق حوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۶۵)
(۴) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۷۱)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۷۰)
(۶) (ایضاً بمطابق حوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۶۵)

کی ترویج وترقی میں صرف کرتا ہے پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ بینکوں کے سود کی رقم کو بینکوں سے وصول کر کے یتیموں اور محتاجوں اور بیواؤں کو دے دیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بینک اور ڈاکخانہ سے سود کی رقم لے لینی چاہئیے

(سوال) ہندہ کا کچھ روپیہ ڈاک خانہ کے سیونگ بینک اور کچھ پنجاب نیشنل بینک میں جمع ہے ان ہر دو روپے کا منافعہ سود ڈاک خانہ وبینک سے لینے کے متعلق شرعاً جناب کا کیا فتویٰ ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۸۳ سردار عبدالجبار خاں (ڈیرہ اسماعیل خان) ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۱) بینک اور ڈاک خانہ سے سود کی رقم لے لیجئے اور خود مدارس اسلامیہ کو طلبہ کے لئے دے دیجئے یا یتیموں اور بیواؤں کو دیدیجئے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم مساکین میں تقسیم کی جائے

(سوال) سود جو بینک یا اور کسی فنڈ میں سے ملے لینا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۴۰۴ نبی یار خاں فیض آباد۔ ۳ رجب ۱۳۵۷ھ ۳۰ اگست ۱۹۳۸ء

(جواب ۷۲) بینک سے سود لیکر مساکین و یتامیٰ و بیوگان کو دے دینا چاہئیے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

سخت مجبوری کی وجہ سے سود لینا

(سوال) ڈاکخانہ یا بینک سے سود لینا خواہ بصورت فاقہ یا اشد ضرورت کی بناء پر کہیں روپیہ یا جنس نہ ملنے پر کھیت یا زیور خواہ دیگر اشیاء کو گرو یا رہن کر کے اس پر روپیہ لینا سود دینا کیسا ہے اور وہ کونسی صورت ہے جس میں شرع نے جان بچانے کے لئے سود کھانے کی اجازت دی ہے۔ المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب' پٹنہ ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۷۳) بینک یا ڈاکخانہ سے سود لے کر فقیر کو تقسیم کر دیا جائے۔[4] جب تین فاقہ ہو جائیں اور سوائے حرام کے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو سکے تو حرام کا استعمال جائز ہوتا ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کرانا ناجائز ہے

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۶ء)

(سوال) ڈاکخانہ یا کسی دوسری ایسی کمپنیاں جو کہ سودی کاروبار کرتی ہیں ان میں سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر جمع ہو تو اس پر سود لینا چاہئیے یا نہیں؟

(۱-۲-۳-۴) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۶۵)

(۵) قال تعالیٰ: فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (پ ۱۴ سورۃ نحل' آیت ۱۱۵)

(جواب ۷۴) ڈاکخانہ یا کسی دوسری ایسی کمپنی میں جو سودی کاروبار کرتی ہے سود لینے کی غرض سے روپیہ جمع کرنا نہیں چاہئے۔ لیکن جمع شدہ روپے کا سود ڈاک خانہ یا کسی سرکاری کمپنی میں چھوڑنا بھی نہیں چاہئے۔ کیونکہ ان کے پاس چھوڑ دینے کی صورت میں وہ مسیحی مشنری کو دے دیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کے خلاف مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان سے لے کر کسی خیراتی فنڈ میں خرچ کر دیا جائے۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

سودی رقم کو مصیبت زدہ مسلمانوں کے مقدمات پر خرچ کرنا

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک مسلمان کے پاس بینک کے سود کی رقم ہے وہ کیا اس رقم کو اندور کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی اعانت اور پیروی میں صرف کر سکتا ہے؟

(جواب ۷۵) ہاں اس شخص کیلئے جائز ہے کہ وہ بینک سے سود کی رقم وصول کر کے مصیبت زدہ مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی اور ان کے مظلوم پسماندگان کی امداد میں خرچ کر دے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ، دہلی

ڈاکخانہ کیش سرٹیفکیٹ خرید کر اس پر سود لینے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ڈاکخانہ کے "کیش سرٹیفکیٹ" خریدنا درست ہے یا نہیں؟ یہ سرٹیفکیٹ نقد ادا کرنے پر ملتے ہیں اور پھر پانچ برس گزرنے پر یہ سرٹیفکیٹ ڈاکخانہ کو واپس کریں تو نقد خریدار کو مل جاتے ہیں۔ یہ زائد سود میں داخل ہے یا نہیں؟

(جواب ۷۶) سود لینے کی نیت سے ڈاکخانہ کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنا جائز نہیں۔[3] ہاں جو خرید لئے ہوں ان کی وعدہ شدہ پوری رقم وصول کر لی جائے اور اپنی اصل رقم خود رکھ کر زائد رقم کسی رفاہ عام کے قومی کام میں دیدی جائے۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ

بینک میں سودی رقم نہ چھوڑی جائے

(الجمعیۃ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) میرا کچھ روپیہ بینک میں جمع تھا بینک کے سالانہ کاغذات حساب سے پتہ چلا کہ اس میں بینک نے سود بھی جوڑ دیا ہے میں نے قرب وجوار کے عالموں سے دریافت کیا تو انہوں نے اس کا لینا قطعاً حرام بتایا مگر حضور کا فتویٰ اخبار الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۷ء نظر سے گزرا کہ بینک کے جمع کردہ روپے کا سود لینا جائز

(۱-۲-۴) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۳) (قرآن پاک میں ہے احل اللہ البیع و حرم الربوا (پ ۳ سورۃ بقرۃ آیۃ ۲۷۵)

ہے اب ہم سخت تشویش میں ہیں ؟

(جواب ۷۷) سود لینا دینا بیشک حرام ہے۔ سود کی حرمت احکام اسلامیہ میں سے ان احکام میں داخل ہے جو یقینی اور منصوص ہیں اور ایسے بینکوں میں روپیہ جمع کرنا جو سودی کاروبار کرتے ہیں حرام ہے۔[1] جس شخص نے روپیہ داخل کیا ہے ایک حرمت کا ارتکاب تو وہ کر چکا ہے اب بینک سے سود لینے نہ لینے کا سوال اس حیثیت سے نہیں کہ سود حرام ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ بینک نے تو اس کے روپے کا سود اپنے کاغذات میں اس کے حساب میں درج کیا اور نکالا ہے اگر یہ نہ لے تو وہ سود کا روپیہ مسیحی مشنریوں کو تبلیغ مسیحیت کے لئے دیدیا جاتا ہے اور اس شخص کے ذمہ دوہرا گناہ ہوتا ہے۔ ایک تو سودی کاروبار کو اپنے روپے سے امداد پہنچانا اور اس کے حساب میں سود کا لگایا جانا۔ دوسرے یہ کہ اس کے روپے کے سود سے مسیحیت کی تبلیغ ہونا ان دونوں گناہوں سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے اور داخل شدہ روپیہ نکال لیا جائے اور دوسرے گناہ سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ جمع شدہ روپے کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے[2] میں نے بینک کے سود کے متعلق جو فتویٰ دیا ہے وہ یہی ہے ہاں بعض جوابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں وہ کفار حربیین سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور سرکاری بینکوں کا سود ان کے نزدیک جائز ہے مگر میرا قلب اس خیال کے ساتھ متفق نہیں اور اس پر مطمئن نہیں ہے میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ بینک میں اپنے روپے کا سود نہ چھوڑیئے بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیجئے تاکہ آپ کے روپے سے مسیحیت کی تبلیغ اور اسلام کی بیخ کنی کا کام نہ لیا جا سکے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا مسجد کی رقم پر ملنے والا سود مسجد کے ٹیکسوں میں دینا جائز ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ یکم فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) چھوٹا شملہ میں ایک مسجد ہے چند مکانات اور دکانیں اس کی ملکیت ہیں جن سے آج کل تقریباً ہزار روپے سال کی آمدنی ہوتی ہے اور اوسط خرچ سات روپے سالانہ ہے ۱۹۲۱ء میں اس مسجد کے انتظام اور حساب و کتاب کے متعلق مقدمہ بازی ہوئی جس پر عدالت نے فیصلہ کیا کہ مسجد کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد ہو' فیصلہ عدالت کی رو سے لازم ہے کہ یہ کمیٹی مسجد کا روپیہ ایک بینک میں رکھے چنانچہ عرصے سے مسجد کا روپیہ لائیڈز بینک میں ہے۔ گزشتہ سالوں میں روپیہ بمد چلت حساب تھا جس میں ہزار روپے سے کم رقم پر سود نہیں آتا پچھلے سال یہ حساب سیونگز (بچت) بینک میں رکھا گیا ہے جس پر سال رواں میں مبلغ نو روپے تین آنے سود آیا ہے۔ اور آئندہ بھی آتا رہے گا یہ سود کا روپیہ مسجد کے ٹیکسوں میں دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ مسجد مذکور کو مندرجہ ذیل ٹیکس میونسپل کمیٹی شملہ کو ادا کرنے پڑتے ہیں :

---

(۱) (قرآن پاک میں ہے احل اللہ البیع و حرم الربوا (پ ۳ سورۃ بقرۃ آیت ۲۷۵)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

تہ زمینی ٹیکس ~~~ واٹر ٹیکس ~~~ ہاؤس ٹیکس ~~~

(جواب ۷۸) اس رقم کا سود بینک سے وصول کر کے ہاؤس ٹیکس اور تہ زمینی ٹیکس میں دیا جا سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

دوسرا باب
بیمہ کرانا

زندگی کا بیمہ کرانا ناجائز ہے

(سوال) زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ بابو محمد رشید خان قرول باغ دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۷۹) زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

---

(۱) واضح ہو کہ مروجہ بیمہ کی تین قسمیں ہیں (۱) بیمہ زندگی اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئے تو یہ شخص اتنے سال مثلاً ۴۰ سال زندہ رہ سکتا ہے ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی تیس سال کے لئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم ماہانہ طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو قسطوں کے ذریعے بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا رہتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ رقم پوری ادا کر دیتا ہے تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے لگایا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جس کو بھی نامزد کرے اس کو یا نامزد نہ کرنے کی صورت میں میت کے قانونی وارث کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید رقم کے جس کو بونس کہتے ہیں یکمشت ادا کر دیتی ہے اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پسماندگان کو حسب تفصیل بالا پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے اور اگر وہ شخص مدت مذکور کے بعد بھی زندہ رہے تو اس صورت میں بھی اسے رقم مع اضافہ ملتی ہے مگر شرح منافع کم ہوتی ہے۔

بیمہ کی دوسری قسم کا نام ہے اشیاء کا بیمہ ان دونوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ وہ خطرہ جس سے یہ بیمہ کرایا جاتا ہے اگر وہ پیش نہ آئے تو زندگی کے بیمہ میں رقم واپس مل جاتی ہے اشیاء کے بیمہ میں وہ رقم واپس نہیں ملتی بلکہ وہ رقم ڈوب جاتی ہے (۳) تیسری قسم ذمہ داریوں کا بیمہ ہے اس میں ہر قسم کے ہر جانہ بچہ کی تعلیم اور شادیوں وغیرہ کے خرچ کا بیمہ ہوتا ہے بیمہ کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

بیمہ کا شرعی حکم بیمہ زندگی کے عدم جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کیونکہ اس میں سود اور غرر ہے سود تو ظاہر ہے اور غرر (دھوکہ) اس سے ہے کہ اگر قسطیں ادا کرنی روک دے تو ادا شدہ قسطیں بھی ڈوب جاتی ہیں لہذا یہ فاسد در فاسد ہے (۲) اشیا کا بیمہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے کہ یا تو بیمہ دار نے جو رقم بھری ہے وہ بھی گئی یا پھر وہ رقم اپنے ساتھ اور رقم بھی لے آئے گی (۳) ذمہ داریوں کے بیمہ کے ناجائز ہونے کی بھی یہی وجہ ہے الحاصل یہ کہ بیمہ کا کاروبار سود اور قمار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے قال اللہ تعالی یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ و ذرو مابقی من الربو الخ وقال تعالی : انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان الخ وفی الحدیث ' لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا و موکلہ و شاھدہ و کاتبہ ' حضرت مفتی صاحب نے اس بات میں ان علماء کا قول لیا ہے جو دار الحرب میں جواز ربا کے قائل ہیں لیکن دوسری طرف بہت سے اکابر علمائے ہند کا قول عدم جواز کا ہے خود حضرت مفتی صاحب بھی اسی اس قول سے رجوع کر چکے ہیں ص ۵۵ ج ۸ کفایۃ المفتی جس کی تفصیل پچھلے ابواب میں گزر چکی ہے۔

(نوٹ) بیمہ کے مسئلے میں یہی تفصیل آخر باب تک چلے گی ہم مزید حوالے نہیں دیں گے اسی تفصیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے آگے ہر مسئلے میں آخر باب تک صرف اسی صفحے کا حوالہ دیا جائے گا آخر باب تک یہ رمز استعمال ہو گا (ایضاً مطابق حوالہ سابق ۱ ص ۸۲)

کیا جان ومال کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

(سوال) جان ومال کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۵ حاجی متین احمد بن حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۸۰) بیمہ ایک قسم کا قمار ہے اس لئے ناجائز ہے ہاں خالص حربی کافروں کی کمپنی ہو اور اس سے مسلمان فائدہ اٹھالیں تو دارالحرب ہونے کی بنا پر مباح ہو سکتا ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

شادی فنڈ اور بیمہ کا حکم

(سوال) شادی فنڈ جائز ہے یا نہیں جس میں چوتھا چھٹا یا آٹھواں حصہ زیادہ دیا جاتا ہے زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۴۵۸ مولانا فضل احمد (حیدر آباد سندھ) ۱۳ محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۱) شادی فنڈ کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں زندگی کا بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے لیکن دارالحرب کے اصول پر کفار حربیین سے کوئی نفع حاصل کرنا مباح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دکان اور کارخانہ کا بیمہ کرانا

(سوال) بیمہ کمپنی سے اپنی دکان یا کارخانہ کا بیمہ کرانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۶۴ ابو محمد عبدالجبار (رنگون) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۲) بیمہ کمپنیوں سے دکانوں کارخانوں عمروں کا بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے کیونکہ بیمہ ربا اور قمار پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ دونوں ناجائز ہیں لیکن دارالحرب کے مسئلے کے لحاظ سے اس میں گنجائش ہے۔

(جواب ۸۳) احتیاط اور تقویٰ یہ ہے کہ بیمہ سے احتراز کیا جائے اور اگر کوئی شخص ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر بیمہ کرالے تو اس پر کوئی سخت حکم نہیں دیا جا سکتا۔ محمد کفایت اللہ' ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء

ہندوستان میں بیمہ کرانا

(سوال) جان بیمہ بیس سال تک کے لئے مثلاً کیا جاتا ہے پس اگر چونتیس سال کی عمر میں زید نے بیس سال کے لئے بیمہ کرایا تو اس کو بحساب ۴۶؎ فی ہزار سالانہ بیس سال تک دینا ہوگا جس کی مقدار بیس سال میں تئیس ہزار چار سو روپے ہو جائے گی اور بیمہ کمپنی بیس ہزار روپے مقدار بیمہ پر تیس سال میں بیس روپے سے ۲۴؎ تک فی ہزار سالانہ منافع کے حساب سے تقریباً مبلغ نو ہزار چار سو روپے اور بیس ہزار مقدار بیمہ جملہ انتیس

---

(۱) ایضاً بحوالہ آئندہ نمبر ۱ ص ۸۵

ہزار چار سو روپے تقریباً ادا کرے گی۔ یعنی بیس سال میں عـــہ ۱۴۰۰ کی رقم لیکر عـــہ ۱۴۰۰ ادا کرے گی۔ پس اس حساب سے بیس سال کا بیمہ کرانے والے کو چھ ہزار روپے کی رقم مثلاً زائد وصول ہوگی اور اگر بیمہ کرانے والا بیس سال کے اندر فوت ہوگیا تو جتنے روپے کا بیمہ کرایا ہے مثلاً بیس ہزار کا کرایا تو بیس ہزار اور اس پر جتنے سال گزرے ہوں گے اتنے سال کا منافع جو اوپر لکھا ہے بیس روپے سے عـــہ فی ہزار سالانہ کے حساب سے جوڑ کر دے دے گی پس ارشاد ہو کہ اس طرح کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟

زید نے کچھ ہرج نہ سمجھ کر بیمہ کرایا جس کو ایک سال کی مدت گزر چکی ہے اور ایک سال کا روپیہ مفصلہ بالا بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے۔ بیمہ کمپنی کا قانون ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا تین سال کے اندر خود اپنی طرف سے معاہدہ توڑ دے اور سالانہ واجب الادا رقم ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی اس کو بالکل کچھ نہیں دے گی۔ حتی کہ اس کا دیا ہوا روپیہ بھی اس کو واپس نہ مل سکے گا پس اگر شرعاً بیمہ کرانا ناجائز ہو تو اب زید کیا کرے۔

واضح ہو کہ بیمہ کرانے والا بطور حصہ داری کے بیمہ کمپنی میں شریک نہیں ہوتا بلکہ سوال کے مطابق اپنا روپیہ کمپنی میں جمع کرتا رہتا ہے۔ جس کو بیمہ کمپنی اپنے یہاں قرض میں درج نہیں کرتی بلکہ اپنے قانون کے مطابق عمل کرتی ہے جیسا کہ سوال میں عرض کیا گیا ہے۔

بیمہ کرانے والوں کا جو روپیہ کمپنی میں جمع ہوتا ہے اس کو بیمہ کمپنی دوسرے کاموں میں لگاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کرتی ہے لیکن بیمہ کرانے والوں کو ان دوسرے کاموں کے نقصان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیمہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق ہر سال بیمہ کرانے والوں سے مقررہ رقم لیتی رہتی ہے۔ اور بیمہ کرانے والا جب بھی مر جائے خواہ معاملہ ہونے کے ایک ہی دن بعد تو وہ کمپنی اپنے قانون کے مطابق بیس ہزار روپیہ مع منافعہ بیمہ کرانے والے کے ورثہ کو ادا کرے گی لیکن اس کے ساتھ بیمہ کرانے والوں کا جمع کیا ہوا روپیہ واپس نہیں ملتا خواہ ایک سال کا ہو یا زیادہ کا بیمہ کمپنی کے سب ارکان کافر ہیں مسلمان کوئی بھی نہیں ہندوستان میں بیمہ کمپنی دو ہیں ایک یوروپین دوسری ہندو۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ برما یا ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں شرعاً بیمہ کرانے کی اجازت ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۵۲ داؤد ہاشم یوسف (رنگون) ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۸۴) ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے جو لوگ اسے دار الحرب نہیں کہتے وہ بیمہ کو حرام کہتے ہیں۔ مگر بیمہ کرانے کی ابتداءً و بقاءً ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی تقدیر پر گنجائش ہے۔ کیونکہ دار الحرب میں غیر مسلموں سے عذر کے بغیر باقی تمام طرق سے ان کی رضامندی کے ساتھ مال وصول کرنا جائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

زندگی کا بیمہ کرانا اور شادی فنڈ کا حکم !

(سوال) (۱) زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے ؟ (۲) شادی فنڈ کے لئے ایجنٹ ترغیب دے رہے ہیں کہ بچوں کے ناموں سے ایک روپیہ ماہوار جمع کرتے رہو۔ دو سال میں جب شادی کرو گے تو کافی رقم مل جائے گی۔

المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جوندلہ ضلع کرنال ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء
(جواب ۸۵) بیمہ کی اصل حقیقت تو قمار اور ربوا پر مشتمل ہے مگر ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناپر اگر کوئی کرلے تو گنجائش ہے اگرچہ احتیاط ترک میں ہے۔[1] (۲) اس کا بھی وہی حکم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

انشورنس کے متعلق ایک فتویٰ کی وضاحت

(سوال) پراونشل یونین انشورنس لمیٹڈ ہیڈ آفس نیو دہلی کی طرف سے پوسٹر شائع کئے گئے ہیں جس میں زندگی کا بیمہ کرانے کے محاسن دکھلائے گئے ہیں اور ظاہر کیا گیا ہے کہ حال میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور خواجہ حسن نظامی نے ایک فتویٰ صادر فرمایا ہے جس کی رو سے علاوہ اسلامی حکومتوں کے بیمہ کرانا جائز قرار دیا ہے۔ کیا فی الحقیقت آنجناب کی طرف سے کوئی ایسا فتویٰ صادر فرمایا گیا ہے۔ اگر فرمایا گیا ہے تو اس جواز کے دلائل بیان فرمائیں تاکہ ہمیں اطمینان ہو۔ **المستفتی نمبر ۸۱۲** محمد آل نبی خان (ضلع آرہ) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء
(جواب ۸۶) انشورنس (بیمہ) کے متعلق جو فتویٰ میں نے لکھا ہے وہ یہ تھا کہ بیمہ اپنی اصل حقیقت کے لحاظ سے ناجائز اور حرام ہے کیونکہ وہ ربوا اور قمار پر مشتمل ہے۔[2] لیکن جو لوگ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناپر یہاں عقود ربویہ کو جائز سمجھتے ہیں اگر وہ اس وجہ سے بیمہ کمپنی کے ذریعہ کچھ منافع حاصل کرلیں تو ان کے لئے گنجائش ہے۔ یعنی دارالحرب میں فقہانے عقود ربویہ و قماریہ کو مباح قرار دیا ہے[3] اور ہر قسم کا معاملہ جو غدر و خیانت نہ ہو اس کے ذریعے سے اکتساب مال کی اجازت دی ہے اس بناپر جو لوگ بیمہ کرائیں ان کے عمل کو حرام کہنے سے ہم کو احتراز کرنا چاہئیے۔ میں نے بیمہ کرانے کی ترغیب یا تحسین نہیں کی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پڑوسی کی طرف سے نقصان کا خطرہ ہو تو بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) ایک شخص بیمہ کراتا ہے اس غرض سے کہ میں آگ لگا کر فائدہ اٹھاؤں یا برابر میں سے لگے تو فائدہ اٹھاؤں اس نیت سے بیمہ کرانا کیسا ہے۔ اب برابر والا دکاندار کیا کرے؟ (۲) دکاندار کا ذمہ ہے مال کا اور برابر والے کو اندیشہ ہے کہ وہ آگ لگانے گا تو اب وہ برابر والا بیمہ کرائے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۷۹۶**

---

(۱) قد يكون للتاجر شريك حربي في بلاد الحرب فيعقد شريكه هذا العقد مع صاحب السوكره في بلادهم و ياخذ منه بدل المالك و يرسع الى التاجر فالظاهر ان هذا يحل للتاجر اخذه لان العقد الفاسد جرى بينهم في بلاد الحرب (رد المحتار' كتاب المستامن' مطلب مهم فيما تفعله التجارة من دفع ما يسمى سوكره ۴/۱۷۰ ط، سعيد)
(نوٹ) اس مذکورہ مسئلے پر یہی ایک حوالہ آخر باب تک آنے کا ہے، صفحے پر مذکورہ مسئلہ کے لئے حوالہ کی عبارت درج نہیں کریں گے بلکہ صرف اس صفحے کا حوالہ دیں گے (ص ۸۵ حوالہ نمبر ۱)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۳) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۱) ص

حافظ عبداللطیف اینڈ سنز صدر بازار دہلی ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۷) بیمہ اصل حقیقت کے لحاظ سے تو ناجائز ہے[1] وہ جب اس کے ساتھ یہ بدنیتی شامل ہو کہ آگ لگا کر کمپنی سے روپیہ وصول کریں گے تو اور بھی سخت گناہ ہو جاتا ہے اور آگ قصداً لگانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا شدید گناہ ہے[2] ایسا روپیہ بھی حرام اور یہ فعل بھی حرام ہے۔ ہاں شخص اس امر کا خوف کرے کہ اس کا پڑوسی بدنیتی سے اپنی دکان میں آگ لگائے گا اور اس کا ظن غالب ہو اور یہ شخص اپنی دکان وہاں سے منتقل نہ کر سکے تو ایسی مجبوری کے عالم میں اس کو بیمہ کرا لینے کی گنجائش ہے[3] اور اگر پڑوسی کی بدنیتی کی بدولت یا اور کسی اتفاقی وجہ سے اس کی دکان جل جائے تو بیمہ کمپنی سے یہ بیمہ کی رقم وصول کر سکتا ہے[4]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

دار الحرب اور دار الاسلام میں بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) دار الحرب اور دار الاسلام میں بیمہ کرانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ (۲) جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کو مال و جان کا بیمہ لینے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ یہاں پر دار الاسلام ہونے کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اکثر اوقات مال و دولت اور گاہ گاہ جان کا بھی خطرہ رہتا ہے جیسا کہ حال ہی میں ہماری دکانیں کہ جس میں تقریباً پانچ چھ ہزار پاؤنڈ کا مال تھا دونوں دکانوں کو کسی دشمن نے جذبہ حسد سے متاثر ہو کر رات کے وقت جلا کر خاک کر دیا تو ایسی حالت میں بیمہ لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) مسلمانوں کو بیمہ کمپنی قائم کر کے اس سے نفع حاصل کرنا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ (۴) بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کر کے اس پر جو کمیشن ملے اس کا حاصل کرنا کیسا ہے؟ مثلاً بیمہ کمپنی کو اگر یکصد پاؤنڈ پیدا کر دیں تو وہ کمپنی اس پر تیس پاؤنڈ کمیشن کے دیتی ہے۔ یہ رقم لینا کیسا ہے اور بیمہ کمپنی کی ایجنسی کا کیا حکم ہے؟ (۵) حال ہی میں یہاں کی سرکار نے بیمہ کا جبری قانون نافذ کیا ہے کہ ہر ایک فرد ملازم کو اپنی جان کا بیمہ کرانا قانوناً ضروری ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ ملازم پیشہ ہیں ان کا بیمہ ان کے سیٹھ کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ایک ملازم کو اپنی جان کا بیمہ لینا ضروری کر دیا گیا ہے اس طرح کے بیمہ کا کیا حکم ہے؟ (۶) اس طرح مسلمانوں کے لاکھوں پونڈ سالانہ بیمہ کمپنیوں کے خزانہ میں داخل ہوتے ہیں اس حالت میں ان کمپنیوں سے بیمہ کی قیمت ادا کرنے پر جو کمیشن وصول ہو اس کا لینا کیسا ہے مثلاً کوئی بیمہ کمپنی کو دو صد پاؤنڈ بیمہ کے ادا کرتا ہے تو اس پر اس کو واپس ساٹھ پاؤنڈ یا کم و بیش جو ملتے ہیں کمیشن کے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا المستفتی نمبر ۱۰۰۲ مولانا ادریس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۸) دار الحرب میں معاملات ربویہ و قمار کے ذریعے سے مسلمانوں کو کفار سے فائدہ حاصل کر لینا جائز ہے بیمہ بھی ربو اور قمار پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں کوئی جبر و غدر نہیں اس لئے اگر مسلمان بیمہ سے

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲
(۲) نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "المؤمن من امنه الناس على دمائهم واموالهم (ترمذی ۲ / ۹۰ ط سعید)
(۳-۴) قال تعالیٰ فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم (پ ۶ سورۃ مائدہ آیت ۳)

ذریعے سے کفار سے کچھ فائدہ حاصل کرلیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔[1] اگر بیمہ کمپنی قائم کرنے میں مسلمانوں کو فائدہ ہوتا ہو یعنی کفار سے کچھ رقم مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہو تو یہ بھی جائز ہوگا اسی طرح کفار کی بیمہ کمپنی سے **کمیشن** لینے کا بھی حکم ہے دار الحرب کے مسلمانوں کو آپس میں سود و قمار کے معاملات کرنا مکروہ ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کمپنی سے نفع حاصل کرنے کا حکم

(سوال) لائف انشورنس یا۔ زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا کہ نہیں شرائط بیمہ کمپنی مثلاً بیس سال کے لئے مبلغ ایک ہزار روپے کا بیمہ کرایا تو ہم کو پچاس روپے سالانہ ادا کرنا پڑے گا مدت بیمہ ختم ہونے پر کمپنی ہم کو ایک ہزار روپے بیمہ کا اور اس کے ساتھ میں بیس برس کا نفع جو کہ کمپنی اس روپیہ میں تجارت کرتی ہے دے۔ گی (۲) آج بیمہ کرایا اور صرف ایک قسط پچاس روپیہ کی ادا کی اور دو تین ماہ کے بعد پیام موت آ گیا ایسی صورت میں کمپنی ہمارے ورثاؤں کو کل بیمہ کی رقم فوراً ادا کردے گی۔ المستفتی نمبر ۱۰۳۲ حاجی عبداللہ صاحب (بمبئی) ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۴ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۸۹) بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار پر مشتمل ہے اس لئے یہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے تو ناجائز ہے[3] لیکن ہندوستان کے دار الحرب ہونے کے خیال سے اگر کوئی مسلمان کمپنی سے کچھ فائدہ حاصل کرلے تو گنجائش ہے تاہم احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

(**جواب دیگر**) (المستفتی نمبر ۱۱۰۶) بیمہ ربوا اور قمار پر مشتمل ہے اور بیمہ کمپنیاں مسلم و غیر مسلم شرکاء سے مرکب ہوتی ہیں اس لئے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔[5]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تنگ دستی اور غربت سے بچنے کے لئے بیمہ کرانا

(سوال) ایک شخص مقروض اور صاحب جائیداد ہو اور پکا مسلمان ہو اور بیک وقت صاحب اولاد بھی ہو کیا وہ اپنی زندگی کا بیمہ تنگ دستی سے چھٹنے کے لئے اور اولاد کو غربت کی لعنت سے بچانے کے لئے کرا سکتا ہے اور اگر وہ مقروض نہ بھی ہو کیا تب بھی بیمہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں منافع ملتا ہے اور ایک بغیر منافع کا؟ المستفتی نمبر ۱۱۰۷ اسرار علی (نگینہ) ۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)
(۲) (ولا ربابین حربی و مسلم و فی رد المحتار: احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا ھاجر الینا ثم عاد الیھم فانه لیس للمسلم ان یرابی معه اتفاقا (درمختار' باب الربا' ۵/ ۱۸۶ ط، سعید)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

(جواب ۹۰) بیمہ بغیر منافع بھی بوجہ بھی قمار سے خالی نہیں یعنی یہ شرط تو لازمی ہوتی ہے کہ اگر بیمہ کرانے والا ایک دو قسطیں ادا کرنے کے بعد مر جائے تو بیمہ کی پوری رقم (مثلاً دوہزار روپیہ) اس کے وارثوں کو کمپنی دے گی اگرچہ مرنے والے نے ابھی سوپچاس ہی ادا کئے تھے اس لئے اس عمل میں شرکت کی کوئی شرعی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

لائف انشورنس کا حکم

(سوال) مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۳۶ء ہفتہ وار منادی میں مسلم انڈیا بیمہ کمپنی کے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں لائف انشورنس کے جواز پر دلائل پیش کرتے ہوئے اخیر میں مضمون نگار نے حضرات علمائے کرام کی جس میں حضور کا بھی نام شامل ہے کہتے ہیں کہ آپ حضرات نے بھی اس کے جواز کی رائے دی ہے۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ اگر واقعی شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہو تو از راہ کرم مسئلہ کے شرعی پہلو پر نظر فرما کر شکریہ کا موقعہ عنایت فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۱۸ محمد علاؤالدین احمد صاحب (آسام) ۱۸ رجب ۱۳۵۵ھ ۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۱) انشورنس کمپنی کی شرکت کے جواز کی ہم نے رائے نہیں دی ہے صرف یہ لکھا ہے کہ جو علماء ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر اسے جائز بتاتے ہیں ان کے لئے بھی گنجائش ہے تشدد نہ کرنا چاہئے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سخت نقصان کے اندیشہ سے بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) میری دوکان کے دائیں طرف بائیں طرف اور پیچھے اور اوپر یعنی سب طرف ہندو آباد ہیں اور سب نے اپنی دوکانوں کے بیمے کئے ہوئے ہیں اور جو دیگر مسلمان دوکان دار نزدیک آباد ہیں انہوں نے بھی اپنی دوکان کے بیمے کرا رکھے ہیں معلوم ہوا ہے کہ عنقریب آگ لگنے والی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آگ لگ گئی تو بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اگر خداوند کریم اپنی رحمت سے بچالے تو اس کی شان بہت بڑی ہے وہ بڑی حکمت والا ہے ورنہ سخت اندیشے کا موقعہ ہے آیا ایسی حالت میں مجھے اپنی دوکان کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی جناب حاجی محمد داؤد صاحب تاجر (بلیماران دہلی) ۴ ستمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۹۲) بیمہ کرانا دراصل تو ناجائز ہے[1] مگر اس مجبوری کے عالم میں کہ آس پاس کے دوکانداروں نے بیمے کرا رکھے ہیں اور اندیشہ ہے کہ کوئی اپنی دوکان کو قصداً جلادے بیمہ کرالیا جائے تو مضائقہ نہیں۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲
(۲) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۸۵

کیا انشورنس کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے؟

(سوال) آج کل آدمی انشورڈ کمپنی میں اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سالانہ ہم اتنا بھریں گے اس کا کمپنی کچھ فیصلہ کرلیتی ہے کہ اتنے برس میں اتنا دیا جائے گا اگر وہ آدمی اتنے برس میں زندہ رہا تو جو فیصلہ ہوا ہے اس کے مطابق کمپنی دے دے گی اگر بیمہ کے بعد دو ایک برس میں وہ آدمی قضا کر گیا تو اس کے وارث کو ملے گا تو یہ بیمہ کرانا ازروئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۵۶ اعظم خاں نور خاں پوسٹ بکس نمبر ۲۱۲ بمبئی ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ یکم جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۳) بیمہ در حقیقت ربا اور قمار پر مشتمل ہے اور یہ دونوں شریعت مقدسہ اسلامیہ میں حرام ہیں[1] یہ غیر اسلامی طریقے ہیں جن کے ذریعہ سے مال حاصل کیا جاتا ہے اور ان کو مفید سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ تمدنی اور اقتصادی اصول کے ماتحت بھی دنیا کے لئے ایک لعنت اور مصیبت ثابت ہوئے ہیں۔ ہزاروں بے ایمان آدمیوں نے اس کو روزگار بنا کر اپنے ہاتھوں اپنی دکانوں کو جن کا بیمہ کرایا تھا آگ لگائی اور حرام پیسہ بیمہ کمپنی سے وصول کیا اور کر رہے ہیں اور یہ مرض روز افزوں ترقی پر ہے دکانوں کے بیمے اور زندگی کے بیمے کا اصول ایک ہی ہے اور سب کا حکم ایک ہی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

زندگی کے بیمہ کا حکم

(سوال) کیا زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے جب کہ حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی ہے۔ ہندوستان کو آپریٹو انشورنس سوسائٹی صدر کلکتہ کے ایجنٹ نے حضرت مولانا کی تحریر میرے سامنے پیش کی حضرت مولانا نے اپنے خیال میں مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی اجازت دے دی ہے ازراہ کرم خادم کو مطلع فرمائیے کہ بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۳۶ (مولانا) محمد حفظ الرحمن سیوہاروی (ضلع بجنور) ۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۹۴) میرے خیال میں بیمہ کی حقیقت ربا اور قمار سے مرکب ہے اور وہ اصل کے اعتبار سے ناجائز ہے۔[2] جو علماء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں وہ غالباً ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اخذ ربوا کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اس میں بھی شبہ یہ ہے کہ دارالحرب میں بھی کفار سے اخذ ربا مباح ہے اور انشورنس کمپنی میں مسلمانوں کا روپیہ بھی شامل ہو کر مسلمان کو مسلمان سے اخذ ربا پر مجبور کرتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

بیمہ کا شرعی حکم

(سوال) کیا آپ براہ کرم بیمہ کے متعلق اپنی جمعیۃ کی رائے سے ہمیں مطلع کریں گے کیونکہ بہت سے مسلمان اس کے متعلق ہم سے سوال کرتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے المستفتی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

نمبر ۷۸۷ سیکریٹری نرامیکل انشورنس کمپنی دہلی' ۵ ارجب ۱۳۵۶ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۹۵) بیمہ اسلامی اصول کی رو سے ناجائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کے ذریعے نفع حاصل کرنا

(سوال) کیا بیمہ جو لوگ کرتے ہیں اور منافعہ کے نام سے مقررہ میعاد کے بعد جمع کی ہوئی رقم سے زائد وصول کرتے ہیں جیسے کچھ اس کے قواعد ہیں آیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے اور زائد رقم لینا جائز ہے المستفتی نمبر ۱۹۸۱ شریف احمد نئی چھاؤنی دہلی' ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۹۶) بیمہ دراصل ربوا اور قمار سے مرکب ہے اور یہ دونوں شریعت مقدسہ میں حرام ہیں اس لئے بیمہ خواہ تجارتی ہو یا جائیداد کا یا زندگی کا جب کہ وہ ربوا اور قمار سے خالی نہیں ہے تو شرعاً حد جواز میں نہیں آسکتا۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کمپنی کے متعلق ایک فتویٰ کی وضاحت

(سوال) جناب کے ملاحظہ کے لئے ایک پمفلٹ بھیج رہا ہوں اس میں بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کے جواز کے متعلق آپ کا فتویٰ بھی درج ہے بہت ممنون ہوں گا اگر جناب اس فتوے کو اپنے الفاظ میں تحریر فرما کر اس عاجز کو بھیج دیں اگرچہ مختصر ہی ہو لیکن بہر حال اس کے متعلق جناب کی رائے معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔
المستفتی نمبر ۲۱۷۹ مولانا سید محمد داؤد غزنوی (لاہور) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۵ جنوری ۱۹۳۸ء
(جواب ۹۷) میں نے کوئی فتویٰ اس مضمون کا نہیں لکھا کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ میں ہمیشہ یہی لکھتا رہا ہوں کہ بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار سے مرکب ہے اور یہ دونوں شریعت اسلامیہ میں حرام ہیں[3] ہاں ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص بیمہ کے ذریعے سے کچھ فائدہ اٹھالے تو ممکن ہے کہ بشروط معتبرہ اس کو حرمت ربوا کے مسئلے سے بچادے[4] ایک لازمی شرط یہ ہے کہ اخذ ربوا مسلمان سے لازم نہ آئے اور دفع ربوا کی صورت نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیمہ کی مختلف صورتوں کا حکم

(سوال) (۱) چند اشخاص نے مل کر ایک مجلس قائم کی جس کا اولین مقصد اس کے ممبروں میں امداد باہمی اور پس اندازی کی عادت ڈالنا ہے اس مقصد کے پیش نظر اس کے قواعد و ضوابط بھی مرتب کئے گئے اور انہیں

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)
(۳) ( )
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)

کے تحت ممبر بنایا جاتا ہے ممبری کی فیس ماہواری یا سہ ماہی یا سالانہ وصول کی جاتی ہے اور اس کے عوض معینہ مقدار رقم مقررہ میعاد پر یکمشت مجلس سے ممبر کو مل جاتی ہے۔

(۲) قابل ذکر قواعد یہ ہیں کہ ۵۵ سال سے زائد عمر والے یا کسی مہلک مرض میں مبتلا شخص کو ممبر نہیں بنایا جاتا ممبر ہونے سے پیشتر ہر شخص کے لئے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اور معائنہ لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کی صحت کا پورا پورا اندازہ مجلس کو ہو جائے۔

فقرہ (۳) ممبری کی درخواست منظور ہونے کے بعد مجلس اور ممبر کے درمیان یہ تحریری اقرار ہوتا ہے کہ ممبر ۲۰ سال کی میعاد تک پچاس روپے سالانہ قسط ادا کرے گا اور کرتا رہے گا تو مجلس اس میعاد کے پورے ہوتے ہی ممبر کو یکمشت ایک ہزار روپے ادا کرے گی اگر اتفاق سے مقررہ مقدار پوری ہونے سے پیشتر ممبر مذکور کی موت ہو گئی خواہ ایک ہی یا دو سال بعد ہو تو ایسی صورت میں بھی مجلس سالانہ قسط کی رقم لینا موقوف کر کے پوری ایک ہزار کی رقم متوفی کے پس ماندگان ورثہ کو موت کے بعد فوراً ہی ادا کرے گی اور ایسی صورت میں بھی مجلس کو نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ممبر بناتے وقت سالانہ جو فیس مقرر کی جاتی ہے۔اس میں ایسے حادثات کی بھی گنجائش رکھی جاتی ہے اور فیصدی اس وقت کی اوسط کا اندازہ لگا کر ہی فیس مقرر کی جاتی ہے۔

فقرہ نمبر (۴) ممبری کی شرح فیس بھی عمر کے لحاظ سے کم و بیش مقرر کی جاتی ہے مثلاً ایک پچیس سال کی عمر والا تیس سال کی میعاد مقرر کر کے ایک ہزار کی رقم کا مستحق ممبر ہوتا ہے تو اس سے پچاس روپے سالانہ فیس لی جائے گی برخلاف اس کے اگر پچاس سال کی عمر والا شخص اتنی ہی میعاد اور اتنی ہی رقم کا مستحق ممبر ہونا چاہے تو اس سے پچپن روپے سالانہ لی جائے گی۔

فقرہ (۵) ممبری بھی دو قسم کی ہوتی ہے اول بلا منافع والی ممبری۔ دوئم مع منافع والی ممبری اور فیس مقرر کرنے میں ان قسموں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ فقرہ نمبر ۴ میں بیان کیا گیا ہے اگر پچیس سال کی عمر والا شخص مقررہ میعاد رقم کے لئے بلا منافع والا ممبر ہونا چاہے تو اس کی فیس پچاس روپے ہو گی لیکن یہی شخص اتنی ہی رقم اور اتنی ہی میعاد کے لئے منافع والا ممبر ہونا چاہے تو اس کی فیس پچاس روپے کے بجائے ۵۵ یا ۵۷ روپے سالانہ ہو گی۔

فقرہ نمبر (۶) بلا منافع والی ممبری میں مقررہ میعاد پوری ہو جانے پر یا موت آنے پر موعودہ رقم یعنی صرف ایک ہزار ہی روپیہ ملتا ہے مگر مع منافع والی ممبری میں علاوہ اس موعودہ رقم کے مجلس کے سالانہ نفع میں سے حصہ رسدی کے طور پر کچھ رقم اس کے حساب میں جتنے سال وہ زندہ رہا چڑھتی رہتی ہے اور موعودہ رقم کے ساتھ یہ منافع کی رقم بھی مل جاتی ہے۔

(نوٹ) مجلس کے منافع حاصل کرنے کے لئے گو دیگر ذرائع بھی ہیں مثلاً کرایہ مکانات وغیرہ مگر زیادہ تر حصہ سود کے کاروبار سے حاصل ہوتا ہے۔

فقرہ نمبر (۷) مجلس اپنے ممبروں کی سالانہ فیس حسب ذیل تین مدوں میں تقسیم کر دیتی ہے (۱) مد اخراجات (۲) مد متوفیان (۳) مد حیات

(مد اخراجات) اس مد کی رقم تنخواہ ملازمین ڈاک ودیگر متفرق کاموں میں صرف کی جاتی ہے۔
(مد متوفیان) اس مد سے ان متوفی ممبران کے ورثہ کے مطالبات پورے کئے جاتے ہیں جو مقررہ میعاد پوری ہونے سے پیشتر مر جاتے ہیں۔
(مد حیات) یہ مد ان ممبران کے مطالبات پورے کرتی ہے جو مقررہ میعاد تک زندہ رہے اور موعودہ رقم کے مستحق ہوئے

(نوٹ) یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ مد متوفیان مجلس کو اس صورت میں بھی جب کہ اس کا کوئی ممبر مقررہ میعاد سے پیشتر مر جائے نقصان سے محفوظ رکھتی ہے کم وبیش متذکرہ بالا اصول وقواعد وضوابط پر ہی زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں کا کاروبار ہے لہذا مجلس سے مراد زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنی اور ممبر سے مراد زندگی کا بیمہ کرانے والا شخص ہے ان حالات وقواعد وضوابط کے پیش نظر ذیل کے سوالات قابل استفسار ہیں۔
(۱) کیا کسی ایسی مجلس یا بیمہ کمپنی میں اپنی زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اگر جائز ہے تو بلا منافع اور مع منافع دونوں قسم (جیسا کہ فقرہ نمبر ۶ میں بیان کیا گیا) کا بیمہ کرانا یا صرف بلا منافعہ والی قسم جائز ہے؟
(۳) اگر مع منافع والی صورت ناجائز ہو تو کیا اس طور سے جائز ہو سکتی ہے کہ منافع کی رقم اپنے صرف میں نہ لائیں اور غربا و مساکین کو تقسیم کر دی جائے اور اصل رقم خود رکھی جائے۔
(۴) جیسا کہ فقرہ نمبر (۳) میں بیان کیا گیا ہے کہ مقررہ میعاد پوری ہونے سے پیشتر بیمہ کرانے والے کی موت ہونے پر موعودہ رقم پس ماندگان ورثہ کو بیمہ کمپنی سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۲۳ غلام دستگیر صاحب (ناگپور) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۹۸) بیمہ کی یہ صورتیں ربوا اور قمار پر مشتمل ہیں اور یہ دونوں صورتیں حرام ہیں لہذا بیمہ کرانا ناجائز ہے[1] بے منافع والی صورت میں بھی یہ منافع تو حاصل ہونے کا امکان ہے کہ ایک دو قسط کی رقم مثلاً سو یا پچاس روپے ادا کرکے مر جانے پر ایک ہزار روپیہ وارثوں کو مل جائے کمپنی کو نقصان سے محفوظ رکھنا مگر اس کا سودی کاروبار اس کے عدم جواز کی مستقل وجہ ہے اور منافع کی صورت میں تو کھلا ہوا سود ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ٫ دہلی

انگریز کی مملوکہ کمپنی میں بیمہ کرانا

(سوال) زید ایک ہندوستانی مسلمان ہے اس کی خواہش ہے کہ اپنے اہل وعیال کی آئندہ بہبودی کے لئے اپنی جان کا بیمہ کرائے جس بیمہ کمپنی میں وہ بیمہ کرانا چاہتا ہے وہ انگلستان میں ہے کمپنی کے حصہ دار اس کے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۲)

ڈائریکٹر وغیرہ بھی انگریز ہیں ہندوستان میں کاروبار کے لئے کمپنی کی ایک شاخ ہے ازروئے شرع اسلامی کیا حکم ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۷۶ محمد حسین بی اے بی ٹی علیگ فراش خانہ دہلی ۱۱ شعبان ۱۳۵۴ھ م ۹ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۹۹) ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنا پر زید کو جائز ہے کہ وہ انگلستان کی کمپنی میں زندگی کا بیمہ کرالے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

زندگی کا بیمہ بھی ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) شریعت اسلامی میں زندگی کا بیمہ (لائف انشورڈ) کرانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۰) بیمہ خواہ زندگی کا ہو یا جائیداد و عمارت کا سب ناجائز ہے کیوں کہ یہ عقود شرعیہ میں سے کسی صحیح اور جائز عقد میں داخل نہیں ایک قسم کا قمار ہے اور قمار ناجائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

عمر کا بیمہ کرانا ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) آج کل بیمہ کمپنی میں لوگ اپنی عمریں بیمہ کراتے ہیں جس کی تفصیل سے آنجناب واقف ہوں گے شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۱) عمر کا بیمہ کرانا ناجائز ہے کیونکہ یہ بھی قمار کی ایک قسم ہے جس میں یا تو بغیر عوض مال حاصل کیا جاتا ہے اور طریق حصول بھی خطر و تردد میں دائر ہے یا اپنے دیئے ہوئے روپے سے زائد روپیہ اس ادا شدہ روپیہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے جو ربوا ہے[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

بیمہ کمپنی کا حصہ خریدنا

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) جب کہ بینک کا سود آپ کے نزدیک جائز ہے تو ایسی صورت میں بیمہ کرانا یا کسی بیمہ کمپنی کا حصہ خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۰۲) بیمہ بھی زمانہ حال کی بیشمار جدتوں میں سے ایک جدت ہے جس کی مختلف شکلیں رواج پذیر

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)
(۲) (—————————)
(۳) لانہ تعلیق الملك علی الخطر والمال فی الجانبین اور حقیقت کے اعتبار سے سود ہے لعدم اشتراط المساواۃ فی الجانبین فیما یجب فیہ المساواۃ (امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۱)

ہوگئی ہیں اس کو اب ایک تجارت سمجھا جاتا ہے ورنہ اس کی حقیقت قمار سے شروع ہو کر تجارتی قالب میں ڈھل گئی ہے اگر اس کو تجارت ہی قرار دے لیا جائے تاہم لازم نہیں کہ وہ جائز ہی ہو کیونکہ بیسیوں تجارتی صورتیں آج مروج اور معمول ہیں اور وہ شرعاً ناجائز ہیں جو علماء کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر انگریزی حکومت اور انگریزی کمپنیوں سے سود لینا جائز قرار دیتے ہیں وہ بیمہ کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں میں انکے فتویٰ کو اس اصول پر جو انہوں نے قائم کیا ہے غلط نہیں کہتا لیکن مسلمانوں کو سود کے گرداب فنا میں ڈالنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا مسلم قوم اگر سود دے کر تباہ ہو رہی ہے تو سود لے کر بھی وہ پنپ نہیں سکتی مسلمانوں کو تو سودی معاملات سے کنارہ کشی ہی باعث نجات ہے بینک کے سود کے متعلق میں نے صرف یہ فتویٰ دیا ہے کہ بینک سے وصول کر لو تاکہ وہ مسیحی تبلیغ میں صرف نہ کیا جا سکے اور تم وصول کر کے خود کسی قومی رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دو میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا ہے کہ بینک سے سود وصول کرنے کا طریقہ اختیار کرو اور سود خوری کو اپنے لئے ذریعہ معاش بنالو۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

کیا زندگی کا بیمہ کرانا ناجائز ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) میرے چند دوستوں نے مجھے بتایا ہے کہ جمعیت علمائے ہند نے زندگی کا بیمہ کرانے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے براہ کرم مطلع فرمائیں؟

(جواب ۱۰۳) بیمہ کرانا خواہ زندگی کا ہو خواہ جائیداد کا جائز نہیں ہے[1] جمعیت نے اس کے جواز کا کوئی فتویٰ شائع نہیں کیا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیمہ کرانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۶ء)

(سوال) بیمہ کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

(جواب ۱۰۴) جو علماء کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بیمہ کرانے کی گنجائش ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیمہ کمپنی کو ادا کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

(سوال) ایک شخص نے کسی بیمہ کمپنی میں ایک بیمہ ایک محدود عرصے کے لئے کرایا بیمہ کرانے والا زکوٰۃ ادا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۴)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۸۵)

کرنا چاہتا ہے تو اس کو کس رقم پر زکوٰۃ دینا چاہئیے۔ آیا رقم ادا کردہ پر یا اس رقم پر جو کمپنی بموجب قواعد Surrender بیمہ کرانے والے کو دے گی۔ کسی پالیسی کو Surrender کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا ایک عرصے تک پریمیم ادا کرتا ہے اور جب ادا کرنے سے قاصر ہو اور پالیسی کو بحق کمپنی بیچ کر نقد روپیہ حاصل کرنا چاہے تو عرصہ ادائیگی کی مناسبت سے چالیس یا پچاس فیصدی رقم ادا کردہ کا ملے گا۔ یا اگر بیمہ کرانے والا پریمیم ادا کرنے سے قاصر ہو اور نقد روپیہ نہ لینا چاہے تو پالیسی Paid up اس عرصے کے لئے شمار کی جاتی ہے اور ادا کردہ رقم کی مناسبت سے بیمہ کی مدت گزرنے پر روپیہ مل جاتا ہے بیمہ کرانے والا زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے ہر سال Surrender اور Paid up پالیسی کی رقم دریافت کر لیتا ہے ان تینوں صورتوں میں کس رقم پر زکوٰۃ دینی ہو گی ؟

(جواب ۱۰۵) انشورنس اور پالیسی کی پریمیم کی ادا کردہ رقم پر زکوٰۃ دینی چاہئیے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

تیسرا باب

پراویڈنٹ فنڈ اور بونس اور پنشن

پراویڈنٹ فنڈ اور بینک کے سود میں فرق

(سوال) میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بینکوں کے سود اور پراویڈنٹ کے سود کے متعلق دریافت کیا تھا آخر الذکر کو جناب نے جائز اور اول الذکر کو غربا میں تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ عرض یہ ہے کہ ایک ہی شخص دونوں رقموں کا مالک ہے پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں نصف عطیہ کمپنی اور نصف اس کا اپنا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک سود جائز اور دوسرا سود غربا کا حصہ ؟ المستفتی نمبر ۹۸ محمد ایوب خاں (گوڑیانی) ۱۸ رجب ۱۳۵۲ھ م ۸ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۰۶) پراویڈنٹ فنڈ میں نصف رقم عطیہ ہوتی ہے اور نصف ملازم کی تنخواہ میں سے وضع کی ہوئی ہوتی ہے چونکہ وہ بھی ملازم کے قبضے میں آنے سے پہلے وضع کر لی جاتی ہے اس لئے اس کا سود اور نصف رقم عطیہ کا سود دونوں مل کر عطیہ کا حکم لے لیتی ہے اور نصف رقم وضع شدہ سے زائد جو رقم ملتی ہے وہ سب عطیہ ہی قرار پاتی ہے بینک کا سود اس سے مختلف ہے دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بینک میں اپنے قبضے سے نکال کر رقم جمع کی جاتی ہے اس لئے اس کا سود حقیقۃً سود ہوتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) اس لئے کہ پریمیم کی ادا کردہ رقم اس شخص کی ملک سے خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ رقم انشورنس کمپنی کی تحویل میں ہوتی ہے اور یہ کمپنی اس کی وکیل ہے وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے لہذا یہ رقم اس شخص کی ملک رہی اس لئے اس کی زکوٰۃ دینی چاہئیے و تجب الزکاۃ فی مالہ وان کانت یدہ فائتۃ لقیام ملکہ و تجب الزکاۃ فی الدین مع عدم القبض ..... فثبت ان الزکاۃ و ظیفۃ الملک والملک موجود فتجب الزکاۃ فیہ (بدائع الصنائع کتاب الزکوۃ ۲/۹ ط ، سعید)

پراویڈنٹ فنڈ اور اس پر سود لینے کا حکم!

(سوال) سرمایہ پس اندازی جو کہ ملازموں کی تنخواہ سے گورنمنٹ کی ملازمتوں کی شرائط کا حق جاتا ہے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو لینے والا خود کھا سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۰۷) پراویڈنٹ فنڈ اور اس پر جو سود لینا اور اپنے صرف میں لانا جائز ہے کیونکہ وہ حقیقتہ سود کے حکم میں نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم پر سود لینے اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

(سوال) سرکاری مستقل ملازموں کی ماہواری تنخواہ میں سے ۱/۱۶ و ۱/۱۲ حصہ لازمی طور پر گورنمنٹ وضع کر لیتی ہے پس بقیہ تنخواہ ملازموں کو ملتی ہے وضع شدہ رقم ملازم کے ذاتی حساب میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ چھ ماہ یا سال کے بعد اس مجموعہ میں اتنی ہی اور رقم اضافہ کر دی جاتی ہے جو بونس (عطیہ) کہلاتی ہے ان دونوں رقموں میں علیحدہ علیحدہ ۵ فیصدی یا کم وبیش شرح سود پر لگا کر جمع کر دیا جاتا ہے ہر سال ان رقموں کی تفصیل کی اطلاع (یعنی وضع شدہ رقم بونس سود علیحدہ علیحدہ لکھ کر) ملازم کو بھیجی جاتی ہے۔ ملازمت ختم کر چکنے کے بعد یا وفات پر کل جمع شدہ رقم ملازم کو یا ورثا کو دیدی جاتی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بونس بعد مذکورہ سود (جس کی شرح وغیرہ گورنمنٹ از خود مقرر کرتی ہے) از روئے شرع شریف ایک مسلم کو لینا جائز ہے یا نہیں یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر ۵ فیصدی شرح سود کے متعلق شروع سے ہی یا دوران ملازمت میں گورنمنٹ کو لکھ کر دے دیا جائے کہ سود نہ لگائیں تو اس کے حساب میں سود نہیں لگایا جاتا اور صرف بونس جمع کر دیا جاتا ہے المستفتی نمبر ۱۲۵۹ ناظر حسین کلرک ورکشاپ آفس این ڈبلو آر مغل پورہ ۱۰ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۳ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۰۸) جو رقم تنخواہ میں سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے

---

(۱) پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کو تین طرح کی رقمیں ملتی ہیں (۱) ملازم کی تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم (۲) کاٹی ہوئی رقم کے بقدر (۳) ان دونوں پر منافع، پہلی دو قسم کی رقمیں لینا جائز ہیں کیونکہ ملازم کی تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم کے برابر محکمہ جو رقم ملاتا ہے وہ رقم تو شروع ملازمت سے ہی طے شدہ ضابطہ کے مطابق تنخواہ کا ایک حصہ قرار دیا جاتا ہے اس لئے یہ رقم لینا جائز ہے، تیسری قسم کے بارے میں یہ تفصیل ہے اگر محکمہ ان دونوں رقموں سے جائز اور حلال کاروبار کرلے اور اس کا نفع ملازم کو دیتا ہے تو وہ بھی حلال ہے لیکن کوئی محکمہ یا کمپنی اگر ان دونوں رقموں سے ناجائز کاروبار کر کے اس کا نفع ملازم کو دیتا ہے تو اگر محکمہ یہ نفع جو حرام ہے بینک سے خود وصول کر کے کمپنی کے مرکزی اکاؤنٹ میں جمع کرے تو اس صورت میں ملازم کے لئے نفع لینا اس وقت جائز ہوگا جب مرکزی اکاؤنٹ کا اکثر سرمایہ حلال ہو ورنہ جائز نہیں اور محکمہ یہ نفع خود وصول نہ کرے بلکہ ملازم خود بینک یا انشورنس کمپنی سے وصول کرے تو اس صورت میں یہ نفع ملازم کے لئے حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ ملازم پر لازم ہے کہ مال حرام سے بچنے کی نیت سے کسی محتاج آدمی کو دیدے اور آئندہ ہرگز وصول نہ کرے مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب یہ رقم ملازم سے جبری طور پر کاٹی جاتی ہو اور اگر ملازم کی مرضی واختیار سے یہ رقم کاٹی جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر محکمہ کی طرف سے بنام سود جو رقم ملتی ہے اس سے بچنا چاہئے کیونکہ یہ اگرچہ بعینہ سود نہیں ہے لیکن سود کے ساتھ تو مشابہت ضرور رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو وصول نہ کیا جائے اگر وصول کیا تو اس کا بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے خود استعمال نہیں کر سکتا۔

(نوٹ) پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق اس مسئلے کے لئے آخر باب تک ہر مرتبہ مذکورہ بالا حوالہ کی عبارت درج نہیں کی جائے گی بلکہ صرف نمبر کا حوالہ دیا جائے گا حوالہ کی عبارت میں تکرار سے کام نہیں لیا جائے گا

بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے[1] اور وصول ہونے سے پہلے اس مجموعی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں[2] بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے وہ شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پنشن لینے کا حکم

(سوال) جو قدیمی طریقہ ختم میعاد ملازمت پر پنشن کا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۱۳۶۲ سید شبیر حسن (دہلی) ۹ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۴ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب) (از نائب مفتی مدرسہ امینیہ) ملازمت کی میعاد ختم ہو جانے پر جو گورنمنٹ کی طرف سے بہ حساب نصف تنخواہ کے تاحیات ملازم کے پنشن ملتی ہے تو یہ جائز ہے اس کے عدم جواز کی وجہ شرعی نہیں پائی جاتی فقط واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

(جواب ۱۰۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) پنشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔ الجواب صحیح بندہ محمد یوسف مدرسہ امینیہ' دہلی۔

تنخواہ سے کاٹی ہوئی رقم پر سود لینے کا حکم

(سوال) میں ڈسٹرکٹ بورڈ کا ملازم ہوں بورڈ کے آئین کے مطابق حقوق پنشن کی بجائے میری ماہواری تنخواہ سے ۲ر فی روپیہ اس غرض کے لئے وضع کیا جاتا ہے کہ اختتام ملازمت میرا جمع شدہ سرمایہ اور ایک آنہ فی روپیہ بورڈ کی طرف سے انعام بمعہ سود واپس کیا جائے۔ اس وقت کھاتے (پراویڈنٹ فنڈ) میں مبلغ ۳۰۰ روپیہ میرا موجود ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سرمایہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہے یا نہیں۔ نیز پراویڈنٹ فنڈ کے سود کے متعلق علماء احناف کا کیا مذہب ہے۔ کیا یہ سود ہر سال صرف حساب سے مطلع ہونے پر ادا کیا جائے یا بعد وصولی۔ مجھے یہ بھی خطرہ درپیش ہے کہ اگر موت ناگہانی آجائے تو یہ واجب الوصول سود کس مصرف میں لایا جائے گا۔ المستفتی ۱۶۵۷ احمد بخش (ملتان) ۱۳ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱۱۰) : پراویڈنٹ فنڈ پر جو رقم محکمہ کی طرف سے دی جاتی ہے اور اسی طرح دونوں رقموں کے مجموعے پر جو رقم سود کے نام سے بڑھائی جاتی ہے یہ سب رقم لینی جائز ہے یہ شرعاً سود نہیں ہے۔ اگرچہ محکمہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ٦٤)
(۲) کیونکہ وہ رقم حکومت کے قبضہ میں ہے ملازم کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ملک میں نہیں آئی اور زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال ملازم کی ملک میں ہو جیسا کہ بدائع میں ہے' واما شرائط الفرضية ترجع الى المال فمنها الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لان في الزكاة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور (بدائع الصنائع' كتاب الزكاة ۲/ ۹ ط سعيد)
(۳) اس لئے کہ حکومت کی طرف سے ایک قسم کا عطیہ اور تعاون ہے اور عطیہ کے مال کا وصول کرنا درست ہے۔

اس کو سود کے نام سے موسوم کرتا ہے اور ان تمام رقوم کی زکوۃ ادا کرنے کا حکم یہ ہے کہ وصولی رقم کے بعد ان کی زکوۃ ادا کی جائے وصول ہونے سے پہلے ادائگی زکوۃ لازم نہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(سوال) بعض منظور شدہ انگریزی مدارس میں مدرسین کی تنخواہ میں سے فی روپیہ ار کے حساب سے کچھ رقم بطور پس انداز جمع کی جاتی ہے اور ہر مہینہ میں جتنی رقم مدرس کی اپنی ہوتی ہے اتنی ہی رقم مدرسہ کے خزانے سے اور اضافہ کر کے مجموعی رقم ڈاک خانہ میں محفوظ کرالی جاتی ہے اور ڈاک خانہ اس رقم کو چونکہ اپنے تصرف میں لانے کا مجاز ہوتا ہے لہذا ڈاک خانہ کو ماہانہ یا سالانہ مدرس کی مجموعی رقم پر کچھ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ڈاک خانہ سے ملنے والی رقم ربوا ہے یا نہیں پھر اگر ربوا ہے تو یہ فتویٰ فقہ کی عبارت لاربوٰ بین المسلم والحربی ثمہ کا مصداق بن کر جائز ہوگا یا نہیں پھر اگر ناجائز ہے تو مسلمان مدرسین ڈاک خانہ سے یہ رقم وصول کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وصول کر سکتے ہیں تو اس رقم کا مصرف کیا ہے۔ المستفتی ۲۵۹۵ احمد علی مدرس عربی (گوجرانوالہ) ۵ اربیع الاول ۱۳۵۹ھ م ۲۴ اپریل ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۱۱۱) پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم ملازم کی تنخواہ سے وضع کر لی جاتی ہے وہ اور اس پر جو رقم اضافہ کی جاتی ہے وہ اور اسکول کی جانب سے ملازم کے نام سے وہ رقم ڈاک خانہ میں جمع کی جاتی ہے اور ڈاک خانہ اس پر انٹرسٹ کے نام سے کچھ دیتا ہے ان سب کا مجموعہ ملازم کو لینا اور اپنے کام میں لانا جائز ہے ان میں سے کوئی جزو شرعی ربوا نہیں ہے[1] البتہ جو لوگ سیونگ بینک میں اپنے قبضہ سے نکال کر رقوم جمع کراتے ہیں اور ان رقوم پر انٹرسٹ ملتا ہے وہ ربوا ہے مگر اس کو ڈاک خانہ سے وصول کر لینا چاہئے اور فقراء کو دیدینا چاہئے تاکہ تبلیغ مسیحیت کا ذریعہ نہ بن سکے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ‘ دہلی

کمپنی میں جمع شدہ رقم پر سود لینے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کسی کمپنی میں پانچ سو روپے نقد ضمانت کا جمع کرا کے ملازمت کرتا ہے اور وہ کمپنی زید کو ماہواری تنخواہ کے علاوہ پانچ فیصدی سود سالانہ اس رقم پر ملازمت ترک کرنے پر ادا کرتی ہے تو کیا زید کو وہ سود کی رقم لینا جائز ہے؟

(جواب ۱۱۲) کمپنی اگر غیر مسلم حصہ داران کی ہے تو سود کا روپیہ اس سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کاموں میں دیدینا چاہئے۔[3] محمد کفایت اللہ غفرلہ‘

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۹۶)

(۲) قال تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

(۳) قال تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ مائدۃ پ ۶ آیت ۲)

چوتھا باب
ہنڈی کی خرید و فروخت

(۱) ہنڈی کی بیع کا حکم
(۲) بیمہ کمپنی کے شرکاء کافر ہوں تو بیمہ کرانے کا حکم

(سوال) (۱) تین سو روپیہ کی ایک ہنڈی (کھاتہ) ہے اور اس کی میعاد تین ماہ ہے اس ہنڈی (کھاتہ) لینے والے کو میعاد سے پہلے پیسہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے دوسرے آدمی کو اڑھائی سو روپیہ یعنی اس ہنڈی کی رقم سے پچاس روپیہ کم میں فروخت کی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) ایک بیمہ کمپنی کے جملہ شرکاء کافر ہیں تو اس کمپنی میں جان یا مال کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں اور اگر شرکاء بعض یا اکثر مسلمان ہوں تو اس وقت کیا حکم ہے۔ المستفتی نمبر ۲۲۸۷ محمد باوا ڈیسائی ترکیسر ضلع سورت ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۱۳) (۱) یہ صورت ناجائز اور ربوا ہے۔ کیونکہ مبیع وہ ہنڈی کا کاغذ نہیں ہے بلکہ وہ رقم ہے جو ہنڈی میں لکھی ہے۔[1] (۲) بیمہ دراصل تو ناجائز ہے لیکن ہندوستان میں اگر دارالحرب ہونے کی بنا پر کسی ایسی کمپنی میں جس کے تمام شرکاء کافر ہیں بیمہ کرالیا جائے تو گنجائش ہے۔ افریقہ قطعاً دارالحرب ہے وہاں کفار سے معاملات ربویہ کرنا اور فائدہ اٹھانا مباح ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) وافتی المصنف ببطلان بیع الجامکیه لما فی الاشباه' بیع الدین انما یجوز من المدیون وفی الشامیة' سئل عن بیع الجامکیة' وهو ان یکون لرجل جامکیة فی بیت المال ویحتاج الیٰ دراهم معجلة قبل ان تخرج الجامکیة فیقول له رجل بعتنی جامکیتك التی قدرها کذا بکذا انقص من حقه فی الجامکیة فیقول له' بعتك فهل البیع المذکور صحیح ام لا ؟ لکونه بیع الدین بالنقد اجاب اذا باع الدین من غیر من هو علیه کما ذکر لا یصح (الدرالمختار' مع رد المحتار مطلب فی بیع الجامکیة ٤ / ٤١٧ ط. سعید)
(۲) قد یکون للتاجر شریك حربی فی بلاد الحرب فیعقد شریکه هذا العقد مع صاحب السوکرة فی بلادهم ویاخذمنه بدل الهالك و یرسع الی التاجر فالظاهر ان هذا یحل للتاجر اخذه لان العقد الفاسد جری بینهم فی دارالحرب(رد المحتار ٤ / ١٧ ط، سعید)

پانچواں باب
متفرق مسائل

(۱) کیا سود لینا اور دینا گناہ میں برابر ہیں؟
(۲) ہندوستان کو دار الحرب سمجھ کر سود لینا
(۳) ڈاکخانہ کے سود کا حکم

(سوال) سود کا لینا اور دینا دونوں یکساں ہے یا گناہ میں کمی بیشی ہے۔ (۲) ہندوستان میں ہندوؤں سے کوئی دار الحرب سمجھ کر سود لے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۳) ڈاک خانہ سے سود لینا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۳۴ نذیر احمد ضلع بلیا، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۱۴) (۱) حدیث شریف میں سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے بلکہ گواہوں اور کاتب پر بھی لعنت ہے حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ لعن الله آكل الربوا وموكله وشاهديه وكاتبه (ترمذی)[1] یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ سود لینے والے اور دینے والے اور گواہ اور کاتب قابل لعنت ہونے میں سب شامل ہیں تو اگر ان کی لعنت کے مدارج میں شدت اور خفت کا فرق بھی ہو تو وہ چنداں قابل اعتنا نہیں کیونکہ ملعون ہو جانا ہی انتہائی بدبختی اور گناہ گاری ہے۔ (۲) ہندوستان میں ہندوؤں سے بھی سود لینا جائز نہیں کیونکہ اس کے دار الحرب ہونے نہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔[2] (۳) ڈاک خانہ سے بھی سود لینا نہیں چاہئیے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ جمع ہی نہ کرے لیکن اگر روپیہ جمع کر دیا ہے تو اس کا سود ڈاک خانہ سے وصول کر کے بہ نیت رفع گناہ غربا کو دیدے یا کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کر دے اپنے کام میں نہ لائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) کافر اور مسلمان دونوں سے سود لینا اور دینا ناجائز ہے
(۲) عام رواج کی صورت میں سودی کاروبار کا حکم

---

(۱) (ترمذی شریف کتاب البیوع ۱/ ۲۲۹ ط سعید)
(۲) اس لئے معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے قال النبی ﷺ من ترك الشبهات استبرا لدينه و عرضه فقد سلم ومن واقع شيئاً منها يوشك ان يواقع الحرام (ترمذی شریف ۲/ ۲۲۹ ط سعید)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۴) ڈاکخانہ سے سود لینا بھی ناجائز ہے

(سوال) (۱) کیا سود مسلمان سے ہی لینا منع ہے یا غیر مسلم سے بھی (۲) آج دنیا میں لاکھوں کام سود کی بدولت چل رہے ہیں روپے والے قرض سود ہی کی حرص میں دیتے ہیں اگر سود کو ناجائز قرار دیدیا جائے تو دنیا کے کام کیونکر چلیں اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں کیوں کر پوری ہوں آج کل سود کے لین دین سے بغیر مفر ہی نہیں کیا مسلمان ہر قسم کا لین دین تجارت وغیرہ بند کر دیں۔(۳) سود لینے کے خیال سے ڈاک خانہ میں روپیہ رکھنا اور گورنمنٹ کے تمسکات خریدنے جائز ہیں یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۱۴ بابو محمد رشید خاں دہلی' ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۱۵) (۱) سود مسلمان اور غیر مسلم دونوں سے لینا دینا ناجائز ہے[۱] البتہ دارالحرب میں غیر مسلم سے لینا جائز ہے۔[۲] (۲) بیشک آج کل سودی کاروبار کا عام رواج ہو گیا ہے مگر اس کی وجہ سے ایک حرام قطعی کو حلال نہیں کہا جا سکتا۔[۳] (۳) سود وصول کرنے کے خیال سے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کرنا ناجائز ہے[۴] ہاں اگر کسی مجبوری سے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کیا ہو تو اس کا سود ڈاک خانہ سے لیکر غرباء و مساکین و بیوگان پر خرچ کر دیا جائے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ہندوؤں سے سود لینے کا حکم

(سوال) ہندوؤں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۰۷ عبدالستار (گیا) ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۶) ہندوؤں سے بھی سود لینا مسلمانوں کے لئے شایاں نہیں۔[۶] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود ادا کر کے مرہون شئ چھڑوانے کا حکم !

(سوال) زید ایک زیور لے کر عمرو کے پاس آیا اور کہا کہ یہ زیور کسی ہندو بنیے کے نزدیک گروی رکھ کر اس کے عوض چالیس روپے قرض مجھے لا کے دو اور اس چالیس روپیہ کا سود جو کچھ وہ ہندو مقرر کرے گا میں دینے

---

(۱) ولا ربوا بین حربی و مسلم و فی رد المحتار' احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا ھاجر الینا ثم عاد الیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی معہ اتفاقا (درمختار باب الربا ۵/ ۱۸۶)

(۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمۃ لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ (الدر المختار' باب الربا ۵/ ۱۸۶ ط. سعید)

(۳) لان النص اقوی من العرف فلا یترک الاقوی بالادنی وفی الشامیۃ قال فی الفتح لان النص اقوی من العرف لان العرف جاز ان یکون علی الباطل کتعارف اھل زماننا باخراج الشموع والسراج الی المقابر لیالی العید' والنص بعد ثبوتہ لا یحتمل ان یکون علی باطل ولان حجیۃ العرف علی الدین تعارفوہ والتزموہ فقط والنص حجۃ علی الکل فھو اقوی ولان العرف انما صار حجۃ بالنص وھو قولہ علیہ السلام' ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (الدر المختار' باب الربا ۵/ ۱۷۶ ط. سعید)

(۴) کیونکہ سود حرام ہے جیسا قرآن پاک میں ہے احل اللہ البیع و حرم الربوا (البقرۃ : ۲۷۵)

(۵) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۶۵)

(۶) کیونکہ جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو غیر مسلموں سے بھی پہلا والا سود لینے سے روک دیا گیا جب کہ قرآن میں ہے : یا ایھا الذین آمنو اتقو اللہ و ذرو ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین (البقرۃ)

کے لئے تیار ہوں۔ عمرو نے زید کے حکم کے مطابق عمل کر کے ایک ہندو کے پاس جا کر وہ زیور گروی رکھا اور چالیس روپے قرض لا کر زید کو دیئے۔ زیور کی رہائی کے متعلق مدت متعین نہ کی گئی۔ یہاں تک کہ زیادہ مدت گزر جانے کی وجہ سے زید پر سود کا انبار ہو گیا اب زید عمرو کو لکھتا ہے کہ مجھ کو زیور آزاد کرادو میں نے چالیس روپے جو قرض لیا ہے وہ دینے کے لئے تیار ہوں باقی سود نہ دوں گا کیونکہ سود کا معاملہ شریعت میں ناجائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ میں تو بذات خود سود نہیں لیتا مجھ کو تیرا بھلا منظور تھا اس لئے وکیل بن کر تیرا زیور میں نے گروی رکھا اور ہندو سے چالیس روپے قرض لے کر تجھ کو دیا اور ہندو کو سود کا دینا تم نے اول منظور کیا تھا اب اگر انکار کرتے ہو تو میرا اس میں کیا جاتا ہے زیور ضائع ہو گا تو نقصان تمہارا ہو گا میں چونکہ وکیل ہوں اس لئے زیور کی آزادی سر سے میرے ذمہ پر نہیں وہ ہندو موجود ہے جاؤ اس سے اپنا زیور آزاد کرالو اس صورت میں زید کا عمرو کو سود دینے سے انکار کرنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے آیا عمرو پر واجب ہے کہ زید سے سود لئے بغیر گروی شدہ زیور آزاد کرادے اور ہندو کو سود اپنی طرف سے دے یا زید کو مرہون کی آزادی کے لئے سود دینا لازم ہو گا تا کہ اپنا زیور آزاد کرادے اور عمرو کا زیور کی آزادی سے انکار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض زیور ہلاک ہو گیا ہو گا تو ضمان عمرو پر واجب ہے؟ المستفتی نمبر ۱۰۲۶ مولوی محمد صاحب فاضل دیوبند کراچی (سندھ) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م یکم جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۱۷) عقد کا مباشر عمرو ہے اس لئے سود کا معاملہ کرنے کی ذمہ داری عمرو پر عائد ہوتی ہے۔ زید نے وعدہ ادائے سود کا کیا تھا مگر وعدہ معصیت واجب الایفا نہیں۔[۱] عمرو کا فرض یہ تھا کہ اسی وقت زید کو کہہ دیتا کہ سودی قرضہ کا معاملہ میں نہیں کرتا تم خود کرو البتہ عمرو پر سود ادا کرنا لازم نہیں[۲] باہم للعک میں ہی زیور واپس لینے کی صورت پیدا کرنی لازم ہے اور زیور چھڑا کر دینا عمرو کے ذمہ ہے جب کہ ہندو سے معاملہ عمرو نے اصالتہً کیا ہو۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ہندوستان دار الحرب ہو تو سودی کاروبار کا حکم

(سوال) کیا ہندوستان اور بلوچستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام اور کیا دار الحرب سے مسلمانوں و الی دار الاسلام ہجرت کرنا واجب اور لازمی ہے یا نہیں اور کیا ربوا یعنی سود کا معاملہ کرنا دار الحرب میں بعض مسلمانوں کا بعض مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۱۱۶ مولوی عطاء اللہ صاحب (بلوچستان) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۸ اگست ۱۹۳۶ء

---

(۱) یعنی واجب النقض ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق جیسا کہ یمین بالمعصیت قابل نقض ہے کما فی الحدیث: واذا حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منھا فکفر عن یمینک وائت الذی ھو خیر (مشکوة ۲: ۲۹۶ ط. سعید)

(۲) کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور اس کا نقض واجب تھا قال تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا (البقرة)

(۳) کیونکہ اس صورت میں اس معاملہ کی ذمہ داری عمرو پر عائد ہوتی ہے جیسا کہ در مختار میں ہے۔ وفی کل عقد لا بد من اضافته الی مؤکله یعنی لا یستغنی عن الاضافة الی مؤکله حتی لو اضافه الی نفسه لا یصح ای لا یصح علی المؤکل حتی لو اضاف النکاح لنفسه وقع النکاح له (تنویر الابصار: کتاب الوکالة ۵: ۵۱۴ ط سعید)

(جواب ۱۱۸) ہاں ہندوستان اور بلوچستان جو حکومت انگریزی کے ماتحت محکوم ہیں دارالحرب ہیں اور دارالحرب میں عقود ربویہ حربی کافروں کے ساتھ جائز ہیں[1] مگر ہجرت اس لئے فرض نہیں کہ ادائیگی فرائض ممکن ہے لیکن مسلمانوں کو عقود ربویہ کی اجازت دو وجہ سے دینا مشکل ہے۔ اول یہ کہ دارالحرب ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے اس لئے شبہ ربوا کا متحقق ہو سکتا ہے۔ دوئم یہ کہ دارالحرب میں بھی مسلمانوں کو آپس میں سود لینا دینا بقول راجح جائز نہیں ہے[2] اور ربوا کی مروجہ صورتوں میں مسلمانوں کی شرکت اکثری طور پر لازمی ہے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

سودی رقم کو کہاں خرچ کیا جائے ؟

(سوال) ایک شخص کے پاس سود کا پیسہ ہے اس سودی رقم کو کہاں خرچ کر سکتا ہے۔ آیا غریبوں کو یا قرض داروں کو دے سکتے ہیں یا نہیں۔ المستفتی حاجی محمد داؤد صاحب تاجر ۷ نومبر ۱۹۳۷ء (بلیماران دہلی)

(جواب ۱۱۹) غریبوں اور مقروضوں کو دیا جا سکتا ہے یتیموں اور بیواؤں کی امداد کی جا سکتی ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سودی کاروبار کے لئے انجمن بنانے کا حکم

(سوال) سرکار نے ایک بینک قائم کی ہوئی ہے اس بینک سے زمیندار اشخاص کو روپیہ دے کر انجمن قائم کرتے ہیں اس انجمن میں جو شخص شامل ہوتا ہے وہ شخص اس انجمن کا ممبر کہلاتا ہے اور انجمن بمصلاح موافق حسب ضرورت و حیثیت کے روپیہ ممبران میں تقسیم کرتا ہے اور اس روپیہ کا سود عہ سیکڑہ ۵ ممبران سے لیتا ہے اور اس میں سے آٹھ آنہ سرکاری بینک کو دیا جاتا ہے اور آٹھ آنہ بقایا اس انجمن میں جمع ہوتا ہے اس طرح کاروبار ہونے سے سودی روپیہ انجمن کا اپنا جمع ہو جاتا ہے مثلاً پانچ چھ ہزار اس جمع شدہ سودی روپیہ میں انجمن کی یہ شرط ہے کہ رفاہ عام کے فائدے پر خرچ کیا جائے۔ مثلاً سرائے 'کنواں' مدرسہ وغیرہ اس سودی روپیہ کا خاص مالک کوئی نہیں ہے کوئی ممبر اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال نہیں کر سکتا اب سوال یہ ہے کہ اس انجمن کے بنانے میں کوئی شرعاً نقص ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو اس قسم کے سودی روپے کو کہاں خرچ کیا جائے اور مسلمان ایسی انجمن قائم کرنے میں آئندہ توجہ رکھیں یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۱۴۳ شاکر محمد صاحب (مظفر گڑھ) ۱۶ شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۲۰) انجمن اس شرط کے ساتھ قائم کرنا اور اس میں شریک ہونا تو صحیح نہیں۔[4] مگر اس سودی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۰۲ و ۶۵) (۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم و فی رد المحتار احترز بالحربی عن المسلم الا صلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی ۔ اذا ھا جر الینا ثم عادا لیھم فانہ لیس للمسلم ان یرابی معہ اتفاقا (درمختار باب الربا ۵ : ۱۸۶ ط ۔ سعید)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

(۴) لعن اللہ آکل الربا و موکلہ و شاھدیہ و کاتبہ (ترمذی شریف ۱ / ۲۲۹ ط سعید)

روپے کو رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کرنا درست ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض دے کر منافع حاصل کرنا جائز نہیں

(سوال) کسی گاؤں میں ایک انجمن قائم ہے اور وہ ضرورت مند مسلمانوں کو سودی قرضے سے بچانے کے لئے کچھ رقم بطور قرض دینا اپنے بجٹ میں منظور کرتی ہے مگر ایسے اصحاب سے علاوہ چندہ ممبری انجمن کے معمولی رقم مقررہ جو دوسری جگہوں کے سود سے حد درجہ کم ہے بطور منافع کے لیتی ہے اور پھر وہ رقم منجانب انجمن ایسے ہی رفاہ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی ہے تو کیا ایسا منافع لینا انجمن کے لئے جائز ہے۔ اور اگر جائز نہیں تو کوئی ایسی مشرح اور آسان شرعی صورت بتائی جائے جس سے مسلمانوں کو جال سے بچایا جائے اور نیز انجمن کی مالی حالت بھی خطرہ میں نہ پڑے۔ المستفتی نمبر ۲۱۹۴ حکیم محمد رفیق صاحب (بلیا) ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۱) یہ منافع تو جائز نہیں ہے[2] یہ ممکن ہے کہ آپ مستقرض کو کاغذ بقیمت دیں یعنی قرض لینے والا قرض کا فارم انجمن سے خرید کر اس پر اقرار نامہ لکھے کاغذ کی قیمت بہت معمولی ہو جس سے صرف وہ مصارف حاصل ہو جائیں جو انجمن کو اس صیغے میں کرنے پڑیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دارالحرب میں سودی معاملات کا حکم

(سوال) دارالحرب میں سودی معاملات کرنا جائز ہے یا نہیں اور مسلمان یا کافر کا ایک حکم ہے یا دونوں میں تفاوت ہے اور ایسے ملک میں جو ہمیشہ سے کفار کے ہاتھ میں ہے کبھی اسلامی سلطنت نہ ہوئی ہو اور اس میں مسلمان آباد نہیں اور فرائض وغیرہ واحکامات شرعیہ کی ادائیگی میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو اور مذہبی امور میں خلل نہ دیتی ہو باقی دنیوی ترقی کی راہ میں قسم قسم کے قیود عائد ہوں مثلاً زمین نہ خرید سکے ان کی ہوسپٹل اور سرکاری ڈپاٹ میں ملازمت نہ کر سکے مخصوص مقاموں پر تجارت کر سکے وغیرہ قیودات ہوں تو ایسا ملک دار الحرب ہے یا نہیں؟ ایسا ملک جس کی کیفیت مذکور ہوئی اس میں تجارت اور موٹر کار اور مکان کا بیمہ لینا جائز ہے یا نہیں اور اپنی جان کا بیمہ لینا کہ جس میں مقررہ سال تک معین رقم کی ہر ماہ میں ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور مقررہ سال کے اختتام پر یا بعض شے مرنے کے بعد جس قدر رقم کا بیمہ لیا ہو ملتی ہے تو یہ معاملہ دار الحرب میں جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۳۵ فخر الدین ڈابھیلی ۲۷ صفر ۱۳۵۷ھ م ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۲) یہ ملک جس کی حالت سوال میں مذکور ہے دار الحرب ہے ایسے ملک میں کفار سے سودی معاملات کرکے مسلمان کو فائدہ حاصل کرنا مباح ہے۔ لیکن مسلمانوں سے سود لینا یا کفار کو سود دینا باطل

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)
(۲) یہ منافع ربا ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے۔ لان الربا ھو الفضل الخالی عن العوض (رد المحتار باب المتفرقات ۵ / ۱۹۴ ط سعید)

بھی مباح نہیں۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بلٹی جمع کرنے اور چھوڑنے پر کمیشن لینا

(سوال) زید نے دو سو روپے کا مال باہر روانہ کیا اس کی بلٹی بینک کو سو روپے لیکر دیدی باقی سو روپے بلٹی کے چھوٹنے پر لے گا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ سو روپے میں بارہ آنہ کمیشن کے نام بینک والا کاٹ لیتا ہے۔ بارہ آنہ کم سو روپے دیتا ہے اور رسید سو روپے کی لیتا ہے ایسا کرنا زید کے لئے جائز ہے یا نہیں سود میں داخل تو نہیں ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۴۱ ۲۳ حافظ محمد اسماعیل فیروز آباد (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۲۳) ہاں یہ بارہ آنہ اگر بینک بلٹی مکتوب الیہ کے پاس بھیجنے اور روپیہ منگانے کی اجرت کے طور پر لیتا ہو تو یہ سود نہیں ہے۔[۲] ورنہ سود ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض خواہوں سے فارم کے ٹکٹوں کی قیمت وصول کرنا

(سوال) موضع نواب گنج ضلع پرتاب گڑھ تحصیل کنڈہ میں تقریباً سو گھر مسلمانوں کے ہیں جس میں کہ ۱۹۳۶ء سے باسم بیت المال کمپنی قائم ہے جس کا مقصد صرف مسلمانوں کو سود کے ہر گناہ سے بچانا ہے اور مسلمانوں کو کافروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روک کر خود بلا سودی قرض دینا ہے علاوہ ازیں محتاجوں کی لاوارثوں کی میتوں کی تجہیز و تکفین (کفن و دفن) کا خرچ کمیٹی سے دیا جانا اور یتیموں اور بیواؤں کی امداد کرنا ہے مگر اب تک آمدنی کے ذرائع ایسے نہیں کہ جس سے آمدورفت کا خرچہ پورا ہو سکے اور مسلمانوں کی پوری پوری امداد کی جاسکے یہ بھی واضح رہے کہ کسی مسلمان پر کسی قسم کا چندہ نہیں ہے ہاں صرف آمدنی فطرہ چرم قربانی و عقیقہ اور نکاح کی آمد پر اب تک چلایا گیا یہ وقت آیا کہ بیت المال بالکل خالی ہے اور مسلمان کاشتکاروں کو روپیہ تخم ریزی کو کہاں سے دیا جائے تاکہ مسلمان کاشتکار ڈیوڑھا سود دینے سے بچیں کارکنان بیت المال مجبور تھے روپیہ نہ تھا تو کمیٹی کے صدر سیکریٹری خازن نے اپنی اپنی ضمانتوں پر دو سو روپے بلا سودی قرض لے کر مسلمان کاشتکاروں کو آج ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو بلا سودی چھ ماہ کے لئے روپیہ تقسیم کیا آج کمیٹی یہ طے کرتی ہے کہ آمدنی بڑھانے کی صورت یہ کی جائے کہ ٹکٹ بنوائے جائیں یعنی ٹکٹ قرض دار لیکر فارم پر چسپاں کرکے

---

(۱) ولا ربو بین حربی و مسلم و فی رد المحتار: احترز بالحربی عن المسلم الا صلی والذمی (رد المحتار باب الربا ۵:۸٦ ط ، سعید)

(۲) کیونکہ اس صورت میں یہ اجرت حمل و نقل شئی پر ہوگا اور امام صاحب کے ہاں تو حمل خمر کا اجارہ بھی جائز ہے لما فی الدر وجاز تعمیر کنیسة و حمل خمر ذمی بنفسه او دابته بأجر لا عصر ها لقیام المعصیة بعینه وفی الشامیة: قال الزیلعی وهذا عنده وقالا هو مکروه لانه علیه السلام لعن فی الخمر عشرة و عد منها حاملها وله ان الاجارة علی الحمل هو لیس بمعصیة ولا سبب لها وانما تحصل المعصیة بفعل فاعل مختار (الدرالمختار فصل فی البیع ٦/۳۹۱، ۹۲ ط ، سعید)

(۳) کیونکہ پھر یہ اجرت نہیں کسی محنت کے بدلے اور یہ ربا ہے (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۱۰۴)

درخواست دے تو قرضدار کو بلا سودی تین ماہ کے روپے دیئے جائیں تو عالیجاہا ایسے ٹکٹوں پر مسلمانوں کو بلا سودی قرضہ دیا جاسکے گا یا نہیں شرح ٹکٹ اور قواعد ٹکٹ ذیل میں لکھ دیئے گئے ہیں ٹکٹ ایک روپے سے پانچ روپے تک کے قرضدار کو صرف چار پیسہ کا ٹکٹ خرید کر فارم پر لگا کر درخواست دینا ہوگا اور چھ روپے سے دس روپے تک کے قرضدار کو ۲ کا ٹکٹ خرید کر فارم پر چسپاں کرنے سے روپیہ دیا جاسکے گا۔
المستفتی نمبر ۲۵۷۵ جناب سجاد حسین صاحب سیکریٹری بیت المال' نواب گنج (پرتاب گڑھ) ۴ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء

(جواب) (از نائب مفتی) فارم کے ٹکٹوں کی قیمت قرض خواہوں سے لے کر قرض دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ قیمت ٹکٹوں کی یعنی قرض خواہوں سے بعینہ سود ہی ہے واللہ اعلم اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔

(جواب ۱۲۴) (از حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ) ہو الموفق اس ٹکٹ کی اباحت کی گنجائش ہے کیونکہ یہ رقم دفتری مصارف کے کام میں آئے گی کسی شخص کے ذاتی مفاد کے لئے قرض پر کوئی سود نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

مجبوراً سود پر قرض لینے کا حکم

(سوال) سود پر روپیہ قرض لینا حالت مجبوری میں جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۳۳ مولوی عبدالحق امام جامع مسجد دوحد ضلع پنچ محل ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۲۵) سود پر روپیہ قرض لینا جائز نہیں الا یہ کہ اضطراری حالت ہو جائے۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

قرض پر سود لینا اور اس کا مصرف

(سوال) مبلغ تیس ہزار روپے کی رقم ایک ہندو کو ۱۹۲۵ء میں قرض دی گئی اس شخص کی نیت بدل گئی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی ۱۹۲۸ء میں پہلی بار ڈگری ہوئی۔ پھر مقروض ہائی کورٹ تک پہنچا اور متعدد مراحل طے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقدمہ جیت لیا گیا اب بمعہ سود مبلغ بیاسی ہزار روپے اس شخص پر واجب الادا ہے براہ کرم تحریر فرمائیں کہ یہ سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کے خرچ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں اس رقم کی زکوٰۃ کس طرح اور کس حساب سے ادا کی جائے؟ المستفتی شوکت علی از فاضل پور ضلع ڈیرہ غازی خاں

(جواب ۱۲۶) سود لینا تو جائز نہیں۔[۲] آپ اپنی اصل رقم لے سکتے ہیں اور مقدمہ بازی کے مصارف

---

(۱) یجوز للمحتاج الاستقراض وذالك نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلاً و یجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا، الاشباہ والنظائر ۱ / ۲۹۴ ط ادارۃ القرآن) (۲) قال تعالیٰ یا ایھا الذین آمنو لا تاکلو الربا اضعافا مضاعفۃ

واقعیہ لے سکتے ہیں۔[1] زکوٰۃ کی ادائیگی وصول ہونے کے بعد واجب ہوگی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حضرت مفتی صاحب مدظلہ۔ دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اخبار زمزم کی کسی گزشتہ اشاعت میں جناب کا فتویٰ اس مضمون کا نظر سے گزرا تھا کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے۔ غالباً میں نے سمجھنے میں غلطی کی ہوگی تاہم یہ فرمایئے کہ کیا سود کی رقم غیر مسلم مقروض کو چھوڑ دی جائے۔ آیا بدرجہ اقل یہ جائز نہیں کہ اس سے رقم وصول کر کے کسی کار خیر میں صرف کر دی جائے؟

(جواب ۱۲۶) دارالحرب میں سود لینے کے جواز کا مسئلہ تو ہے[3] زمزم میں کوئی فتویٰ میرا شائع ہوا تھا یہ تو مجھے یاد نہیں مگر اول تو ہندوستان کو بعض علماء دارالحرب قرار نہیں دیتے میں اگرچہ دارالحرب قرار دیتا ہوں' مگر اختلاف علماء کی وجہ سے شبہ تو پیدا ہو گیا اور سود میں شبہ بھی محرم ہے۔[4] دوسرے یہ کہ یہ سود فریق آخر کی رضا سے نہیں بلکہ جبراً لیا جارہا ہے اور اس کا حکم دارالحرب میں بھی مختلف ہے۔[5] ہاں اب اگر آپ مقروض سے کسی ایسی مقدار کی گنی لینے پر صلح کرلیں جو پانچ ہزار سے کم مثلاً ستر ہزار کی ہوں اور وہ خوشی سے دینے پر راضی ہو جائے گا تو ستر ہزار کی گنیاں آپ اس کی رضا سے لے سکتے ہیں وہ سود نہ ہوگا[6] بلکہ آپ کے قرضے کی رقم کا غیر جنس یعنی سونے سے مبادلہ ہوگا اور یہ جائز ہوگا۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مجبوراً سود پر قرض لینے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) امام متشرع اور نیک ہے لیکن حوادث زمانہ سے مجبور ہو کر سودی قرضہ غیر مسلم سے لیا اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۲۷) سود لینا دینا دونوں حرام ہیں۔ لیکن اگر اضطراری حالت میں کسی نے سود دیا ہو تو یہ اس کے لئے موجب فسق نہ ہوگا۔[1] محمد کفایت اللہ غفرلہ

---

(۱) واجرة المحضر على المدعى وهو الاصح و فى الخانية على المتم وفى الشامية والحاصل ان الصحيح ان اجرة الشخص بمعنى الملازم على المدعى و بمعنى الرسول المحضر على المدعى عليه لا تتقيد بمعنى امتنع عن الحضور ولا فعلى المدعى هذا خلاصة ما فى شرح الوهبانية (الدر المختار ۵ / ۳۷۲)

(۲) ففي الدين القوى تجب الزكاة اذا حال الحول و يتراخى الاداء الى ان يقبض اربعين درهما ففيها درهم (فتح القدير كتاب الزكاة ۲ / ۱۶۷ ط بيروت)

(۳) ولا ربو بين حربي و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فيحل برضاه مطلقا بلاعذر (درمختار باب الربا ۵ / ۱۸۶ ط سعيد)

(٤) شبهة الربا فهي مانعة كالحقيقة الخ (هداية باب الربا ۳ / ۷۹ ط شركة علميه ملتان)

(۵) ايضا بحواله بالا درمختار باب الربا ۵ / ۱۸۶ ط سعيد)

(٦) وان عدما حلا كهروى بمروييين لعدم العلة فبقى على الاصل الاباحة وان وجد احدهما اى القدر وحده او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدر المختار باب الربا ۵ / ۱۷۲)

(۷) قال تعالى احل الله البيع و حرم الربوا

(۸) قال تعالى : فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا اثم عليه

کیا مال منگوانے کے لئے سود دینا جائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ہم ولایت سے مال آرڈر دے کر منگاتے ہیں۔ یہ مال ایک نمبری مال ہے۔ جس کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہی مال آئے گا اور یہی آتا ہے ولایت میں دو تین ماہ پہلے آرڈر دیا جاتا ہے جس وقت مال وہاں سے چالان ہوتا ہے ان کی اسی دن سے سود شروع ہو جاتی ہے۔ جب ہم مال کا روپیہ پےمنٹ کرتے ہیں اس وقت سود گن کر پوری لے لیتے ہیں بغیر سود کے اگر ہم مال منگوائیں تو اس صورت میں روپیہ ہم کو دو، تین ماہ پہلے ولایت بھیجنا پڑے گا۔ ہماری اتنی طاقت نہیں ہے کہ روپیہ تین ماہ پہلے بھیج کر روپیہ پھنسائیں۔ ولایت کے اس مال کا روپیہ کلکتہ میں بھرنا ہوتا ہے مگر ہم پورا روپیہ بھرنے کے بجائے چوتھائی حصہ روپیہ بینک کو روانہ کرتے ہیں کہ ہمارا مال چھڑا کر باقی روپیہ کی بلٹی آگرہ کے بینک کو بھیج دیں بینک ہماری ہدایت کے مطابق چوتھائی روپیہ جمع کر کے مال چھڑا کر باقی کی ہنڈی آگرہ بینک پر کر دیتا ہے آگرہ میں ہنڈی آنے پر ہم روپیہ ادا کر کے بلٹی لے لیتے ہیں یہ تمام صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر یہ نہ کیا جائے تو ولایت سے تجارتی معاملہ نہیں ہو سکتا۔

(جواب ۱۲۸) یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ ولایتی تاجروں سے ہے جو دار الحرب کے رہنے والے ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ہندوؤں سے سود وصول کرنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) جس طرح بینک سے سود وصول کر لینا ضروری ہے کیا اہل ہنود سے بھی وصول کر لینا چاہئیے کیا بینک کے سود کو اور اہل ہنود سے وصول کئے ہوئے سود کو اپنی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے؟

(جواب ۱۲۹) اہل ہنود سے لینا درست نہیں[2] اگر لے لیا ہے تو رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا چاہئیے بینک کا سود بھی رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

---

(۱) ولا ربوا بین حربی و مسلم ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاہ مطلقا بلاعذر (الدر المختار، باب الربا ۵ / ۱۸۶ ط سعید)

(۲) ولا ربوا بین حربی و مسلم وفی رد المحتار: احترز بالحربی عن المسلم الاصلی والذمی وکذا عن المسلم الحربی اذا هاجر الینا الخ (الدرالمختار، باب الربا ۵ / ۱۸۶ ط س)

(۳) (ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ ص ۶۵)

کتاب الصرف

پہلا باب
مبادلہ سکہ

مسجد کی آمدنی کو بولی کے ذریعہ بڑھانے کا حکم

(سوال) پھگواڑہ میں جامع مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کے واسطے عید الفطر کے موقع پر ارکان مسجد کمیٹی نے چندہ فراہم کیا شمار کرنے کے بعد روپیوں کے علاوہ اڑھائی پیسے زائد بچے جن اصحاب نے اڑھائی پیسے کی بولی دینی شروع کی اور یہ شرط لگادی کہ بولی دہندہ کو بولی کے پیسے ادا کرنے ہوں گے۔ مثلاً ان ڈھائی پیسوں کی بولی ایک آدمی ایک روپیہ دیتا ہے دوسرا ایک روپیہ آٹھ آنے تیسرا دو روپے تو ان تینوں کو اپنی اپنی بولی کے پیسے دینے ہوں گے جس نے ایک روپیہ بولی دی ہے اس کو ایک روپیہ اور ۱۸ والے کو ۱۸ اور دو روپے والے کو دو روپے دینے ہوں گے لیکن اس معاملے میں ارکان مسجد کمیٹی بالکل خاموش رہے کوئی بولی نہ دی اس طرح بولی دے کر مسجد کے واسطے روپیہ پیسہ اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور ارکان کمیٹی خاموش رہ کر گناہ گار تو نہیں ہوئے۔ **المستفتی نمبر ۶۹۵** چراغ الدین پھگواڑہ ۵ شوال ۱۳۵۴ھ یکم جنوری ۱۹۳۰ء۔

(جواب ۱۳۰) یہ نیلام اور بولی بیع ہے۔ پیسوں کی بیع پیسوں کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے۔[1] ہاں المونیم کے سکے یا چاندی کے سکے کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی ڈھائی پیسے جو تانبے کے ہیں ان کے عوض کوئی اکنی دوانی یا روپیہ چاندی کا دے تو جائز ہے غرضکہ جنس بدل جانے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے[2] بولی خواہ نمازی دیں یا مسجد کمیٹی کے ارکان دیں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اور اس طرح چندہ کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی جبر نہیں ہے جو چاہے بولی دے جو چاہے نہ دے۔ ہر بولی دینے والا مسجد کے لئے چندہ دیتا ہے یعنی ڈھائی پیسوں کو ایک روپے میں اپنے قصد و اختیار سے اس لئے خریدتا ہے کہ مسجد کو فائدہ ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فان وجدا حرم الفضل ای الزیادۃ والنساء (الدر المختار' باب الربا ۵/۱۷۲ ط سعید)

(۲) وان وجدا احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل و حرم النساء (ایضاً)

نوٹ، درہم، روپے کا چاندی اور پیسوں سے تبادلہ کا حکم

(سوال) ہمارے ملک میں جو باٹا کا رواج ہے مثلاً دس روپے کا نوٹ بازار میں چاندی کے روپے سے تبادلہ کرنے لے جاتے ہیں۔ روپیہ دینے والے ایک آنہ یا دو آنے باٹا لینے پر تبادلہ کرتے ہیں یا مثلاً ایک روپے کا دام پیسوں سے لئے جاتے ہیں اس میں بھی ایک یا دو پیسے باٹا لیا جاتا ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز روپیہ، نوٹ، پیسوں میں فقط سکہ کا اعتبار ہے یا ثمنیت کا؟ اور ایک روپے سے دو تین تولہ غیر مسکوک چاندی خریدنا درست ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۱۷ مولانا نثار الدین (خانقاہ نثاریہ ضلع باریسال) ۲۵ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۳۱) نوٹ کا چاندی کے روپے سے تبادلہ کرنے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے[1] روپے کا پیسوں سے تبادلہ کرنے میں کمی بیشی کرنا درست ہے[2] اور چاندی کے روپے سے غیر مسکوک چاندی روپے کے وزن سے زیادہ لینا ناجائز ہے۔[3] ہاں روپے کے پیسے یا المونیم کے سکے سے چاندی زیادہ وزن کی لینا جائز ہے۔[4]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

روپے کو پونے سولہ آنے پر بیچنے کا حکم

(سوال) روپے کے عوض میں پونے سولہ آنہ لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں المستفتی نمبر ۲۳۴۱ حافظ محمد اسماعیل صاحب (آگرہ) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۳۱) روپے کے عوض پونے سولہ آنے اور سوا سولہ آنہ لینا جائز ہے[5] اگر صرف چاندی کا تبادلہ چاندی سے ہو تو کمی زیادتی مکروہ تحریمی یا حرام ہوتی ہے[6] اور جب غیر جنس (تانبہ یا المونیم) سے تبادلہ ہو تو کمی زیادتی جائز ہو جاتی ہے۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

ایک روپے کے پندرہ آنے لینے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے بکر کو ایک روپیہ نقد دست بدست دیا ریزہ کے لئے۔ بکر نے زید کو پندرہ آنے یا ساڑھے پندرہ آنے کا ریزہ تانبہ یا سلور مروجہ سے دیا جو کہ خلاف جنس ہے تو یہ منافعہ ایک آنہ یا دو پیسہ کا بکر کو شرعاً لینا حلال ہے یا ربا میں داخل ہے۔

---

(۱) واضح ہو کہ یہ اس دور میں تھا جب نوٹ کی پشت پر سو فیصد سونا یا چاندی ہوتی تھی آج کل نوٹ کی پشت پر سونا چاندی بالکل نہیں ہوتی بلکہ یہ بذات خود ثمن عرفی بن چکا ہے اس لئے چاندی اور اس کی جنس الگ الگ ہے لہذا نوٹ اور چاندی کے تبادلے میں بھی تفاضل جائز ہوگا جیسا کہ سناروں کے ہاں رائج ہے۔

(۲) روپیہ چاندی کا ہوتا ہے اور پیسہ تانبے وغیرہ کا ہوتا ہے لہذا جنس ایک نہ ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہے۔

(۳) چونکہ جنس ایک ہے لہذا کمی بیشی درست نہیں۔

(٤) (بمطابق حوالہ نمبر ۲ ص ۱۰۹)

(۵) وان وجدا احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدرالمختار' کتاب البیوع' باب الربا ۵' ۱۷۲ ط سعید)

(٦) فان وجدا حرم الفضل ای الزیادۃ والنساء (الدرالمختار' باب الربا ۵/ ۱۷۲ ط س)

(۷) وان وجدا احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل وحرم النساء (الدرالمختار' کتاب البیوع' باب الربا ۵/ ۱۷۲ ط سعید)

(۲) زید نے بکر کو دس روپے کا کرنسی نوٹ دیا توڑنے کے لئے بکر نے نو روپے چودہ آنے مروجہ دیا ہے تو یہ دو آنہ شرعاً حلال ہیں یا حرام؟
(۳) کرنسی نوٹ کی حقیقت عندالشرع نقد ہے یا نہ اس کی اصلیت شرع تحریر فرمائیں۔ المستفتی نمبر ۲۶۲۴ شیر محمد عباسی ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲ جولائی ۱۹۴۰ء
(جواب ۱۳۳) (۱) حلال ہے یہ ربا نہیں ہے[1] (۲-۳) یہ ربا ہے نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ وہ دس روپے کی سند یا حوالہ ہے تو اس میں کمی بیشی گویا روپیہ کے اندر کمی بیشی ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

روپے کے عوض پونے سولہ آنے لینا جائز ہے

(سوال) متعلقہ مبادلہ المستفتی نمبر ۱۷۲۱ محمد جلیل کوچہ دکھنی رائے دہلی ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۳۴) روپے کے پونے سولہ آنے لینے جائز ہیں بشرطیکہ نوٹ کی طرف کچھ پیسے بھی شامل ہوں[3] چاندی کی چار چونیاں دیکر اگر کوئی شخص ایک سالم روپیہ اور ایک پیسہ لے تو یہ جائز نہیں۔[4]

روپیہ کو بارہ آنے میں بیچنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۰ء)

(سوال) سکہ یا روپیہ کھرا ہو بوجہ چکنا ہو جانے یا گھس جانے کے اگر روپے کو بارہ آنے میں یا سکہ کو کم کر کے کسی نے خرید لیا اس ارادے سے کہ روپے کو روپیوں میں بدلی کریں گے تو روپے میں چار آنے نفع ہو جاوے گا یہ سود کے حکم میں ہے یا نہیں؟
(جواب ۱۳۴) روپے کو جب تانبہ کے پیسوں یا المونیم کے سکوں سے بدلا جائے تو اس میں کمی بیشی جائز ہے خواہ سکہ صحیح سالم ہو یا گھسا ہوا اس کا کوئی فرق نہیں ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چاندی کا روپیہ ڈیڑھ روپیہ میں بیچنا!

(سوال) چاندی کا ایک روپیہ ڈیڑھ روپے میں بکتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی حافظ عبدالرحمن از ابراہیم پور۔
(جواب ۱۳۵) جائز ہے مگر مبادلہ غیر جنس میں ہونا ضروری ہے۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان وجد احد هما ای القدر وحده او الجنس حل الفضل و حرم النساء (الدرالمختار كتاب البيوع باب الربا ۵/ ۱۷۲ ط. سعيد)
(۲) فان وجدا حرم الفضل ای الزيادة والنساء (الدرالمختار' باب الربا ۵/ ۱۷۲ ط س)
(۳-۵) (بحوالہ سابق نمبر ۱ ص هذا)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ ص هذا)
(۵) ((بحوالہ سابق نمبر ۱ ص هذا)

کرنسی نوٹ کے ذریعے سونا چاندی خریدنا

(سوال) موجودہ کرنسی نوٹ (ہنڈی) کے ذریعے سونا چاندی خریدی جائے تو سود کا احتمال تو نہیں ؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

(جواب ۱۳۶) کرنسی نوٹ کے ذریعے سے چاندی سونا خریدنا مباح ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرا باب
کرنسی نوٹ

نوٹ کی حقیقت

(سوال) نوٹ سرکاری کی کیا حقیقت ہے ؟ آیا دستاویز ہے یعنی سند قرض یا جنس نقد اور سکہ ہے۔ اگر دستاویز ہے تو مثل نقد اور روپے کے لین دین میں کیوں اس کا رواج ہے اور اگر جنس نقد اور سکہ سے ہے تو معاوضہ کا معاہدہ سرکار کی جانب سے کیوں بے بشرط معلوم ہو جانے نمبروں کے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۳۷) نوٹ ایک سند ہے جو گورنمنٹ کی طرف سے اس روپے کی مقدار کے موافق عطا کی جاتی ہے جو خزانہ شاہی میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس کا رواج اس کے عموم رقم کی وجہ سے ہے یعنی اس میں کسی خاص شخص کا نام وغیرہ مرقوم نہیں ہوتا بلکہ گورنمنٹ ہر اس شخص کو اس کا روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے جو اس سند کو اس کے پاس لے جائے جنس نقد یا سکہ سے نہیں ہے اسی لئے اس پر بٹہ لینا دینا جائز نہیں۔ واللہ اعلم

کیا نوٹ سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟

(سوال) اگر کسی شخص کے پاس روپیہ نہ ہو بلکہ دو چار روپے کے نوٹ ہوں اور سال بھر گزر چکا ہو اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں ؟ نیز نوٹ کی زکوۃ میں نوٹ دے دینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۴۱۵ محمد سلیمان میواتی، ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ م ۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۳۸) جس کے پاس نقد روپیہ کی جگہ کرنسی نوٹ ہیں اس پر زکوۃ فرض ہے زکوۃ میں نوٹ دینا جائز ہے مگر جس کو نوٹ دیا ہے جب وہ اس کو کام میں لے آئے اس وقت زکوۃ ادا ہو گی۔[2] اگر نقد روپیہ زکوۃ میں دیا جائے تو دیتے ہی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) اگر تفاضل بھی ہو تو حرج نہیں اس لئے کہ ایک ثمن عرفی ہے اور ایک ثمن خلقی۔

(۲) واضح ہو کہ یہ اس دور میں تھا جب نوٹ صرف رسید ہوتے تھے اب چونکہ نوٹ خود ثمن عرفی بن چکے ہیں لہذا نوٹ دیتے ہی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ (مرتب)

کتاب الشرکۃ والمضاربۃ

پہلا باب
ایک شریک کی کارگزاری

ترکہ کی تقسیم سے پہلے حاصل ہونے والا نفع بھی ترکہ میں شمار ہوگا

(سوال) زید اور عمرو دو بھائیوں نے باپ کے مال سے ترکہ پایا اور دونوں کا مال تجارت میں مشترک تھا اور ان میں سے زید اپنے ورثہ ایک لڑکی ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑ کر فوت ہو گیا اور عمرو نے اپنے بھائی فوت شدہ کی بیوی سے نکاح کر لیا کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی انتقال کر گئی بعد ازاں فوت شدہ بھائی سے ایک لڑکی رہی اور عمرو اس مال مشترک میں بدستور سابق تجارت کرتا رہا اور اس کے تجارت کے نفع سے اپنے گھر اور اپنے بھائی کی لڑکی کا جملہ اخراجات چلاتا رہا اور بوقت انتقال زید مال و اسباب تقسیم نہ ہوا تھا اور عمرو پیشتر ہی کی طرح معاملہ کرتا رہا یہاں تک کہ پینتیس سال کا عرصہ گزر گیا اب عمرو بھی اپنے ورثہ دو لڑکیاں ایک عورت دو چچیرے بھائی چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ بوقت انتقال زید دو لاکھ روپے تھے اور بوقت انتقال عمرو تخمیناً تیس لاکھ روپے ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ ورثہ مذکور پر مال کیوں کر تقسیم ہوگا حاصل شدہ منافع از مال زید تا وفات عمرو جمیع ورثہ زید ایک لڑکی اور اس کے بھائی پر تقسیم ہوگا یا صرف عمرو کے ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔ بینوا توجروا

(جواب ۱۴۹) عمرو نے مال مشترک میں تجارت وغیرہ کرکے جو نفع حاصل کیا ہے اور مال بڑھایا ہے وہ سب ورثہ زید پر بھی تقسیم ہوگا۔ صرف عمرو کا ترکہ نہیں سمجھا جائے گا۔ **و عمله و تصرفه يكون تبرعا ووجهه انه شريك في بعضه و عامل بنت اخيه في بعضه وهي في عياله و ليس ههنا عقد ولا غصب**[1] **والله اعلم**

---

(۱) کیونکہ ترکہ میں ورثاء کا حصہ ہے لہٰذا ان کے حصوں پر حاصل کیا جانے والا نفع ان کو ملے گا

دوسرا باب
مضاربت
(ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت)

کیا عقد مضاربت میں شرکت کے لئے صرف نام درج کروانا کافی ہے

(سوال) زید نے ایک تجارتی دکان کی فرم میں اپنا اور اپنے لڑکے عمرو کا نام ڈالا لیکن عمرو کا کوئی پیسہ وغیرہ زید نے شریک اپنے مال میں نہیں کیا۔ پھر زید کا انتقال ہوا اب سوائے عمرو کے اور لڑکے لڑکیاں اور زوجہ بھی ہے کیا ایسی صورت میں زید کا مال کل ورثہ پر تقسیم ہوگا یا نصف مال عمرو کی شرکت میں دیا جائے گا؟

(جواب ۱۴۰) اس صورت میں دکان کا کل مال وارثوں پر تقسیم ہوگا کیونکہ فرم میں نام ڈالنے سے شرکت یا ملکیت ثابت نہیں ہوتی[1] کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ، سنہری مسجد دہلی

عقد مضاربت کے اختتام پر مضارب کی غیر ضروری شرط معتبر نہیں

(سوال) زید نے ایک کارخانہ کھولا اور اس کو اپنے نام سے مشہور کیا چونکہ زید کے شرکاء بھی تھے اس لئے کارخانہ زید اینڈ کمپنی کے نام سے مشہور ہوگیا زید اور اس کے شرکاء انتقال کر چکے لیکن کارخانہ برابر ورثا چلاتے رہے اور وہی نام قائم رہا کارخانہ زید اینڈ کو نہایت معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اور بہت مشہور ہوگیا ہے چونکہ زیادہ تر تجارت بذریعہ خط و کتابت ہوتی ہے اس لئے کارخانوں اور دکانوں کا کام بہت کچھ نام ہی سے چلتا ہے زید اینڈ کو کا کارخانہ سو برس سے قائم ہے اس کی بڑی ساکھ اور عزت ہے اس کارخانہ کے مالکوں نے چند سال ہوئے اس کارخانہ کی ایک شاخ کا کام ایک شخص بکر کے سپرد کر دیا اور حق المحنت بطور مضاربۃ طے ہوگیا۔ لیکن اب رب المال بکر کے کام سے مطمئن نہیں ہے کیوں کہ مضارب نے معاہدہ کی پابندی نہیں کی اور اس کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں علیحدگی کے متعلق نزاع اور معاملہ ثالث کے پاس گیا ثالث نے علیحدگی طے کر دی اور حساب کتاب تیار کرنے کا مضارب کو حکم دیا اب مضارب سے کہا گیا کہ حساب تیار کردو اور کاروبار حوالہ کردو اس پر اس نے چند مطالبات ثالث کے پاس لکھ کر بھیج دیئے کہ یہ طے کر دیئے جائیں پھر حساب تیار کردوں گا اور مال وغیرہ حوالہ کردوں گا ثالث نے وہ مطالبات بموجودگی رب المال و مضارب طے کرا دیئے سوائے ایک مسئلے کے اور وہ یہ ہے۔

مضارب کہتا ہے کہ مجھے بھی زید اینڈ کو کے نام سے کاروبار کرنے کی اجازت دی جائے رب المال اس

---

(۱) کیونکہ یہ اسباب ملک میں سے نہیں ہے اور اسباب ملک تین ہیں اعلم ان اسباب الملک ثلاثۃ: ناقل کبیع و ھبۃ و خلاف کارث واصالۃ وھو الا ستیلاء حقیقۃ بوضع الید او حکمی بالنسبۃ کنصب شبکۃ الصید (الدر المختار ' کتاب الصید ۶/۴۶۳)

نام سے کام کرنے کی اجازت دینے پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مضارب کو اس نام سے کام کرنے کی اجازت دی گئی تو ہم کو کثیر نقصان پہنچے گا۔ جس مقام پر زید اینڈ کو کی شاخ ہے اور بکر بطور مضارب کام کرتا ہے بکر کی اکثر خریداروں سے ذاتی واقفیت بھی حاصل ہو گئی ہے اب اگر وہ اسی شہر میں اسی نام سے کام کرتا ہے تو لوگوں کو یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ کوئی نیا یا دوسرا کارخانہ ہے۔ بیرونجات کے خریدار محض کارخانہ کے نام سے واقف ہیں اس لئے ڈاک کی تقسیم میں اختلاط ہو گا وغیرہ اگر بکر اس نام سے کام کرنے کے بعد لوگوں کے ساتھ بد معاملگی کا سلوک رکھے تو زید اینڈ کو کا نام بدنام ہو جائے گا کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ قانوناً کئی غیر آدمی ایک ہی نام کو کاروبار کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور جب دو آدمی ایک ہی نام سے کام کریں گے تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ دونوں کا آپس میں تعلق ہے اس لئے برائی بھلائی اور قانونی ذمہ داریوں کا اثر ایک دوسرے پر مبنی ہے قانوناً نام جائیداد کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اگر مضارب کو اجازت مل گئی تو وہ اس اجازت نامہ میں جو گورنمنٹ کی طرف سے موجودہ مالکان کو حاصل ہے حصہ دار بن جاتا ہے اور وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حاصل شدہ اجازت نامہ کے فوائد میں بھی حاصل کر سکتا ہوں کیوں کہ اجازت نامہ زید اینڈ کو کے نام سے ہے نہ کسی خاص شخص کے اور اگر اس میں کشمکش ہو کہ گورنمنٹ کے اجازت نامہ کا فائدہ کون حاصل کرے اور یہ معاملہ حکام متعلقہ تک جائے تو وہ اس چیز کو طے نہیں کریں گے بلکہ رب المال عدالت دیوانی میں جا کر یا تو نام کو جائیداد کی حیثیت قرار دے کر اپنی ملکیت ثابت کریں ورنہ اجازت نامہ بھی ہاتھ سے کھو بیٹھیں اگر مضارب اس نام سے کسی دوسری جگہ کام کرلے اور پھر کارخانہ زید اینڈ کو کے موجودہ مالکان وہاں شاخ کھولنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی کیونکہ ایک نام سے ایک ہی جگہ گورنمنٹ دو اجازت نامہ نہیں دیتی اور بکر سے ثالث نے دریافت کیا کہ آخر تم اس نام کو اختیار کرنے کے لئے کیوں اس قدر مصر ہو اور اس میں تمہارا کیا فائدہ ہے وہ کہتا ہے کہ شرعاً ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ اپنی دکان کا جو نام چاہے رکھے اور جو فائدہ رب المال کو ہے وہی مجھے ہے میں اپنے حق شرعی کو کیوں چھوڑ دوں بینوا توجروا۔ المستفتی نمبر ۷۵۸ حافظ صحیح الدین (صدر بازار میرٹھ) ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۴۱) رب المال اور مضارب جب کہ مضاربت کو ترک کرنا چاہیں تو مضارب پر لازم ہے کہ وہ تمام حساب و کتاب رب المال کو سمجھا دے کیوں کہ مضاربت میں عامل مضارب ہوتا ہے اور یہ اس کے فرائض میں سے ہے کہ عمل کی تفصیلی یادداشت اور نفع نقصان کا حساب بتائے۔ مضاربت میں علیحدہ ہو جانے کے بعد مضارب نے کس قسم کے مطالبات کئے تھے سوال میں اس کی تشریح نہیں اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مطالبات جائز تھے یا ناجائز۔ سوال میں صرف ایک مطالبہ کا ذکر ہے جو اس وقت محل نزاع ہے وہ یہ کہ مضارب یہ چاہتا ہے کہ بعد انقطاع مضاربت وہ اسی نام سے جو اس وقت فرم کا نام ہے کام جاری کرے اور اس کو اپنا حق شرعی سمجھتا ہے یہ مطالبہ اول تو مضاربت کا حساب صاف کرنے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا حساب صاف کرنے کو اس پر معلق کرنا بے معنی ہے اور زیادتی ہے دوسرے یہ کہ اسکو حق شرعی سمجھنا بھی محل تامل ہے کیوں

کہ عرف تجار میں فرم کا نام ایک خاص حیثیت اور درجہ رکھتا ہے اور یہ حیثیت اور درجہ اسکو سو برس سے قائم ہونے اور دیانت داری سے کام کرنے کی وجہ سے اس مضاربت کے وجود سے بہت پہلے حاصل تھا مضارب کے عمل کو اس میں معتد بہ دخل نہیں اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ مضاربت میں رب المال اصل اور مضارب تابع ہے کیونکہ سرمایہ رب المال کا، نقصان کا وہ ذمہ دار اور مضاربت فاسد ہو جائے تو مضارب کو صرف اجرت مثل ملے ان وجوہ سے کارخانہ کی قدیمی حیثیت اور شہرت اور اس کا دوسری شاخوں پر وسیع ہونا یہ تمام باتیں اس کی مقتضی ہیں کہ نام کا تعلق رب المال سے ہے نہ کہ مضارب سے[1] اور یہ خیال کہ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ اپنے کارخانہ کا جو نام چاہے رکھ لے اس حد تک تو صحیح ہے کہ کسی دوسرے کو ضرر نہ پہنچے لیکن اگر اپنا ایک حق مباح استعمال کرنے سے دوسرے کو ضرر پہنچے تو وہ مباح مباح نہیں رہتا[2] جیسے ایک مسلمہ ہم کفو عورت سے نکاح اور پیام نکاح کا حق ہر مسلم ہم کفو کو حاصل ہے لیکن جب کہ پہلے کسی نے پیام دیا اور عورت اس کی جانب مائل ہو گئی تو اب کسی کو اپنا پیام استعمال کرنے کا حق نہیں رہا کیوں کہ اس سے خاطب اول کو ضرر پہنچے گا نہی رسول اللہ ﷺ ان یخطب الرجل علی خطبة اخیه[3] اسی طرح دوسرے شخص کے بھاؤ کرنے اور بائع کے رضامند ہو جانے پر کسی کو دام لگانے کا حق نہیں رہتا اور جیسے ہر شخص کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر ہوا کھانے کا حق ہے لیکن جب دوسرے لوگوں کی بے پردگی ہو تو دیانۃ اس کے لئے چھت پر چڑھنا جائز نہیں اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں شریعت غرائے حقوق مباحہ کے استعمال سے جب کہ ضرر غیر لازم آتا ہو روک دیا اور منع کر دیا ہے[4] اور صورت مسئولہ میں ضرر کی یہ تین صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں پائی جاتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو نہ روکا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا دکان کا کرایہ' ملازمین کی تنخواہ اور تشہیر کا خرچ مضارب پر ہوگا

(سوال) زید نے بکر کو دس ہزار روپے کا مال بہ تعین قیمت سپرد کیا کہ وہ اس کو بحیثیت شریک مضارب ہو کر فروخت کرے اور جو نفع اس مال کی فروختگی سے حاصل ہو اس میں سے بقدر چوتھائی خود رکھے اور باقی زید کو دیدے بکر نے حسب اجازت زید اس مال کو ایک دکان میں رکھ کر اور اس کے اشتہار دیکر نیز ایک دو ملازمین تنخواہ دار رکھ کر اس کا کچھ حصہ فروخت کیا اور اس درمیان میں اس روپے سے کچھ اور مال بھی منگایا اور پہلے مال میں شامل کر کے اس سے فروخت کیا اور اس جدید مال کا منگوانا وغیرہ بھی زید کے علم اور اجازت سے ہوا

---

(۱) فصارت للمضارب خمس مراتب' هو فی الابتداء امین' فاذا تصرف فهو وکیل' فاذا ربح فهو شریك فاذا فسدت فهو اجیر فاذا خالف فهو غاصب (الجوهرة النیرة' کتاب المضاربة ۲/ ۳۷۶ ط میر محمد)

(۲) اخرج الی طریق العامة کنیفا او میزابا الی قوله ... او دکانا جاز احداثه ان لم یضر بالعامة ولم یمنع منه فان ضر لم یحل الخ (الدر المختار' باب ما یحدثه الرجل فی الطریق ۶/ ۵۹۲ ط ، سعید)

(۳) (مشکوة ۲/ ۲۷۱)

(٤) ان من تصرف فی خالص ملکه لا یمنع ولو اضر بغیره لکن ترك القیاس فی محل یضر بغیره ضررا بینا (رد المحتار' باب المتفرقات ۵/ ۲۳۷ ط ، سعید)

نفع کی تقسیم کے وقت زید اور بکر میں یہ تنازعہ ہے کہ خرچ اشتہار تنخواہ ملازمین اور کرایہ دکان کہ جہاں مال رکھا گیا ہے وہ بکر کے حصہ نفع میں سے وضع نہیں ہو سکتا۔ وہ خام نفع میں چہارم کا مستحق ہے اس لئے کہ اس نے بحیثیت رب المال کے وکیل کے یہ سب کام انجام دیئے ہیں اور یہ سب اخراجات رب المال پر پڑنے چاہئیں۔ مگر زید یہ چاہتا ہے کہ اول اخراجات مذکورہ مشترک نفع میں سے مجرا کر دیئے جائیں اور پھر چہارم نفع بکر کو دیا جائے از روئے شرع شریف اخراجات مذکورہ مشترک نفع میں سے ایسی حالت میں جب کہ بکر نے بحیثیت وکیل زید مال فروخت کیا ہو وضع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۵۸ حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی

(جواب ۱۴۲) مضاربت میں جب کہ رب المال نے مضارب کو منع نہ کر دیا ہو تجارت کو فروغ دینے کے لئے اشتہار دینا ضرورت پر ملازمین رکھنا عرف تجارت کے اندر جائز ہے اور یہ مصارف نفع میں سے لئے جائیں گے [1] ان کو وضع کرنے کے بعد جو نفع بچے گا اس میں سے قرارداد کے موافق ۴/۱ مضارب کو ملے گا اور اگر رب المال نے کسی خاص کام مثلاً اشتہار دینے یا ملازم رکھنے سے صراحتہً منع کر دیا ہو یا مضارب نے عرف تجارت کی حد سے تجاوز کیا ہو تو یہ مصارف مضارب کے حصہ نفع میں سے محسوب ہوں گے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا وصی موصی کی دکان کے منافع اور اجرت لے سکتا ہے؟

(سوال) زید نے مرتے وقت ایک دکان اور کچھ جائیداد جس میں مکانات وغیرہ شامل ہیں چھوڑی مرحوم نے اپنی دکان اور جائیداد کے لئے محمد صالح اور محی الدین کو وصی اور محافظ مقرر کیا مرحوم کی حیات میں یہ دونوں اشخاص مرحوم کے تنخواہ دار ملازم تھے محی الدین دکان کا تمام انتظام سنبھالتا تھا اور دکانداری میں کافی تجربہ کار تھا محمد صالح مکانات کا کرایہ وغیرہ وصول کرتا تھا اس کو دکان کا کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ مرحوم کی حیات میں دکان سے کوئی تعلق تھا بدیں وجہ مرحوم نے محمد صالح کو صرف وصی اور محافظ بنایا اور دکان کا انتظام اس کے سپرد نہ کیا لیکن محی الدین کو ایک تیسرے شخص اسمٰعیل ابراہیم کے ساتھ (جو نہ وصی ہے نہ محافظ) دکان کا مہتمم اور منتظم بھی مقرر کیا اسی طرح محی الدین وصی اور محافظ جائیداد ہونے کے علاوہ دکان کا ناظم بھی ہوا اب یہ چیزیں غور طلب ہیں۔

(۱) محی الدین دکان میں سیلز مین (مال فروخت کرنے والے ملازم) کے فرائض کے علاوہ انظامت

---

(۱) فی الجوھرۃ: فاذا صحت المضاربۃ مطلقۃ ای غیر مقیدۃ بالزمان والمکان والسلعۃ جاز للمضارب ان یشتری و یبیع و یسافر و یبضع و یوکل لان المقصود منھا الاسترباح الی قولہ لان ھذہ الاشیاء لا بد منھا (الجوھرۃ النیرۃ ۱/۳۷۷ ط بیروت)

(۲) وان خص لہ رب المال فی التصرف فی بلد بعینہ او فی سلعۃ بعینھا لم یجز لہ ان یتجاوز ذالک ثم فان خرج الی غیر البلد و دفع المال الی من اخرجہ صار مخالفاً ضامناً و یکون ذالک لہ لانہ تصرف بغیر اذن صاحب المال فیکون لہ ربحہ و علیہ وضیعتہ ولا یطلب لہ الربح عندھما (الجوھرۃ النیرۃ ۱/۳۷۷ ط بیروت)

بھی انجام دے رہا ہے۔

(۲) وصیت نامہ میں اس تنخواہ کا جو محی الدین کو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۳) وصیت نامہ میں مرحوم نے محی الدین کو دکان کے خاص منافع میں سے ایک چوتھائی کا حصہ دار مقرر کیا ہے اب محی الدین اپنی اس تنخواہ کے علاوہ جو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی وہ منافع بھی لے رہا ہے جس کی مرحوم نے وصیت فرمائی تھی دریافت طلب یہ امر ہے کہ محی الدین کو شرعاً تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۴۹ غلام محی الدین رنگون (برما) ۱۶ رجب ۱۳۵۹ھ م ۲۱ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۱۴۴) وصی کو تنخواہ اور منافع کا ۴/۱ دونوں چیزیں لینا حلال نہیں وہ صرف وصایت اور کاروبار کے عمل کی اجرت مثل لے سکتا ہے یعنی وہ دکان کا کام کرے اور وصایت کے سلسلے میں انتظام وغیرہ بھی کرے اور اس تمام عمل کے مقابلے میں اس کو تنخواہ دی جائے۔ (خواہ تنخواہ کی مقدار وہی ہو جو پہلے ملتی تھی یا کسی قدر زیادہ) تو وہ اسے لینا حلال ہے۔[1] پھر نفع میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اور یہ جائز نہیں کہ وہ تنخواہ نہ لے اور صرف نفع کے ۴/۱ پر کفایت کرے کیونکہ یہ صورت مضاربت کی ہے اور وصی مال یتیم میں مضاربت نہیں کر سکتا[2] الا یہ کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب رضامندی سے از سر نو یہ معاملہ کریں تو پھر انکی طرف سے یہ معاملہ ہوگا مرحوم کی وصیت کے ماتحت نہ ہوگا۔

یہ بھی جائز ہے کہ وہ وصی بننے سے دست بردار ہو جائے پھر بہ حیثیت مضارب اس کو کام کرنے کا حق ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

تیسرا باب
کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت

کمپنی کے حصص کی خرید و فروخت کا حکم

(سوال) فی زمانناٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اور صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کیلئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب بھی شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں۔ اور کچھ

---

(۱) ان الوصی لا یاکل من مال الیتیم ولو محتاجاً الا اذا کان له اجرة فیا کل بقدرها (رد المحتار باب الوصی ۶/ ۷۱۳ ط، سعید)

(۲) لیس للوصی فی هذا الزمان اخذ مال الیتیم مضاربة فهذا یفید المنع مطلقاً (رد المحتار فصل فی المتفرقات ۵/ ۶۶۱، ط، سعید)

روپیہ نفع کا جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ لیا بھی جاتا ہے اور اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے حصہ داران ان حصوں کو اسی بھاؤ سے فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنا فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال یہ کہتا ہے کہ آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہتا ہے بیچ دو تو وہ بیچ دیتا ہے یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا بلکہ دلال کمپنی والوں سے بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دیدیتا ہے یہاں قابل غور یہ امر ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شے اسے نہیں دیتے اور نہ اس کے دام اسے واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے اور اسے اسی وقت روپیہ بھی مل جاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو یہ بیع کس قسم کی بیع ہے اور اس میں زکوۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۴۴) معاملہ مذکورہ چند وجوہ ناجائز ہے (۱) یہ معاملہ عقود شرعیہ میں سے کسی عقد میں داخل نہیں ہو سکتا یہ بیع ہے نہ شرکت نہ اور کوئی عقد صحیح شرعی[1] (۲) سود پر روپیہ چلانا حرام ہے جو اس کمپنی میں لیا دیا جاتا ہے[2] (۳) حصص کو فروخت کرنا خریدنا اس لئے ناجائز ہے کہ مبیع متعین و معلوم نہیں ہے یہ تو ظاہر ہے کہ صرف وہ رسید جو کمپنی کی جانب سے حصہ دار کو اس کی رقم وصول ہو جانے کی بابت ملتی ہے مبیع نہیں ہے پس مبیع یا تو وہ روپیہ ہے جو حصہ دار کا کمپنی میں جمع ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں تفاضل ناجائز ہے[3] نیز چونکہ وہ روپیہ کمپنی سے یہ حصہ دار خود واپس نہیں لے سکتا اس لئے مبیع غیر مقدور التسلیم ہے[4]

---

(۱) واضح ہو کہ کمپنی کو عقود شرعیہ میں سے کسی عقد کے تحت داخل نہ کرنا حضرت مفتی علام کی رائے ہے ورنہ عام تحقیق یہ ہے کہ کمپنی عقود شرعیہ میں سے شرکت عنان کے تحت داخل ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۴ پر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض کہ اس میں سودی کاروبار ہوتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کمپنی قرضہ لے اور اس پر سود ادا کرے اس صورت میں اشکال یہ ہے کہ کمپنی چونکہ شیئر ہولڈر کی وکیل ہوتی ہے اس لئے سودی قرضے لینے کی نسبت اس کی طرف بھی ہوگی اور اسے بھی گناہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ شیئر ہولڈر کسی طرح یہ آواز اٹھادے کہ میں سودی کاروبار پر راضی نہیں ہوں تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی منع کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالانہ میٹنگ (U-G-M) میں اس کے خلاف آواز اٹھادے دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی قرض دے کر سود لے اس پر دو اشکال ہیں ایک یہ کہ اس میں پھر شیئر ہولڈر کی شرکت ہو جائے گی اس کا حل اوپر گزر چکا۔ دوسرا یہ کہ منافع میں سود شامل ہوگا تو اس کا حل یہ ہے کہ نفع کا جتنا حصہ سودی ہے وہ بلانیت ثواب صدقہ کر دے۔

(۳) ہاں یہ ضرور ہے کہ حصہ بیچنے والا خریدار سے زیادہ ثمن لے جو اس کی رقم اور اثاثوں کا عوض ہوگا۔ پھر یہ معاملہ جائز ہوگا ولا یجوز بیع الزیتون بالزیت والسمسم بالشرج حتی یکون الزیت والشرج اکثر مما فی الزیتون والسمسم فیکون الدهن والزیادة بالتجیر (هدایة ۳/ ۸۵ ط شرکة علمیة)

(۴) تیسرا اعتراض یہ کہ مبیع متعین و معلوم نہیں اس کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بیع حقوق کے مشابہ ہے یعنی مشائخ میں سے اپنے حصے کی فروخت کرنا اس لئے کہ شیئرز کی خرید و فروخت در حقیقت اس کی پشت پر موجود کمپنی کے اثاثوں کی خرید و فروخت ہے اور اس میں حصہ کے تناسب کی تعیین بھی ہوتی ہے وحاصله جواز بیع الحقوق الموجودة قبل القبض دون المعدومة (امداد الفتاوی ۳/ ۴۹۵)

نیز اس روپیہ کے ساتھ کچھ اس کا نفع بھی اس حصہ دار کا حق ہے اور وہ بیع کے وقت بائع اور مشتری دونوں کو نامعلوم ہے اور یا مبیع کمپنی کا وہ سامان تجارت وغیرہ جو مشترکہ طور پر حصہ داروں کا مملوک ہے اگرچہ مشاع کی بیع ناجائز نہیں لیکن اس کا مجہول ہونا بیع کو ناجائز بناتا ہے[1] اور حصے کی تعیین مثلاً ۱۰۰ / ۵ کا ثلث یک ہے۔ اس سامان کی تعیین کے لئے کافی نہیں کیونکہ سرمایہ کا تمام روپیہ اسباب خریدنے میں صرف نہیں ہوتا پس یہ بات کہ اسباب کس قدر و قیمت کا موجود ہے بائع اور مشتری کو نامعلوم ہے۔ نیز سرمایہ میں سے بہت روپیہ لوگوں کے ذمہ دین ہوتا ہے اور بیع صرف دین میں ناجائز ہے[2] کیونکہ مدیون عاقدین سے جدا شخص ہے بہر حال یہ معاملہ ناجائز ہے اور شیئروں کا خرید نا بیچنا ممنوع۔ واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مہتمم کی مسجد مدرسہ امینیہ دہلی ۲۰ شوال ۱۳۳۴ھ مہر دارالافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی اصاب من اجاب بندہ محمد امین عفی عنہ بندہ ضیاء الحق عفی عنہ انظار حسین عفی عنہ بندہ محمد قاسم عفی عنہ

کیا ماں کے یہ کہنے سے "میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں" شیئر بیٹے کی ملک ہو جائے گا

(سوال) ہندہ نے سورتی بازار رنگون کا ایک شیئر (حصہ) اپنے بیٹے کو دیدیا۔ بیٹے نے بازار کمپنی کے دفتر میں اس حصے کو اپنے نام کرالیا اور پھر اسے فروخت بھی کر ڈالا اور مشتری نے اپنے نام لکھالیا۔ اب ہندہ کے بیٹے کا انتقال ہوا ہندہ کہتی ہے کہ میں نے وہ شیئر بیٹے کو ہبہ نہیں کیا تھا اور وہ اس کی آمدنی ماہواری لاکر مجھے دیتا تھا اور دیگر ورثا کہتے ہیں کہ بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام وہ شیئر لکھا ہے اور ہندہ کے یہ الفاظ درج ہیں۔ (میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں) یہ الفاظ ہبہ کی دلیل ہیں اور آمدنی لاکر والدہ کو دینا عدم ہبہ کی دلیل نہیں۔ غرضکہ والدہ عاریتہً دینا بیان کرتی ہے اور ورثہ ہبہ کے مدعی ہیں اس میں شرعی حکم کیا ہے؟

(جواب ۱۴۵) واضح ہو کہ صرف بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام شیئر کا لکھا ہوا ہونا یا والدہ کا بیان کہ "میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں" لکھا ہوا ہونا حجت نہیں ہے بلکہ والدہ کا اقرار یا ہبہ کے گواہوں کا موجود ہونا ثبوت ہبہ کے لئے ضروری ہے پس اگر والدہ اپنے ان الفاظ کا اقرار کرتی ہو جو دفتر میں لکھے ہیں کہ (میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں) یا اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ والدہ نے بیٹے کو شیئر ہبہ کیا تھا یا الفاظ مذکورہ کہے تھے تو بیشک شیئر مذکور ہبہ ہو گیا اور اگر بیٹے نے بھی قبضہ کر لیا ہو تو بیٹے کی ملک میں آگیا

---

(۱) اس جہالت کی وجہ سے بھی اس عقد کو ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے بلکہ منافع تقسیم ہونے کے بعد حصوں کی مقدار معلوم ہو جائے گی

(۲) جو تھا اعتراض کہ کمپنی کے اثاثوں میں دیون بھی ہوتے ہیں لہذا حصص کے خرید و فروخت سے بیع دین لازم آنے کی وجہ سے ناجائز ہے جواب یہ ہے کہ حصص کی خرید و فروخت جامد اثاثوں کی حد تک تو بیع ہے۔ دیون میں وہ حوالہ ہے گویا حصص بیچنے والا اپنے واجب الوصول دین کی وصولی کو خریدنے والے کی طرف حوالہ کر رہا ہے، فروخت کنندہ محیل اور خرید کنندہ محتال لہ ہے اور کمپنی محتال علیہ ہے اور اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جب کہ حوالہ کی تعریف میں یہ داخل ہے' نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ۵/ ۳۴۰ ط سعید)

اور اس کی بیع بھی صحیح ہو گئی۔

اگرچہ یہ ہبہ مشاع ہے لیکن قول مفتی بہ یہ ہے مشاع بعد قبضے کے مفید ملک ہو جاتا ہے اگرچہ ملک فاسد ہی ہو هبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تجوز سواء كانت من شريكه او من غير شريكه ولو قبضها اهل تفيد الملك ذكر حسام الدين" في كتاب الواقعات ان المختار انه لا تفيد الملك وذكر في موضع آخر انه تفيد الملك ملكافاسداوبه يفتي كذافي السراجية انتهى(عالمگیریة مطبوعه مصر صفحه ۳۸۲ جلد رابع)[1] اور اگر والدہ ان الفاظ کا اور ہبہ کا اقرار نہ کرے اور ہبہ کے کوئی گواہ نہ ہوں تو پھر والدہ کا یہ قول کہ میں نے عاریۃً دیا تھا والدہ سے قسم لے کر قبول کیا جائے گا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو صرف انکار پر ورثہ کا دعوائے ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد۔

الجواب صواب	الجواب صواب	
بندہ محمد قاسم عفی عنہ	بندہ ضیاء الحق عفی عنہ	مہر دارالافتاء
مدرس مدرسہ امینیہ دہلی	مدرسہ امینیہ دہلی	مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

چوتھا باب
متفرق مسائل

شرکت میں نفع اور نقصان کا حکم

(سوال) چند اشخاص بمبئی والوں نے متفاوت دراہم جمع کئے اور کلکتہ والے چند اشخاص عالمین نے بھی اس مبلغ میں اپنے متفاوت دراہم شامل کر کے اس طور سے عقد شرکت مقرر کیا کہ بمبئی والوں کو ربح کے دو ثلث سے حسب مبلغ حصہ رسد دیا جائے۔ اور کلکتہ والے عالمین کو بھی مال کا حصہ اسی طرح مثل بمبئی والوں کے دو ثلث ربح سے حصہ رسد دیا جائے باقی ایک ثلث ربح خاص کلکتہ والے عالمین اشخاص کا محنتانہ حق مقرر ہے دیا جائے۔ اور کل شرکاء کی رضامندی سے اس مبلغ معین سے مثلاً دس ہزار روپیوں سے پانچ ہزار روپے علیحدہ کر کے کلکتہ والوں کی معرفت ایک رنگون کے تاجر سے مبلغ پانچ ہزار روپے شامل کر کے نیا عقد شراکت مابین کلکتہ و رنگون جاری کیا اور اس ثانی شرکت میں کل مبلغ دس ہزار روپے جمع ہوئے اس میں جو ربح حاصل ہوا تو نصف ربح رنگون والے تاجر کو دیا جائے اور نصف ربح کلکتہ والے تاجروں کو دیا جائے اس شرط پر کہ کلکتہ والوں کے اور بمبئی والوں کے شراکت میں جو ربح رنگون والے کی شراکت سے حاصل ہوا ہے اس ربح میں

---

(۱) (عالمگیریة' کتاب الهبة' الباب الثاني في يجوز الهبة ومالا يجوز ٤/٣٧٨ ط ماجدية' كوئته)

سے ایک ثلث حسب راس المال بمبئی والے اور کلکتہ والوں کے حسب مبلغ حصہ رسد دیا جائے اور دو ثلث اس ربح سے خاص کلکتہ والے تاجروں کا حق محنتانہ مقرر ہے وہ دو ثلث ربح اس ثانی شرکت کا کلکتہ والوں کو دیا جائے۔ ۱۹۱۵ء میں کلکتہ اور رنگون کی شرکت کا تصفیہ ہو گیا اور اس میں دو ہزار روپے ربح ظاہر ہوا اس سے ایک ہزار نصف ربح کا رنگون والے تاجر کو حسب شرط دیا گیا باقی ایک ہزار روپیہ کلکتہ والے تاجروں کی شراکت میں حسب سابق شرط کے ایک ثلث ہزار کا بمبئی والے اور کلکتہ والوں کے حسب مبلغ حصہ رسد دیا گیا باقی دو ثلث ہزار کا کلکتہ والوں کو دیا گیا جو عمل کا بدلہ تھا اور تصفیہ ہونے سے عقد شرکت فسخ ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ ۱۹۱۵ء ہی میں مثل شرائط سابق مابین رنگون والوں و کلکتہ والوں بمبئی والوں کے عقد شرکت جاری ہوا شرائط مثل سابق کے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں دو سال کے بعد اس عقد کا تصفیہ کیا گیا اس سال او گھرانی باقی رہنے کی وجہ سے نقصان ہوا اب بمبئی والے اصحاب کہتے ہیں کہ اس او گھرانی کا نقصان ہمارے ذمہ نہیں ہے بلکہ نصف کلکتہ والوں کے ذمہ ہے اور نصف رنگون والوں کے ذمہ ہے اور کلکتہ والے تاجر یہ کہتے ہیں کہ حسب قواعد فقہیہ ہمارے اور بمبئی والوں کے درمیان شرکت عنان ہے اور چونکہ ربح میں ہمارا زیادہ حق مقرر ہے اور ہم لوگ عامل بھی ہیں اس لئے ہمارے ہاتھ میں بمبئی والوں کا مال بطور مضاربت ہے دلیل یہ ہے کہ علامہ شامی نے در بحث شرکت عنان تصریح کی ہے۔ فان شرط الربح للعامل اكثر من رأس ماله جاز ايضا على الشرط و يكون مال الدافع عند العامل مضاربة انتهى[1] اس لئے ہم کلکتہ والے فقط مقدار اس مال کے ذمہ دار ہیں اور عمل کے دو حصے کے بدلے کا نقصان کچھ ہمارے ذمہ نہیں ہاں مضاربت کے حکم کے موافق ہم ذمہ دار ہیں یعنی جب ۱۹۱۵ء سے قبل کی شرکت کا تصفیہ ۱۹۱۵ء میں ہو گیا اور اس کا ربح بھی مقرر ہو گیا اور حسب شرائط وہ تقسیم بھی کیا گیا اور دوبارہ عقد شرکت ۱۹۱۵ء میں لاحق ہوا اب اگر یہ او گھرانی ۱۹۱۵ء کے قبل اگلی شرکت کی باقی ہے تو ہم نے جو ربح لیا ہے واپس کریں گے حسب نقصان کے اور اگر بعد شرکت جدید او گھرانی ہوئی ہے تو اگلی ربح کا جو ہمیں ملا ہے واپس نہ کریں گے بلکہ نئی شرکت والے رب المال حسب مبلغ حصہ رسد نقصان کے ذمہ دار ہیں اور دلیل میں درمختار کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ وما هلكت من مال المضاربة يصرف الى الربح اولا لانه تبع فما زاد الهالك على الربح لم يضمن المضارب ثم عقد اها فيلك المال لم يترادا الربح و بقيت المضاربة لانه عقد جديد انتهى[2] بناءً علیہ فقہاء کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مسئلے میں کیا حکم ہے؟

(جواب ۱۴۶) رنگون و کلکتہ والوں کے درمیان جو معاملہ ہوا ہے چونکہ تمام شرکا کلکتہ و بمبئی والوں کی رضامندی سے ہوا ہے اس لئے وہ شرکت صحیحہ ہے[3] اس میں جو کچھ نقصان ہوا وہ کلکتہ والوں کے مال یعنی کل

---

(۱) (رد المحتار کتاب الشرکة مطلب فی توقيت الشركة روايتان ۴ / ۳۱۲ ط، سعيد)

(۲) (درمختار' كتاب المضاربة ۵ / ۶۵۶ ط، سعيد)

(۳) وان اشترى احدهما بماله و هلك بعده مال الآخر قبل ان يشترى به شيئا فالمشترى بالفتح شركة عقد على ما شرطا و رجع على شريكه بحصة منه اى من الثمن لقيام الشركة وقت الشراء (درمختار' كتاب الشركة ۴ / ۳۱۵ ط، سعيد)

پانچ ہزار مال شرکت پر پڑے گا۔ اور یہ پانچ ہزار چوں کہ شرکت اولیٰ کا مال ہے اس لئے اس نقصان میں تمام شرکاء بقدر حصہ شریک ہوں گے اور پہلی شرکت جو ۱۹۱۵ء میں فسخ ہو چکی اس کا نفع اس میں محسوب نہ ہوگا۔[1]

واللہ اعلم بالصواب

نفع میں کمی بیشی اور برابری کی صورت میں مضاربت کا حکم

(سوال) (۱) چند شرکاء مل کر تجارت کے لئے ایک شخص کو روپیہ دیتے ہیں کام کرنیوالے کی طرف سے یہ شرط ہے کہ خدانخواستہ نقصان ہو گیا تو رقم والوں کا ہوگا میری محنت ضائع ہوگی اور اگر نفع ہوا تو نصف نصف تقسیم ہوگا اس شرط کو سب منظور کرتے ہیں۔ (۲) زید بغرض تجارت ایک شخص کو روپیہ دیتا ہے اور شرط یہ ہے کہ نفع و نقصان چوتھائی حصہ کا ہوگا یہ معاملہ بھی شرعاً درست ہے کہ نہیں ؟ ۔ المستفتی نمبر ۲۲۵۸ جناب فضل الرحمٰن صاحب (جنید) ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۲۴ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۱۴۷) پہلا نمبر درست ہے[2] دوسرا نمبر ناجائز ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

---

(۱) وان قسم الربح و فسخت المضاربة فالمال فی ید المضارب ثم عقداها فهلك المال لم يترادا و بقيت المضاربة (رد المحتار کتاب المضاربة ۵/ ۶۵۶، ط، سعید)

(۲) یہ عقد مضاربت ہونے کی وجہ سے درست ہے ' هی عبارة عن عقد بین اثنین یکون من احدهما المال ومن الآخر التجارة فيه ومن شرطها ان يكون الربح بينهما مشاعاً بحيث لا يستحق احدهما منه دراهم مسماة(الجوهرة النيرة ۱/ ۳۷۵، ۳۷۶ ط ، میر محمد)

(۳) واضح ہو کہ عقد مضاربت کے اندر یہ شرط ہے کہ نفع کل مال میں مشترک ہو نفع کی کوئی مقدار متعین نہ کی جائے اور یہاں نفع کی مقدار متعین ہے لہذا یہ ناجائز ہوا" وكون الربح بينهما مشاعاً بحيث لا يستحق احدهما دراهم مسماة (ایضاً بحواله بالا)

کتاب الودیعۃ

پہلا باب

امانت اور اس کے ضائع ہونے کا تاوان

محفوظ جگہ سے امانت چوری ہونے کی صورت میں امین پر ضمان کا حکم

(سوال) ہمارے یہاں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ رقم مسجد امام مسجد یا مؤذن مسجد کے پاس حجرہ مسجد میں رہتی ہے چنانچہ حافظ محمد یٰسین صاحب امام مسجد جو تقریباً عرصہ دس بارہ سال سے امام مسجد ہیں ان کے پاس اسی مسجد کے حجرہ میں رقم مسجد بطور امانت رہتی چلی آئی ہے۔ حافظ صاحب مذکور کی جانب سے آج تک کسی قسم کی خیانت یا بد دیانتی ظاہر نہیں ہوئی عرصہ تقریباً تین سال کا ہوا کہ اس حجرہ کی چوکھٹ کا کنڈہ جس میں تالا لگتا ہے چور نے نکالا اور حجرہ میں داخل ہو گیا چونکہ رقم صندوق آہنی میں بند تھی اس وجہ سے رقم محفوظ رہی اگرچہ چور نے بہت کوشش کی یہاں تک کہ صندوق میں دو تالے پوشیدہ تھے وہ بھی خراب ہو گئے قریب دو بجے رات کے حافظ صاحب کے پاس ایک شخص نابینا جو کہ مسجد کے باہر حجرہ میں سوتا تھا جب وہ نماز تہجد کے لئے اٹھا تو مسجد کے کواڑ کھلے پائے جس کی وجہ سے اس کو شبہ ہو گیا اور مسجد کے حجرہ کا تالا جس میں رقم رکھی تھی ٹٹولا تو حجرہ کھلا ہوا اور کنڈہ ٹوٹا ہوا تھا۔ چونکہ حافظ صاحب موصوف کا مکان مسجد کے قریب ہی ہے اس لئے فوراً حافظ صاحب کو جگا کر بلایا۔ حافظ صاحب آئے اور دیکھا کہ واقعی کنڈا ٹوٹا پڑا ہے لیکن رقم محفوظ ہے صبح تمام اہل محلہ اور پنچ صاحبان کو معلوم ہو گیا مگر کسی نے یہ بات نہ کہی کہ رقم مسجد آئندہ کسی دوسری جگہ یا کسی دوسرے شخص کے پاس رکھنی چاہئے بعد ازاں حافظ صاحب نے اس کنڈہ کی جگہ آہنی پترہ لگوا کر خوب مضبوط کرا دیا اور رقم مسجد بدستور سابق اسی حجرہ میں رہتی رہی اب تین سال کے بعد چور نے اسی حجرہ کے کواڑوں کے پشتیبان کو کاٹ کر مبلغ دو سو انسٹھ روپے کی رقم نکال لی اور چلتا بنا۔ اس رقم مذکور کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ آیا اس کا تاوان حافظ صاحب امین پر آئے گا یا نہیں؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ حافظ صاحب سے رقم مذکورہ وصول کرنی چاہئے اور اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ چونکہ حافظ امین

ہیں اور دیانتدار ہیں ان کا کوئی قصور نہیں ان سے لینا ظلم ہے۔ **المستفتی** نمبر ۳۲ مولوی حمید الدین نارنولی ۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ ۲۶ اگست ۱۹۳۳ء

(جواب ۱٤۸) جب کہ مسجد کی رقم مسجد کے حجرہ میں رکھنے کا دستور چلا آتا تھا اور اس قدر حفاظت کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس کے خلاف اہل مسجد نے کبھی امام کو یہ ہدایت نہیں کی تھی کہ وہ رقم کو حجرہ میں نہ رکھے تو حفاظت کا یہ طریقہ صحیح ہوا اور ضائع ہو جانے میں امام کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی اس لئے امام پر اس کا ضمان واجب نہیں۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین صاحب) اس رقم مسروقہ کا تاوان حافظ صاحب وغیرہ کسی پر بھی نہیں پڑے گا اگر حافظ صاحب سے تاوان لیا جائے تو بہت ہی بڑا ظلم ہونے کی وجہ سے کبیرہ گناہ ہوگا۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(جواب) (از مولانا اشرف علی تھانوی) یہ خیال کہ حافظ صاحب بے قصور ہیں' صحیح ہے البتہ جس شخص کو حافظ صاحب پر شبہ ہو وہ حلف لے لے اس سے زیادہ حافظ صاحب سے کوئی مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اشرف علی عفی عنہ (تھانہ بھون)

نوٹ دیمک کھا جائے یا چوری ہو جائے تو ضمان کا حکم

(سوال) جو نوٹ یا روپیہ مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کے پاس جمع ہے اور وہ نوٹ دیمک نے کھا لئے یا روپیہ باوجود حفاظت کے چوری ہو گیا تو اس کا تاوان مہتمم یا متولی کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۶۶۹ مولانا شوکت علی نگینہ ضلع بجنور ۵ شعبان ۱۳۵۴ھ ۳ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۱٤۹) امین نے اگر معروف حفاظت میں کوتاہی اور غفلت نہ کی ہو تو نوٹ یا روپیہ ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر ضمان نہیں۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تحریری حساب سے کم آمدنی وصول ہونے کی صورت میں امین پر زکوۃ کا حکم

(سوال) مدرسہ عربیہ کے مہتمم اور امین ایک عرصے تک ایک ہی شخص رہے جو آنکھوں سے معذور تھے اور اب چھ سال کے عرصے سے مہتمم دوسرے صاحب تھے مگر خزانچی یہی معذور چشم صاحب رہے معذوریٔ چشم کے باوجود اراکین مدرسہ نے معتبر ہونے کی وجہ سے تحویل مدرسہ انہیں کے پاس رکھی۔ روپے کے آمد و خرچ کا حساب یہ خود بعذر چشم نہیں لکھ سکتے تھے بلکہ ملازمین یا دیگر اراکین مدرسہ لکھتے اور

---

(۱) وھی امانة مع وجوب الحفظ والا داء عند الطلب واستحباب قبولها فلا تضمن بالهلاك مطلقاً سواء امكن التحرز ام لا هلك معها شئ ام لا لحديث الدار قطني : ليس على المستودع غير المغل ضمان (الدرالمختار' كتاب الايداع ٥/٦٦٤ ط سعيد)

(۲) ايضاً

کرتے تھے اکثر اوقات مدرسے کی تھیلی سے اپنی اہلیہ اور اہلیہ کی بھتیجی وغیرہ سے جن پر ان کو اعتماد تھا روپیہ رکھواتے اور نکلواتے تھے روپیہ ایک تھیلی میں صندوق کے اندر محفوظ طریقے پر رکھا گیا اور مثل اپنے روپے کے اس کی حفاظت کی اور خود کوئی خیانت نہیں کی اور مدرسے کے روپے میں سے لوگوں کو روپے میں سے نوٹ اور نوٹ سے روپیہ بھی بدل دیا کرتے تھے تحویل مدرسہ میں ایک رقم بمد تعمیر اور ایک رقم بمد تعلیم تھی مد تعلیم میں ہر ماہ آمدو خرچ ہوتا رہتا تھا اور مد تعمیر میں چھ سات سال میں صرف ایک مرتبہ خرچ ہوا پھر خزانچی صاحب نے بوجہ معذوری خوشی سبکدوشی حاصل کی اور روپیہ مدرسے کا ایک جدید مہتمم صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت تحویل مدرسہ میں سے بروئے حساب مندرجہ کاغذات مد تعمیر میں مبلغ ایک سو پندرہ روپے پانچ آنے ۹ پائی کم برآمد ہوئے جس کا علم خزانچی صاحب کو کچھ نہیں کہ کب اور کیوں کمی واقع ہوئی لہذا یہ کمی خزانچی یعنی امین کے ذمہ آتی ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۴۱۷** اکرام الحق صاحب متولی (بیٹھ ضلع سہارن پور) ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۹ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۵۰) اگر خزانچی صاحب کے پاس روپیہ داخل کرنے اور واپس کرنے کا حساب علیحدہ رہتا ہو اور ان کے پاس روپیہ پہنچانے والے اور واپس لانے والے متعین ہوں اور اس بات کا قطعی ثبوت بہم پہنچایا جائے کہ مذکورہ رقم ان کے پاس تھی تو ان سے اس کی باز پرس ہو سکتی ہے اور اس رقم کی موجودگی کا قطعی ثبوت نہ ہو تو صرف کاغذات مدرسہ کے اندراجات سے جس پر خزانچی کے تصدیقی دستخط بوجہ نابینا ہونے کے نہ ہوں گے نہ ان کے کسی معتمد کے دستخط ہوں گے خزانچی سے باز پرس نہیں ہو سکے گی اور پہلی صورت جس میں باز پرس کا حق ہے اگر خزانچی صاحب ہمیشہ اپنے ہاتھ سے صندوقچہ کھولتے بند کرتے رہتے تو ان سے ضمان نہیں لیا جا سکتا تھا البتہ جب کہ انہوں نے دوسرے لوگوں سے رقم رکھوائی اور نکلوائی تو اس صورت میں وہ ضامن ہوں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

امانت کی مجموعی مقدار ادا کرنے کے بعد امین بری الذمہ ہوگا

(سوال) ۱۹۲۵ء میں بکر نے مبلغ ۳۰۰ روپے زید کے پاس بطور امانت بوقت ضرورت حاصل کرنے کے وعدہ سے رکھا۔ اور ایک پرامیسری نوٹ بھی تحریر ہوا اس وقت سے بکر اپنی زندگی تک برابر پانچ روپیہ زید سے

---

(۱) وللمودع حفظها بنفسه و عياله كما له' وهم من يسكن معه حقيقة او حكماً لا من يمونه و شرط كونه اى من فى عياله امينا فلو علم خيانته ضمن وجاز لمن فى عياله الدفع لمن فى عياله ولو نهاه عن الدفع الى بعض من فى عياله ان وجد بدا فيه ضمن والا لا" وان حفظها بغير هم ضمن' و عن محمد ان حفظها بمن يحفظ ماله كو كيله وماذونه وشريكه مفاوضةً و عناناً جاز و عليه الفتوىٰ (الدر المختار' كتاب الوديعة ٥/٦٦٤ ط سعيد)

حاصل کرتا رہا ۱۹۳۱ء میں اس نوٹ پر آخر وصول ڈالا گیا اس کے بعد سے بکر کے فوت ہونے تک کوئی وصول نہیں ڈالا گیا۔ بکر بیمار تھا زید ایک روز مزاج پرسی کو گیا، بکر نے زید سے اپنی زمین کے متعلق اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کہا ان روپوں کا کوئی ذکر نہیں کیا حالانکہ اس وقت بکر کی عورت اور دوسرے اقارب بار بار بکر سے کہہ رہے تھے کہ جو کچھ کہنا ہے وہ کہو بالآخر بکر نے کہا اب کچھ کہنا نہیں ہے اس کے چار روز بعد بکر کا انتقال ہو گیا زید نے ہی کفن دفن کا انتظام کیا۔ ماہانہ پانچ روپیہ تو برابر اس وقت تک پہنچتا رہا جو زید از راہ للہ دیتا ہے بکر کے وارثین میں چار لڑکیاں نابالغ اور ایک عورت ہے زید سے تقاضا کیا جا رہا ہے کہ ۳۰۰ روپے ہم کو ادا کرو اور تم جواب تک پانچ روپے ہم کو ادا کرتے رہے ہو وہ سود ہے حالانکہ پرامیسری نوٹ میں پانچ روپے ماہانہ سود دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے زید کہتا ہے کہ تمہارے ۳۰۰ روپے ادا ہو کر اور ۳۰۰ روپے سے زائد تم کو دیا گیا ہے اس لحاظ سے میں تم کو کچھ باقی دار نہیں ہوں ۱۹۳۴ء میں زید فوت ہو گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا ۳۰۰ روپے زید کے ذمہ باقی ہے اور اس میں یتیموں اور دیگر وارثوں کا حق ہے؟ المستفتی نمبر ۱۹۱۹ سید ابراہیم صاحب (گوداوری) ۱۹ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۱) زید پانچ روپیہ ماہوار جو ادا کرتا رہا ہے اگر اس کی مجموعی مقدار تین سو روپیہ ہو گئی تو زید کے ذمے اب کوئی رقم واجب الادا نہیں رہی اگر پرامیسری نوٹ میں سود لکھا بھی ہو جب بھی سود کی رقم واجب الادا نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

امانت کے ضائع ہونے کا دعویٰ جب ظاہر حال کے خلاف ہو تو ضمان کا حکم

(سوال) ایک عورت نے ایک مسجد پر اپنے کچھ زیورات وقف کئے اور اس کو مصلیوں نے ایک شخص کے پاس امانت رکھ دیا۔ اب جب کہ اس شخص سے زیورات طلب کئے گئے تو اس نے جواب دیا کہ مسجد کے زیورات میرے پاس سے چوری ہو گئے اور میرے پاس نہیں ہیں۔ حالانکہ نہ کوئی نقب پڑی اور نہ کوئی چوری کی علامت نظر آئی نیز مسجد کے زیور کے ساتھ اس شخص کے زیور بھی ایک برتن میں رکھ کر ایک ہی صندوق میں رکھے ہوئے تھے اور اس کے تمام زیور محفوظ ہیں اور مسجد کے تمام زیورات اس کے چوری ہو گئے ہیں پس اس صورت میں اس پر ضمان عائد ہو گا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اس کو ضمان نہیں دینا پڑے گا اور دلیل میں در مختار کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ **وھی امانۃ فلا تضمن بالھلاک مطلقا سواء امکن التحرز ام لا ھلک معھا شئ ام لا لحدیث الدار قطنی لیس علی المستودع غیر المغل ضمان در مختار مختصراً ج ٤**[2] **ص ٤٩٤ کتاب الودیعۃ** ۔ اور عمرو کہتا ہے کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف سے اعراض کرے تو اس کو ضمان ادا کرنا ہو گا اور اگر حلف لے لے تو اس پر ضمان نہیں عائد ہو گا اور یہ بھی اپنی دلیل میں در مختار کا یہ شعر پیش کرتا ہے اور پہلی عبارت کو تیقن ہلاکت ذریعہ پر محمول کرتا ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰ ان کنتم مؤمنین (البقرۃ: ۲۷۸)
(۲) (درمختار کتاب الودیعۃ ٥/٦٦٤ ط سعید)

وان قال قد ضاعت من البيت وحدها یصح ویستحلف وقد یتصور [۱]
ان میں کس کا قول صحیح ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۵۷ محمد یٰسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم اعظم گڑھ ۱۵ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۵۲) ہلاک ودیعت کی صورت میں ضمان نہیں پہلی عبارت جو زید نے پیش کی ہے اس کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری عبارت جو عمرو نے پیش کی ہے اس کی غرض یہ ہے کہ دعویٰ ہلاک ودیعت جب ظاہر کے خلاف ہو تو اس سے حلف لے لیا جائے اگر وہ حلف کر لے کہ ہلاک ہو گئی تو ضمان نہیں اور اگر وہ حلف نہ کرے تو اس سے یہ معلوم ہو گا کہ دعویٰ ہلاک صحیح نہیں ہے لہذا اس صورت میں کہ مودع کے اپنے زیورات محفوظ رہے اور اس ظرف میں سے صرف ودیعت کے زیورات چوری ہو گئے دعوائے ہلاک ظاہر کے خلاف ہے اس لئے حلف لیا جانا اور حلف کر لینے پر ضمان عائد نہ ہونے کا حکم کرنا صحیح ہے اور حلف سے انکار کرنے پر ضمان کا حکم کرنا صحیح ہے۔ [۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تالہ لگے ہوئے بکس سے چوری کی ہوئی امانت کے ضمان کا حکم

مرسلہ محمد صغیر خاں صاحب مقام اوسیا ضلع غازی پور

(سوال) مسجد کا روپیہ ایک شخص جو کہ متولی مسجد بھی تھے ان کے پاس امانۃ رکھا گیا امین صاحب نے مسجد کا روپیہ اور اپنے گھر کا روپیہ اور مدرسے کے نام کا روپیہ علیحدہ علیحدہ ایک ہی بکس میں تالا لگا کر رکھ دیا۔ امین صاحب کے بھتیجے نے دو غیر آدمیوں کے ساتھ مل کر کنجی چرا کر تالا کھولا اور مسجد والا روپیہ چوری کر لیا۔ جب امین صاحب کو چوری کا حال معلوم ہوا تو تھانے میں جاکر رپٹ لکھوایا اور دیہاتی دستور کے موافق کچھ نام نکلوائے تو معلوم ہوا کہ امین صاحب کا بھتیجا اور دو غیر شخص نے مل کر یہ کام کیا ہے مگر گاؤں والوں نے اس وقت سکوت اختیار کیا۔ امین صاحب سے اس روپیہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ کسی قسم کا ارادہ ظاہر کیا امین صاحب بہت پرہیز گار و امانتدار شخص تھے کچھ ہی دن بعد اچانک موت (ہارٹ فیل) ہو گیا لوگوں کا خیال ہے کہ اس چوری ہی کے غم میں مرے۔

اب دو برس کے بعد گاؤں والوں نے ان کے وارثوں پر عدالت میں استغاثہ پیش کیا ہے اور مقدمہ چل رہا ہے۔ کیا امین صاحب کے وارثوں سے گاؤں والے روپیہ وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ المستفتی محمد صغیر خاں میانجی مقام اوسیا ضلع غازی پور' اگست ۱۹۵۲ء

(جواب ۱۵۳) امین صاحب کے وارثوں سے یہ روپیہ طلب کرنے کا گاؤں والوں کو حق نہیں ہے نہ وہ یہ رقم ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ [۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

(۱) درمختار کتاب الودیعۃ ص ۵۰۱ ج ٤
(۲) وان قال قد ضاعت من البيت وحدها يصح ويستحلف وقد يتصور (الدرالمختار كتاب الوديعة ٥: ٦٧٥ ط سعيد)
(۳) وهي امانة فلا تضمن بالهلاك مطلقا سواء امكن التحرز ام لا هلك معها شئ ام لا لحديث الدار قطني' ليس على المستودع غير المغل ضمان (الدرالمختار' كتاب الوديعة ٥/ ٦٦٤ ط سعيد)

کتاب الدیون

پہلا باب

قرض کی تشریحات و تفریعات و احکام

استثناء کے ساتھ قرض کا اقرار کرنے کی صورت

(سوال) زید نے اقرار کیا کہ ہمارے اوپر عمرو کے دس روپے ہیں مگر نو مگر آٹھ مگر سات مگر چھ مگر پانچ مگر چار مگر تین مگر دو مگر ایک۔ علی لعمرو عشرة درهم الاتسعا الاثمان الا سبع الا ست الاخمس الا اربع الا ثلاث الا اثنين الا واحداً زید کے اوپر عمرو کا کتنا قرضہ رہا ترکیب کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

(جواب ۱۵٤) اس صورت میں اقرار کرنے والے پر پانچ روپے لازم ہوں گے کیونکہ جب استثنا متعدد ہوں اور بغیر عطف کے ذکر کئے جائیں تو آخری استثناء کو اس کے مقابل میں سے کم کر کے باقی کو اس کے ماقبل میں سے کم کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اصل عدد میں سے کم ہو کر جو باقی رہے وہ لازم ہو جاتا ہے اور اس صورت میں پانچ باقی رہتے ہیں وہی لازم ہوں گے مگر یہ حکم جب ہے کہ یہ تمام کلام متصل بغیر فصل ہو فی الهنديه لو قال عشرة الا سبعة الا خمسة الا ثلاثة الا درهماً فانك تجعل المستثنى الا خير وهو درهم مستثنى مما يليه وهو ثلاثة يبقى درهمان ثم تستثنيهما مما يليهما وهو خمسة يبقى ثلاثة ثم تستثنى الثلاثة مما يليها وهو سبعة يبقى اربعة ثم تستثنى الاربعة مما يليها وهو عشرة يبقى ستة وهو ثابت باقراره انتهى[1]

---

(۱) (عالمگیریة' کتاب الاقرار' باب العاشر فی الخیار والا ستثناء ٤/ ۱۹٤ ط ماجدیه کوئٹه)

قرض دینے کو کاغذ خریدنے کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

(سوال) اگر ایسی کمیٹی قائم ہو جس کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کو درست رکھے اور مہاجنوں کے ظلم سے محفوظ رکھے اور اس مقصد سے مسلمانوں کو بلا سودی قرضہ دے اور اس کے حسب ذیل اصول مقرر کرے۔

(۱) یہ کمیٹی اپنا کاغذ تیار کرتی ہے جس کی قیمت مقدار قرض کے اعتبار سے مختلف ہو گی مثلاً دس روپے کے لئے ۴ اور پچیس روپے کے لئے ۸ پچاس روپے کے لئے عہ علی ہذا القیاس۔ جس طرح سرکاری اشامپ کاغذ پر وثیقہ لکھا جاتا ہے اگرچہ بلا سود ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) جو شخص اس کمیٹی سے یہ کاغذ خرید لے گا اس کو یہ کمیٹی اس کے طلب پر قرض دے گی۔ (۳) یہ کمیٹی اپنا ایک مسجل (رجسٹرار) مقرر کرتی ہے جس کے ہاں اس وثیقہ کی رجسٹری ہو گی اور رجسٹری کرانے کی ایک قلیل رقم مقروض کو رجسٹرار کے ہاں داخل کرنی ہو گی تاکہ رجسٹرار کے دفتر کا خرچ اس سے چل سکے۔ (۴) یہ کمیٹی اپنا ضابطہ یہ بھی مقرر کرتی ہے کہ سال بھر سے زیادہ مدت قرض نہیں ہے اس کے بعد اگر کوئی مدیون قرض کو اپنے ذمہ رکھنا چاہتا ہو تو یہ جدید قرض سمجھا جائے گا اور اس کو نمبر ا و نمبر ۲ کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کا ان ضوابط کے ساتھ قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا المستفتی (مولانا) عبدالصمد رحمانی (مونگیری)

(جواب) (از مولوی محمد سہول عثمانی) کمیٹی مذکورہ بالا مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہے اور اس میں شرعاً کوئی خرابی نہیں اور یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے اور کمیٹی کا کاغذ مذکورہ بالا کو بیع کر کے قرض دینا "بیع جر منفعة" ہے "قرض جر منفعة" نہیں ہے جیسا کہ شامی جلد ۴ ص ۱۹۴ میں ہے۔ فان تقدم البیع بان باع المطلوب معه المعاملة من الطالب ثوبا قیمته عشرون دینار اباربعین دینارا ثم اقرضه ستین دینارا اخری حتی صارله علی المستقرض مائة دینار و حصل للمستقرض ثمانون دینارا ذکر الخصاف انه جائز - وهذا مذهب محمد بن سلمة امام . الخ (الی ان قال) وکان شمس الائمة الحلوانی یفتی بقول الخصاف و ابن سلمة و یقول هذا لیس بقرض جر منفعة بل هذا بیع جر منفعة وهی القرض انتهی مختصراً[1] محمد سہول عثمانی پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ الجیب مصیب محمد عثمان غنی غفرلہ ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ ۲۶-۳-۴۵ھ اصاب من اجاب سید محمد قاسم رحمانی

یہ کمیٹی اس طرح پر جائز ہے اور جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں اس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے اس لئے اس طرح مسلمانوں کی خبر گیری کرنے میں بہت زیادہ ثواب کی امید ہے واللہ اعلم۔ حسین احمد غفرلہ (جانشین شیخ الہند)

---

(۱) (رد المحتار فصل فی القرض مطلب کل قرض جر نفعا حرام ۵/ ۱۶۷ ط سعید)

صورت مسئولہ میں مسلمانوں کی بہبودی کے خیال سے کمیٹی بنانا جس کو دوسرے لفظوں میں مجلس بھی کہہ سکتے ہیں۔ فعل محمود ہے۔ اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کمیٹی کا کوئی کاغذ قیمت سے فروخت کرنا اس میں بھی کوئی حرج نہیں تجارۃ کاغذ ایک لاکھ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے ولو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ [1] قرآن میں ہے ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض بینکم [2] کاغذ پر مال کی تعریف صادق آتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخارہ [3] کاغذ پر یہ تعریف صادق آتی ہے کمیٹی اگر کچھ ضوابط اپنی بقاو مضبوطی کے لئے بنائے تو جو قواعد شریعت کے خلاف نہ ہوں سب جائز ہیں۔ واللہ اعلم نثار احمد عفا اللہ عنہ مفتی آگرہ جامع مسجد ۶ نومبر ۱۹۲۵ء جمعہ بحکم انما الاعمال بالنیات نیک نیتی ہے لہذا جائز ہے۔ المفتی ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسر۔

(۱۵۵) ھو الموفق : اس کمیٹی کا سرمایہ غالباً چندہ سے حاصل کیا جائے گا پس اس کے کاغذوں کی قیمت کا منافعہ اور رجسٹرار کی فیس کا بچا ہوا اور روپیہ اگر محض دفتری کاروبار کو چلانے کے لئے رکھا جائے اور مالکان سرمایہ کو حصہ رسدی تقسیم نہ کیا جائے نہ ازروئے قواعد ان کو طلب کرنے کا حق دیا جائے اور فاضل منافع کو کسی وقت بھی مالکان سرمایہ کا حق قرار نہ دیا جائے بلکہ بصورت کمیٹی کا کاروبار ختم کرنے کے بقیہ منافع لوغربا پر تقسیم کردینے کا قاعدہ مقرر کردیا جائے اور کوئی صورت اس میں شخصی انتفاع بالقرض کی نہ ہوتی ہو تو اس میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، مدرسہ امینیہ، دہلی

ڈگری ہونے کی صورت میں اصل حق کے ساتھ مقدمہ کے اخراجات لینے کا حکم

(سوال) ایک شخص کے ساتھ کسی معاملے میں مقدمہ ہو تو اس کی ڈگری ہونے کی صورت میں سرکار خرچہ بھی دلاتی ہے یہ خرچہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۵۶) مطالبات مالیہ میں جب کہ مدیون باوجود قدرت کے ادائے حق میں اس قدر دیر اور تساہل کرے کہ دائن کو بغیر نالش کئے وصول حق کی امید نہ رہے اور مجبوری وہ نالش کرے تو اس صورت میں اسے جائز ہے کہ اپنا واقعی اور جائز خرچ بھی مدیون سے لے لے فقہاء نے تمرد خصم کی صورت میں اجرت احضار غیرہ اس کے ذمہ ڈالی ہے۔ [4] مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ میں مطلقاً ناجائز لکھا ہے۔

---

(۱)

(۲) (النساء ۲۹)۔

(۳) (البحر الرائق' کتاب البیوع ۵/۲۷۷)

(٤) واجرۃ المحضر علی المدعی ھو الاصح وفی الخانیۃ علی المتمرد وھو الصحیح وفی الشامیۃ : والحاصل ان اجرۃ لشخص بمعنی الملازم علی المدعی و بمعنی الرسول المحضر علی المدعی علیہ لو تمرد بمعنی امتنع عن الحضور والا علی المدعی ھذا خلاصۃ ما فی شرح الوھبانیۃ (الدر المختار مع رد المحتار' کتاب القضاء ۵/۳۷۲ ط سعید)

لیکن وہ متامل فیہ ہے۔ پوری تفصیل مطلوب ہو تو اخبار المشیر مراد آباد سے وہ پرچے طلب کر لیں جن میں یہ بحث مندرج ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد دہلی۔

میت کا کرایہ پر دیا ہوا مکان ترکہ میں شمار ہوگا

(سوال) زید اور بکر بھائی تھے دونوں کے حصے میں بعد وفات والدہ ایک مکان آیا۔ بکر نے اپنی کاروباری پریشانی کی وجہ سے اپنا نصف حصہ اپنے بھائی زید کے نام کر دیا مگر دراصل کچھ لیا نہیں یہ محض اس لئے کیا تھا کہ کوئی لین دار اس کو قرق نہ کرا سکے۔ بکر کا کاروبار بالکل خراب ہو گیا اور بہت عرصے تک بکر اپنے بھائی کی دکان پر رہا اور زید ہی اس کے اخراجات برداشت کرتا رہا یہاں تک کہ شادی غمی میں بھی سب خرچ زید ہی کرتے رہے بکر کا کاروبار خراب ہو گیا تھا دوسرے فالج کی وجہ سے ہاتھ پیر کام نہیں دیتے تھے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زید لاولد تھے اب زید کی پریشانی کا وقت آیا اور اس کا کاروبار خراب ہو گیا زید نے یہ والدہ والا مکان کسی غیر کے ہاتھ قطعی بیع کرنا چاہا خریدار نے اصرار کیا کہ اس پر اپنے بھائی بکر کے بھی دستخط کرا دو تاکہ کوئی اعتراض بعد میں بکر کا باقی نہ رہے چنانچہ زید نے اپنے بھائی بکر کو بلایا اور کہا کہ اس پر بطور گواہی کے دستخط کر دو بکر نے انکار کیا اور کہا کہ یہ میں نے تمہارے نام اپنی پریشانی کی وجہ سے فرضی طور پر کر دیا تھا تم میرے اس مکان کی نسبت قرض دار ہو اور میں ہرگز دستخط نہیں کروں گا، زید نے اپنے ایک عزیز رشتہ دار کو بلایا اور کہا کہ بکر کو سمجھا دو کہ وہ دستخط کر دیوے، نیز زید نے اسی وقت محمود کو بلایا اور کہا کہ ایک مکان جو فرضی طور پر میں تمہارے نام کرتا ہوں اس کا کرایہ تم مجھے تازندگی میری مجھے دیدیا کرنا اور بعد وفات میری یہ مکان تم بکر کے نام کر دینا بکر کے اور زید کے قریب کے رشتہ دار وہاں موجود تھے بکر نے ان سے کہا کہ بھائی تم اپنا اطمینان کر لو اگر تم کہہ دو تو میں دستخط کر دوں رشتہ دار نے محمود سے دریافت کیا کہ تم کو یہ منظور ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس مکان کے بیع نامہ پر جو والدہ والا تھا بکر نے دستخط کر دیئے زید نے اپنا دوسرا مکان محمود کے نام کر دیا اور کرایہ اس کا لیتے رہے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ زید کو اپنی کاروباری حالت کا زیادہ فکر ہوا اور بعض لین داروں کی زید پر ڈگری بھی ہو گئی تو زید نے محمود سے کہا کہ میاں محمود تم اس مکان کو فروخت کر دو اور اس کا روپیہ لین داروں کو دیدو کہیں لیندار بے آبرو نہ کریں چنانچہ محمود نے کہا کہ میاں تم نے جس وقت میرے نام یہ مکان کیا تھا تو یہ اقرار کیا تھا کہ صرف میں تازندگی کرایہ لیتا رہوں گا اور میری وفات کے بعد میرے بھائی بکر کے نام یہ مکان تم کر دینا اور تمہارے رشتہ داروں نے مجھ سے اقرار کرا کر بکر سے گواہی کر دینے کو کہا تھا اور اسی وجہ سے اس نے دستخط کر دیئے تھے کہ بعد میں یہ مکان مجھ کو مل جائے گا یہ سن کر زید نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جس قدر احسانات کئے ہیں سب کو معلوم ہے میاں وہ دستخط کرتا نہیں تھا میں نے اس وجہ سے کہہ دیا تھا اس کے بعد انہوں نے اس مکان کے فروخت کرنے کے لئے کوشش بھی کی لیکن سودا نہ ہوا اور اب تک وہ مکان محمود ہی کے نام پر ہے اور اب زید کا انتقال ہو گیا ہے زید کی دو

بہنیں اور ایک بھائی بکر ہے اور کوئی وارث نہیں البتہ زید دیگر لوگوں کا جس میں اہل ہنود اور بمبئی کے مسلمان بورے شامل ہیں قرضدار فوت ہوا ہے۔ دوسرے زید اپنے بھائی بکر اپنی والدہ والے مکان کی نسبت قرضدار تھا محمود کے پاس کچھ کرایہ بھی اس مکان کا وصول شدہ موجود ہے اور وہ اس مکان کو اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا بکر کہتا ہے کہ حسب وعدہ یہ مکان اب مجھے دو اور اپنی یہ بھی درخواست کرتا ہے کہ اول قرضہ ادا کرنا چاہئیے بھائی زید میرے اس والدہ والے مکان کی بابت قرضدار تھے اگر یہ سارا مکان مجھے دے دیا جائے گا تب بھی وہ اس کے برابر نہیں جتنا کہ میں نے اپنا والدہ والے مکان کا نصف حصہ ان کے نام کیا تھا بہنیں کہتی ہیں کہ حصہ شرعی ہمارا ابھی ہے ہم کو بھی حصہ رسد ملنا چاہئیے اب سوالات حسب ذیل ہیں (۱) بکر نے اپنا حصہ بغیر کچھ لئے والدہ والے مکان کا زید کے نام کر دیا تھا اس کی شرعی طور پر کیا حیثیت تھی اور بعد میں جو دستخط بطور گواہی کر دیئے اس کا کیا اثر ہے ؟

(۲) کیا بکر کا قرضہ اس مکان کی نسبت زید کے ذمہ واجب الادا ہے ؟

(۳) کیا یہ مکان ان وجوہات کی بنا پر جو بیان کی گئی ہیں صرف بکر کو ہی دیدینا چاہئیے ؟

(۴) کیا اس مکان میں دونوں بہنیں اور بکر سب شامل ہیں ؟

(۵) محمود کا کیا یہ فرض ہے کہ وہ صرف دیگر لیندارون کو اس مکان کو فروخت کر کے ادا کر دے بکر اور بہنوں کو کچھ نہ دے یا انکو شرعی حصہ کر کے دیدے اور کہہ دے کہ تمہارا یہ فرض ہے کہ پہلے قرضہ ادا کرو۔

(۶) کیا اہل ہنود اور بمبئی کے مسلمان بوروں کا حق ایسا ہی مساوی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت حق رکھتے ہیں اور بکر کو قرض خواہ تسلیم کر لیا گیا تو اس کا حق ان قرض خواہوں کی نسبت اول ہے یا مساوی ؟

(۷) خلاصہ یہ کہ مکان اور کرایہ وصول شدہ محمود کس کو ادا کرے جس میں کرایہ وصول شدہ زید کی حیات اور بعد وفات کا بھی شامل ہے المستفتی نمبر ۱۴۵ حاجی عبدالحمید عبدالمجید موتی والے صدر بازار دہلی ۱۶ شعبان ۱۳۵۲ھ ۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۵۷) زید کا یہ مکان زید کا ترکہ ہے۔ اس کے تمام قرض خواہ ہندو مسلمان بورے وغیرہ شریک ہیں۔ ظاہر ہے کہ بکر نے اپنا حصہ مکان جو زید کے نام کر دیا تھا اس کے عوض میں اس مکان کی بیع بکر کے ہاتھ نہیں کی گئی ہے ورنہ زندگی تک کرایہ خود لینے کے کوئی معنی نہیں تھے سوال میں اس کی تصریح نہیں کہ بکر نے اپنا حصہ زید کے نام بطور بیع کیا تھا یا بطور ہبہ اور بطور ہبہ کیا تھا تو بکر کا کوئی قرض زید کے ذمہ نہیں اور اگر بطور بیع کیا تھا تو اس کی قیمت زید کے ذمہ دین ہے اور بکر بھی دیگر قرض خواہوں کے ساتھ اپنے حصہ دین کا مستحق ہے خلاصہ یہ کہ زید کے مکان کا کرایہ اور مکان اول قرض خواہوں کے قرضے میں دیا جائے گا اس کے بعد جو بچے گا وہ اس کے وارثوں بھائی بہنوں کو بطور میراث ملے گا۔[1] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العبد ثم وصیته من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثته (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠ ، ط، سعید)

عاریت پر لی ہوئی چیز اصل مالک کو لوٹائی جائے گی

(سوال) راجہ نامی ایک شخص نے ایک بھینس عبدالصمد کو بطور امانت دودھ پینے کو دی لیکن راجہ کے پاس امانت کا ثبوت تحریری نہیں بلکہ زبانی آدمیوں کی شہادتیں ہیں اور عبدالصمد پر ایک شخص کا قرضہ تھا اس قرض خواہ نے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا عبدالصمد نے قرض خواہ سے کہا کہ میرے پاس دام توفی الحال موجود نہیں تم اپنے قرضے میں میری بھینس لے لو۔ اور قرض خواہ کو خیال تھا کہ یہ بھینس اسی عبدالصمد کی ہے کیونکہ اس کے پاس مدت سے دیکھتا چلا آرہا تھا لہذا قرض خواہ نے بھینس اپنے قرضے میں لے لی اور عبدالصمد سے کاغذ لکھوالیا۔ پھر عبدالصمد کہیں بھاگ گیا راجہ نے اس شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ بھینس میری ہے عبدالصمد کا کچھ پتہ نہیں کہاں ہے لہذا یہ بھینس ازروئے شرع کس کو ملے گی؟ المستفتی نمبر ۲۲۳ مولوی محمد عمر صاحب خطیب جامع مسجد سرگودھا ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۶ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۸) قرض خواہ اس امر کا اقراری ہے کہ بھینس اس نے عبدالصمد سے لی ہے اگرچہ اپنے قرض میں لینے کا مدعی ہے پس اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بھینس راجہ کی تھی اور اس نے عبدالصمد کو بطور عاریت دی تھی تو بھینس راجہ کو دلوائی جائے گی۔[1] اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو بھینس صاحب الید کے پاس اس وقت تک چھوڑی رکھی جائے گی جس وقت تک اس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ ہو[2] یہ واضح رہے کہ عبدالصمد کے غائب رہنے تک اس کے خلاف کوئی شہادت مسموع نہ ہوگی۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) مہر میں دیا ہوا مکان زوج کے قرض خواہ نہیں لے سکتے
(۲) مہر کی مقدار سے مہنگی چیز مہر میں دی جاسکتی ہے

(سوال) (۱) زید نے اپنا مکان ساڑھے چار سو میں بعوض دین مہر اپنی اہلیہ کو دے دیا اور اس وقت تک وہ قطعی قرضدار نہ تھا ادائیگی مہر کے چار سال بعد مقروض ہو گیا اور قرض خواہوں نے نو سال بعد عدالت میں چارہ جوئی کر کے ڈگری کرالی اور مکان قرق کرا کر نیلام کرانا چاہتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی غیر منقولہ جائیداد اپنی زوجہ کو ساڑھے چار سو روپے میں بعوض مہر دیدی مگر دراصل قیمت خرید جائیداد پانچ سو تیس روپے تھی کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟ المستفتی نمبر ۴۰۶ حافظ احمد جنگل پور ۲۲

---

(۱) ولوا عارارضا للبناء والغرس صح للعلم بالمنفعة وله ان یرجع متی شاء لما تقرر انها غیر لازمة (التنویر مع الدرالمختار کتاب العاریة ۵ / ۶۸۱ ط. سعید)

(۲) قال ذوالید اشتریته او اتهبته من الغائب او لم یدع الملک المطلق بل ادعی علیه الفعل وفی الشامیة (قوله وقال ذوالید) حاصل هذه ان المدعی ادعی فی العین ملکا مطلقا فانکره المدعی علیه فبرهن المدعی علی الملک فدفعه ذوالید بانه اشتراها من فلان الغائب و برهن علیه لم تندفع عنه الخصومة یعنی فیقضی القاضی ببرهان المدعی لانه لما زعم ان یده بدملک اعترف بکونه خصما (الدر المختار کتاب الدعوی ۵ / ۵۶۸ ، ط. سعید)

(۳) ولا یقضی علی غائب ولا له ای بالبینة سواء کان غائبا وقت الشهادة او بعد ها او بعد التزکیة و سواء کان غائبا عن المجلس او عن البلد (الدر المختار کتاب القضاء ۵ / ۴۰۹ ، سعید)

جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۵۹) (۱) جب کہ اس قرض کے وجود سے پہلے وہ مکان اپنی بیوی کو مہر میں دے چکا تو بعد کے قرض خواہ اس مکان کو اپنے قرضے میں نہیں لے سکتے۔[1] (۲) اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

کاشت کے لئے دی ہوئی زمین پر کاشتکار کے وارثوں کے قبضہ کا حکم

(سوال) زمین دار دائن کی اراضی پہ قبضہ کاشتکار بطور کاشت موروثی کئی پشت سے چلی آتی ہے۔ کاشتکار نے موروثی مذکور پر قبضہ دائن زمیندار کو دیدیا اور شرط مابین دائن و مدیون یہ طے پائی ہے کہ جس وقت اصل روپیہ کاشتکار مدیون زمیندار دائن کو ادا کردے تو اس وقت زمیندار کاشت موروثی مذکور کو یہ قبضہ واپس دیدے گا۔ آیا از روئے شرع شریف کاشت موروثی پر جو قبضہ کاشتکار یا اس کے مورث کا مطابق قانون مروجہ چلا آتا ہے وہ جائز ہے یا نہیں اور صورت مسئولہ میں زمیندار دائن کا اپنے کاشتکار کی کاشت مذکورہ بالا سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا المستفتی نمبر ۵۸۱ عبدالغفور الہ آباد ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ م ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء

(جواب ۱۶۰) کاشتکار کا موروثی قانونی قبضہ مالک کی مرضی کے خلاف ناجائز اور حرام ہے[3] زمیندار نے جو کچھ روپیہ دیکر حق کاشتکاری کا رہن لیا ہے یہ معاملہ بھی کاشتکار کے حق میں حرام ہے مگر زمیندار کے حق میں اس زمین سے نفع اٹھانا جائز ہے کیونکہ وہ بحق مالکیت اس زمین سے نفع اٹھانے کا مستحق ہے[4] (جس سے اس کو ایک قانون غیر مشروع نے روک رکھا ہے) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پہلے متولی کے ذمے وقف کے دیون میں کمی کرنے کا حکم

(سوال) زید نے ایک اسلامی وقف کو (جس پر واقف کے اہل خاندان قابض ہو کر تنسیخ وقف کی کوشش کر رہے تھے) مسلسل سولہ سال مقدمہ بازی کے بعد وقف ثابت کرایا اور اگرچہ مصارف مقدمہ کے لئے اپنے بعض احباب سے چندہ بھی لیا تاہم خود زید کے بھی ہزار ہا روپے پیروی مقدمہ میں صرف ہوئے اس کے علاوہ مقدمہ کی مصروفیت و انہماک کے باعث زید کے کاروبار کا بہت نقصان ہوا بعد فراغت مقدمہ زید

---

(۱) اس لئے کہ وہ زوجہ کی ملکیت ہو گیا ہے اور قرض خواہ مقروض کی مملوکہ چیز لے سکتا ہے نہ کہ اس کی بیوی کی۔

(۲) کیونکہ یہ زیادۃ فی المہر ہے وفی الدر "او زید علی ما سمی فانها تلزمه شرط قبولها فی المجلس او قبول ولی الصغیر و معرفة قدر ها و بقاء الزوجیة علی الظاهر (الدرالمختار' باب المهر ۳: ۱۱۱ ط ، سعید)

(۳) اصل ضابطہ شرعیہ اس بارے میں یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں رہتا کما هو مصرح فی عامة المتون والشروح والفتاوی " و تنفسخ بلا حاجة الی الفسخ بموت احد عاقدین عندنا لابجنونه مطبقاً عقدهالنفسه (الدرالمختار' كتاب الاجارة ٦' ۸۳ ، ۸٤ ط سعید)

(۴) اس لئے کہ اس صورت میں مدیون نے دین لے کر خود دائن کی مملوکہ زمین اس کے پاس رہن رکھوائی ہے جب کہ مدیون رہن میں اپنی ملک رکھ سکتا ہے' نہ کہ خود دائن کی ملکیت۔

جائیداد موقوفہ پر بحیثیت متولی قابض ہو کر اس کی آمدنی وصول کرتا رہا۔ چونکہ سولہ سال مقدمہ چلتا رہا اس دوران میں جائیداد وقف کی حالت نہایت خراب ہو گئی تھی زید نے آمدنی وقف سے اس کی مرمت و درستی کرائی اور دو بنگلے پختہ از سر نو تعمیر کرائے اور ایک مکان بھی تعمیر کرایا۔ جس وقت جائیداد وقف پر زید کو قبضہ ملا تخمیناً ایک سو تیس روپے ماہوار آمدنی تھی لیکن زید کے مساعی سے مبلغ پانچ سو تیس روپے ماہوار آمدنی ہونے لگی زید نے آمدنی وقف سے نہ مصارف مقدمہ وصول کئے نہ اپنے کاروبار کے عظیم الشان نقصان کا کوئی معاوضہ لیا بلکہ باوجود ہدایت وقف نامہ وقف سے اپنی تنخواہ لینا بھی گوارا نہ کیا۔ اور چونکہ زید نہایت رقیق القلب اور نیک نفس واقع ہوا ہے اس لئے واقعی اور مصنوعی اہل حاجات اس کے پاس آ آ کر اپنے دردناک حالات بیان کر کر کے اس کی ذاتی چھ سات سو روپے ماہوار کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اور آمدنی وقف اس سے وصول کرتے رہے لیکن زید نے ان مصارف کو حساب وقف میں شامل و درج نہیں کیا جس کے باعث وقف کی ایک بڑی رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہو گئی۔ بالآخر زید عہدہ تولیت سے مستعفی ہو گیا اور مسلمانوں نے زید کی جگہ عمرو کو متولی مقرر کر لیا اب زید کی اولاد عمرو سے یہ چاہتی ہے کہ وقف کی جو رقم زید کے ذمہ واجب الادا ہے اس میں سے تخمیناً پانچواں حصہ کم کر دے اگر کمی نہ کی تو زید کے حالات نازک ہو جانے کا غالب گمان ہے عام طور پر قرض خواہ مدیون کے تعلقات و خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر کمی پر معاملہ طے کر لیتے ہیں عدالتوں میں اس قسم کے فیصلے روزانہ ہوتے رہتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۷۶۹** محمد خلیل الرحمن مطبع نظامی پٹکاپور کانپور ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ۱۸ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۶۹) ذاتی دیون میں دائن کا مدیون سے کمی پر فیصلہ کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے[1] مگر وقف کا معاملہ اور متولی کے اختیارات جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں اس کو حق نہیں کہ متولی سابق کے ذمہ وقف کی جو رقم ہے اس میں سے کچھ چھوڑ دے[2] ہاں صورت مذکورہ میں اگر بیان سائل صحیح ہے تو متولی سابق نے جو رقوم کہ خرچ کی ہیں وہ خرچ تو مصارف وقف میں کیں مگر ان کو اپنی نیک نفسی کی وجہ سے وقف کے حساب میں نہیں لکھا متولی حال ایسی رقوم کو وقف کے حساب میں شامل کر کے مطالبہ میں سے منہا کر سکتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

قرض ادا نہ کرنے کی آخرت میں سزا

(سوال) اگر کسی شخص نے کسی شخص سے روپیہ بطور ادھار لیا اور اس نے جس سے روپیہ لیا نہ دیا تو کیا ہوگا۔

---

(۱) ندب الی ان یتصدقوا برؤس اموالھم علی من اعسر من غرمائھم او ببعضھا لقولہ تعالی وان تعفوا اقرب للتقوی و قیل ارید بالتصدیق الانظار لقولہ علیہ السلام: لا یحل دین رجل مسلم فیؤخرہ الا کان لہ بکل یوم صدقۃ (تفسیر کشاف للزمخشری سورۃ البقرۃ ۱ / ۳۲۳ ط بیروت)

(۲) کیونکہ متولی کے ذمہ ہر حال میں انفع للوقف پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ لما فی الدر: متولی ارض الوقف آجرھا بغیر اجر المثل یلزم مستاجرھا ای مستاجر ارض الوقف لا المتولی تمام اجر المثل یفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف و غصب منافعہ و کذا یفتی بکل ما ھو انفع للوقف (الدر المختار کتاب الاجارۃ ۶ / ۲۱ ط سعید)

المستفتی نمبر ۱۲۹۸ منشی عظمت اللہ خاں صاحب (ضلع بجنور) ۴ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۶۲) اگر روپیہ لینے والے نے روپیہ دائن کو نہ دیا تو قیامت میں اس کی نیکیاں دائن کو ملیں گی اور اگر مدیون کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو دائن کی برائیاں بقدر حق کے مدیون پر ڈال دی جائیں گی۔[1]
فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مدعی کے ذمہ گواہ اور مدعی علیہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

(سوال) زید کے کچھ روپے عمر کے ذمہ واجب ہیں جب زید نے عمر سے تقاضا کیا تو عمر نے کچھ سامان تجارت زید کو دیا کہ تم اس کو فروخت کر کے اپنا روپیہ لے لو۔ زید نے صرف یاد ذہنی پر اعتماد کرتے ہوئے وہ سامان لے لیا۔ بعد ازاں زید نے وہ سامان محمود کو دیا کہ تم اس کو فروخت کر دو تو کچھ کمیشن تم کو بھی دیدی جائے گی جب وہ سامان فروخت نہ ہوا تو محمود نے زید کو واپس کیا اور زید نے مالک سامان عمر کو واپس کیا اب عمر کہتا ہے کہ میرا سامان کم ہے تم اس کو پورا کرو زید اپنے وکیل محمود سے کہتا ہے کہ یہ حقیقۃً نقصان ہے یا اتہام و سہو ہے بہر حال تم اس تاوان کے متحمل ہو گے۔
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس تاوان کا متحمل زید ہوگا کہ جس سے اصل معاملہ ہے یا محمود متحمل ہوگا کہ جو زید کا وکیل ہے اگر محمود اپنی یاد کر کے کچھ اس تاوان کو ادا نہ کرے یا زید اپنی یاد صحیح کی بنا پر عمر کو تاوان نہ ادا کرے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۸ھ قاری عزیز یزدان صاحب دیوبندی ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۱۶ فروری ۱۹۳۷ء
(جواب ۱۶۳) زید اور عمر کے اختلاف میں عمر کا قول معتبر نہ ہوگا بلکہ زید کا قول مع حلف کے معتبر ہوگا اگر زید اس بات پر حلف کر لے کہ سامان اتنا ہی تھا تو زید کے ذمے مزید سامان لازم نہ ہوگا ہاں عمر اگر شہادت سے ثابت کر دے تو پھر زید کا بیان اور حلف معتبر نہ ہوگا اسی طرح زید اور محمود کے اختلاف میں اگر زید شہادت سے ثابت نہ کر سکے تو محمود کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض واپس کرنے سے پہلے نفع پہنچانے کی شرط سے قرض لینا

(سوال) ایک شخص پچاس روپیہ مانگتا ہے اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں ان روپوں سے بکرے وغیرہ خرید کر

---

(۱) و عنه ان رسول الله ﷺ قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتى من ياتى يوم القيامة بصلوة و صيام و زكوة و ياتى قد شتم هذا وقذف هذا واكل مال هذا و سفك دم هذا و ضرب هذا فيعطى هذا من حسناته و هذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضى ما عليه اخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح فى النار (رواه مسلم كذافى المشكوة ۲ / ۴۳۵ ، ط . سعيد)
(۲) عن ابن عباس عن النبى ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه و فى شرحه للنووى انه قال و جاء فى رواية البيهقى باسناد حسن او صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعى و اليمين على من انكر (مشكوة ۳۲۶ ط سعيد)

بغرض بیع و فروخت کروں گا تب تمہارے روپے دوں گا، اور تم کو ایک بکرا ان بکروں میں سے جو میں خرید کر لاؤں گا فوراً ہی دیدوں گا باقی بکرا کے حساب تم کو دیدوں گا کیا یہ درست ہے؟ فقط المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی۔

(جواب ۱٦٤) یہ صورت تو جائز نہیں[1] ہاں یہ صورت جائز ہو گی کہ پچاس روپیہ لے کر وہ بکرے لائے اور فروخت کرے اور منافعہ میں سے ایک معین حصہ روپیہ والے کو دے۔ مثلاً ۸/ فی روپیہ ۶/ فی روپیہ یا ۴/ فی روپیہ غرض جو آپس میں طے ہو جائیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

مقروض اور قرض خواہ کی وفات کے بعد قرض کا کیا کریں گے؟

(سوال) زید سے عمر نے بیس روپے قرض لئے تھے۔ زید کا انتقال ہو گیا ہے تو اب زید کے ورثاء میں سے کس کس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عمر سے قرض کا روپیہ وصول کریں اور اگر عمر مر جائے تو پھر زید کس سے تقاضا کرے۔ المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب (ریاست جنید) ۲۰ شعبان ۱۳۵٦ھ ۲٦ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۱٦۵) زید دائن کے انتقال کے بعد اس کے وارث اپنے اپنے حصے کے لائق دین کا مطالبہ مدیون سے کر سکتے ہیں[3] اور مدیون کا انتقال ہو جائے تو اس کے ترکہ میں سے دائن اپنے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرض الوفات میں وارث کے لئے قرض کے اقرار کا حکم

(سوال) زید کے چند وارث ہیں زوجہ مسماۃ ہندہ اور دو برادر حقیقی خالد و بکر ہیں۔ زید نے بحالت مرض الموت ہندہ اور خالد کی غیر موجودگی میں یہ اقرار کیا کہ میرے ذمے برادر خورد بکر کا پانچ ہزار روپے کا قرضہ ہے ایک فہرست اپنی اشیائے منقولہ کی مرتب کی جس کی قیمت پانچ ہزار روپے ہوں۔ اور زید نے ان تمام اشیاء کو اس قرضے میں دیگر ہر دو ورثہ کی عدم موجودگی میں صیغہ رجسٹری میں رجسٹری کرا دی۔ زید کے انتقال کے چند ماہ بعد خالد کو اس رجسٹری کا علم ہوا تو اس کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان اشیاء میں اپنی حقیت کا دعویٰ عدالت شرعیہ میں دائر کر دیا۔

---

(۱) کل قرض جر نفعا حرام' فی رد المحتار' ای اذا کان مشروطا کما علم مما نقله عن البحر وعن الخلاصة و فی الذخیرة ان لم یکن النفع مشروطا فعلی قول الکرخی لا باس به (الدرالمختار' فصل فی القرض ۵/ ۱٦٦ ط سعید)
(۲) کیونکہ اس صورت میں یہ عقد مضاربت ہونے کی وجہ سے جائز ہو جائے گا' وفی الدر : هی عقد شرکة فی الربح بمال من جانب و عمل من جانب' و فیه ایضا و شرطها کون راس المال من الاثمان الی قوله وکون الربح بینهما شائعا فلو عین قدرا فسدت (الدرالمختار' کتاب المضاربة ۵/ ٦٤۵ ط سعید)
(۳) کیونکہ اب دین کے مالک ورثاء ہیں۔
(٤) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ۷٦۰ ط سعید)

اب دریافت طلب یہ امور ہیں :
(۱) زید کا مرض الموت کی حالت میں اپنے وارث کے قرضہ کا اقرار کرنا شرعاً معتبر ہے یا نہیں ؟
(۲) بکر کا تردید دعویٰ میں رجسٹری عدالت مجاز کا پیش کرنا شرعاً مستند ہے یا نہیں ؟
(۳) جو اقرار نامہ قانون شرعی کے خلاف مرتب ہو اس کے باطل کرنے کا شریعت کو حق ہے یا نہیں ؟
المستفتی نذیر احمد خاں ۱۱ صفر ۱۳۶۴ھ

(جواب ۱۶۶) وارث کے لئے اقرار بالدین مرض الموت میں معتبر نہیں الا یہ کہ دوسرے وارث اسے تسلیم کرلیں۔ لو اقرالمریض لوارثه لا یصح الا ان یصدقه فیه بقیة ورثة (هداية)[1]
رجسٹری کا پیش کرنا مفید نہیں کیونکہ رجسٹری کا زیادہ سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ اقرار کا ثبوت ہو جائے تو اقرار ثابت ہونے پر بھی وہ ناقابل اعتبار اور ناقابل عمل ہوگا۔[2]
یقیناً یہ اقرار نامہ باطل ہو جانے اور باطل کئے جانے کا مستحق ہے جب کہ مرض الموت میں اس کا لکھا جانا ثابت ہو جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

کیا قرض ادا نہ کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ ادسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) (۱) ایک شخص نے چار سو روپیہ قرض حسنہ دیکر ایک شخص کو ملازم کرایا اس نے بیس سال تک رسالہ کی ملازمت کی اور وعدہ کیا کہ پنشن ملنے پر یہ روپیہ اسامی کا ادا کردوں گا اور پھر بدنیتی سے چار سو روپیہ ادا نہ کیا اس کا نماز، روزہ مقبول ہے یا نہیں ؟ اور اس کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟
(۲) اگر بدنیتی سے قرضہ ادا نہ کرے اور فوت ہو جائے روز جزا میں کس قدر نیکیاں قرض خواہ کو ملیں گی ؟

(جواب ۱۶۷) (۱) ایسا شخص جس نے باوجود قدرت اور موقع میسر ہونے کے قرض ادا نہیں کیا' سخت ظالم اور فاسق ہے مگر اس کا جنازہ پڑھنا چاہئے[4] بغیر جنازہ پڑھے اس کو دفن نہیں کرنا چاہئے رہا یہ کہ اس کا نماز روزہ مقبول ہے یا نہیں تو اس کا معاملہ حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بعض گناہ (جن میں لوگوں کا مال ناحق ہضم کرلینا بھی ہے) نماز اور دوسری عبادات کے فائدہ کو باطل کر دیتے ہیں۔
(۲) کس قدر نیکیاں ملیں گی اس کا اندازہ حضرت حق تعالیٰ ہی فرمائیں گے۔ ہاں قرض خواہ کو قرضدار کی نیکیاں ملیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں تو قرض خواہ کے گناہ قرضدار پر ڈالے جائیں گے۔[5]

---

(۱) هداية' كتاب الاقرار' باب اقرار المريض ۳/۲٤۲ ط سعيد)
(۲) اقرار بالدين للوارث في حالة مرض الموت باطل ہے لما في الدر : وان اقرّ المريض لوارثه بفرده او مع اجنبي بعين او دين بطل خلافا للشافعي ولنا حديث لا وصية لوارث ولا اقرار له بدين (الدرالمختار' كتاب الاقرار ٥/٦١٣ ط سعيد)(۳) (ايضاً بحواله بالا) (٤) وهي فرض على كل مسلم مات خلا اربعة : بغاة و قطاع طريق (الدرالمختار' باب صلاة الجنائز ۲/۲۱۰ ط سعيد) (٥) كما في حديث: فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته فنيت حسناته قبل ان يقضى ما عليه اخذ من خطا ياهم فطرحت عليه ثم في النار (رواه مسلم مشكوة ۱/۳۲٦)

کیامدیون کے کپڑوں کو قرض کے عوض استعمال کیاجاسکتاہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کسی کا مقروض ہے اور وہ کسی وجہ سے فرار ہو گیا اور اس کے کپڑے وغیرہ رہ گئے تو قرض خواہ اس کے کپڑوں کو استعمال کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۶۸) مدیون کے کپڑوں کو استعمال کرنا تو جائز نہیں[1] ہاں اپنے روپے کے وصول کرنے کے لئے اس کے اسباب اور کپڑوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ'۔

دوسرا باب
دخلی رہن

زمین یاباغ کورہن رکھنااوراس سے نفع اٹھانا

(سوال) زمین یاباغ رہن رکھنااور اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کا رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟بینواتوجروا

(جواب ۱۶۹) زمین یاباغ کا رہن رکھنااور اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں شرط کر کے یابلا اجازت راہن فائدہ اٹھانے کی حرمت تو ظاہر ہے اور غیر مشروط ہونے کی حالت میں اجازت راہن کے بعد فائدہ اٹھانے کی اس لئے ممانعت ہے کہ یہ اجازت حقیقی اجازت نہیں ہوتی بلکہ دباؤ یا ضرورت کی وجہ سے راہن مجبوری کو اجازت دیدیتا ہے[3] اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مرتہن پھر راہن سے یہ کہہ دے کہ بھئی کوئی زبردستی نہیں ہے چاہو تم اجازت دو اور چاہو تو یہ منافع خود حاصل کرتے رہو تو اس حالت میں راہن منافع مرہون مرتہن کو دینا اکثری طور پر گوارانہ کرے گا اگر کرے تو سمجھ لو کہ اس کی اجازت واقعی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ **قلت والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الا نتفاع ولو لا ہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع واللہ تعالی اعلم (رد المحتار ص ۳۳۸ ج ۵)**[4]

---

(۱) کل قرض جر نفعاً فھو ربا (الدر المختار' فصل فی القرض ۵/ ۱۶۶ ، ط، سعید)
(۲) یعنی بطور رہن کے اور اگر چاہے تو اسے اپنے دین کے بدلے میں شمار کر کے اپنی ملک میں بھی لے سکتا ہے وفی الشامیۃ : قال الحموی فی شرح الکنز' نقلاً عن المقدسی عن جدہ الاشعر عن شرح القدوری للا خطب' ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم والفتوی الیوم علی جواز الا خذ القدرۃ من ای مال کان(رد المحتار' کتاب الحجر ۶/ ۱۵۱ ط سعید) (۳) لا یحل لہ ان ینتفع بشیء منہ بوجہ من الوجوہ وان اذن لہ الراھن لانہ اذن لہ فی الربا لانہ یستو فی دینہ کاملا فتبقی لہ المنفعۃ فضلاً فیکون ربا فھذا امر عظیم (الدرالمختار' کتاب الرھن ۶/ ۴۸۲ ط سعید)
(۴) (ردالمحتار' کتاب الرھن ۶/ ۴۸۲ ط سعید)

مرتھن کا رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا

(سوال) (۱) ایک شخص نے دوسرے شخص کے پاس اپنی زمین سو روپے کے عوض گرو رکھی۔ اس شرط پر کہ تیس برس کے بعد ہم روپیہ دیکر زمین واپس کرلیں گے اور اس درمیانی مدت میں جو کچھ پیداوار کا منافع ہو وہ اپنے تصرف میں لائے اور مالگذاری ادا کرے۔

(۲) اسی طرح کوئی شخص اپنی گائے 'بکری دودھ والی دس روپے کے عوض کسی کے پاس رہن رکھے اور یہ کہے کہ جب ہم روپیہ دیں گے اس وقت گائے بکری واپس لیں گے اور دودھ اس مدت میں جو ہو مرتھن کھائے اور وہی اس جانور کو خوراک دے اس طرح جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

(جواب ۱۷۰) رہن کی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ رہن میں مرتھن کو فقط حق حبس ہوتا ہے اور شرط انتفاع مفضی الی الربا ہے مرہون کے منافع اور زوائد راہن کی ملک ہیں اسی طرح اس کا نفقہ بھی راہن کے ذمے پس مرتھن زمین مرہونہ کی آمدنی یا جانور مرہون کے دودھ میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جس قدر زمین کا سرکاری لگان ادا کرنا پڑے۔ یا جانور کی خوراک میں صرف ہو۔ لا (یحل للمرتھن) الانتفاع به مطلقا لا باستخدام ولا سکنیٰ ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة الخ(درمختار) قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع الا نتفاع ولو لاہ لما اعطاہ الدراهم وهذا مما یعین المنع والله تعالیٰ اعلم انتهیٰ مختصرا (ردالمحتار)[1] و نفقة الرهن والخراج والعشر علی الراهن (درمختار) قوله و نفقة الرهن کماکله و مشربه وکسوة الرقیق واجرة ظئر ولد الرهن الخ(ردالمحتار)[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ 'مدرس مدرسہ امینیہ شہری مسجد 'دہلی۔

کیا ہندو کی رہن رکھی ہوئی چیز سے مسلمان مرتھن نفع اٹھا سکتا ہے ؟

(سوال) ایک ہندو اپنی زمین جس میں وہ کاشت کرتا ہے ایک مسلمان حنفی کے یہاں رہن رکھنا چاہتا ہے آیا وہ مسلمان اس زمین کو رہن رکھ کر اس زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۷ عمر الدین خاں پچھن گڈھ '۲۵ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۱) اصل میں تو دخلی رہن ناجائز ہے بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر کفار کے ساتھ ایسے معاملہ کو جائز کہتے ہیں جس میں غیر مسلم سے اس کی رضامندی کے ساتھ کوئی نفع حاصل ہو جائے۔ میں تو احتیاط اس کے ترک میں ہی سمجھتا ہوں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (رد المحتار' کتاب الرهن ٦/ ٤٨٢' ط سعید)
(۲) (الدر المختار' کتاب الرهن ٦/ ٤٨٧ ط سعید)
(۳) (دارالحرب کے متعلق تفصیلی بحث ص ۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

مرہون شئ سے نفع کی شرط کے لکھنے کی اجرت کا حکم

(سوال) کاتب الرہن کو رہن نامے کے لکھنے پر اجرت لینی جائز ہے یا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ رہن رکھنے والا شئ مرہون سے یقیناً فائدہ اٹھائے گا۔ المستفتی نمبر ۲۵۲ مولوی عبدالوہاب خرکی ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۲) اگر رہن نامہ میں بھی نفع اٹھانے کی شرط لکھی جائے تو اس کی کتابت اور کتابت کی اجرت ناجائز ہے[1] اور یہ شرط تحریر نہ ہو تو پھر کاتب کے لئے رہن نامہ کی کتابت اور اس کی اجرت لینی جائز ہے۔[2]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مکان کو نفع اٹھانے کی غرض سے رہن رکھنا

(سوال) اگر کوئی شخص اپنے روپے سے کوئی مکان رہن اس شرط سے رکھے کہ اس کی آمدنی خود کھائے گا اس طرح رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۵ ماسٹر یونس خاں لاہور ۸ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۳ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۳) شے مرہون سے مرتہن کو نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بھی سود کا حکم رکھتا ہے۔[3]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زرعی زمین پر رہن رکھنے کا حکم

(سوال) زمین زرعی (زرخیز) رہن لینی دینی جائز ہے یا نہیں؟ اگر مرتہن اپنے ذمہ خرچ چاہ کی مرمت و خرچ سرکاری معاملہ وغیرہ لے لے تو کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم ۱۳۵۳ھ م ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۷۴) زرعی زمین رہن رکھنی جائز ہے مگر مرتہن کو اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں[4] زمین مرہونہ پر جو مصارف مرتہن کرے اسی قدر مصارف راہن سے لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ مصارف راہن کی اجازت سے لئے ہوں[5] اس سے زیادہ نفع حاصل کرنا سود کے حکم میں ہے۔[6] محمد کفایت اللہ

---

(۱) کیونکہ رہن سے نفع اٹھانا ناجائز ہے لہذا نفع اٹھانے کی شرط سے رہن رکھنا جائز نہیں اس لئے اس ناجائز شرط کو لکھنا اور اس کی اجرت لینا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک ناجائز کام کی معاونت ہے ناجائز کام کی اجرت کی طرح اس کی اجرت بھی حلال نہیں۔

(۲) جیسے کہ مفتی کو کتابت فتویٰ پر اجرت لینا جائز ہے فی الدر. و یستحق القاضی الاجر علی کتب الوثائق قدرما یجوز لغیرہ کالمفتی فانہ یستحق الاجر المثل علی کتابۃ الفتوی (الدرالمختار کتاب الاجارۃ ۶/ ۹۲۰ ط سعید)

(۳-۴) لا الانتفاع بہ مطلقا الا باذن کل للآخر و قیل لا یحل للمرتہن لانہ ربا و قیل ان شرطہ کان ربا والا لا (الدرالمختار کتاب الرہن ۶/ ۴۸۲ ط سعید)

(۵) وکل ما وجب علی احدھما فافداہ الآخر کان متبرعا الا ان یامرہ القاضی و یجعلہ دیناً علی الآخر (درمختار کتاب الرہن ۶/۴۸۷ ط سعید)

(۶) کیونکہ یہ قرض پر نفع ہے جو بلا کسی عوض کے ہے۔

مرہون مکان کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے

(سوال) اگر ایک مکان ایک شخص کے پاس رہن یا قبضہ ہو اور مرتہن وہ مکان راہن کو کرایہ پر دیدے اور بوقت بیع کرایہ مکان راہن سے زربیع میں مجرا کرلیوے آیا ایسی بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں اور ایسا کرایہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرایہ شرعاً بیاج یا ربوا شمار ہوگا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۸۰۳ شیخ محمد عبدالرشید (ملتان) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲ امارچ ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۱۷۵) یہ کرایہ بیاج ہے۔ کیونکہ مرتہن کو مرہون سے نفع حاصل کرنا درست نہیں۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

مرہون زمین کا نفع حاصل کرنا ناجائز ہے

(سوال) زمین رہن ہے اور اس کا منافع یا سود کھانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۲۹ حکیم تجمل حسین صاحب (ضلع گوجرانوالہ) ۲۸ صفر ۱۳۵۶ھ ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۶) زمین رہن رکھ کر اس کا منافعہ کھانا جائز نہیں۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مرتہن کا مرہون زمین یا مکان سے نفع اٹھانا

(سوال) زمین و مکان رہن رکھنے کی شرعی صورت کیا ہے رہن سے فائدہ کون اٹھائے گا اور کس تعیین و تفصیل کے ساتھ؟ المستفتی نمبر ۱۹۳۵ حافظ غلام حسین صاحب ریاست جیند ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۱۷۷) مکان 'زمین وغیرہ رہن رکھنا جائز ہے مگر مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا مرتہن مرہون مکان کا کرایہ ادا کر سکتا ہے؟

(سوال) (۱) زید نے بکر سے کچھ زمین رہن لی اور لیتے وقت یہ آپس میں معاملہ طے کرلیا کہ سرکاری مالگذاری کے وقت میں تمہاری زمین کا ۲ بیگھہ کے حساب سے کرایہ ادا کرتا رہوں گا۔ تمہاری زمین میرے پاس بمنزلہ کرایہ پر رہے گی اب جواب طلب یہ بات ہے کہ زید کے لئے اس زمین کی آمدنی جائز ہوگی یا نہیں اور اس زمین کی پیداوار میں زید پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ زید نے بکر سے یہ بات طے کرلی کہ جو میرے روپے تمہارے ذمہ ہیں فی روپیہ تمہاری زمین کو ایک سال استعمال کروں گا مثلاً پچاس روپے میں ایک بیگھہ زمین لی

(۱-۲-۳) فی الدر : لا الانتفاع بہ مطلقاً الا باذن (الدرالمختار ۶/ ۴۸۲)

تو پچاس سال اس زمین کو زید استعمال کرے گا بعد میں بلا روپیہ بکر کی زمین چھوڑ دے گا۔ المستفتی نمبر ۲۱۷۴ مولوی ہدایت خاں صاحب (گوڑ گانوہ) ۸ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء

(جواب ۱۷۸) زید مرتہن ہے اس نے بکر کی زمین رہن لی ہے تو زید کا زمین پر قبضہ رہن کا قبضہ ہے اس کو قبضہ اجارہ نہیں کہہ سکتے اب اگر وہ بکر کو زمین کا کرایہ (۲ فی بیگہ یا کم وبیش) دے کر زمین کو کرایہ پر اپنے پاس سمجھتا ہے تو اس کا قبضہ قبضہ رہن نہیں قبضہ اجارہ ہو گا اور زمین رہن سے خارج ہو جائے گی بہر صورت یہ صورت جائز نہیں (۱) کیونکہ رہن سے نفع اٹھانے کا یہ حیلہ تراشا گیا ہے جو حقیقت سے بہت دور ہے۔

(۲) اگر رقم کو زمین کے کرایہ کی رقم قرار دی جائے یعنی راہن کے ذمہ رقم باقی اور قائم نہ رہے تو یہ کرایہ کا معاملہ ہو گا (۲) اور اس میں صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ زمین کا کرایہ کس قدر رواجی ہے مثلاً عہ یا ۸ عہ فی بیگہ کی زمین ہے تو اس کو عہ یا عہ کے حساب سے چالیس پچاس سال کے لئے کرایہ پر لے لینا درست ہے کہ اتنی کی بیشی اس قدر طویل اجارے میں جب کہ اجرت پیشگی ادا کر دی جائے کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر زمین کا معمولی کرایہ بیگہ ہو اور لی صرف ایک روپیہ یا بیگہ تو یہ صورت قضاءً تو نافذ ہو جائے گی مگر دیانۃ مروت و ہمدردی کے خلاف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہ ہو گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دین کے بدلے زمین کرایہ پر لینا

(سوال) زید سے عمرو زمین اس شرط پر رہن لے رہا ہے کہ سالانہ پانچ یا دس روپے اپنی اس رقم سے جو کہ زمین پر دی ہے میں تجھے چھوڑ دیا کروں گا جب میری رقم اس طرح سے پوری ہو جائے گی تو زید اپنی زمین پر بلا پیسے قابض ہو جائے گا اور رقم پوری ہونے سے پہلے جو کہ باہم طے ہوا ہے زید زمین لے تو طے شدہ سالانہ رقم زید کو چھوڑ کر بقایا رقم عمرو زید سے لے لے تو شرعاً یہ رقم لینی اور اس شرط پر زمین رہن کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۱۷۹) زمین پر مرتہن کو صرف قبضہ کرنا جائز ہے اس کو کاشت کرنا یا کاشت کے لئے کسی کو دینا جائز نہیں (۳) اور اگر خود کاشت کرے تو اس کا پورا کرایہ راہن کو ادا کرے یا اس کی رقم میں سے وضع کرے اور اگر کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دی ہے تو اس کا پورا معاوضہ راہن کو دے یا رقم رہن میں سے وضع کرے۔ (۴) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) لا الا نتفاع به مطلقاً الا باذن الخ (الدر المختار' کتاب الرهن ۶/ ۴۸۲ ط سعید)

(۲) وتصح اجارة ارض للزراعة مع بیان ما یزرع عنها او قال علی ان ازرع فیها ما اشاء (الدالمختار' کتاب الاجارة ۶/ ۲۹ ط سعید)

(۳) لا الا نتفاع به مطلقاً الا باذن (الدرالمختار' ۶/ ۴۸۲ ط سعید)

(۴) اس لئے کہ اس رقم کا اصل مستحق راہن ہی ہے جو کہ اس صورت میں مؤجر ہے اور جس رقم پر زمین اجارے پر لی جائے مؤجر کو دینا ضروری ہوتا ہے۔

مرتہن مرہونہ زمین کی مالگذاری راہن سے لے سکتا ہے۔

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) اگر کوئی قرض دار اپنی زرعی اراضی مجبوری کے واسطے رہن کرے اور قرض خواہ مجبوراً اس کی مالگذاری ادا کرتا رہے اور رہن بالقبض تاادائے زر قرضہ کرے تو درست ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۰) مرتہن کو شئی مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔[1] ہاں جس قدر روپیہ مالگذاری میں مرتہن ادا کرے اس قدر روپیہ راہن سے وصول کر سکتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

رہن رکھی ہوئی زمین سے مرتہن کا نفع حاصل کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) جائیداد غیر منقولہ کو مالک سے بعوض کسی رقم کے مرتہن اس خواہش اور نیت سے رہن لیکر رہن نامہ تحریر کردے کہ مرہونہ کے منافع اور پیداوار سے فائدہ اٹھائے اور اس کی تین صورتیں ہوں :-

الف۔ کاشت و خرچ کاشت و ادائگی مالیہ سرکاری مرتہن کے ذمہ ہو۔

ب۔ کاشت و خرچ کاشت بذمہ راہن ہو اور مالیہ سرکاری بذمہ مرتہن ہو۔

ج۔ کاشت و خرچ کاشت و مالیہ سرکاری بذمہ راہن ہو اور مرتہن حصہ پیداوار اور حصہ منافعہ جائیداد مرہونہ لے۔

کیا یہ منافعہ شرعاً مرتہن پر حلال ہے؟ کیا ایسا وثیقہ رہن نامہ تحریر کرنا اور گواہی حاشیے پر ڈالنی شرعاً جائز ہے' کیا سوال نمبر ایک کے بموجب کسی صورت میں منافعہ جو مرتہن لیتا ہے اس کے واپانے کا دعویٰ بعد صدور ڈگری درخواست اجرائے ڈگری۔ ڈگری کے عوض گرفتار شدہ مدیون کا ضمانت نامہ حاضری تحریر کرنا محرر یا عرضی نویس پر جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۲) رہن کے متعلق تینوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ رہن کی یہ تمام صورتیں بقول راجح ناجائز ہیں اور مرتہن کو شے مرہون سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔[3] راہن کی گرفتاری کے بعد اس کا ضمانت نامہ تحریر کرنا کاتب کے لئے جائز ہے کیونکہ وہ اس صورت میں مظلوم ہے اگرچہ ایسا معاملہ کرنے کا گناہ گار وہ بھی ہے تاہم گرفتاری میں وہ مظلوم ہے۔[4] محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ دہلی۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ بالا صفحہ گزشتہ)

(۲) (و نفقة الرهن على الراهن والاصل ان مايحتاج اليه لمصلحة الرهن وتبقيته فهو على الراهن الخ) هداية' كتاب الرهن ٤ ٥٢٣ ط سعيد)

(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۳۳)

(۴) سودادا نہ کرنے پر گرفتار کرلینا ظلم ہے قال تعالیٰ لا تظلمون ولا تظلمون (الآیۃ)

رہن رکھی گئی زمین سے مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہمارے علاقہ میں اکثر مسلمان زرعیہ رہن لیتے ہیں اور بعض ان میں سے بجائے نصف یا ثلث حصے کے جو اکثر مزارعین مالکان اراضی کو دیا کرتے ہیں یہ ساتواں آٹھواں حصہ راہن کو دیکر یا سرکاری لگان صرف ادا کر کے باقی آمدنی زمین مرہونہ کی کھا جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اور منافع زمین مرہونہ کا مرتہن پر کسی طرح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ خالی رہنے سے زمین خراب ہوتی ہو۔

(جواب ۱۸۲) زمین مرہون سے مرتہن کو نفع اٹھانا حرام ہے۔[۱] زمین کو راہن اجارہ پر باجازت مرتہن دے سکتا ہے اسی طرح مرتہن باجازت راہن دے سکتا ہے[۲] مگر منافع کا حقدار اور مالک راہن ہو گا نہ کہ مرتہن۔[۳] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

رہن رکھی ہوئی جائیداد سے نفع اٹھانے اور اسے بیچنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک جائیداد زید کی جو بکر کے پاس اس شرط پر ایک وقت معینہ کے لئے گروی ہے کہ وہ جائیداد کی آمدنی اس وقت تک اس کے روپے کے معاوضہ یعنی بطور سود حاصل کرتا رہے زید اور بکر کے ایگریمنٹ کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے ایسی صورت میں زید کے حق ملکیت کو کسی جمعیۃ کے لئے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۸۳) یہ رہن اگرچہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں مرتہن شئی مرہون سے فائدہ حاصل کر رہا ہے جو ربوا ہے[۴] لیکن اس جرم کے مرتکب راہن اور مرتہن ہیں راہن سے جس نے جائیداد مرہونہ خریدی ہے وہ اس جرم میں شریک نہیں اس کے بعد یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ شئی مرہون کی بیع صحیح ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرہون کی بیع حالت رہن میں صحیح موقوف ہوتی ہے اگر مرتہن بیع کی اجازت دیدے تو صحیح و نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ اجازت نہ دے تو بذریعہ حاکم فسخ کرائی جائے گی بہر حال مشتری پر کوئی الزام و گناہ عائد نہیں ہو گا۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۴۴)
(۲) ولا یبیعہ المرتہن او الراہن الا برضاء الا خر' فی الحاشیۃ یعنی لا یملک احدھما ابطال حق صاحبہ بغیر اذنہ (کنز الدقائق' کتاب الرہن ص ۴۴۲ ' ط امدادیہ)
(۳) اس لئے کہ زمین کا مالک وہی ہے۔ لانہ نماء ملکہ
(٤) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۴۴)
(۵) ووقف بیع المرہون و المستاجر والارض فی مزارعۃ الغیر علیٰ اجازۃ مرتہن و مستاجر و مزارع' وفی الشامیۃ: ای فان اجازہ المرتہن والمستاجر نفذ وھل لملکان الفسخ قیل لا وھو الصحیح (الدرالمختار' فصل فی الفضولی ۵ ۱۱۳ ط. سعید)

قرض کے عوض زمین کرایہ پر دینا

(سوال) زید نے بکر کو مبلغ چار سو روپے چار بیگھ اراضی پر مدت مقررہ چالیس سال کے لئے دے دیئے اور کہہ دیا کہ بعد چالیس سال کے تیری اراضی واپس کردی جاوے گی اور میری رقم مذکورہ ادا ہو جاوے گی نہ میرا کوئی حق باقی نہ تیرا اور اگر اس چالیس سال مدت مذکورہ سے پہلے اپنی اراضی مذکور کو بکر لینا چاہے گا تو دس روپیہ فی سال کے حساب سے چار سو روپیہ کی رقم میں سے دس روپیہ فی سال کم کردی جائے گی اور باقی رقم بکر سے ادا کرلی جاوے گی کسی قسم کی چون وچرانہ ہوگی اس صورت مذکور کو عام بول چال میں میعادی رہن بولتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ المستفتی حاجی سردار امام نگر عرف کھینچاتان ڈاکخانہ نگینہ ضلع گوڑگانوہ ۲۳ مئی ۱۹۵۲ء

(جواب ۱۸۳) یہ صورت کہ چار سو روپیہ میں زمین چالیس سال کے لئے رہن رکھی اور زمین سے رہن پر لینے والا نفع اٹھاتا رہے ناجائز ہے[1] ہاں یہ دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ چالیس سال کے لئے دس روپے فی سال کے حساب سے کرایہ پر دی تو یہ جائز ہوگا اور اگر چالیس سال سے پہلے زمین واپس لے تو اتنی مدت کا کرایہ واپس کردے جتنی مدت پہلے زمین واپس لی ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تیسرا باب
تصرف فی المرہون

رہن رکھی ہوئی زمین کو زراعت پر دینا

(سوال) زید نے زمین عمرو کے پاس رہن رکھی اور بعد میں اسی زید نے اپنی مرہونہ زمین کو آدھے حصہ پر زراعت کرنے کو عمرو مرتہن کو دی اور خرچہ زراعت زید و عمرو دونوں نے پورا کیا اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ صورت شرعاً کیسی ہے؟

(جواب ۱۸٤) صورت مسئولہ میں زید راہن کا زمین مرہونہ عمرو مرتہن کو مزارعۃ دینا صحیح ہے اور اگر بیج راہن کا ہو تو رہن بھی باطل نہ ہوگا ہاں اگر بیج مرتہن کا ہو تو رہن باطل ہو جائے گا۔ وان اخذ المرتهن الارض مزارعة بطل الرهن لو البذر منه ولو من الراهن لا انتهی (ردالمحتار)[3] واللہ اعلم

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۴۴)
(۲) اس صورت میں یہ عقد اجارہ ہوگا۔
(۳) (رد المحتار' کتاب الرهن ٦: ٥١١ ط سعيد)

کیا مرتہن مرہونہ زمین کاشت کے لئے لے سکتا ہے؟

(سوال) اگر کوئی شخص کوئی زمین اپنے پاس رہن رکھے پھر راہن سے اس زمین کو اس کے لگان سے زیادہ روپیہ دیکر خود کاشت کے لئے لے لے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بیان فرمائیں جزاکم اللہ خیراً

(جواب ۱۸۵) اس صورت میں اگرچہ مرتہن کو نفع اٹھانا جائز ہو جائے گا۔ مگر وہ عقد رہن کہ مابین مرتہن وراہن ہوا تھا باطل ہو جائے گا اسے عقد رہن بنانے کے لئے عقد جدید کی ضرورت ہوگی۔ بخلاف الاجارة والبیع والھبة والرھن من المرتھن او من اجنبی باشرھا احدھما باذن الآخر حیث یخرج عن الرھن ثم لا یعودا لا بعقد مبتد ألانھا عقود لازمة الخ[1] (درمختار)

چوتھا باب
بیع بالوفا

بیع بالوفاء کی صورت میں خریدار کا مبیع سے نفع حاصل کرنا

(سوال) ایک عورت بیوہ ہے اور اس کی لڑکی کی شادی عنقریب ہے بوجہ پردہ وہ عورت خود کچھ نہیں کر سکتی اور اس کو روپے کی ضرورت ہے۔ اور ہم اس کو قرض حسنہ دینا چاہتے ہیں لیکن وہ کوئی چیز رہن رکھ دے یا بیع وفا کرلے آیا یہ بیع وفا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

(جواب ۱۸۶) بیع بالوفا یعنی اس طرح سے بیع کرنا کہ بائع مشتری سے یوں کہے کہ اگر تم روپیہ واپس کردو گے تو میں تمہاری چیز واپس کردوں گا۔ یا بائع کہے کہ میں یہ چیز تمہارے ہاتھ فروخت کردوں گا یہ نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت یہ رہن کی صورت ہے اور رہن میں مرتہن کو شئ مرہون سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ وفی حاشیة الفصولین عن جواھر الفتاوی ھو ان یقول بعت منك علی ان تبیعد منی متی جنت بالثمن فھذا بیع باطل وھورھن و حکمه حکم الرھن وھو الصحیح اہ قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذاالبیع و فیه مفسدة عظیمة و فتواك انه رھن و انا ایضا علی ذلك فالصواب انا نجمع الائمة و نتفق علی ھذا و نظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر ذلك بین الناس فمن خالفنا فلیبر ز نفسه و لیقم دلیله اہ البیع الذی تعارفه اھل زماننا احتیالا للربا و سموہ بیع الوفا ھو رھن فی الحقیقة لا یملکه ولا ینتفع به الا باذن مالکه الخ جامع الفصولین (ردالمحتار) ملتقطا[2]

---

(۱) (ردالمحتار کتاب الرھن ۶ / ۵۱۱ ، ط، سعید)
(۲) (ردالمحتار باب الصرف مطلب فی بیع الوفاء ۵ / ۲۷۶ ط سعید)

بیع بالوفاء کا حکم

سوال) ایک شخص نے زمین زراعتی وسکنی دوسرے شخص کی اس شرط پر خریدی کہ اگر میرا کل روپیہ جسٹری شدہ پانچ سال کے اندر واپس کر دو گے تو میں تمہاری خرید شدہ زمین واپس کر دوں گا یہ بیع جائز ہے یا ہیں اور اس زمین کی پیداوار اور کرایہ وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۶۵** مورخہ ۷ رمضان مبارک ۱۳۵۲ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

جواب ۱۸۷) یہ صورت وہی ہے جس کو عام طور پر بیع الوفا کہا جاتا ہے اور بیع الوفا اس شرط سے جو سوال میں مذکور ہے بیع فاسد اور حرام ہے۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پانچواں باب
قرض کو اوٹ لینا (حوالہ)

۱) کیا قرض کی سندات کو خریدنا بیع ہے؟
۲) ضمانت کی اجرت کا حکم

سوال) (۱) زید نے ایک دوکان ہزار روپے میں خرید کیا اور یہ شرط قرار پائی کہ دو سو پونڈ نقد دیا جائے اور ما رقم کے پی نوٹ پچاس پچاس پونڈ کے لکھ دیں کہ ہر ماہ میں زید ایک نوٹ پچاس پونڈ کی ادا کرتا رہے گا نانچہ زید نے ۲۰۰ پونڈ نقد دیئے اور ۱۶ نوٹ لکھ دیئے اور بیع کر لی اور بائع عمر نے نقد رقم اور نوٹ اور بل پر بضہ کر لیا اب عمر کو اس بل کے نقد رقم ادا کرانے کی ضرورت درپیش ہوئی اور بکر کے پاس گیا کہ وہ اس خرید لے بکر نے اس نوٹ اور بل کو جس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک رقم پر امیسری خط ہے جس میں محررہ قم کی ادائیگی کا معینہ تاریخ پر وعدہ ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں مقدمہ کر کے وصول کر سکتا ہے اور اس ں ایک قسم کا خطرہ ہے کہ زید اس کو وقت پر ادا کرے گا یا نہیں تو بکر نے ۸۰۰ پونڈ کے بل پی نوٹ کو ۵۰۷ نڈ نقد میں خرید کر لیا تو یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کو بینک سے روپیہ نکالنا ہے یا پرامیسری نوٹ کے نقد روپے بینک سے لینا ہو لیکن بینک بلا ضمانت ں کو نہ دیتا ہو اس لئے وہ عمر کو جو کہ معتبر آدمی ہے ہمراہ بینک میں لے گیا اور اس نے اپنی ضمانت اور سعی ے زید کو روپیہ دلوا دیا اور اس ضمانت اور سعی کے عوض پانچ دس پونڈ بطور اجرت زید سے لیا تو اس رقم کی سعی ر ضمانت کے عوض کوئی رقم زید سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۲۳۴** فخر الدین ڈاجھیلی جوہانسبرگ) ۷ صفر ۱۳۵۷ھ ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء

---

(۱) (بحوالہ بالا صفحہ گزشتہ)

(جواب ۱۸۸) (۱) یہ معاملہ درحقیقت بیع نہیں ہے کیونکہ وہ پی نوٹ مبیع نہیں ہیں بلکہ وہ اس قرضہ کی سندات ہیں جو زید کے ذمے عمر کا واجب الادا ہے عمر نے بکر سے جو رقم لی ہے وہ بکر کا ایک قرض ہے جو عمر کے ذمے واجب ہوا عمر نے بکر کو زید پر حوالہ کیا ہے پس یہ عقد بطور حوالہ[1] کے حوالہ کی شرائط[2] کے ساتھ صحیح ہوگا اور اس میں ۵۰ پونڈ کی کمی زیادتی باطل ہوگی[3] (۲) نہیں یہ اجرت جائز نہیں۔ اگر یہ اجرت عمل کی ہو تو اجر مثل ہونی چاہئے اور پھر بینک تک جانا اور زید کی شناخت کر دینا صرف یہی عمل ہے اگر اس پر بھی بینک روپیہ نہ دے تاہم عمر کو اجر مثل دینا زید پر واجب ہوگا۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

چھٹا باب

دین کی خرید و فروخت

دین کی بیع غیر مدیون سے کرنا

(سوال) عمر زید سے ہمیشہ مال ادھار لے کر فروخت کیا کرتا تھا اس سلسلے سے زید کی ایک معقول رقم عمر کے ذمہ باقی تھی جب زید نے تقاضا کیا تو عمر و اس مقام سے بھاگ کر اپنے وطن چلا گیا اور بہت زمانے تک واپس نہیں لوٹا زید نے خیال کیا کہ اگر تین سال کامل گزر گئے تو قانون سرکاری کی رو سے میرا دعویٰ عمر و پر نہ چل سکے گا اس نے اپنا بقایا روپیہ نصف قیمت پر فروخت کرنے کا ارادہ لوگوں میں ظاہر کیا کہ اگر کوئی شخص میرا بقایا روپیہ جو عمر و کے ذمہ باقی ہے خرید کرے تو نصف معاوضہ پر فروخت کرتا ہوں چنانچہ خالد نے زید سے بقایا روپیہ نصف قیمت پر اس شرط سے خریدا کہ زید باقاعدہ عمر و پر عدالتی چارہ جوئی کر کے بقایا کی ڈگری وصول کر کے میرے حوالہ کرے تو میں اصل بقایا اور عدالتی خرچ ان سب کے مجموعے کو نصف قیمت پر خریدتا ہوں اور اگر اتفاق سے ڈگری وصول نہ ہوئی اور ناکامیابی ہوئی تو یہ معاملہ فسخ سمجھا جائے زید اس طرح معاملہ کرنے پر راضی ہوا تو خالد نے بطور بیعانہ کچھ روپیہ زید کو دیا کہ اگر ڈگری وصول ہوئی تو نصف قیمت پر معاملہ صحیح ورنہ بیعانہ خالد کو واپس دیا جائے۔ اس کے بعد زید نے عدالتی چارہ جوئی کر کے عمر و پر ڈگری وصول کی اور

---

(۱) العبرة في العقود للمقاصد والمعاني لا الالفاظ والمباني (قواعد الفقه ص ۹۱)

(۲) حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محیل اور محتال کی رضامندی شرط ہے فی الهداية : وتصح الحوالة برضاء المحيل والمحتال والمحتال عليه اما المحتال فلان الدين حقه وهو الذي ينتقل بها والذمم متفاوتة فلا بد من رضاه واما المحتال فلا نه يلزمه الدين (هداية كتاب الحوالة ۳ / ۲۹ ط سعيد)

(۳) یونڈ یہاں پچاس پونڈ کا کمیشن نفع ہے جو عوض ہے اس اندیشہ کا جو عمر و کو زید سے قرض ملنے یا نہ ملنے میں تھا اور اس طرح کا (اندیشہ) کی اجرت ناجائز ہے کیونکہ ایسی صورت میں اجرت کی شرط لگانا یا اجرت کا متعارف ہونا ناجائز ہوتا ہے تو یہ ... ہے وقالوا الدلال تكن بالمنفعة مشروطة ولا متعارفة فلا باس فيه (كتاب الحوالة ۵ / ۳۵ ط سعيد)

(۴) و تفسد بجهالة المسمى كله او بعضه ... و تفسد بعدم التسمية اصلا او بتسمية خمر او خنزير فان فسدت بالاخيرين بجهالة المسمى و عدم التسمية وجب اجر المثل يعني الوسط منه (الدر المختار كتاب الاجارة ۶ / ۴۸ ط سعيد)

خالد کے حوالہ کی اور اس ڈگری کا روپیہ عمرو سے وصول کرنے کے لئے زید نے خالد کو اپنا مختار بنایا اور زید نے حسب شرط مذکورہ بالا اصل بقایا اور عدالتی اخراجات کے مجموعہ کی نصف رقم بیعانہ وضع کر کے خالد سے وصول کی اور خالد نے اپنے اصیل کی جانب سے بحیثیت مختار زید عدالتی چارہ جوئی کر کے عمرو سے کل عدالتی اخراجات اور کل بقایا وصول کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیہ ڈگری کے حوالہ کی خریداری کہ اگر ڈگری ہو تو عقد صحیح ورنہ فسخ شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟ دائن سے قرض خریدنا خواہ کسی قیمت پر ہو جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر جائز ہے تو کم معاوضہ سے خرید کر مدیون سے پوری رقم وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اور خالد نے اس طرح عمرو سے جو رقم وصول کی یہ خالد کے لئے حلال ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۸۹) زید کا جو دین کہ عمرو کے ذمہ ہے اس کی بیع خالد کے ہاتھ بہر حال ناجائز ہے خواہ ڈگری حاصل کرنے کی شرط ہوتی یا نہ ہوتی۔ کیونکہ دین کی بیع غیر مدیون سے جائز نہیں۔ **في الدر المختار وافتى المصنف ببطلان بيع الجامكية لما في الاشباه بيع الدين انما يجوز من المديون' انتهى' وفي رد المحتار اذا باع الدين من غير من هو عليه لا يصح انتهى مختصراً**[1] اس کے علاوہ اس بیع میں عدم جواز کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ کل مطالبہ مع خرچہ کو نصف پر فروخت کیا ہے تو گویا ہزار روپے کو پانچ سو کے بدلے میں فروخت کیا اور یہ ربوا ہے[2] پس چونکہ یہ معاملہ ناجائز ہے اس لئے خالد نے عمرو سے جو رقم وصول کی وہ اس کے لئے حلال نہیں واجب الرد ہے اور اپنی رقم زید سے واپس لے جو اس نے زید کو دی ہے اور زید اپنا مطالبہ عمرو سے وصول کرے۔

لیکن اگر خالد کو زید نے اپنے دین کے وصول کرنے کا وکیل بنایا تھا اور خالد نے عمرو سے بحیثیت وکالت رقم دین وصول کی ہے تو زید کو حق ہے کہ خالد سے پوری وہ رقم جو اس نے عمرو مدیون سے بحیثیت وکالت وصول کی ہے وصول کر لے۔[3] اور چونکہ زید اور خالد کا معاملہ بیع صحیح نہیں ہوا ہے اس لئے خالد کو اس کا وہ نصف قرض کے برابر روپیہ واپس دیدے جو اس نے بحیثیت قیمت نصف کے برابر اس سے لیا تھا۔[4] واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (الدر المختار' مطلب في بيع الجامكية ٤/ ٥١٧ ط سعيد)

(۲) فان وجدا حرم الفضل اى الزيادة والنساء (الدر المختار' باب الربا ٥/ ١٧٢ ط س)

(۳) کیونکہ وہ تمام رقم زید کی مملوک ہے۔

(٤) واذا بطل البيع يجب رد المبيع ان كان قائماً و قيمته ان كان هالكاً كما في البيع الفاسد (فتح القدير' باب الصرف ٥/ ١٥٥ ط)

ساتواں باب
ضامن بننا

کیا دائن نیا دین ضامن سے لے سکتا ہے ؟

(سوال) زید نے بکر کو محمود کی دکان سے اپنی ضمانت پر کچھ مال دلوایا اور کھاتہ کھلوایا اور زید اور بکر دونوں نے نشان انگوٹھا لگا دیا بعد ازاں بکر محمود کی دوکان سے برابر مال لیتا رہا زید نے کوئی اطلاع زبانی یا تحریری محمود کو نہیں دی کہ بکر کو اب آئندہ مال نہ دیا کرو ایک عرصہ تک لین دین جاری رہا بعد ازاں بکر کا انتقال ہو گیا تو محمود کا روپیہ بروئے کھاتہ بذمہ زید و بکر باقی رہ گیا زید و بکر دونوں غیر مسلم ہیں بکر متوفی کی صرف ایک بیوہ موجود ہے ایسی صورت میں محمود کس سے اپنا روپیہ وصول کرے۔ المستفتی نمبر ۱۰۲۱ شیخ حافظ احسان اللہ و محمد الیاس (صدر بازار دہلی) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۷ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۱۹۰) زید نے اگر بکر کی ہمیشہ کے لئے اور تمام لین دین کے متعلق ضمانت کی تھی تو محمود اپنا تمام قرضہ زید ضامن سے وصول کر سکتا ہے لیکن اگر زید نے ہمیشہ کے لئے تمام لین دین کی ضمانت نہیں کی تھی بلکہ پہلی مرتبہ مال دلواتے وقت ضامن ہو گیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ آئندہ بھی جو مال بکر لیا کرے گا اس کا بھی میں ضامن ہوں اور محمود کو بطور خود بکر کا اعتبار ہو گیا اور اس نے لین دین جاری کر دیا تو زید صرف پہلی مرتبہ کے دین کا ضامن ہو گا اس کے بعد کا تمام قرضہ بکر کے ترکہ سے وصول کرنے کا محمود حق دار ہو گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مقروض کو مفلس قرار دیا جائے تو ضامن سے قرض وصول کیا جائے گا یا نہیں ؟
(الجمعیۃ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص پر بہت سا قرض ہو گیا ہے قرض خواہوں میں سے ایک شخص جو مقروض کا چچازاد بھائی ہے اس نے اپنے قرض کی وصولی کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو بعض مسلمانوں نے اسے سمجھایا کہ فی الحال اپنا مقدمہ واپس لے لو ورنہ مقروض کو دوسرے قرض خواہوں کی طرف سے سخت نقصان برداشت کرنا پڑے گا تو وہ اس شرط پر رضامند ہیں کہ اگر مقروض نے مدت معینہ میں میرا دین ادا نہیں کیا تو میں آپ لوگوں سے وصول کروں گا اور اس کے لئے تین شخص ضامن بنیں تین مسلمانوں نے شرط مذکورہ کو قبول کیا

---

(۱) فی العالمگیریۃ اذا قال الرجل لغیرہ بایع فلانا فما بایعت من شئ فھو علی فھذا جائز استحسانا فاذا باعہ متاعا بای جنس باعہ و بای قدر باعہ لزم الکفیل ذالک وایضا فیہ ولو قال ان بعتہ متاعا واذا بعتہ متاعا فانا ضامن بثمنہ فباعہ متاعا نصفین کل نصف بخمس مائۃ احدھما قبل الآخر لزم الکفیل الاول دون الثانی (عالمگیریۃ کتاب الحوالۃ الفصل الخامس فی التعلیق والتعجیل ۳/ ۲۷۱ ط ماجدیہ کوئٹہ)

اور مقروض کی طرف سے ضامن ہوئے اور یہ لوگ ضامن محض اس وجہ سے ہوئے کہ ایک مسلمان کو اس مصیبت سے چھڑائیں۔ اثنائے مدت متعینہ میں حکومت وقت نے مقروض کو مفلس ظاہر کر دیا حکومت خود بھی یتیموں کی طرف سے بطور والی قرض خواہ تھی۔ جب حکومت نے اس کو مفلس ظاہر کر دیا تو اس نے یتیموں کا قرض جو اس کے ذمہ تھا ادا کر دیا اور اول الذکر قرض خواہ کو ادا نہیں کیا اب اس قرض خواہ نے ضامنین کو پکڑا کہ میرا قرض دلوائیے یا دیجئے اب سوال یہ ہے کہ اول الذکر قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ ضامنین سے کر سکتا ہے یا نہیں اگر کر سکتا ہے تو ضامنین قرضدار کی طرف رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ شریعت اسلامی میں مفلس کا کیا حکم ہے ؟

(جواب ۱۹۱) ہاں اول الذکر قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ ان اشخاص سے کر سکتا ہے جو ادائیگی کے ضامن ہوئے تھے۔ ضامن قرضدار کی طرف رجوع کر سکتے ہیں[1] اور جو رقم اس کے قرض میں ادا کریں وہ قرضدار سے وصول کرنے کے مستحق ہیں مفلس یعنی دیوالیہ قرار دیئے جانے سے قرضدار ان مطالبات سے جو اس کے ذمہ واجب ہیں شرعاً بری نہیں ہوتا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آٹھواں باب
غیر جنس میں قرض وصول کرنا

مشترکہ مکان سے شریک کے حصے کو بیچ کر قرض وصول کرنا

(سوال) ماقولكم دام فضلكم شركاء في دار كائن بمكة المعظمة استدان احد الشركاء من شريكه والحال ان الشريك الدائن ذواليد في الهند و يتصرف في الدار المذكور وكيل الدائن المقيم في مكة المعظمة ثم ان الشريك المديون قال اني بعت حصتي ما يخصني من الدار من ابني بغير اطلاع شركائه وادعى ان ابني باع سهم المشتراة على ذى اليد الدائن فقال ذواليد الدائن اني قد استوفيت السهم بقيمته واسقطه من الدين الذى لى قبل تصرف المديون بزمان متمسكا بعبارة الشامى فى جواز اخذ الدائن من مال مديونه من خلاف جنسه (جلدثالث ص ۲۷۷) وارخ تصرف اسقاطه و ثبت تصرف الدائن قبل تصرف المديون فهل له ذلك

---

(۱) ولو كفل بامره اى بامر المطلوب بشرط قوله عنى او على انه على وهو غير صبى و عبد رجع عليه بما ادى بما ضمن وان بغيره لا يرجع لتبرعه (الدرالمختار' كتاب الكفالة ۵ / ۳۱۴ ط سعيد)

(۲) مدیون کی طرف سے ادائیگی یا دائن کی طرف سے معافی ان دو چیزوں میں سے کسی ایک کے بغیر مدیون بری نہیں ہوتا " والدين الصحيح هو ما لا يسقط الا بالاداء او الا براء" (الدرالمختار' كتاب الكفالة ۵ / ۳۰۲ ط سعيد)

الاسقاط و يسقط بهذا الجواب مطالبة المشتری الا جنبی علی ذی الید ام لا؟ بینوا توجروا
(ترجمہ) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مکان جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اس کے مالک چند شرکاء ہیں ایک شریک نے دوسرے شریک سے قرض لیا تھا قرض دینے والا شریک ہندوستان میں تھا اور اس کی طرف سے اس کا وکیل مقیم مکہ اس مکان مذکور کے اس حصے پر متصرف تھا جو اس کے موکل کی ملکیت تھا پھر قرض دار شریک نے کہا کہ میں نے مکان مشترکہ میں سے اپنا حصہ اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور شرکاء کو اس کی کوئی اطلاع نہ تھی اور پھر یہ بھی بتایا کہ میرے بیٹے نے میرا حصہ خریدنے کے بعد دوسرے شریک قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے پس شریک قرض خواہ نے کہا کہ میں نے وہ حصہ بلا ادائیگی قیمت لے لیا ہے اور اپنے شریک قرض دار کو اس قرضے سے سبکدوش کرتا ہوں جو اس کے تصرف سے پہلے سے اس کے ذمہ چلا آرہا تھا اس معاملے میں قرض خواہ نے شامی کی اس عبارت کا سہارا لیا جو مال مدیون میں سے خلاف جنس قرض وصول کرنے کے جواز میں ہے (جلد ثالث ص ۲۷۷)
اور تصرف اسقاط کی پرانی تاریخ قرار دی جس سے تصرف مدیون سے قبل تصرف دائن ثابت ہو جانے تو کیا یہ اسقاط جائز ہے اور مشتری اجنبی یعنی ابن مدیون جو قرض کے معاملے سے بے تعلق ہے کیا اپنی قیمت کا مطالبہ نہیں کر سکتا؟

(جواب ۱۹۲) اصل مذهبنا معشر الحنفية عدم جوازا لاخذ من مال مديونه خلاف جنس دينه لكن قال الحموى فی شرح الكنز نقلا عن المقدسی عن جده الاشفر عن شرح القدوری للا خصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس كان فی زمانهم والفتوی اليوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال كان الخ (ردالمحتار ص ۱۰۳ ج ۵)[1] فعلی هذه الرواية يجوز للدائن ان ياخذ نصيب شريكه لكن يشترط ان يكون اخذه و قبضه قبل بيع المديون[2] حصته والا لا يصح الاخذ ولما اخذ و قبض الدائن قبل بيع المديون لم يصح بيع المديون من ابنه و لا بيع ابنه من اجنبی[3] هذا والله اعلم
(ترجمہ) ہم احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ مدیون کے مال سے دین کے علاوہ کسی دوسری جنس میں دین وصول کر لینا جائز نہیں ہے لیکن علامہ حموی نے شرح کنز میں مقدسی عن جدہ الاشفر عن شرح القدوری للاخصب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خلاف جنس قرض وصول کر لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانے میں تھا لیکن آج کل قول مفتی بہ یہ ہے کہ مدیون کا جس قسم کا مال قابو میں آجائے اس میں سے قرضہ وصول کر لینا

---

(۱) (رد المحتار' كتاب الحجر ٦ /١٥١ ، ط، سعيد)
(۲) کیونکہ فروخت کرنے کے بعد یہ ملک تو نہیں رہے گا اس کے بیٹے کی ملکیت ہو جائے گا اور دائن اپنے دین کے بدلے مدیون کی ملک تو لے سکتا ہے اس کے بیٹے کی ملک نہیں
(۳) اس لئے کہ جب دائن نے اپنے دین کے بدلے یہ حصہ قبضہ کر لیا تو یہ اس کی ملک ہو گیا اب مدیون کا اسے فروخت یہ ملک غیر کا فروخت کرنا ہو گا جو غیر کی اجازت پر موقوف ہے لما فی الدر : وقف بيع مال الغير لو الغير بالغا عاقلا فلو صغيرا او مجنونا لم ينعقد اصلا وهذا ان باعه علی انه لمالكه(الدر المختار فصل فی الفضولی ٥ / ١٠٧ ، ط، سعيد)

جائز ہے۔(ردالمحتار ص ۳۰۱ ج ۵) پس اس روایت کی بنا پر قرض خواہ کو جائز ہے کہ وہ اپنے قرضہ میں اپنے شریک دار کا حصہ لے لے مگر شرط یہ ہے کہ مدیون کے اپنے حصے کو فروخت کرنے سے پہلے قبضہ کرے ورنہ جائز نہیں۔اور بیع مدیون سے قبل اگر دائن نے قبضہ کر لیا اور لے لیا تھا مدیون کا اپنے حصہ کو اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کرنا اور اس کے بیٹے کا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا صحیح و جائز نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

کتاب الھبۃ و العاریۃ

پہلا باب

صحت وجواز ہبہ

کیا بیوی زوج کی کوئی چیز بلا اجازت ہبہ کر سکتی ہے ؟

(سوال) ہندہ نے اپنے شوہر کی کچھ چیزیں بغیر اجازت زید کو دیدیں اب شوہر زید سے وہ چیزیں طلب کرتا ہے تو زید نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں نے تم سے نہیں لیں میری ایک چیز ہندہ پر آتی ہے جب وہ میری چیز مجھ کو دے گی تب میں دوں گا اب ہندہ کا شوہر زید سے وہ اپنی چیز شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۱۹۳) ہندہ کو یہ اختیار نہیں کہ شوہر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دیدے ہبہ کے واسطے موہوب کا واہب کی ملک ہونا شرط ہے۔ ومنھا ان یکون ملکا للواھب فلا تجوز ھبۃ مال الغیر بغیر اذنہ لا ستحالۃ تملیک ما لیس بمملوك للواھب کذافی البدائع (ھندیۃ ص ۳۷۸ ج ٤)[1] اور جب کہ ہندہ خود مالک نہیں اور شوہر کی اجازت نہیں تو ہندہ کا یہ تصرف غصب کے حکم میں ہوا اور غصب میں غاصب اگر شئی مغصوب کو کسی کو عاریت دیدے یا امانت رکھ دے یا ہبہ کردے یا کوئی دوسرا شخص غاصب سے غصب کرلے ان سب صورتوں میں مالک کو اختیار ہے کہ خود غاصب سے تقاضا کرے یا جس کو اس نے بطور عاریت یا ہبہ یا ودیعت شئی مغصوب دی ہے یا اس نے غصب کرلی ہے اس لئے صورت مذکورہ میں شوہر ہندہ کو زید سے مطالبہ کرنے کا اختیار حاصل ہے ولو غصب رجل المغصوب من الغاصب فللما لك ان یضمن الا ول والثانی و یخیر المالك بین تضمین الغاصب و بین تضمین مودعہ ولوا عارہ الغاصب خیر المالك ولو وھب الغاصب المغصوب من انسان فھلك فی یدہ فضمنہ المالك لم یرجع علی الغاصب کذافی محیط السرخسی (ھندیہ ص ۱۶۳ ج ۵)[2]

---

(۱) (عالمگیریۃ کتاب الھبۃ الباب الاول ٤ / ۳۷٤ ط ماجدیۃ کوئٹہ)

(۲) (عالمگیریۃ کتاب الغصب ۵ / ۱٤۷ ط ماجدیہ)

مرض الموت میں وصیت کرنے کا حکم

(سوال) ایک عورت منکوحہ نے بمرض تپ دق اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سب وارثوں کو خاوند وغیرہ کو محروم کر کے اپنی والدہ حقیقی کو بخش کردی ہے اور بخشش نامہ سرکاری اشامپ پر لکھ دیا ہے بعد لکھنے کے مریضہ مذکورہ پندرہ روز کے بعد انتقال کر گئی آیا ایسی بخشش شریعت محمد ﷺ کی رو سے جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۱۹۴) صورت مذکورہ میں جو ہبہ کیا گیا ہے وہ ناجائز ہے اور اس کے عدم جواز کی چند وجہیں ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ ہبہ مرض الموت میں کیا گیا ہے اور مرض الموت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہے اور وارث کے لئے وصیت تاوقتیکہ دوسرے ورثہ راضی نہ ہوں جائز نہیں۔ ولا تجوز الوصیۃ للوارث عندنا الا ان یجیزھا الورثۃ انتھٰی (ھندیۃ ص ۹۹ ج ٦)[1] دوسرے یہ کہ مریض کو مرض الموت میں صرف ثلث تک وصیت کا حق ہے تو اگر یہ وصیت اجنبی کے لئے بھی ہوتی تاہم ثلث مال میں جاری ہوتی۔ ولا تجوز الوصیۃ بما زاد علی الثلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وھم کبار (ھندیہ ص ۹۹ ج ٦)[2]

کیا ایک مکان کئی افراد کو ہبہ کیا جا سکتا ہے ؟

(سوال) میری والدہ ماجدہ نے انتقال سے چند روز قبل ایک تحریر اپنے برادر کلاں سے اس مضمون کی لکھائی مکان پختہ عزیز الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن کو دیا گیا ان کی ملک کیا گیا اور مکان خام لطف الرحمٰن اور اہلیہ الطاف الرحمٰن کو دیا گیا اور عبدالرحمٰن اور فضل الرحمٰن رعایا میں مکان بنالیں میں اور میرے بھائی حبیب الرحمٰن کے والدین شریک تھے نصف مکان سے زائد میرے قبضہ میں رہا اور نصف سے کم میں میرے بھائی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مقیم تھے اور دراصل والدہ صاحبہ مکانات کی مالک نہ تھیں والد صاحب مالک تھے بعد چند ماہ والد صاحب ملازمت پر سے تشریف لائے تحریر والدہ ماجدہ پیش ہوئی اس پر تحریر فرمایا میں اس تحریر کو منظور کرتا ہوں اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور نصف مکان سے کم میں جو میرے بھائی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مقیم تھے ان کو علیحدہ کر کے کل مکان ہمارے سپرد کردیا تحریر والدین سیدی مولوی رشید احمد صاحب کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے فرمایا مکان تمہارا ہے مگر میں نے کچھ اس پر لکھایا نہیں اب یہ مکان ہماری ملک ہے یا نہیں مدلل تحریر فرمائیں ؟

(جواب ۱۹۵) ہبہ مشاع قابل قسمت اشیاء میں ناجائز ہے پس اگر مکان موہوب بڑا ہو اور بعد تقسیم قابل انتفاع یعنی رہنے سہنے کے قابل رہتا ہو تو اس کا ہبہ ناجائز ہوا کیونکہ سوال میں تقسیم کر کے ہبہ کرنے کا ذکر نہیں ہے ہبہ غیر مقسوم کا انہیں اشیاء میں جائز ہوتا ہے جو بعد تقسیم اس انتفاع کے قابل نہ رہیں جو قبل تقسیم ان سے حاصل تھا اور مشاع قابل قسمت میں معتبر قبضہ وہی ہے جو تقسیم کر کے کرالیا جائے۔ ویصح

(۲-۳) (عالمگیریۃ' کتاب الوصایا ٦/ ۹۰ ط ماجدیہ' کوئٹہ)

(ای الھبۃ) فی مشاع لا یقسم ولا یبقیٰ منتفعا بہ بعد القسمۃ من جنس الانتفاع الذی کان قبل القسمۃ کالبیت الصغیر والحمام ولا یصح فی مشاع یقسم و یبقی منتفعا قبل القسمۃ و بعد ھا ھکذا فی الکافی و یشترط ان یکون الموھوب مقسوما مفرز اوقت القبض الخ (عالمگیری)[1]

کیا ہندہ کے قول ”میں اپنا شیئر بیٹے کو دیتی ہوں“ سے ہبہ ہو جائے گا؟

(سوال) ہندہ نے سورتی بازار رنگون کا ایک شیئر (حصہ) اپنے بیٹے کو دیدیا تھا بیٹے نے بازار کمپنی کے دفتر میں اس حصے کو اپنے نام کرالیا اور پھر اسے فروخت بھی کرڈالا اور مشتری نے اپنے نام لکھالیا اب ہندہ کے بیٹے کا انتقال ہوا ہندہ کہتی ہے کہ میں نے وہ شیئر بیٹے کو ہبہ نہیں کیا تھا اور وہ اس کی آمدنی ماہواری ادا کرتے دیتا تھا اور دیگر ورثا کہتے ہیں کہ بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام وہ شیئر لکھا ہے اور ہندہ کے یہ الفاظ درج ہیں ”میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں“ یہ الفاظ ہبہ کی دلیل ہیں اور آمدنی ادا کرو الدہ کو دینا عدم ہبہ کی دلیل نہیں غرضیکہ والدہ عاریتہ دینا بیان کرتی ہے اور ورثہ ہبہ کے مدعی ہیں اس میں شرعی حکم کیا ہے ؟

(جواب ۱۹۶) واضح ہو کہ صرف بازار کمپنی کے دفتر میں بیٹے کے نام شیئر کا لکھا ہوا ہونا یا والدہ کا بیان کہ میں اپنے بیٹے کو اپنا شیئر دیتی ہوں لکھا ہوا ہونا حجت نہیں ہے بلکہ والدہ کا اقرار یا ہبہ کے گواہوں کا موجود ہونا ثبوت ہبہ کے لئے ضروری ہے پس اگر والدہ اپنے ان الفاظ کا اقرار کرتی ہو جو دفتر میں لکھے ہیں کہ ” میں اپنا شیئر پیار و محبت سے اپنے بیٹے کو دیتی ہوں“ یا اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ والدہ نے بیٹے کو شیئر ہبہ کیا تھا یا الفاظ مذکورہ کہے تھے تو بیشک شیئر مذکورہ ہبہ ہو گیا اور اگر بیٹے نے قبضہ بھی کرلیا ہو تو بیٹے کی ملک میں آ گیا اور اس کی بیع بھی صحیح ہو گئی اگرچہ یہ ہبہ مشاع ہے لیکن بقول مفتی بہ ہبہ مشاع بعد قبضے کے مفید ملک ہو جاتا ہے اگرچہ ملک فاسد ہی ہو ھبۃ المشاع فیما یحتمل القسمہ لا تجوز سواء کانت من شریکہ او من غیر شریکہ ولو قبضھا ھل تفید الملک ذکر حسام الدین فی کتاب الواقعات ان المختار انہ لا تفید الملک وذکر فی موضع آخرانہ تفید الملک ملکا فاسدا و بہ یفتی کذافی السراجیۃ انتھیٰ (عالمگیریۃ مطبوعہ مصر ص ۳۸۲ جلد رابع)[2] اور اگر والدہ ان الفاظ کا اور ہبہ کا اقرار نہ کرے اور ہبہ کے کوئی گواہ نہ ہوں تو پھر والدہ کا یہ قول کہ میں نے عاریۃً دیا تھا والدہ سے قسم لے کر قبول کیا جائے گا اگر وہ قسم سے انکار کرے تو صرف انکار پر ورثہ کا

---

(۱) (عالمگیریۃ' کتاب الھبۃ ٤ / ۳۷٦ ط ماجدیۃ)
(۲) (عالمگیریۃ' کتاب الھبۃ ٤ /۳۷۸ ط ماجدیہ کوئٹہ)

دعوئے ہبہ ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔
کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دہلی' الجواب صواب بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی' الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ' دہلی (مہر دار الافتاء مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی)۔

متبنیٰ کو جائیداد وقف کرنے کا حکم

(سوال) زید نے اپنے ایک بھائی عمرو کو بچپن سے اپنا بیٹا بنایا کیونکہ زید کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے ہاں زید کے بھائی بہن موجود ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ عمرو کو جو کہ اس کا متبنیٰ بیٹا ہے اپنی جائیداد کا کل حصہ یا جزو حصہ وقف کرے تو وہ ایسا کرنے میں عند اللہ گناہ گار تو نہ ہوگا۔ المستفتی نمبر ۵۴ ڈاکٹر حسین صاحب مراد آباد' ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۱۹۷) زید کو چاہئے کہ اپنی جائیداد کا ۳/۱ حصہ عمرو کے لئے وقف کردے باقی ۳/۲ دوسرے شرعی وارثوں کے لئے رہنے دے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تمام جائیداد ایک بیٹے کو ہبہ کرنا

(سوال) زید نے اپنی حیات میں کل جائیداد اپنے پانچوں بیٹوں میں بحصہ مساوی تقسیم کر کے دیدی اب زید حیات ہے اور زوجہ ثانی سے مسمی عزیز فوت ہوا جس کی عورت یا اولاد نہیں اور بروئے شرع محمدی زید کل جائیداد کا وارث ہوا اب باپ (زید) کل مال موروثہ حبیب کے نام ہبہ کرتا ہے اور تین بیٹے جو زوجہ اول سے ہیں ان کو محروم کرتا ہے کیا یہ ہبہ بروئے شرع محمدی جائز ہے یا سب بھائیوں میں تقسیم ہوگا۔ المستفتی نمبر ۲۸۰ سید محمد شفیق (ہولی ضلع پشاور) ۲۷ محرم ۱۳۵۳ھ م ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۹۸) اگر زید یہ مال جو عزیز سے اسے ترکہ میں ملا ہے کل کا کل حبیب کو ہبہ کردے گا تو ہبہ تو قضاءً صحیح ہو جائے گا مگر زید گناہ گار ہوگا۔ وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الا ضرار وان قصده یسوی بینهم یعطی البنت کالا بن عند الثانی و علیه الفتوی' ولو وهب کل المال للولد جاز واثم.[2] محمد کفایت اللہ۔

---

(۱) و عن سعد بن ابی وقاص قال مرضت عام الفتح مرضاً اشفیت علی الموت فاتانی رسول الله ﷺ یعودنی فقلت یا رسول الله ان لی مالا کثیرا و لیس یرثنی الا ابنتی افا وصی بما لی کله قال لا قلت فثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انك ان تذر و رثتك اغنیاء خیر من ان تذرهم عالة یتکففون الناس وانك لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله الا اجرت بها حتی اللقمة ترفع الیٰ فی امراتك (متفق علیه کذافی المشکوة ۱/۲۶۵ ط سعید)
(۲) (الدرالمختار' باب الهبة ۵/۶۹۶، ط، سعید)

ہبہ کی ہوئی جائیداد سے رجوع کا حکم

(سوال) زید کی دو زوجگان تھیں ان میں سے ایک فوت ہو چکی اس کی اولاد دو لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں دوسری زوجہ موجود ہے اس کے بطن سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے موجود ہیں زید نے اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دوسری زوجہ اور دو لڑکوں کو ہبہ کر دی جو اس کے بطن سے ہیں یہاں تک کہ مکان سکونت میں بھی اپنا حق سکونت ان کی مرضی پر منحصر کر دیا۔ اب موہوب لہم نے واہب سے اتنی بد سلوکی اختیار کی ہے کہ اس مکان میں قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کرتے اور زید کو اس کے پارچہ جات پوشیدنی تک اٹھانے میں معترض ہوتے ہیں۔ زید نے ان کی بد سلوکی دیکھ کر ہبہ منسوخ کر دیا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا ہبہ جائز تھا اور منسوخی خلاف شریعت ہے یا ہبہ جائز تھا اور منسوخی درست ہے ؟ **المستفتی** نمبر ۴۲۱ محمد سراج الدین صاحب بھاول پور ۲۰ رجب ۱۳۵۳ھ م ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء

(جواب ۱۹۹) ہبہ نامہ کی نقل ساتھ آتی تو پورا حکم بتایا جاسکتا تاہم اس قدر اس سوال سے بھی واضح ہوتا ہے کہ زید نے پہلی بیوی کی اولاد کو محروم کر کے دوسری بیوی اور اس کی اولاد کے نام ہبہ کیا تھا اور دوسری بیوی کی اولاد میں سے لڑکیوں کو محروم کیا صرف لڑکوں کو جائیداد ہبہ کی تو یہ ہبہ ناجائز اور حکم شرع کے خلاف تھا اور اس کی واپسی ضروری تھی شریعت میں ایسے ہبہ کو جور اور ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے جو اولاد میں سے بعض کے لئے ہو اور بعض کے لئے نہ ہو اور آنحضرت ﷺ نے ایسے ایک ہبہ کی واپسی کا حکم فرمایا تھا لہذا زید کا واپس لینا درست اور صحیح ہوا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مشترکہ مال بغیر تقسیم کئے بیٹوں کو ہبہ کرنے کا حکم

(سوال) شیخ محمد اسحٰق مرحوم نے اپنی ہی حیات میں مشترکہ مال تجارت میں سے جس کے اندر شریک غیر شخص بھی تھا اپنے حصہ مملوکہ کو ہر دو بالغہ دختران کو ہبہ کر دیا بغیر تقسیم کئے اور قبل از تقسیم و قبضہ دینے کے واہب کا انتقال ہو گیا یہ ہبہ صحیح ہوا یا نہیں ؟ **المستفتی** نمبر ۱۲۷ شیخ محمد صدیق دہلی ۲۳ شوال ۱۳۵۴ھ ۱۹ جنوری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۰۰) صورت مرقومہ میں بوجہ موجود ہونے شیوع (یعنی شرکت) کے جانبین سے ہبہ ہی نہیں ہوا لہذا یہ ہبہ قابل اعتبار نہیں بلکہ کالعدم ہو گیا اور اگر مانع جواز کا موجود نہ ہوتا تو بھی بوجہ موت واہب کے قبل از تقسیم و قبضہ دینے کے یہ ہبہ کالعدم و باطل ہو جاتا **والشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمة مانع من جواز الهبة بالا جماع الخ عالمگیری ج ۳**[2] **ص ۳۸۲ واذا مات الواهب**

---

(۱) عن النعمان بن بشير ان اباه اتى به الى رسول الله ﷺ فقال انى فحلت ابنى هذا غلاماً فقال اكل ولدك غلت مثله قال لا قال فارجعه الخ(متفق عليه كذافى المشكوة الفصل الاول ٢٦١/١ ط سعيد)

(۲) (عالمگیرية' كتاب الهبة' الباب الثاني فيما يجوز من الهبة وما لا يجوز ٣٧٨/٤ ط مصرى)

قبل التسلیم بطلت الخ ص ۴۰۷[1] فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی الجواب صحیح محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

میں نے یہ مکان صرف رہنے کے لئے دیا ہے' عاریت ہے

(سوال) زید کا یہ قول کہ مسماۃ رابعہ جو کہ میری بیٹی تھی' اس کو میں نے اس کی حیات تک ''اس کو صرف'' رہنے کو مکان دیا تھا ھذہ لك عمری سکنیٰ کے ذیل میں آتا ہے یا ''ھذہ لك عمری تسکنھا'' کے تحت میں؟ اور یہ کہ قول مذکور مکان کے دینے کو بتلاتا ہے یا صرف منفعت یعنی بود و باش کے دینے کو؟ اور یہ کہ میں نے تم کو تاحیات اس مکان کی بود و باش دی اور یہ کہ میں نے تم کو ''تاحیات'' رہنے کو مکان دیا کیا فرق ہے۔ المستفتی نمبر ۲۳۷۲ حاجی حامد شبیر خاں صاحب (ٹونک) ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۰۱) اردو میں دینے کا لفظ تملیک عین کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تملیک عین اور تملیک منفعت دونوں کے لئے مستعمل ہے اور اس قول میں کہ اس کو صرف رہنے کو مکان دیا دینے کی جہت کا بیان صراحۃً موجود ہے کہ تملیک منفعت کے لئے اور عربی کے جملہ داری ھبة تسکنھا کو اگر اردو زبان میں ادا کیا جائے تو یوں کہا جائے گا میرا گھر تمہارے لئے ہبہ ہے تم اس میں رہائش کرنا یا میں نے گھر تم کو ہبہ کیا تم اس میں رہنا یا میں نے تم کو گھر دیا تم اس میں سکونت کرنا ان صورتوں میں کہا جا سکتا ہے کہ رہائش کا ذکر بطور مشورہ کے ہے دینے کی جہت معین کرنے کے لئے نہیں لیکن اردو کی ان مثالوں میں 'میں نے تم کو صرف پڑھنے کے لئے قرآن دیا میں نے تم کو صرف پڑھنے کے لئے کتاب دی میں نے تم کو صرف لکھنے کے لئے فونٹن پین دیا میں نے تم کو صرف پانی پینے کے لئے گلاس دیا میں نے تم کو صرف سونے کے لئے پلنگ دیا' وغیرہ وغیرہ تملیک عین ہرگز نہیں سمجھی جاتی صرف تملیک منفعت مقصود ہوتی ہے یعنی یہ تمام قیود دینے کی جہت معین کرنے کے لئے ذکر کی جاتی ہیں کہ دینا اصل چیز کا مراد نہیں ہے کہ موہوب لہ اس کی ذات کا مالک ہو جائے اور بیچنا اور اپنی ملک سے منتقل کرنا بھی اسے جائز ہو بلکہ صرف نفع اٹھانے کے لئے دینا مراد ہے۔ پس صورت مسئولہ میں صرف سکونت مکان کا دینا تاحیات مراد ہے اور یہ عاریت ہے ہبہ نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل' فی الشامیة قولہ بطل ای عقد الهبة والاولی بطلت الخ (الدر المختار' کتاب الهبة' باب الرجوع فی الهبة ۵/۷۰۱ ط سعید)

(۲) و تصح ما اعبرتك واطعمتك ارضی　　الی قولہ　　وداری لك سکنی ای بطریق السکنی وداری لك عمری مفعول مطلق ای اعمر تها لك عمری سکنی تمییزہ یعنی جعلت سکناها لك مدة عمرك الخ (الدر المختار' کتاب العاریة ۵/ ۶۷۷، ط، سعید)

وراثت سے محروم کی ہوئی بیٹی کو شرعی طریقہ سے جائز حق دلوانا ثواب کا کام ہے!

(سوال) میرے والد مرحوم کی اولاد یا ورثا میں اس وقت چار بیٹے ہیں اور ایک بیٹی اب سے آٹھ برس پہلے مرحوم نے اپنی کل جائیداد سوائے جزوی حصص کے اپنے چاروں بیٹوں کے نام ہبہ کر دی تھی مگر اپنی بیبی کو کچھ نہیں دیا تھا حالانکہ بیٹی ان کی حیات میں بیوہ ہو چکی تھی جسکے دو بیٹے اور دو بیٹیاں اب بھی جوان اور غیر شادی شدہ ہیں اور وسائل آمدنی بہت کم اور محدود ہیں۔

ترکہ کے متعلق شرعی احکام اور خاص کر قرآن پاک کی ہدایتوں کو دیکھتے ہوئے مجھ ایسے گناہ گار کی اول روز سے یہ رائے تھی کہ والد صاحب سے یہ غلطی ہوئی اور اخلاقی و دینی اعتبار سے اس کی تلافی کرنا ہمارا فرض ہے اور اب تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مرحوم کی اس بھول سے شرعی احکام کی روشنی میں مرحوم پر ایک بار ہے اور اس بار کو ہلکا کرنا ان کی اولاد کا خوشگوار فرض ہونا چاہئیے اور جب سے میں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق روایت پڑھی ہے میں پورا تہیہ اور عزم راسخ کر چکا ہوں کہ چاہے اور تین بھائی مرحوم کے اس بار کو ہلکا کریں یا نہ کریں میں جلد سے جلد اس کام کو کر ڈالوں کیونکہ مرحوم کے لئے خیر خیرات کرنا اور وہ بھی نمائشی انداز میں اس سے کہیں افضل اس کام کو سمجھتا ہوں۔

حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے واقعات علماء اسلام پر پوشیدہ نہیں ہیں تاہم مسئلہ غور طلب میں اس واقعہ کی روشنی غالباً رہنمائی میں مدد دے گی جس کا اثر میرے دل پر بہت ہے اس لئے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی عزیز ترین اولاد حضرت بی بی عائشہؓ کو نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر مخصوص طور پر ہبہ کر دی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی اس لئے ان کو بلا کر فرمایا: جان پدر افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو۔ (ابن سعد بحوالہ خلفائے راشدین" حاجی معین الدین ندوی)

جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اب چاہتا ہوں کہ اسے واپس لے لوں تاکہ میری تمام اولاد پر کتاب اللہ کے احکام کے مطابق تقسیم ہو جائے میں اس حال میں خدا سے ملنا چاہتا ہوں کہ اپنی اولاد میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی ہے۔ (ابن سعد بحوالہ "رحلت خلفائے راشدین" عبدالرزاق ملیح آبادی)

میں شریعت اسلامیہ اور احکام دینیہ کی صحیح روح کی رو سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا اقدام کرنا کیا مرحوم کی اولاد کا خوشگوار فرض نہیں ہے اور کیا یہ ان کی روح کو سکون و راحت پہنچانے کا بہترین ذریعہ نہ ہو گا؟

میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مرحوم کی اس فروگذاشت سے میری طرف جو جائیداد زائد پہنچی ہے اس کا تناسب کیا ہے تاکہ اتنے کے بقدر جائیداد اپنی بہن کو منتقل یعنی ہبہ کر دوں۔

ایک اور بات اس سلسلہ میں اطلاعاً عرض ہے کہ والد مرحوم کے ہبہ کرنے کے بعد جائیدادوں کا داخل خارج

بھی ہو گیا تھا اور پٹواری کے کاغذات وغیرہ میں چاروں بیٹوں کے نام ملکیت میں درج ہو گئے تھے مگر عملاً قبضہ نہیں ہوا تھا یعنی جائیدادوں کا منافع وغیرہ کبھی کچھ نہیں ملا البتہ بڑے صاحبزادے کرتادھرتا رہے ہیں
المستفتی نمبر ۲۶۵۷ خان الیاس احمد صاحب مجیبی (دہلی) ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ ۸ دسمبر ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۲۰۲) صحت ہبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ موہوب مشترک مشاع نہ ہو[1] بلکہ مقسوم مفرز ہو یعنی جو چیز جس کو ہبہ کی جائے اس کو تقسیم کر کے علیحدہ کر دیا جائے اگر موہوب لہم متعدد ہوں تو ہر ایک کا حصہ جدا جدا کر کے ہبہ کیا جائے اگر متعدد اشخاص کو کوئی جائیداد مشترک (بغیر اس کے کہ تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ جدا کر دیا جائے) ہبہ کر دی جائے تو ہبہ صحیح نہ ہو گا۔ اور اس شرط کی رعایت کر کے ہبہ کیا گیا ہو تو اس کی تمامی اور تکمیل اس پر موقوف رہے گی کہ موہوب لہ 'کو موہوب پر قبضہ دے دیا جائے اگر قبضہ نہ دیا گیا اور واہب کا انتقال ہو گیا تو موہوب لہ' مالک نہ ہو گا' بلکہ جائیداد موہوبہ واہب کا ترکہ قرار پائے گی[2] اور فرائض شرعیہ کے موافق تقسیم ہو گی۔

پس صورت مسئولہ میں اگر جائیداد مشترک بغیر تقسیم ہبہ کی گئی اور ہر بیٹے کو اس کے حصے کی جائیداد مقسومہ مفرزہ پر قبضہ نہیں دیا گیا تو یہ ہبہ ہی جائز نہیں ہوا۔[3] اور بصورت عدم جواز ہبہ لڑکوں کو اس جائیداد پر قبضہ کر لینا اور بہن کو اس کا حصہ نہ دینا حرام اور ظلم ہے[4] اگر مرحوم کے ورثا صرف چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور کوئی وارث نہیں ہے تو لڑکی کا حصہ ۱/۹ ہے یہ اس کو دینا واجب اور فرض ہے۔[5]

اگر صحت ہبہ و تکمیل ہبہ کی تمام شرائط پوری ہو جاتیں اور ہبہ صحیح ہو جاتا تاہم چونکہ مرحوم سے اس ہبہ میں ناانصافی سرزد ہوئی تھی[6] اس لئے سعادت مند لڑکوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ والد مرحوم کی غلطی یا ناانصافی کی تلافی کر دیں اور ان کو آخرت کے مؤاخذہ سے نجات دلائیں اگر دوسرے بھائی اس پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اپنے حصہ میں سے بہن کو ۱/۹ دیدیں یہ بھی واضح رہے کہ بڑے بھائی کا کرتادھرتا رہنا موہوب لہم کے قبضے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے تکمیل ہبہ نہیں ہوتی۔[7] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وشرائط صحتها في الموهوب ان يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول (التنوير الابصار مع الدرالمختار' كتاب الهبة ۵/۶۸۸ ط سعيد)

(۲) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به في محوز مقسوم و مشاع لا يبقىٰ منتفعاً به بعد ان يقسم' وفي الشامية' وكما يكون للواهب الرجوع فيهما يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد (التنوير الابصار' كتاب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعيد)

(۳) لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه اولا جنبي لعدم تصور القبض الكامل فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع' ولو سلمه شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه (الدرالمختار' كتاب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعيد)

(۴) قال تعالىٰ: يا ايهاالذين امنو لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل (النسآء' ۲۹)

(۵) ومع الابن للذكر مثل حظ الانثيين وهو يعصبهن (سراجي ص ۵ ط سعيد) (۶) وكذافي العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالا بن عند الثاني و عليه الفتوىٰ (الدرالمختار' كتاب الهبة ۵/۶۹۶ ط سعيد) (۷) ہبہ کی تکمیل کے لئے قبضہ شرط ہے اور قبضہ کے مفید ہونے کے لئے موہوب لہ کا مکمل تخلیہ اور مشغول بقبض الغیر نہ ہونا ضروری ہے لما في الدر: وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به في محوز مفرغ مقسوم و مشاع لا يبقىٰ منتفعاً به بعد ان يقسم (الدرالمختار' كتاب الهبة ۵/۶۹۲ ط سعيد)

طویل بیماری میں وفات سے پہلے بعض وارثوں کو ہبہ کرنا

(سوال) محمودہ نے کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد انتقال کیا اور اپنی بیماری ہی کے دوران میں کچھ جائیداد اولاد نرینہ کے نام میں جس میں بالغ اور نابالغ ہیں ہبہ کی' جس میں دوسری اولاد یعنی لڑکیاں جو حقدار تھیں ان کو محروم کیا مرحومہ نے مرض الموت ہی میں یہ ہبہ کیا یعنی اسی بیماری میں فوت ہوئیں کیا شرع شریف کے نزدیک یہ فعل جائز ہے اور آیا یہ ہبہ موہوب سے واپس ہو سکتا ہے خواہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو۔
المستفتی نمبر ۲۰۷۴ عبدالعزیز (کرنال) ۵ صفر ۱۳۶۱ھ م ۲۲ فروری ۱۹۴۲ء

(جواب ۲۰۳) کافی عرصہ بیمار رہنے کی وضاحت سوال میں نہیں ہے اگر کسی بیمار کی بیماری ممتد اور طویل ہو جائے مثلاً ایک سال یا اس سے زیادہ گزر جائے اور مرض کی ایک حالت قائم ہو جائے تو پھر وہ مریض کے حکم میں نہیں رہتا تندرست کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اس حالت کے تصرفات مریض کے تصرفات قرار نہیں دیئے جاتے۔[1]

پس اگر محمودہ نے ایسی حالت میں ہبہ کیا کہ اس کی بیماری کو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور کوئی خاص تغیر اور مرض کی شدت کا وقت نہ تھا تو وہ ہبہ تندرست شخص کے ہبہ کی طرح ہو گا[2] اور اگر وہ باقاعدہ ہو اور قبضہ کرا دیا گیا ہو تو موہوب لہم اس کے مالک ہو گئے اور اگر اس نے اپنی ساری ملکیت سے بعض اولاد کو محروم نہ کیا ہو بلکہ کمی زیادتی کا فرق رہا ہو تو اب وہ ہبہ واپس نہیں لیا جا سکتا۔ نہ بالغ سے نہ نابالغ سے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا اپنی زندگی میں ہبہ کی ہوئی جائیداد پر ورثاء ترکہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

(سوال) ہندہ بیوہ زید نے اپنی زندگی میں بہ ثبات ہوش و حواس اپنی جائیداد کے ایک قلیل حصے کا قبضہ عمرو کے نام جس سے اس نے بعد فوت ہو جانے زید کے عقد کیا تھا منتقل کر دیا اور اس انتقال قبضہ کے تخمیناً بائیس سال بعد وہ فوت ہو گئی مگر اپنے ایام زندگی میں ہمیشہ ہر موقع پر اس نے اپنے منتقلہ حصہ قبضہ جائیداد بوقت انتقال قبضہ حصہ جائیداد کو عمرو کی ملک تسلیم کیا ہندہ کے انتقال کے بعد اس کے دیگر ورثاء اس قلیل حصے منتقلہ اسی عمرو کے دعویدار ہوئے چونکہ ہندہ اپنی تمام جائیداد کی جائز مالک اور اس پر بلا شرکت غیرے قابض تھی

---

(۱) و يبطل اقراره و وصيته الى قوله ..... وهبة مقعدو مفلوج و اشل و مسلول من كل ماله ان طالت مدته سنة ولم يخف موته منه و في الشامية (قوله ولم يخف منه) ثم المراد من الخوف الغالب منه لا نفس الخوف كفاية و فسر القهستاني عدم الخوف بان لا يزداد ما به وقتاً فوقتاً لانه اذا تقادم العهد صار طبعاً من طباعه كالعمى و العرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت الخ (الدرالمختار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٦٠ ط سعيد)
(۲) اس لئے کہ یہ مرض الموت نہیں تھا۔
(۳) اس لئے کہ وہ قبض کی وجہ سے مکمل ہو گیا ہاں یہ فرق اگر بغیر معقول وجہ کے تھا تو مرحومہ گناہ گار ہوئی لما في الدر : وكذا في العطايا ان لم يقصد به الاضرار' وان قصده فسوى بينهم يعطى البنت كالا بن عند الثا نی و عليه الفتوىٰ ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز واثم (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/ ٦٩٦ ط سعيد)

لہٰذا ایسی صورت میں بکر و خالد وغیرہ کا دعویٰ جو ہندہ کے دیگر ورثہ ہیں جائز ہے یا نہیں ؟ مع حوالہ عبارت صحیح جواب سے مطلع کیا جائے۔ بینوا توجروا ؟

(جواب ۲۰۴) اگر ہندہ نے وہ حصہ جائیداد عمرو کو ہبہ کر کے قبضہ دیدیا تھا توبیشک وہ عمرو کی ملک میں داخل ہو گا مگر قبضہ سے مراد یہ ہے کہ حصہ موہوبہ کو اپنی جائیداد سے علیحدہ متمیز کر دیا ہو کیونکہ مشاع کا ہبہ صحیح نہیں ہے اور اپنا قبضہ اس پر سے اٹھالیا ہو بعد ملک وہبہ صحیحہ کے ثبوت کے پھر کسی وارث کو حق دعویٰ نہ ہو گا۔ وتتم الھبۃ بالقبض الکامل (درمختار) فی محوز مفرغ و مشاع لا یقسم ولا فیما یقسم الخ (درمختار)[1] کتبہ محمد کفایت اللہ عفاعنہ مولاہ

مرض الموت میں مکان اور روپیہ غیر وارث کو ہبہ کرنا

(سوال) ایک شخص کی دو حقیقی بیٹیاں ہیں اور دو حقیقی بھانجے ہیں اور جب اس شخص کی بیٹیوں کی والدہ کا انتقال ہوا تو ان دونوں لڑکیوں نے اپنے حقیقی پھوپھی زاد بھائیوں کے پاس پرورش پائی اور بروقت انتقال اس کے یہ دونوں لڑکیاں نابالغ تھیں۔ ایک لڑکی جب کہ بالغ ہوئی تو اس کی شادی پھوپھی زاد بھائیوں نے کی اور والد نے ان لڑکیوں کی پرورش میں نیز شادی وغیرہ میں کوئی کوڑی پیسہ صرف نہ کیا لیکن پیش از مرگ چند روز پہلے ایک غیر شخص کو اپنا بھائی بنا کر اس کے نام ایک مکان اور کچھ روپیہ نقد اور مکان بھی قیمتی واقع بازار کا رجسٹری کرا کر قبالہ بنوادیا اور اپنی بیٹیوں اور بھانجوں کو بالکل اطلاع نہ دی اور مرنے سے چھ روز پہلے مکان اور روپیہ اس کے نام ہبہ کر گیا اور انتقال بھی اسکا اسی مکان میں ہوا اب ایک لڑکی نابالغ ہے شرع شریف میں مسئلہ ہذا کے متعلق کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۰۵) اگر یہ شخص ہبہ کے وقت بیمار ہو جس میں اس کو اپنی موت کا خیال ہو تو یہ ہبہ مرض الموت کا ہبہ ہو گا اگر اس شخص واہب نے ہبہ کے بعد موہوب لہ' کو مکان پر قبضہ دیدیا ہو اور اپنا قبضہ اٹھالیا ہو تو اس صورت میں بھی چونکہ مرض الموت کا ہبہ ہے ثلث مال میں جاری ہو گا[2] اور دو تہائی اس کی بیٹیوں کو ملے گا بھانجے محروم ہیں اور اگر شخص واہب نے موہوب لہ' کو قبضہ بھی نہ دیا ہو تو ہبہ صحیح نہیں[3] اور کل مکان لڑکیوں کو آدھا آدھا ملے گا قبضہ دیدینے سے مراد یہ ہے کہ اپنا قبضہ اور رہنا سہنا اس مکان سے علیحدہ کر لیا ہو۔[4] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

کیا نابالغ لڑکوں کے لئے جائیداد خریدنا ہبہ ہے ؟

(سوال) بکر نے اپنی حیات میں جو جائیداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ

---

(۱) (الدرالمختار' کتاب الھبۃ ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۶۳) (۳-۴) و تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلاً لملک الواھب لا مشغولاً بہ فی محوز مفرغ مشاع (الدرالمختار' کتاب الھبۃ ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائیداد پر بکر قابض رہا اور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا۔ بکر نے جو جائیداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کر دیئے تھے اس کی از سر نو مرمت و تعمیر بکر نے اپنے روپیہ سے کی جیسے اپنی جائیداد کی کرتا تھا کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام کی جائیداد کا نہیں رکھا بکر تجارت پیشہ تھا اور اس کی تجارت کا مقام کلکتے میں تھا اور جائیداد دوسرے مقام میں تھی بکر نے انتظام جائیداد غیر منقولہ کل کی وصولیت کرایہ و مرمت واز سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائیداد کی مرمت و کرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائیداد کے ایسے ہیں جن سے اور بکر سے تجارتی کاروبار تھا ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ و آمد مال بکر ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتے میں لکھا اور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیا اور بکر نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چھٹے کے بنائیں اور اس میں کل جائیداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی اور جو روپیہ نقد از قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا اپنا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا۔ بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا اور اپنے وارثان میں چند لڑکے اور دو لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا۔ اب بحکم شرع شریف وہ جائیداد جو ان دو پسران کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہوگی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے۔ بینوا توجروا؟ المستفتی رشید احمد صاحب تاجر میرٹھ۔

(جواب ۲۰۹) صرف لڑکوں کے نام سے جائیداد خریدنا ثبوت ہبہ کے لئے ناکافی ہے[1] اگرچہ نابالغ اولاد کو اگر باپ کوئی چیز ہبہ کر دے تو نابالغوں کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔[2] اور باپ کا قبضہ نابالغ موہوب لہ' کے قبضے کے قائم مقام ہو جاتا ہے[3] لیکن ہبہ کرنے کا ثبوت بہر حال ضروری ہے پس اگر اس امر کے گواہ موجود ہوں کہ بکر نے وہ جائیداد ان لڑکوں کو ہبہ کر دی تھی تو وہ ان لڑکوں کی خاص ملکیت ہوگی ورنہ بکر کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

کیا دادا کی اجازت سے آباد کی ہوئی زمین پوتا واپس لے سکتا ہے؟

(سوال) زید نے باجازت عمرو مالک ایک بنجر زمین پتھریلی دامن پہاڑ میں پتھر توڑ کر آباد کی۔ جسکے مرنے کے بعد اس کے دو بیٹے اس زمین کے قابض رہے مجموعہ قبضہ باپ بیٹوں کا تخمیناً عرصہ ساٹھ سال سے قائم ہے اب عمرو کا پوتا وہ زمین مقبوضہ قابضوں سے لے سکتا ہے یا نہیں؟ خلاصۃ المرام یہ کہ اس قدر مدت کے قبضے کا اور اس مشقت کا شرعاً کوئی حق ہے یا نہیں؟ اور کیا پہاڑوں اور چراگاہوں کا شرعاً کوئی مالک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۹۴۰ کرم الٰہی ٹھیکہ دار (ایبٹ آباد) ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ م ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء

---

(۱) کسی کے نام پر لینا عرف میں تملیک کے لئے متعین نہیں ہے بلکہ اور کئی اغراض کے لئے بھی ایسا کیا جاتا ہے۔
(۲) وهبة من له ولاية على الطفل في الجملة تتم بالعقد اى الايجاب فقط (الدر المختار' كتاب الهبة ۶۹۴/۵ ط سعيد،
(۳) وان وهب له اجنبي يتم بقبض وليه وهو احدار بعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه (الدر المختار' كتاب الميراث ۶۹۵/۵ ط سعيد)

(جواب ۲۰۷) قبضہ کے امتداد سے تو کوئی حق ملکیت حاصل نہیں ہوتا[۱] اور جب کہ سوال میں اعتراف کیا گیا ہے کہ زید نے عمرو سے جو مالک تھا اجازت حاصل کر کے زمین کو آباد کیا تو اب مالک کی ملکیت سے انکار کرنا کیسے درست ہوگا اور مشقت کے عوض میں ساٹھ برس کی رہائش کا فائدہ مالک کی اجازت سے حاصل کیا گیا اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کو ہبہ کرنے کا حکم

(سوال) (۱) مسمی زید جس کے کوئی پسری یا دختری اولاد نہیں تھی بقضائے الٰہی فوت ہو گیا ہے۔ لیکن متوفی نے اپنی حیات میں ایک لاوارث لڑکی بوجہ نہ ہونے اولاد صلبی کے لیکر پرورش کر لی متوفی نے اس کی شادی بھی کر دی تھی لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ ربیبہ لڑکی دو پسران نابالغ کو چھوڑ کر متوفی کی حیات میں ہی فوت ہو گئی متوفی نے کچھ جائیداد کا ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام بولایت و سرپرستی ان کے والد کے کر دیا ہے زید کے مرنے پر زید کی جائیداد کی تقسیم میں نزاع پیدا ہوا متوفی کی ایک بیوہ اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس صورت میں زید کی جائیداد کے سہام کس قدر اور کس کس کو مل سکتے ہیں (۲) زید نے جو ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام کیا ہے آیا وہ بروئے شرع محمدی جائز قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟
المستفتی نمبر ۱۳۱۲ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۰۸) ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کے نام جو ہبہ نامہ لکھا ہے اس کی صحت ونفاذ کے لئے یہ لازم تھا کہ نابالغوں کے ولی کو شئی موہوب کا قبضہ دیدیا جاتا اور وہ نابالغوں کی طرف سے نابالغوں کے لئے موہوب کا قبضہ کر لیتا اگر صورت مسئولہ میں ولی نابالغان کو قبضہ کرا دیا گیا تھا تو ہبہ صحیح اور نافذ ہے[۲] اور اگر قبضہ نہیں دیا گیا تھا تو ہبہ ناجائز ہے۔[۳] ہبہ ناجائز ہونے کی صورت میں اگر نابالغوں کے لئے کوئی وصیت بھی نہ ہو تو ترکہ کے مستحق صرف دو وارث ہوں گے یعنی بیوہ اور بھائی بیوہ کو ۱/۴ ملے گا اور بھائی کو ۳/۴[۴] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) کیونکہ یہ اسباب ملک میں سے نہیں اور اسباب ملک تین ہیں' اعلم ان اسباب الملك ثلاثة : ناقل كبيع وهبة و خلاف كارث واصالة (الدرلمختار' كتاب الصيد ٦/٤٦٣ ط سعيد)
(۲) وان وهب له اجنبي يتم بقبض وليه وهو احد اربعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٥ ط سعيد)
(۳) و تتم الهبة بالقبض الكامل (الدرالمختار' كتاب الهبة ٥/٦٩٢ ط سعيد)
(٤) والربع لها عند عدمها وايضا فيه و عند الانفراد يحوز جميع المال و يقدم الاقرب فالا قرب الى قوله ثم الاخ لاب وام الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/٧٧٠ ط س)

دوسرا باب
ہبہ اولاد کے لئے

زندگی میں بیٹی کے لئے وصیت کرنے کا حکم

(سوال) مسمّی زین العابدین جو شیعی مذہب رکھتا تھا اس کی سات اولادیں تھیں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ دونوں لڑکے اور ایک لڑکی تو بچپن میں ہی مر گئے تھے اور تین لڑکیوں کا نکاح ہوا اور تینوں کی اولاد بھی ہوئی لیکن یہ تینوں لڑکیاں بھی زین العابدین کی زندگی میں فوت ہو گئیں۔ اب صرف ایک لڑکی موجود ہے اور زین العابدین کی بیوی بھی موجود ہے چونکہ زین العابدین کا کوئی لڑکا نہیں اس نے سوچا کہ آئندہ اس موجودہ لڑکی میں اور فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد میں ضرور نزاع ہوگا اس لئے اس نے اپنی حیات میں قبل وفات کے پانچ سال پہلے بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایک ہبہ نامہ باقاعدہ لکھا اور عدالت ماتحت میں رجسٹری بھی کرادی اس ہبہ نامہ میں جائیداد کی تقسیم اس طرح کی کہ موجودہ لڑکی کو ایک مکان اور بقیہ جائیداد کا نصف حصہ دیا جائے اور بقیہ نصف جائیداد کو فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد پر مساوی حصے سے تقسیم کیا جائے اور اپنی بیوی کے نام پر کوئی جائیداد نہیں کی۔ ہاں عورت کو یہ اختیار دیا کہ کل بچوں کی سرپرستی بلوغ تک کرتی رہے یہ ہبہ نامہ لکھ کر زین العابدین پانچ سال تک زندہ رہا پھر انتقال کیا اس کی بیوی نے حسب شرائط ہبہ نامہ سب بچوں کی جائیداد کی نگرانی کی۔ بلوغ کے بعد لڑکی کا نکاح ہو گیا اب اس نے اپنے حق کا تقاضا کیا مگر اس کی ماں یعنی زین العابدین کی بیوی نے جو صرف محافظ تھی ڈیڑھ ہزار روپے کی جائیداد منتقل کر دی اور بلاضرورت ایسا فریب کیا لڑکی نے نوٹس دیا جواب نہیں دیا پھر نوٹس دیا باضابطہ عدالت اب عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا ہے زین العابدین کی بیوی یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ ہبہ صحیح نہیں ہے ہبہ ناجائز قرار دیا جائے لڑکی ہبہ کو ثابت رکھنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ ہبہ صحیح ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ نامہ صحیح ہوا یا نہیں اگر ہبہ صحیح ہے تو مال کس طرح تقسیم کیا جائے اور ہبہ صحیح نہ ہو تو زین العابدین کی بیوی کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم دیا جائے؟

(جواب ۲۰۹) یہ ہبہ نامہ اگر ان الفاظ سے لکھا گیا ہے کہ میرے بعد فلاں فلاں کو اس قدر دیا جائے تو یہ ہبہ نہیں ہے بلکہ وصیت ہے[1] اور لڑکی چونکہ وارث ہے اس لئے اس کے لئے وصیت بدون رضامندی دوسرے وارثوں کے ناجائز ہے۔ **ولا تجوز لوارثه الا ان يجيزها الورثة انتهى مختصرا** (كذا في الهداية)[2] فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد چونکہ وارث نہیں ہے اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت معتبر ہے۔

---

(۱) وركنها قوله او صيت بكذا لفلان وما يجرى مجراها من الفاظ المستعملة فيها وفي الشامية في الخانية قال او صيت لفلان بكذا الى قوله قال محمد اجير هذا على الوصية (الدر المختار كتاب الوصايا ۶ : ۶۵۰ ط سعيد)

(۲) (هداية كتاب الوصايا ۴ : ۶۵۷ ط امداديه ملتان)

لیکن ان کو بجائے نصف کے ثلث ملے گا کیونکہ غیر وارث کے لئے بھی ثلث سے زیادہ کی وصیت بدون رضا مندی ورثہ کے جائز نہیں۔ **ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیز ھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار ولا معتبر باجازتھم فی حال حیوتہ (ھدایہ)**[1] پس ثلث مال فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد کو حصہ مساوی تقسیم کیا جائے گا اور باقی دو ثلث میں سے آٹھواں حصہ زوجہ زین العابدین کو دے کر باقی موجودہ لڑکی کو ملے گا۔

اور اگر ہبہ نامہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ میں نے ہبہ کر دیا تاہم بوجہ مشاع ہونے کے ہبہ ناجائز ہے۔ **ولا تجوزا لھبۃ فیما یقسم الا محوزۃ مقسومۃ (ھدایہ)**[2] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی

بعض اولاد کو ہبہ کرنا اور بعض کو محروم کرنے کا اخروی عذاب

(سوال) زید کے متعدد نرینہ اولاد کے سوا لڑکیاں بھی ہیں مگر زید اپنے بڑے لڑکے کو جائیداد کا اکثر حصہ ہبہ کرتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی لڑکیاں حقدار وارث نہ ہوں اور اس کے سارے لڑکے باپ کی وراثت کو بحصص مساوی تقسیم نہ کریں اور زید بڑے لڑکے کے لئے جائیداد کا اکثر حصہ جن وجوہات پر محفوظ کرنا چاہتا ہے وہ شرعی یا اخلاقی وجوہ اور مصالح نہیں ہیں۔ زید کی باقی اولاد علم و اخلاق اور ماں باپ کے حقوق میں اپنے بڑے بھائی جیسے ہیں حدیث میں ایسے ہبہ کو ظلم فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ نے اس کے واپس کرنے کا حکم دیا تھا۔[3] اور فقہا نے تفاضل کے ساتھ اولاد کے باہمی ہبہ کو ناجائز فرمایا ہے۔[4] المستفتی نمبر ۸۲۰ مولوی سید امین الحق شیخوپورہ ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۱۰) بعض اولاد کو ہبہ کرنا اور بعض کو نہ دینا ناجائز ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے جور فرمایا ہے اور واپس لینے کا حکم دیا تھا عورتوں یا چھوٹی اولاد کو محروم رکھنے کی غرض سے بڑے لڑکے کو ہبہ کر دینا حرام اور ظلم ہے[4] اور اگر باپ نے ایسا ہبہ کر دیا ہو تو واپس لینا واجب ہے اگر واپس نہ لے تو قیامت کے روز ماخوذ ہوگا اور سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) (ھدایہ کتاب الوصایا، ۴ / ۶۵۵)

(۲) (ھدایۃ کتاب الھبۃ ۳ / ۲۸۵ ط امدادیہ ملتان)

(۳) وعن النعمان بن بشیر ان اباہ اتی بہ الی رسول اللہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی ھذا غلاما فقال أکل ولدک نحلت مثلہ قال لا قال فارجعہ وفی روایۃ قال ماتقوا اللہ واعدلوا بین اولاد کم قال فرجع فرد عطیتہ الحدیث (متفق علیہ کذافی المشکوۃ ۱ / ۲۶۱ ط سعید)

(۴) والعطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ لیسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی و علیہ الفتوی ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم (الدر المختار کتاب الھبۃ ۵ / ۶۹۶ ط سعید)

زندگی میں جائیداد تقسیم کرنے کا طریقہ

(سوال) زید اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کے حصے بانٹنا چاہتا ہے چار لڑکے چار لڑکیوں میں کس طرح حصے تقسیم کرے۔ المستفتی نمبر ۹۲۱ شجاع الدین (دہلی) ۲۰ صفر ۱۳۵۵ھ ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۱) بہتر یہ ہے کہ زید اپنی جائیداد کے آٹھ حصے کر کے ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ تقسیم کر کے ہر ایک کو قبضہ بھی دیدے (قوله و علیه الفتوی) ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والا نثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد رملی (ردالمحتار جلد رابع ص ۵٦٤)[1] واللہ اعلم 'حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ 'دہلی۔
اگر اور وارث نہ ہو تو یہی صورت افضل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قرض ادا کروانے کی خاطر دکان کی فرم بیٹے کے نام کروانا

(سوال) میری سات اولادیں ہیں ۴ بیٹے اور تین بیٹیاں پیشہ دوکانداری ہے ان میں سے چھ اولاد کی شادی بھی دوکان کی آمدنی سے ہو چکی ہے اور سب علیحدہ علیحدہ ہیں تینوں لڑکے اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں تینوں بیٹیاں اپنے اپنے گھر کی ہیں چھوٹا لڑکا محمد اسماعیل دوکان پر بیٹھتا ہے وہی دوکان کا کاروبار کرتا ہے اس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کی شادی کے لئے کچھ سرمایا ہے دوکان کی آمدنی میں بمشکل گزر ہوتا ہے اور مبلغ آٹھ سو روپے کا دوکان میں سرمایہ ہے اور مبلغ ۲٦ سو روپے بازار کا دینا ہے چونکہ میں بیمار رہتا ہوں اور کوئی سرمایہ بھی نہیں ہے اس لئے قرضہ کی ادائیگی کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ دوکان چلتی رہے اور آہستہ آہستہ اس میں سے قرضہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ چھوٹا لڑکا محمد اسماعیل اس کی ذمہ داری لے تو میں چاہتا ہوں کہ دوکان کی فرم کا نام اس کے نام رجسٹری کرادوں تاکہ وہ دوکان کو جاری رکھے، اور قرضہ ادا کرتا رہے اور میری اور اپنی والدہ کی کفالت بھی کرے تو ایسی صورت میں صرف فرم کی رجسٹری کرنا اس کے نام جائز ہوگا یا نہیں۔ جب کہ دوکان کے اندر موجودہ سرمایہ سے سہ گنا قرضہ بھی دینا ہو یعنی میں اس کو کوئی مالیت ہبہ نہیں کر رہا صرف فرم کا نام دے رہا ہوں تو یہ شرعاً میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۱۸۴۱ عبدالستار چتلی قبر دہلی' ۲۷ رجب ۱۳۵٦ھ ۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲۱۲) اگر دوکان پر فی الحقیقت سرمایہ سے سہ گناہ قرضہ ہے تو کوئی مالیت لڑکے کو ہبہ نہیں کی جارہی ہے[2] کہ اس میں دیگر اولاد کی مساوات کا حکم ہو بلکہ اس صورت میں کہ لڑکا قرضہ کی ادائیگی کا ذمہ لے لے گویا اس سے مزید سولہ یا اٹھارہ سو روپیہ لیا جارہا ہے اور فرم کی رجسٹری جس مصلحت سے کی جارہی

---

(۱) (ردالمحتار' کتاب الھبۃ ۵/ ٦۹٦ ط سعید)
(۲) کیونکہ یہ ہبہ بالعوض ہے اور جب لڑکا وہ قرضہ ادا کرے گا تو یہ انتہاءً بیع ہو جائے گی کما فی ردالمحتار تحت قوله (فخرج التبرع من الجانبین) والھبة بشرط العوض فانه لیس بیع ابتداء وان کان فی حکمه بقاءً (رد المحتار کتاب البیوع' ٤/ ۵۰۳ ط سعید)

ہے وہ نیک ہے کہ قرض خواہوں کا قرضہ بھی ادا ہو جائے اور والدین کی کفالت بھی ہوتی رہے۔ پس صورت مسئولہ میں فرم کی رجسٹری چھوٹے لڑکے کے نام کرا دینے میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے بلاشبہ جائز ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا چار بیٹوں کا باپ اپنی جائیداد دو کو ہبہ کر سکتا ہے؟

(سوال) (۱) زید کی آبائی ملکیت ایک مکان ہے اور اس کے چار لڑکے ہیں ان چاروں لڑکوں میں سے دو لڑکے زید کے ہمراہ رہتے ہیں اور دو لڑکے علیحدہ۔ زید اگر چاہے تو اپنی آبائی ملکیت ان دونوں لڑکوں کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں جو اس کے ہمراہ رہتے ہیں اور شرعاً اسے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں چاروں لڑکے حقیقی بھائی ہیں

(۲) زید کے چار لڑکے ہیں جس میں دو لڑکے زید کے ہمراہ رہتے ہیں اور اس کی خدمت کرتے ہیں اور دو لڑکے زید سے علیحدہ ہیں اب اگر زید اپنی آبائی ملکیت ان دونوں لڑکوں کے نام جو اس کی خدمت کرتے ہیں ہبہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں چاروں لڑکے حقیقی بھائی ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۳۹ سید نظام علی صاحب (اندور) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ م ۱۸ جنوری ۱۹۳۹ء

(جواب ۲۱۳) زید کو ایسا کرنا کہ دو لڑکوں کو دے اور دو کو نہ دے جائز نہیں ہے۔ چاروں لڑکے برابر کے حقدار ہیں دو کو ہبہ کر دینا درست نہیں[۱] ہاں اگر دو لڑکوں کے ہاتھ اپنی جائیداد واجبی قیمت سے فروخت کر کے ان سے قیمت وصول کر لے اور وصول شدہ قیمت میں سے سب لڑکوں کو برابر رقم دیدے تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں اپنے لئے بھی جتنی رقم چاہے بچالے۔[۲] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
الجواب حق صحیح فقیر محمد یوسف دہلوی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

اولاد کو وراثت سے محروم کرنے کا حکم

(سوال) اگر کسی شخص نے اپنا مال کسی غیر کے نام ہبہ کر دیا حالانکہ اس کی اولاد موجود ہو یا اولاد میں سے اگر کوئی اولاد خرچ نان نفقہ اٹھائے وہ شخص خرچ اٹھانے والی اولاد کو تمام مال دیدے جیتے جی دیگر اولاد کو نہ دے یا خرچ اٹھانے والا خود جبراً خرچ کے عوض مال لیوے جائز ہے یا نہیں اور حق تلفی کنندہ کی کیا سزا جزا ہوگی۔

(جواب ۲۱۴) اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے اولاد کو محروم کرنے کی نیت سے کسی شخص کو ہبہ کر دے تو یہ شخص گناہ گار ہے اسی طرح اپنی کسی ایک اولاد کے نام ہبہ کر دیا تو جب بھی گناہ گار ہوگا۔ ہبہ نافذ ہو جائے گا۔ رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء و يكون آثما فيما صنع

---

(۱) وكذا في العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده فسوى بينهم فيعطي البنت كالا بن عند الثاني و عليه الفتوى (الدر المختار' كتاب الهبة ٥/ ٦٩٦ ط سعيد)
(۲) کیونکہ یہ اس کی اپنی ملک ہے مرض الموت سے پہلے جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

کذافی فتاویٰ قاضی خان (ہندیہ ص ۳۹۷ ج ٤)[1]

تیسرا باب
ہدیہ وعطیہ

کیا مبلغین' مدرسین اور سفراء سالانہ جلسوں میں شریک ہو کر ہدیہ وغیرہ لے سکتے ہیں؟

(سوال) مدرسہ عربیہ جس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے مدرس اور عوام کی ہدایت کے لئے مبلغ اور فراہمی سرمایہ کے لئے سفیر مقررہ تنخواہوں پر کام کرتے ہیں اس مدرسہ کے مدرسوں اور مبلغوں سے اطراف کے عوام کو کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ اپنی انجمنوں اور اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں پر بلاتے ہیں اور علاوہ اخراجات سفر کے کوئی کپڑا یا مٹھائی کوئی بکس یا کوئی ایسی ہی استعمال کی چیز یا نقد روپیہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یہ ہدایا کی چیزیں ان مبلغوں' اساتذہ اور سفراء کی ملکیت ہوں گی یا مدرسہ کی ملکیت سمجھی جائیں گی اور بالخصوص نقد روپیہ کے متعلق جب کہ یہ بھی تصریح ہوگئی ہو کہ مدرسہ کی خدمت ہم لوگ کسی اور موقعہ پر اور معقول طریقہ پر کریں گے تو یہ حقیر ہدیہ محض آپ کی تکلیف فرمائی پر آپ کے اہل وعیال کے لئے ہے قرآن وحدیث وفقہ حنفی سے بالخصوص اپنے اکابر کے دستور العمل کے حوالہ سے فتویٰ عنایت فرمایا جاوے؟

المستفتی نمبر ۱۷۲۶ مظفر الدین واچ مرچنٹ (مراد آباد) ۲۱ شعبان ۱۳۵۵ھ ۹ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۵) مدرسہ کے مدرس اور مبلغ جو صرف تدریس اور تبلیغ کے کام پر مامور ہوں یعنی فراہمی چندہ ان کا فرض منصبی نہ ہو مدرسہ سے رخصت حاصل کر کے کسی جگہ جا کر وعظ کریں اور ان کو شخصی طور پر کوئی چیز یا نقد ہدیۃً ملے تو وہ ان کی اپنی ہے[2] ہاں سفراء جو فراہمی چندہ کے کام پر مامور ہوں اور مدرسہ نے انکو شخصی طور پر ہدیہ لینے سے روک دیا ہو ان پر لازم ہے کہ یا تو وہ شخصی ہدایا قبول نہ کریں یا قبول کریں تو مدرسہ کے فنڈ میں ڈال دیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) عالمگیریۃ' کتاب الهبة ٤ / ۳۹۱ ط ماجدیه)

(۲) یجوز للامام والمفتی والواعظ قبول الهدیة' لانه انما یهدی الی العالم لعلمه (الدرالمختار' کتاب القضاء ۵ / ۳۷۲ ط سعید)

(۳) وعن ابی حمید الساعدیؓ قال استعمل النبی ﷺ رجلا من الازد یقال له ابن اللتبیة علی الصدقه فلما قدم قال هذا لکم وهذا اهدی لی فخطب النبی ﷺ وحمد الله واثنی علیه ثم قال اما بعد فانی استعمل رجالا منکم علی امور مما ولانی الله فیاتی احدهم فیقول هذا لکم وهذه هدیة اهدیت لی فهلا جلس فی بیت ابیه او بیت امه فینظر ایهدی له ام لا' والذی نفسی بیده لا یاخذ احد منه شیئا الا جاء به یوم القیامة یحمله علی رقبته الی اخر الحدیث (مشکوٰة' کتاب الزکاة' الفصل الاول ۱ / ۱۵٦ ط سعید)

کتاب الغصب

پہلا باب

قبضۂ مخالفانہ

کاشت کے لئے دی ہوئی ہندو کی زمین پر ملکیت ثابت کر کے اسے بیچنا اور خریدنا

(سوال) (۱) ایک مسلمان نے عرصہ تیس سال سے ایک ہندو کی اراضی کو اپنی کاشت و کرایہ کے طور پر تصرف و قبضہ میں رکھا اور چونکہ قانون رائج الوقت قبضہ مخالفانہ کی رو سے جو اتنی زیادہ مدت تک رہے ایسے شخص کو ملکیت مطلقہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اس مسلمان شخص نے اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کیا اور بجنور مراد آباد اور ہائی کورٹ الہ آباد سب جگہ اس مسلمان شخص کے قبضہ مخالفانہ کی وجہ سے ملکیت تسلیم کر لی گئی اور ہندو (اصل مالک) کی ملکیت باطل قرار دی گئی ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو بھی دو ڈھائی سال گزر گئے ہیں اور اصل مالک قانون وقت کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہے صورت مذکورہ میں یہ مسلمان شخص اس اراضی کو دوسرے مسلمان شخص کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے ایسی زمین کا خرید کرنا کیسا ہے؟

(۲) اگر شرعاً ایسی زمین کا کسی مسلمان کو خریدنا ناجائز یا غیر مستحسن ہے تو کیا ملک اول کا خبث اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مسلمان کسی ہندو کو یہ زمین فروخت کر دے اور پھر اس ہندو سے دوسرا مسلمان اس کو خرید لے؟

(۳) اگر شرعاً ایسی زمین کو خریدنا ناجائز ہے تو اگر اس اراضی کے اصل مالکان کو کسی طرح رضامند کر لیا جائے تو پھر تو خریدنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں؟ المستفتی نمبر ۷۰۲ مولوی سید احمد رضا صاحب بجنور (ناظم مجلس علمی ڈابھیل) ۱۱ شوال ۱۳۵۴ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۱۶) (۱) جس کو واقعہ معلوم ہے اسے خریدنا ناجائز ہے کیونکہ قابض درحقیقت مالک نہیں

ہو گیا۔[1]

(۲) جہاں تک علم قائم رہے گا وہاں تک حکم عدم جواز ہی ہو گا۔[2]

(۳) ہاں اگر اصل مالک کو راضی کر لیا جائے اور وہ بعوض یا بلا عوض قابض کو مالک بنا دے تو پھر قابض اس کی فروخت کر سکتا ہے اور خریدنے والے کو خریدنا بھی جائز ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

دوسرا باب
حق تلفی

یتیم بھتیجوں کا حق کھانے والے کی امامت کا حکم

(سوال) زید و بکر دو بھائی ہوتے ہیں زید انتقال کر جاتا ہے اور بکر حیات ہے زید کے دو بچے یتیم ہیں جن کی بکر پرورش کر رہا ہے اور زید و بکر کی جو جدی جائیداد تھی اس کو بکر نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور زید کے بچوں کو حصہ دینا نہیں چاہتا جب کہ ان بچوں کے حصہ میں آدھی جائیداد آتی ہے حالانکہ بچے یتیم ہیں اور بکر امام جامع مسجد اور شہر قاضی و نکاح خواں کلیانہ علاقہ دادری ہے اور زید امام جامع مسجد اور شہر قاضی و نکاح خواں شہر دادری تھا کیا اس صورت میں بکر کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں نکاح خوانی درست ہے یا نہیں اس کے یہاں کا کھانا پینا درست ہے یا نہیں جب کہ وہ یتیموں کا مال ہڑپ کر گیا ہو۔ المستفتی نمبر ۱۷۶۷ سید محمد اسحاق (چرخی دادری) ۳ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲۱۷) اگر بکر یتیم بھتیجوں کا حق ادا نہ کرے اور اپنی اس ناجائز حرکت سے توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے اس کو امامت سے معزول کر دینا چاہئے اور نکاح بھی اس سے نہ پڑھوایا جائے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

یتیم بھتیجوں کا حق کھائے جانے پر خاموش رہنے والے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) چند بھائی جائیداد و زمین میں حصہ دار ہیں ایک بھائی انتقال کر گئے ان کے معصوم بچے موجود ہیں ایک بھائی جو صاحب ثروت ہیں وہ جائیداد سے روپیہ وصول کراتے ہیں اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے سے اور وہ روپیہ وصول کر کے کھا جاتا ہے۔ معصوموں کو کچھ نہیں دیتا اور وہ صاحب ثروت بھائی کچھ نہیں کہتے

---

(۱) اور غیر مملوک کی بیع صحیح نہیں ہوتی و بطل بیع ما لیس فی ملکہ (الدر المختار' کتاب البیوع ۵/۵۸ ط سعید)

(۲) وفی الاشباہ' الحرمۃ تنتقل مع العلم بھا الخ (الدر المختار' کتاب الحظر والاباحۃ ۶/۳۸۵ ط سعید)

(۳) فھو ای الفاسق کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال الخ (الدر المختار' باب الامامۃ ۱/۵۶ ط سعید)

خاموش ہیں۔ایسے حالات میں وہ گناہ گار ہیں یا نہیں ؟

(جواب ۲۱۸) چھوٹا بھائی جو اپنے بھتیجوں کا روپیہ کھاجاتا ہے سخت ظالم ہے یتیموں کا مال کھانا گناہ کبیرہ اور بڑا ظلم ہے اور بڑا بھائی جو بچوں کا چچا ہے اگر بچوں کے حق کی حفاظت کر سکنے کے باوجود کوتاہی کرتا ہے تو اس کوتاہی کا وہ بھی مواخذہ دار ہے کیونکہ اس نے ایسے ظالم کو مسلط کر رکھا ہے جو یتیموں کا مال کھا جاتا ہے چھوٹے بھائی پر لازم ہے کہ تمام روپیہ جو بچوں کے حق کا اس نے کھایا ہے ادا کرے ورنہ وہ دوزخ کے انگارے ہیں جو اس نے اپنے پیٹ میں بھرے ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

تیسرا باب
تصرف بغیر اجازت

سرکاری زمین بلا اجازت قبضہ میں لیکر تصرف کرنا

(سوال) اگر کوئی شخص سینکڑوں سال کی سرکاری قبضہ و تصرف کی زمین بغیر کسی تحریر سند قبالہ یا یقینی ثبوت مثلاً آثار عمارت ظاہر یا پوشیدہ موجودہ حکومت کی اجازت لئے بغیر کسی جھوٹے فریب سے قبضہ کر کے شارع عام اور بعض مکانوں کے راستے روکے تو جائز ہے یا ناجائز ؟ بیان فرما کر اجر عظیم حاصل کریں۔

المستفتی نمبر ۲۲۶ حسن مختیار (راندیر) ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ ۱۳ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۱۹) عام زمینیں جو آج کل میونسپلٹی یا نزول کی زمینیں کہلاتی ہیں یا شارع عام جس کے ساتھ عوام کا استفادہ متعلق ہوتا ہے بغیر اجازت کے اپنے تصرف خاص میں لے آنا[2] اور عوام کو تکلیف اور مضرت پہنچانا جائز نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مالک کی رضامندی کے بغیر جائیداد کا دوسرے کو مالک بنانا

(سوال) گورنمنٹ آف انڈیا نے کاشتکاران زائد از بارہ سال کو از روئے قانون جاریہ حق دخیلانی یا موروثی مانا ہوا ہے جس کو علمائے اسلام بالاتفاق غصب قرار دے چکے ہیں اور یہ حق دخیلانی مانع و منافی حقوق مالکانہ زمیندار کا ہے حق ملکیت زمیندار کے فرامین و دیگر دستاویزات انتقال جائیداد عہد اکبر اعظم سے تا ایندم زمیندار کے پاس موجود ہیں اس حق دخیلکارانہ غاصبانہ و دیگر قسم کے کاشتکاران کو کانگریس وزارت جو اس وقت صوبہ متحدہ کی قابض و متصرف جماعت ہے حق مالکانہ اراضیات زیر کاشت کا بغیر رضامندی مالک باختیار خود

---

(۱) قال تعالیٰ : ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً وسیصلون سعیراً (النسآء : ۱۰)

(۲-۳) اخرج الی طریق العامۃ کنیفاً او میزاباً الیٰ قولہ　لو کانا جاز احداثہ ان لم یضرب بالعامۃ فان ضر لم یحل (تنویر الابصار مع الدر المختار کتاب الجنایات ۶/۵۹۲ ط سعید)

دینا چاہتی ہے۔ جس کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو و دیگر ارباب حل و عقد ممبران کانگریس کمیٹی مسلسل و متواتر اعلان کر چکے ہیں تو کانگریس وزارت کا یہ حکم کہ کاشتکار کو خواہ وہ دخیلکار ہو یا کسی دوسری قسم کا کاشتکار بلا مرضی ورضامندی زمیندار بنا دیا جائے شرعاً جائز ہوگا یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۳۵۶ ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۲۰) مالک کی مرضی کے بغیر اس کی زمین وجائیداد مملوکہ کا حق ملکیت کسی غیر مالک کو دیدینا جائز نہیں۔[1] ایسا کوئی قانون واجب التعمیل نہیں ہے نہ کوئی ایسے قانون کی حمایت کر سکتا ہے نہ ایسی حمایت قابل پذیرائی ہو سکتی ہے پنڈت جواہر لال نہرو کا کوئی ذاتی بیان اور ان کا اپنا رجحان یوپی گورنمنٹ کا قانون نہیں قرار دیا جا سکتا اور بالفرض یوپی گورنمنٹ کوئی خلاف شرع قانون بھی بنادے تو اس کی حیثیت بھی وہی ہوگی جو انگریزی حکومت کے خلاف شرع بنائے ہوئے قوانین کی ہے حق دخیلکاری وحق موروثی جو اس وقت بھی انگریزی قانون کے ماتحت کاشتکاروں کو حاصل ہے خلاف شرع اور غصب ہے[2] اسی طرح قانون شہادت قانون شفعہ اور قانون ربا وغیرہ بہت سے قوانین خلاف شرع جاری ہیں ان کی مخالفت یا مزاحمت کے احکام شرعیہ اور مفروضہ قانون کی مخالفت ومزاحمت کے احکام ایک ہیں کہ تاحد استطاعت ان کو بند یا منسوخ کرانے کی سعی ہر مسلمان پر لازم ہے۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

چوتھا باب
اتلاف واہلاک مال غیر

کیا مال کا تاوان قیمت خرید کے حساب سے لیا جا سکتا ہے ؟

(سوال) کسی موضع میں ایک انجمن کی زیر نگرانی ایک اردو رجسٹرڈ مدرسہ ہے۔ اس مدرسے میں دو مدرسین اردو پڑھانے کے لئے مقرر ہیں ایک کا نام زید جو کہ ہیڈ ماسٹر ہے اور دوسرا عمرو جو کہ اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے ہے مذکورہ انجمن نے خالد کو دینیات پڑھانے کے لئے عارضی طور پر مقرر کر رکھا ہے ایک روز زید اور خالد کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا اور ہاتھاپائی تک نوبت پہنچی زید کے منہ پر طمانچہ لگ گیا اور زید چند آدمیوں

---

(۱) لا یجوز التصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه (قواعد الفقه ۱/ ۱۱۰ ط 'صدف' پبلشرز)

(۲) اس کی تفصیل پیچھے ص۱۲۵ جواب ۱۶۲ کے ضمن میں بھی گزر چکی ہے - اس بارے میں اصل ضابطہ شرعیہ یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں کما هو مصرح فی عامة المتون والشروح والفتاوی ' و تنفسخ بلا حاجة الی الفسخ بموت احد المتعاقدین عندنا لا بمجنونه مطبقاً عقدها لنفسه (الدر المختار' کتاب الاجارة ۶/۸۳ ط سعید)

(۳) عن طارق بن شهاب وهذا حدیث ابی بکر قال: قال : اول من بدء بالخطبة یوم العید قبل الصلوٰة مروان فقام الیه رجل فقال الصلاة قبل الخطبة فقال قد ترك ما هنا لك فقال ابو سعید اما هذا فقد قضیٰ ما علیه سمعت رسول الله ﷺ یقول من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالك اضعف الایمان (صحیح مسلم' کتاب الایمان' ۱/۵۱ ط قدیمی)

کے ساتھ ڈنڈا ہاتھ میں لیکر خالد کو مارنے دوڑا موضع والوں نے ان دونوں کے درمیان پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کرادیا اب خالد اس معاملہ کو انجمن کے صدر کے سامنے پیش کرنے چلا گیا تو زید نے خالد کی غیر موجودگی میں خالد کے تمام سامان کو توڑ پھوڑ دیا اب خالد زید سے اپنے سامان کا تاوان چاہتا ہے اور نقصان کی فہرست خریدی ہوئی قیمت لگا کر پیش کرتا ہے زید انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نقصان کی مالیت بیس پچیس روپے کی ہے آیا یہ تاوان لینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور قیمت کونسی معتبر ہوگی ؟ **المستفتی نمبر ۴۸۱** مولانا رحمت اللہ (رنگون) ۱۴ صفر ۱۳۵۴ھ م ۱۸ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۲۹) اگر زید نے خالد کی مملوکہ اشیاء پر بلاوجہ معقول تعدی کی ہے اور توڑ پھوڑ دیا ہے تو زید پر تاوان لازم ہے اور خالد اس تاوان کو وصول کرنے میں حق بجانب ہے۔ رہا قیمت کا اختلاف تو ان اشیاء کی موجودہ حیثیت میں ان کی بازاری قیمت دلوائی جائے گی یعنی توڑتے وقت جو موجودہ حیثیت تھی اس کے لحاظ سے بازار میں ان کی جو قیمت لگ سکتی ہے وہ دلوائی جائے گی۔[1] قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے دو مبصر مقرر کردیئے جائیں ان کے اندازہ کے مطابق ضمان کی مقدار معین کی جائے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) و یجب رد عین المغصوب فی مکان غصبه و یبرا بردها ولو بغیر علم المالك...... او یجب رد عین مثله ان هلك وهو مثلی وان انقطع المثل بان لا یوجد فی السوق الذی یباع فیه وان كان یوجد فی البیوت فقیمته یوم الخصومة ای وقت القضاء و عند ابی یوسفؒ یوم الغصب و عند محمدؒ یوم الانقطاع و رجحا قهستانی و تجب القیمة فی القیمی یوم غصبه اجماعاً وفی الشامیة : هذا فی الهلاك كما هو فرض المسئلة قال القهستانی اما اذا استهلك فكذالك عنده و عند هما یوم الاستهلاك (الدرالمختار' كتاب الغصب ۱۸۲/۶ ط سعید)
(۲) قال تعالیٰ : یحكم به ذوا عدل منكم الخ (المائدة : ۵)

کتاب الاضحیة والذبیحة

پہلا باب

قربانی کا بیان

فصل اول وجوب قربانی اور نصاب

(سوال) زید عمرو بکر خالد چار حقیقی بھائی ہیں جن کا جملہ حساب آمد و خرچ یکجا ہے۔ ان میں سے تین بالغ ہیں اور ایک خورد سال ہے مجملہ تین بالغ کے ایک ملازم اور دو زمینداری کرتے ہیں۔ ان کے پاس بلیس بیگہ خام اراضی زرعی موروثی دو بیل ایک گائے اور ایک ہلکی قیمت کی بھینس ہے۔ اور قریباً ڈھائی سو روپیہ ان کے ذمہ قرض ہے۔ کیا وہ صاحب نصاب ہو سکتے ہیں۔ اگر صاحب نصاب ہوں تو صرف ایک بکرا قربانی کرنے سے سب کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہو جائے گا یا ان کو جدا جدا فی کس ایک بکرا قربانی کرنی پڑے گی۔ بصورت دیگر اگر صاحب نصاب نہ بھی ٹھیریں تاہم اگر وہ ایک بکرا قربانی کرنا چاہیں تو کیا وہ ثواب قربانی کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر ہوں گے تو سب مستحق ثواب ہوں گے یا صرف کرنے والا۔ صاحب نصاب کی بیوی اور اولاد کے لئے کیا حکم ہے جو شامل ہوں؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۲۲) جب چاروں بھائیوں کا مال مشترک ہے تو وہ چاروں برابر کے حصہ دار ہیں اور قربانی اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس حاجات ضروریہ سے فارغ بقدر نصاب مال موجود ہو[1] پس اگر ان چاروں کا مال مشترک اس قدر قیمت رکھتا ہو کہ ادائے قرض کے بعد ہر ایک کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے تو تینوں سے بالغوں پر فرض ہو گی نابالغ پر نہیں[2] اور جن پر فرض ہو گی ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک بکرا یا گائے کا ساتواں حصہ کرنا ضروری ہو گا۔[3] مال مشترک میں سے ایک بکرا کر دینا کافی نہیں[4] بکرا اگر بہ نیت قربانی دو

---

(۱) وشرائطها الاسلام والا قامة واليسار (واليسار بان ملك مائتي درهم او عرضا يساويها غير مسكنه و ثياب اللبس او متاع نحتاجه) الذی يتعلق به وجوب صدقة الفطر (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/۳۱۲ ط سعيد)

(۲) تجب على حر مسلم مقيم موسر يسار الفطرة عن نفسه لا عن طفله (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/۳۱۵)

(۳) تجب شاة او سبع بدنة هي الابل والبقر سميت به لضخامتها (الدر المختار ۶/۳۱۵ ط سعيد)

(٤) وفي اضاحي الزعفراني اشترى ثلاثة بقرة على ان يدفع احدهم ثلاثة دنانير والاخر اربعة والاخر دينارا على ان تكون البقرة بينهم على قدر راس مالهم فضحوا بها مالم تجز (البحر الرائق' كتاب الاضحية ۸/۲۰۲ ط بيروت)

شخصوں کی طرف سے کیا جائے تو خواہ فرض قربانی ادا کرنا مقصود ہو یا نفلی' ناجائز ہے اور وہ قربانی نہ ہو گی۔[۱]
بیوی اور اولاد اگر خود صاحب نصاب ہوں تو خود ان پر قربانی واجب ہو گی اور اگر وہ صاحب نصاب نہ ہوں تو زوج و والد پر ان کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نابالغ پر زکوٰۃ اور قربانی واجب نہیں

(سوال) ایک شخص متوفی نے اس قدر مال چھوڑا کہ تمام اولاد کو ترکہ میں مال بقدر نصاب پہنچا ان ورثا میں تین نابالغ لڑکے بھی ہیں کہ جو اپنے دو بھائی بالغ اور اپنی والدہ کی سرپرستی میں ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان ہرسہ نابالغ اور صاحب نصاب لڑکوں کی طرف سے قربانی کا کیا حکم ہے آیا انکے ذمے قربانی واجب ہے یا نہیں ؟ نیز ان کے حصہ مال میں زکوٰۃ بھی واجب ہے یا نہیں ؟ ان لڑکوں کا مال ان کے بھائی تجارت میں بھی لگاتے ہیں ؟

(جواب ۲۲۳) نابالغ کے مال پر نہ زکوٰۃ واجب ہے نہ قربانی بالغ بھائیوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنی چاہئے۔ اور نابالغ کی طرف سے نہیں کرنی چاہئے۔ **ويضحي عن ولده الصغير من ماله صححه في الهدايه و قيل لا وصححه في الكافي قال وليس للاب ان يفعله من مال طفله و رجحه ابن الشحنه قلت وهو المعتمد لما في متن مواهب الرحمن من انه اصح ما يفتي به الخ(درمختار) قوله قلت وهو المعتمد واختاره في الملتقى حيث قدمه و عبر عن الاول بقيل و رجحه الطر سوسي بان القواعد تشهد له ولا نها عبادة و ليس القبول بوجوبها اولى من القول بوجوب الزكاة في ماله انتهى (ردالمحتار)**[۳]

جائیداد مشترک ہونے کی صورت میں قربانی اور زکوٰۃ کا حکم !

(سوال) (۱) ایک شخص کے چار لڑکے ہیں باپ کے ہمراہ کماتے ہیں اور خوب کماتے ہیں گھر میں بھی بفضل خدا سب کچھ ہے حویلیاں' جائیداد زمین زرومال بیویاں بچے وغیرہ اور سب مشترک رہتے ہیں ایک جگہ کھانا پینا اور دیگر اخراجات ہیں باپ نے بیٹوں کو حسب مرضی خرچ کرنے کا اختیار دے رکھا ہے کیا اس شخص پر قربانی ایک واجب ہے یا زیادہ ؟ اگر ایک کرے تو باپ ہی کی طرف سے ہو گی یا سال بسال نام بنام نمبر چلے گا ؟ زکوٰۃ مشترک ادا ہو گی یا اور کسی طرز پر ؟
(۲) اسی طرح چار بھائی مالک نصاب مشترک ہیں کہ باپ کے مرنے پر ترکہ تقسیم کر کے الگ الگ نہیں

---

(۱) فلا تجوز الشاة والمعز الا عن واحد وان كانت سمينة عظيمة (عالمگيرية ۵/ ۲۹۷ ط ماجديه)
(۲) تجب على حر مسلم مقيم موسر عن نفسه (ايضاً بحواله نمبر ۲ صفحه سابقه)
(۳) (تنوير الابصار مع ردالمحتار' كتاب الاضحية ۶/۳۱۶' ۳۱۷ ط سعيد)

ہوئے مشترک ہی کماتے اور خرچ کرتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب جونڈلہ ضلع کرنال
۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۲۴) اس صورت میں اگر سب مالک نصاب ہیں تو ہر ایک پر قربانی واجب ہے [1] ایک باپ کی طرف سے اور چار لڑکوں کی طرف سے یعنی پانچ قربانیاں تو یہ ہوئیں اور اگر بیویاں بھی مالک نصاب ہوں تو ان کی قربانیاں الگ الگ ہوں گی زکوۃ بھی ہر ایک کی ملک کے حساب سے دی جائے گی۔[2] زکوۃ چاندی سونے پر یا مال تجارت پر ہے جائیداد پر نہیں ہے۔[3] نمبر ۲ کا جواب بھی وہی ہے کہ اگر ہر ایک کا حصہ نصاب کے برابر یا زیادہ ہے تو ہر ایک کی قربانی اور زکوۃ علیحدہ علیحدہ ہوگی۔ محمد کفایت اللہ

(۱) کیا قیدی اور ملازم پر قربانی واجب ہے؟
(۲) ایک شخص پر ایک قربانی واجب ہے خواہ کتنا ہی مالدار ہو

(سوال) آزاد مسلمان بالغ پر قربانی واجب ہے اس کی تشریح فرمائیں کہ مندرجہ ذیل قسم کے لوگ بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں؟ قیدی جو رمیں زمینداروں نے کچھ نوکری پر سرکار سے منگار کھے ہیں بیوی خاوند کے ہوتے ہوئے' بیٹے باپ کی موجودگی میں' ملازم وماتحت سرکار یا غیر سرکار۔

(۲) میں مدرس ہوں اس وقت میری بیوی بچے جونڈلے میں میرے ساتھ ہیں اکثر جہاں تبادلہ ہوتا ہے ساتھ رہتے ہیں کیتھل کا رہنے والا ہوں وہاں پر والد صاحب بٹائی پر کھیتی کرتے ہیں میں قرضدار نہیں ہوں میں ایک قربانی کروں یا دو؟ کیتھل میں باپ کے پاس کرنا واجب ہے؟ اگر کسی وقت خدا کرے جمع ہو جائے میرے پاس یا گھر پر والد صاحب کے پاس یا ہر دو جگہ بمقدار نصاب تب بھی ایک قربانی ہوگی یا دو؟ المستفتی نمبر ۷۴۶ نور محمد صاحب ہیڈ ماسٹر جونڈلہ ضلع کرنال۔

(جواب ۲۲۵) (۱) آزاد سے مراد یہ ہے کہ وہ غلام یا باندی نہ ہو عورت خاوند کے ہوتے ہوئے بھی آزاد ہے بیٹے اور نوکر سب آزاد ہیں ہندوستان میں غلامی کا وجود نہیں ہے قیدی بھی آزاد ہیں اور ملازم سرکار وغیر سرکار بھی آزاد ہیں اگر یہ لوگ مالک نصاب ہوں تو ان سب پر زکوۃ اور قربانی واجب ہوگی۔[4]

(۲) ایک شخص پر ایک ہی قربانی واجب ہوتی ہے دو نہیں ہوتیں خواہ وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ باپ کے پاس کیتھل میں قربانی کی جائے آپ کو اختیار ہے خواہ جونڈلے میں کریں خواہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ نمبر ۱ ص ۱۷۸)
(۲) وشرط افتراضها عقل و بلوغ و اسلام و حرية و سببه ملك نصاب حولي فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد و فارغ عن حاجته الاصلية (الدر المختار' كتاب الزكوة ۲/۲۵۹ ط سعيد)
(۳) و ثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكوة كيفما امسكهما ولو للنفقة او السوم او نية التجارة في العروض (الدر المختار' كتاب الزكوة ۲/۲۶۷' ط سعيد)
(۴) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۷۸)

کیتھل میں ایک شخص کی ملک میں کتنے ہی نصاب جمع ہو جائیں اس پر ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔[1]

نابالغ لڑکے کے مال سے قربانی جائز نہیں

(سوال) نابالغ ذی نصاب لڑکے کی طرف سے والد قربانی کرے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۸۳۳ محمد ہاشم (ضلع لائل پور) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۲۶) نابالغ لڑکے کے مال میں سے اگرچہ وہ صاحب نصاب ہو قربانی کرنا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

گھر کے صاحب نصاب افراد پر قربانی واجب ہے

(سوال) بکرا مینڈھا' دنبہ میں سے کسی ایک کی قربانی صرف ایک جانور بھی گھر بھر کی طرف سے کافی ہے چنانچہ صحیح مسلم' مسند امام احمد' ابوداؤد میں حضور اکرم ﷺ کا عمل موجود ہے کہ آپ نے ایک بھیڑ کی قربانی کرتے وقت فرمایا بسم الله اللهم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد ثم ضحى به[3] و نیز ابن ماجہ میں ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ دو مینڈھا قربانی میں دیتے فذبح احدهما عن امة لمن شهد بالتوحيد و شهد له بالبلاغ وذبح الأخر عن محمد وآل محمد رواه ابن ماجه[4] یعنی ایک امت کی طرف سے دوسرا اپنی طرف سے اور اہل بیت کی طرف سے (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۲۵۲) یہی عمل صحابہ کرام کا زمانہ رسالت مآب میں تھا ابن ماجہ ترمذی کی حدیث ہے عن عطاء بن يسار قال سألت ابا ايوب الانصاري کيف كانت الضحايا فيكم على عهد رسول الله ﷺ قال كان الرجل في عهد النبي ﷺ يضحي بالشاة عنه و عن اهل بيته فيا كلون و يطعمون حتى تباهى الناس فصار كما ترى رواه ابن ماجه والترمذى وصححه (نيل الاوطار جلد ٤ ص ٣٥٣)[5] ان احادیث کے پیش نظر ایک دنبہ یا ایک بھیڑ یا ایک بکرا گھر بھر کی طرف سے کافی ہے اگرچہ گھر بھر میں سو یا اس سے بھی زائد افراد کیوں نہ ہوں ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات اشخاص مختلف گھروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔

وعن جابر ان النبی ﷺ قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة' رواه مسلم و ابوداؤد و اللفظ له و عن ابن عباس قال كنا مع رسول الله ﷺ في سفر فحضر الا ضحى

---

۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۱ ص ۱۷۸)
۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۱۷۹)
۳) (صحيح مسلم' كتاب الاضاحي' باب استحباب استحسان الاضحية ۲/ ۱۵۷ ط قديمى)
٤) (ابن ماجة' ابواب الاضاحى ۱/ ۲۲٦' ط قديمى)
٥) (ترمذى ابواب الاضاحى ۲/ ۲۷٦ ط سعيد)

فاشتر کنا فی البقرة سبعة وفی البعیر عشرة رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه وقال الترمذی[1] هذا حدیث حسن غریب (مشکوۃ شریف ص ۱۲۰) گائے اونٹ میں سات سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں اونٹ میں دس اشخاص بھی جائز ہیں۔ ہذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ مومن پورہ بمبئی۔

(جواب ۲۲۷) قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے دلیل وجوب یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں مروی ہے۔ عن ابی ہریرة ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا[2] یعنی جس کو وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ہمارے مصلے کے قریب نہ آئے اور ظاہر ہے کہ صاحب نصاب ذی وسعت ہے پس اگر ایک گھر میں دو شخص صاحب نصاب ہوں تو دونوں پر قربانی واجب ہو گی اور چار ہوں تو چاروں پر اور ایک ہو تو ایک پر۔ ہاں ہر فرض عبادت کی طرح اس کا بھی حال ہے چار رکعت فرض ظہر ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے پھر اسے اختیار ہے کہ چار رکعتیں مزید نفل پڑھ کر اس کے ثواب میں اپنے گھر والوں کو خاندان والوں کو شریک کرلے۔[3] زکوۃ فرض ادا کر کے بطور نفل مزید صدقہ کرے اور اس میں گھر والوں خاندان والوں کو شریک کرلے اسی طرح قربانی واجب ادا کر کے اسے حق ہے کہ مزید ایک نفلی قربانی کرے اس کے ثواب میں سب گھر والوں کو بلکہ تمام امت کو شریک کرلے آنحضرت ﷺ کی قربانی تمام اہل بیت یا آل محمد ﷺ یا امت محمد ﷺ کی طرف سے اسی پر محمول ہے کہ یہ قربانی نفلی ہوتی تھی اور اس میں خاندان یا امت کو ثواب کا شریک کر لیتے تھے۔[4] ورنہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک بکرا یا مینڈھا تمام امت کی طرف سے ادائے واجب کے لئے کافی ہوتا تو جن حدیثوں میں گائے کو سات کی طرف اور اونٹ کو سات کی طرف سے معین کیا گیا اس کے کیا معنی ہوں گے گائے میں اگر آٹھ شریک ہو جائیں تو بمقتضائے تحدید البقرة عن سبعة[5] قربانی جائز نہ ہو گی۔ ورنہ تحدید بیکار ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ ایک بھیڑ کا تمام امت کی طرف سے ہو جانا اور گائے کا آٹھ نو کی طرف سے نہ ہونا غیر معقول ہے پس صحیح یہ ہے کہ قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب ہے اور نفلی قربانی کا ثواب تمام گھر والوں کو یا تمام امت کو بخشا جا سکتا ہے مگر قربانی ایک ہی کی ہو گی اور گائے میں فرض قربانی والے یا نفل قربانی کرنے والے سات ہی شریک ہوں گے جو فرض والے تھے ان کا فرض ادا ہو گا اور جس کا حصہ نفلی قربانی تھا وہ اپنی قربانی کے ثواب میں دس بیس آدمیوں بلکہ تمام امت کو شریک کر سکتا ہے۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) (ترمذی ابواب الاضاحی ۲: ۲۷۶ ط سعید)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ٤ ص ۱۸۱)
(۳) الافضل لمن یتصدق ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجره شئ (الدرالمختار کتاب الزکاة ۲: ۳۵۱ ط سعید)
(٤) عن جابر بن عبداللہ قال شهدت مع رسول اللہ ﷺ الاضحی فلما قضی خطبته نزل من منبره واتی بکبش فذبحه رسول اللہ ﷺ بیده وقال بسم اللہ واللہ اکبر هذا عنی و عمن لم یضح من امتی (ابوداؤد شریف ۲/ ۳۲ ط امدادیه)
(۵) ایضا حوالہ نمبر ۳)
(٦) ایضاً حوالہ نمبر ۳)

کیا قربانی کرنے والے ہی پر ذبح کرنا لازم ہے ؟

(سوال) کیا قربانی میں ایک آدمی کا قربانی کی نیت آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا اور دوسرے آدمی کا قربانی کے جانور کو ذبح کرنا درست ہے ۔ یا جس کے نام سے قربانی ہو اس کو نیت پڑھنا چاہیئے یا اسی کو ذبح کرنا چاہیئے ۔
المستفتی نمبر ۱۰۱۹ ایم عمر صاحب انصاری (سارن) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ م ۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء ۔
(جواب ۲۲۸) قربانی کرنے والے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا لازم ہے ۔[1] نیت کی عبارت پڑھے یا نہ پڑھے صرف دل سے یہ ارادہ کر لینا کہ قربانی کرتا ہوں کافی ہے ۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی ۔

کیا نابالغ مالدار اولاد کی طرف سے باپ پر قربانی واجب ہے ؟

(سوال) والد کو اپنی اولاد صغار کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں اور اولاد صغار کے غنی اور عدم غنی ہونے کی صورت میں والد پر کیا حکم ہو گا کہ آیا اس پر قربانی واجب ہو گی یا نہیں اولاد صغار غنی ہو تو کیا والد اپنے مال سے قربانی کرے گا یا اولاد صغار کے مال سے ۔ المستفتی نمبر ۱۳۵۵ عبدالخالق صاحب طالب علم مدرسہ عبدالرب دہلی ' ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ م ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء ۔
(جواب ۲۲۹) مفتی بہ یہ قول ہے کہ باپ پر نابالغ بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہے نہ اپنے مال سے نہ بچوں کے مال سے بچے خواہ غنی ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر باپ اپنے مال سے نابالغ بچوں کی طرف سے تطوعاً قربانی کر دے تو اسے اختیار ہے ۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی ۔

صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے

(سوال) صدقہ فطر و قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے یا اس کے علاوہ بھی ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق دہلوی ۔
(جواب ۲۳۰) صدقہ فطر اور قربانی صاحب نصاب پر واجب ہے ۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

---

(۱) قال تعالیٰ : ولكل امة جعلنا منسكاً ليذكروا اسم الله علىٰ ما رزقهم من بهيمة الانعام (الحج ۳۴) وفي الحديث ومن كان لم يذبح فليذبح باسم الله و في رواية علىٰ اسم الله وقال النووى على اسم الله هو بمعنى رواية فليذبح باسم الله اى قائلاً باسم الله هذا هو الصحيح في معناه (مسلم شريف ' كتاب الاضاحى ۱۵۳/۲ ط قديمى)
(۲) فلا تتعين الاضحية الا بالنية وقال النبى ﷺ انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرى مانوى و يكفيه ان ينوى بقلبه ولا يشترط ان يقول بلسانه ما نوى بقلبه لان النية عمل القلب والذكر باللسان دليل عليها (بدائع الصنائع' كتاب التضحية ۷۱/۵ ط سعيد)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۳ ص ۱۷۹)
(۴)(۱) وشرائطها الاسلام والاقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر (الدرالمختار' كتاب الاضاحى ۳۱۲/۶ ط سعيد)

(۱) صحیح تلفظ "عیداضحیٰ" ہے
(۲) کیامسافرپر قربانی واجب ہے؟

(سوال) (۱) عیدالاضحیٰ تلفظ صحیح یا عیداضحیٰ (۲) مسافر اگر صاحب زکوٰۃ ہو تو اس پر قربانی واجب ہے کہ نہیں؟ (۳) مسافر اگر ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو اپنے مقام پر واپس آجائے تو وہ قربانی کر سکتا ہے یا نہیں

المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی

(جواب ۲۳۱) (۱) عیداضحیٰ صحیح ہے[۱] (۲) جس پر زکوٰۃ واجب ہو اس پر قربانی بھی واجب ہوگی[۲] (۳) قربانی بارہ تاریخ تک ہوتی ہے تیرھویں تاریخ کو قربانی نہیں۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

۹ ذی الحجہ کو عیداضحیٰ کی قربانی کرنا جائز نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء)

(سوال) بتاریخ ۹ عیدالاضحیٰ قربانی کرنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(جواب ۲۳۲) قربانی ۱۰ ذی الحجہ کو ہوتی ہے اور دس ہی کو نماز پڑھی جاتی ہے۔ ۹ کو نہ نماز ہوتی ہے نہ قربانی۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

فصل دوم ۔ بڑے جانور

قربانی کے لئے خریدی گئی گائے کے متعلق چند سوالات

(سوال) عرفے کے روز شام کے وقت ایک شخص مسمی عبدالعزیز نے اپنی طرف سے اور اپنے شرکاء کی جانب سے ایک گائے قربانی کے واسطے خریدی اور ایک روپیہ بیعانہ دیکر یہ کہا کہ کل یہ گائے ہمارے مکان پر پہنچادو چنانچہ کل کو قصائی گائے ان کے مکان پر پہنچانے چلے راستے میں ان سے چھوٹ کر ایک متمول ہندو کے اصطبل میں گھس گئی وہاں سے نکال کر چلے تو آگے چل کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی قصائیوں نے اس کو اٹھا کر لے جانا چاہا مگر ہندوؤں نے نہ لے جانے دیا اور بہت ہندو جمع ہو گئے آخر اطلاع پانی پر اہل کار

---

(۱) کما فی اللباب للمیدانی والرابعۃ اضحاۃ بفتح الھمزۃ والجمع اضحی ومنہ عید الاضحی کذافی المصباح المنیر علی ھامش الجوھرۃ ۲/ ۲٤۱ ط میر محمد .

(۲) وشرائطھا الاسلام والاقامۃ والیسار الذی یتعلق بہ وجوب صدقۃ الفطر (درمختار ٤/ ۱۹۷)

(۳) مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر قال الاضحی یومان بعد یوم الاضحی وقال مالک انہ بلغہ عن علی بن ابی طالب مثل ذالک (موطا امام مالک ۲/ ٤۹۷ ط میر محمد) وفی شرح التنویر ... [illegible] ... الی آخر ایامہ وھی ثلاثۃ افضلھا اولھا (الدرالمختار کتاب الاضاحی ٦/ ۳۱۵ ط سعید)

(٤) (ایضاً بحوالہ نمبر۳)

پولیس اس گائے کو تھانہ لے گئے بارھویں شب ذی الحجہ کو وہ گائے بہ سبب اندیشہ فتنہ و فساد (بلوہ) یا حکم صاحب کلکٹر بہادر چند سربر آوردہ مسلمانوں کو اس شرط سے دی گئی کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کی جائے بعد کئی روز کے ان چند مسلمانوں نے جن کے گائے سپرد تھی بایمائے حکام ایک جلسہ منعقد کر کے مسمی عبدالعزیز سے جو منجملہ شرکاء ایک حصہ دار تھا یہ کہا کہ وہ گائے ہم نے تم کو دی جو ہماری سپردگی میں ہے اس نے کہا کہ میں نے مدرسے میں وقف کی اس کا یہ کہنا تھا کہ فوراً اس گائے کا نیلام انہیں چند سربر آوردہ مسلمانوں نے شروع کر دیا آخر مبلغ دو سو روپے میں وہ گائے ایک مسلمان نے خرید لی اب مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں :

(۱) بیع اول جو قصائیوں سے ہوئی شرعاً منعقد ہوئی یا نہیں ؟

(۲) ایام قربانی میں ان چند مسلمانوں کو ایسی شرط جائز تھی یا نہیں کہ چھ ماہ تک قربانی نہ کریں گے۔

(۳) وقف کا جانور اگر ایک مکان میں بند ہو اور ایک شریک یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کر دیا اور مدرسہ والوں نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ اس کو دیکھا تک نہ ہو اس صورت میں وقف ثابت ہو گا یا نہیں اور اس کا نیلام درست ہو گا یا نہیں ؟

(۴) در صورت عدم جواز نیلام گائے کے مستحق کون لوگ ہیں ؟

(۵) اگر مشتری نیلام اس گائے کو ہندوؤں کو دیدے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے ؟

(جواب ۲۳۳) صورت مسئولہ میں جو بیع قصائیوں سے ہوئی ہے وہ منعقد تو ہوئی لیکن چونکہ مشتریوں نے مبیع پر قبضہ نہ کیا تھا اس لئے مبیع ان کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی اور جب تک کہ قصائی مبیع کو مشتریوں کے قبضے میں نہ دیدیں مبیع کے ہر نفع نقصان کے ذمہ دار ہیں۔[1]

(۲) اس شرط میں چونکہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور ایک شعار مذہبی پر صدمہ پہنچتا ہے اس لئے یہ شرط ناجائز تھی۔[2]

(۳) یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ واقف تمام گائے کا مالک نہیں اور وقف بدوں ملک صحیح نہیں ہوتا۔[3]

(۴) ابھی تک گائے کے مستحق قصائی ہیں کیونکہ وہ انہیں کے ضمان میں ہے اور نیلام صحیح نہیں ہوا کیونکہ مالکوں کی رضامندی سے نہیں ہوا ہے۔[4]

(۵) مشتری نیلام کی خریداری ہی صحیح نہیں ہے[5] اور ہندوؤں کو دیدینا تو خریداری صحیح ہونے

---

(۱) لا يصح اتفاقا ككتابة واجارة وبيع منقول قبل قبضه ولو من بائعه كما سيجي (رد المحتار ۴ ص ۱۸۱) ط کوئٹہ

(۲) قال تعالیٰ يا ايها الذين آمنوا لا تحلوا شعائر الله (المائدة)

(۳) ولا يتم الوقف حتى يقبض و يفرز فلا يجوز وقف مشاع يقسم خلافا للشافعي و يجعل آخره لجهة قربة لا تنقطع (ردالمحتار ۳ / ۳۶۴ ط بیروت)

(۴) لا يصح بيع منقول قبل قبضه ولو من بائعه (رد المحتار ۴ / ۱۸۱ ط کوئٹہ)

(۵) لا يصح اتفاقا ككتابة واجارة و بيع منقول قبل قبضه ولو من بائعه كما سيجي (رد المحتار ۴ / ۱۸۱)

کی صورت میں بھی ناجائز تھا کیونکہ اس میں ایک اسلامی حکم کی ہتک اور بے عزتی ہوتی ہے۔[۱] واللہ اعلم

گائے کی قربانی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے

(سوال) بقر قربانی کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف ؟

(ترجمہ) گائے کی قربانی کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے ؟

(جواب ۲۲۴) حلت بقر از قرآن مجید و قربانی بقر از حدیث صحیح کہ بخاری روایت کردہ ثابت است۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

(ترجمہ) گائے کی حلت قرآن مجید سے[۲] اور اس کی قربانی کرنا بخاریؒ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[۳]

گائے کی قربانی میں ہر شریک کا کم از کم ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے

(سوال) سات شخصوں نے مل کر ایک گائے قربانی کے لئے للعہ روپے کی خریدی شرکاء میں سے کسی نے دو روپے دیئے اور کسی نے تین اور کسی نے ساڑھے تین ادا کئے اور ہر ایک شریک نے مطابق اپنے اپنے روپیوں کے گوشت تقسیم کر لیا لہذا شرعاً یہ قربانی جائز ہو گی یا نہیں ؟

(جواب ۲۲۵) گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا حصہ سبع یعنی ۱/۷ سے کم نہ ہو پس صورت مسئولہ میں جب کہ شرکاء سات ہیں اور بعض نے دو روپے اور بعض نے تین ادا کئے تو یقیناً بعض شرکاء نے دو روپے سے کم بھی ادا کئے ہوں گے اور جب کہ بقدر روپے کے ہر شریک حصہ دار ہے تو بعض شرکاء کا حصہ سبع یعنی ۱/۷ سے کم ہو گیا تو اس صورت میں کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوئی۔ ولو لا حدھم اقل من سبع لم یجز عن احد انتھی (درمختار)[۴] کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ سنہری مسجد دہلی۔

قربانی ذبح کرتے وقت تمام شرکاء کے نام لینا ضروری نہیں

(سوال) ہماری طرف بقر عید میں جو قربانیاں ہوتی ہیں اس میں سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے یا بیل قربانی کرتے ہیں اور ذبح کے وقت شرکاء کے نام پکارے جاتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ شرکاء کے نام پکارنا

---

(۱) قال تعالی : یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ (المائدة)

(۲) قال تعالی ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین (الانعام : ۱۴۴)

(۳) عن عائشۃؓ ان النبی ﷺ دخل علیھا و حاضت بسرف قبل ان تدخل مکۃ وھی تبکی فقال مالک انفست قالت نعم قال ان ھذا امر قد کتبہ اللہ علی بنات آدم فاقضی ما یقضی الحاج غیر ان لا تطو فی بالبیت فلما کنا بمنی اتیت بلحم بقر فقلت ماھذا قالوا ضحی رسول اللہ ﷺ عن ازواجہ بالبقر (بخاری شریف ۲/ ۸۳۲ ط قدیمی)

(۴) (الدرالمختار کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۱۵ ط سعید)

شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۳۶) شرکاء کے نام قربانی کو ذبح کرتے وقت پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں ذبح کرنے والا نیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کا خیال رکھے[1] اور اتفاقاً پکار دیئے جائیں اور مقصود اعلام ہو تو مضائقہ نہیں لیکن پکارنے کو ضروری یا اضحیہ میں لازم سمجھنا بے اصل ہے۔ واللہ اعلم

بڑے جانوروں میں سات حصوں سے کم بھی رکھ سکتے ہیں

(سوال) جس جانور سے سات تک حصے کرنا جائز ہو کیا اس کے دو تین چار پانچ چھ حصے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۳۷) گائے اونٹ میں دو تین چار پانچ چھ حصے کرنا بھی جائز ہے ایک اور سات ہی میں منحصر نہیں سات سے زیادہ نہیں ہو سکتے اس سے کم میں یہ شرط ہے کہ کسی شریک کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو۔ والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولا يمنع النقصان كذافي الخلاصة[2] (ہندیہ)

شرکاء میں سے کسی ایک کا نکلنا قربانی کے لئے مضر نہیں

(سوال) ایک گائے میں سات آدمی شریک ہوئے بعد میں ایک شخص نکل گیا اور وہ گائے قربانی کی گئی آیا وہ قربانی جائز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۳۸) قربانی جائز ہو گئی ساتویں شریک کا نکل جانا کچھ مضر نہیں۔[3]

گائے کی قربانی میں ہر شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو

(سوال) ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ اگر کوئی شخص مرا اور اس نے دو یا تین لڑکے چھوڑے تو ان میں سے بڑے لڑکے کو اس کے برادران خورد بالغین اپنے کل کاروبار کا مختار بنا دیتے ہیں۔ پس اگر یہ مختار مشترک مال میں سے اور چھ اشخاص دیگر ایک گائے کی قربانی کریں تو یہ اضحیہ بالبقرہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۳۹) جب کہ چھ حصہ دار اجنبی ہو گئے اور ساتویں حصے میں یہ شخص شریک ہوا تو اگر اس نے اپنے حصہ میں قربانی کی نیت صرف اپنی جانب سے کی ہے تو قربانی صحیح ہو گئی۔[4] اگرچہ مال مشترک میں سے قیمت ادا کی ہو مگر وہ اس کے حصہ میں اور اس کے ذمہ حساب میں محسوب ہو جائے گی لیکن اگر اس نے

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۱۷۸)

(۲) (عالمگیریہ' کتاب الاضحیۃ' الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکۃ ۵/ ۳۰۴ ط کوئٹہ)

(۳) (ایضاً بحوالہ بالا)

(۴) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۱۸۱)

اپنے تمام شرکاء کی جانب سے گائے کا صرف ساتواں حصہ لیا ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی نہ اس کی نہ باقی چھ حصہ داروں کی کیونکہ اگر شرکا میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوتی۔[1]

مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ ملکر گائے کی قربانی رکوانا صحیح نہیں

(سوال) مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرنا جس کی وجہ سے وہ گائے کی قربانی کو بند کر دیں جائز ہے یا نہیں ؟ اور کیا کسی کو ایسا حق ہے کہ وہ ہندوؤں سے اتفاق کے لئے گائے کی قربانی کو بند کر دے اگر کسی کو ایسا حق نہیں تو کیا ایسا شخص شرعاً کچھ مجرم ہے یا نہیں ؟ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں مکہ معظمہ وغیرہ میں کیا اس قسم کے قوانین نافذ ہوتے ہیں جس سے گائے کی قربانی نہ کی جائے۔ بینوا توجروا

(جواب ۲۴۰) مسلمانوں کا کفار کے ساتھ کسی ایسی بات میں متفق الرائے ہونا جس میں شعار اسلام کی ہتک اور بے حرمتی ہوتی ہو ناجائز اور حرام ہے۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ اس قسم کا اتفاق کرے جس کی وجہ سے گائے کی قربانی کا شرعی اختیار مسلمانوں سے سلب ہو جائے کیونکہ اس میں اسلام کی ہتک ہوتی ہے۔[2] کیا وہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے جو اسلام کی ہتک میں کفار کے ساتھ خود بھی شریک ہو قربانی ایک بڑا اسلامی عمل ہے اگر آج گائے کی قربانی بند کر دیجائے تو بہت سے غریب مسلمان ایسے بھی ہیں جو بالکل قربانی ہی نہ کر سکیں گے کیونکہ گائے کا ساتواں حصہ دو ڈیڑھ روپے میں حاصل ہو سکتا ہے بخلاف بکرے بھیڑ کے کہ اس میں چار پانچ روپے صرف کرنے پڑتے ہیں پھر ان کے اس امر شرعی کو ادا نہ کر سکنے کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا اس میں شک نہیں کہ بالخصوص گائے کی قربانی کرنا کوئی فرض واجب نہیں ہے لیکن اس موقع پر جب کہ ہندو تعصباً گائے کی قربانی سے مانع ہوں ان کے اس کہنے کو نہ ماننا اور گائے کی قربانی کرتے رہنا واجب ہے نہ اس وجہ سے کہ گائے کی قربانی واجب ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کے کہنے سے کسی مباح شرعی کو چھوڑ دینا ناجائز ہے جب کہ اس کے ترک میں ہتک اسلام بھی ہوتی ہو جو لوگ کہ ہندوؤں کے ساتھ ان کے اس قسم کے مشورے میں شریک ہوں وہ گنہ گار ہوں گے ان لوگوں کو توبہ کرنا چاہئے اور اپنے اس خیال سے باز آنا چاہئے ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی[3] کسی جگہ اور خصوصاً مکہ معظمہ میں اس قسم کے قانون جاری ہونے کا ہمیں علم نہیں ہوا اور اگر جاری بھی ہوا ہے تاہم خلاف شرع

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ٤ ص ۱۸۶)

(۲) ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (المائدۃ ۲)

(۳) فی الجوہرۃ: وان اشتری شاۃ للاضحیۃ فضلت فاشتری غیرہا ثم وجد الاولی فالا فضل ان یذبح الکل وان ذبح الاولی لا غیر اجزاء ہ سواء کانت قیمۃ الاولی اکثر من قیمتہ الثانیۃ او اقل وان ذبح الثانیۃ لا غیر ان کانت مثل الاولی او افضل جاز وان کانت دونہا یضمن الزیادۃ ویتصدق بہا ولا یلزمہ ان یجمعہما جمیعاً سواء کان معسراً او موسراً (الجوہرۃ النیرۃ: کتاب الاضحیۃ ۲ / ۲۴۳ ط میر محمد)

ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔[1] واللہ اعلم

قربانی کے لئے گائے خریدی لیکن وہ گابھن نکلی تو کیا کیا جائے ؟

(سوال) گزشتہ بقر عید کے موقع پر بقر عید سے کچھ دنوں پہلے بارادہ قربانی میرے یہاں ایک گائے خریدی گئی خریدنے والوں نے اپنے نزدیک فربہ 'جوان اور عمدہ گائے سمجھ کر خرید لی مگر دسویں ذی الحجہ کو عین قربانی کے وقت بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ گائے گیابھن معلوم ہوتی ہے۔ اسے قربانی نہیں کرنا چاہئیے بدیں وجہ اس کی قربانی نہیں کی گئی کچھ دنوں کے بعد اس نے بچہ دیا اب اس وقت گائے اور بچہ دونوں موجود ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا صرف گائے کو قربان کیا جائے یا دونوں کو ؟ المستفتی نمبر ۲۲۹ محمد ابراہیم تکمیل الطب کالج لکھنؤ ۷ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۴۲) گائے جس شخص یا جن اشخاص نے قربانی کے لئے خریدی تھی اگر وہ صاحب نصاب تھے اور انہوں نے قربانی دوسرے جانور پر ادا کرلی تو اب گائے اور اس کا بچہ ان کی ملک ہے وہ ان دونوں کو خواہ رکھیں خواہ فروخت کریں جو چاہیں کریں۔ اور قربانی کے ایام میں دوسرا جانور خرید کر اس کو کام میں لائیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

دو یا تین تھن خشک ہونے کی صورت میں قربانی جائز نہیں

(سوال) ایک بھینس قربانی کے واسطے خریدی گئی اس کے تھنوں میں سے دو تین بالکل خشک ہیں اور دو تھنوں میں سے باقاعدہ دودھ آتا ہے اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ غایۃ الاوطار کتاب الاضحیہ کے اندر تھنوں کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ المستفتی نمبر ۴۳۵ مولوی عبدالرحمن (سکھر) ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ۳ اپریل ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۲۴۳) اونٹ گائے بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر تو قربانی جائز ہوتی ہے لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں ۔ والشطور لا تجزئ وهي من الشاة ما انقطع اللبن عن احدى ضرعيها ومن الابل والبقر ما انقطع اللبن من ضرعيها لان لكل واحد منهما اربع اضرع كذافي التتارخانيه (عالمگیری) قلت والجاموس[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

کیا قربانی کا جانور خریدنے سے پہلے شرکاء کی تعیین ضروری ہے ؟

(سوال) قربانی گاؤ وغیرہ میں جو حصہ دار شریک ہوتے ہیں یہ اشتراک بعد البیع ہونا چاہئیے یا قبل البیع۔ اور اگر

---

(۱) یہ فتویٰ انقلاب ۱۹۴۷ء سے پہلے کا تحریر کیا ہوا ہے (واصف)
(۲) و يكره امامة فاسق وفي الشامية و لعل المراد به من يرتكب الكبائر (الدرالمختار' مع ردالمحتار' كتاب الامامة ۱/ ۵۶۰ ط سعید)
(۳) (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۵: ۲۹۹ ط ماجديه كوئته)

بعد ہی شریک ہوں تو قربانی جائز ہو گی یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۴۵۳** مولوی بہاؤالدین (ضلع ملتان) ۵ محرم ۱۳۵۴ھ م ۱۰ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۲۴۳) گائے میں شریک ہونے والے خریدنے سے پہلے شریک ہو جائیں اور پھر گائے خریدیں تو یہ احوط اور افضل ہے اور اسی حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ خریدنے والا اس نیت سے خریدے کہ ایک حصہ یا دو حصے میں اپنی قربانی کے لئے رکھوں گا اور باقی حصص میں دوسروں کو شریک کرلوں گا کہ یہ بھی جائز ہے لیکن اگر اس نے بغیر کسی نیت کے خرید لی اور بعد میں دوسروں کو شریک کر لیا تو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔ لیکن راجح جواز ہے۔ والا شتراك قبل الشراء احب (درمختار) لو لم ینو عند الشراء ثم اشركهم فقد كرهه ابو حنيفة (ردالمحتار) وان نوى ان يشرك فيها ستة اجزاته (ردالمحتار)[۱]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

سود خور کے ساتھ قربانی میں شرکت کا حکم!

(سوال) سود خوار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرنا جائز ہو گا یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۲۶۴** محمد عبدالوہاب صاحب (جسور) ۲۴ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۵ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۴) سود خوار کے ساتھ قربانی میں شریک نہیں ہونا چاہئیے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیل' بکری اور بھینسہ کی قربانی جائز ہے!

(سوال) قربانی کے لئے بیل بکری اور بھینسہ جائز ہے یا نہیں ؟ **المستفتی نمبر ۲۲۷۹** اے سی منصوری اسلام پورہ بمبئی ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۴۵) بیل بکری اور بھینسہ کی قربانی جائز ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اونٹ کی قربانی میں احناف کے نزدیک صرف سات حصے ہی ہو سکتے ہیں!

(سوال) زید نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ اونٹ، بیل، گائے، بھینس کی قربانی میں سات آدمی شریک ہوتے ہیں بلکہ ایک اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت امام شافعی صاحب کے مذہب میں ہے یا حنفی صاحب کے مذہب میں یا دیگر ائمہ کے نزدیک'

---

(۱) (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/ ۳۷۱ ط سعيد)

(۲) او كان شريك السبع من يريد اللحم او كان نصرانياً و نحوذالك لا يجوز للآخرين كذافي السراجية (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۵/ ۳۰۴ ط ماجديه كوئٹه)

(۳) اما جنسه فهو ان يكون من الاجناس الثلاثة الغنم اوالا بل اوالبقر فى كل جنس نوعه والذكر والانثى منه و قيل ايضاً والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۵/ ۲۹۷ ط ماجديه)

آخر کتاب والے نے کس امام کی پیروی کرتے ہوئے لکھا ہے؟ المستفتی دستی بلا نمبر۔ عبدالعزیز ٹونک
(جواب ۲۴۶) اونٹ میں بھی حنفیہ کے نزدیک سات ہی آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں۔[1] دس کی شرکت کی روایت کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ روایت میں تصریح نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کی اجازت دی تھی نیز سات کی شرکت میں قربانی کا ہونا متفق علیہ ہے اور دس کی شرکت مختلف فیہ ہے تو متفق علیہ پر عمل احوط ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

گھوڑے اور مرغی کی قربانی نہیں ہو سکتی

(سوال) عید الضحیٰ کے موقع پر گھوڑے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور مرغ بھی قربانی میں قربانی کا جانور سمجھا جاتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۸۰۴ عبدالواحد رنگساز (دہلی) ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۴۷) قربانی کے جانور اونٹ، گائے، دنبہ، بھیڑ، بکرا (مذکر و مؤنث) ہیں بھینس گائے کے حکم میں ہے گھوڑے اور مرغ کی قربانی نہیں ہو سکتی اور نہ آں حضرت ﷺ سے قولاً یا فعلاً گھوڑے کی قربانی کا کوئی ثبوت ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

ہرن اور نیل گائے کی قربانی درست نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) کیا ہرن اور نیل گائے کی قربانی جائز ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟

(جواب ۲۴۸) ہرن اور نیل گائے کی قربانی درست نہیں قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے اور شریعت مقدسہ سے صرف تین نوع کے جانور ثابت ہوئے ہیں نوع اول اونٹ نر و مادہ، نوع دوم بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دنبہ نر و مادہ، نوع سوم گائے بھینس نر و مادہ۔ بس ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں اور ان کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ وحشی نہ ہوں بلکہ اہلی (پالتو) اور آدمیوں سے مانوس ہوں۔[4] واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

جانور ذبح کرنے سے پہلے کسی شریک کے علیحدہ ہونے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۹ء)

(سوال) قربانی میں شریک ہو کر پھر قربانی سے ایک روز پہلے حصہ چھوڑنے پر قربانی واجب سنت کچھ

---

(۱) فتجب علی حر مسلم مقیم شاۃ او سبع بدنۃ ھی الابل والبقر (درمختار ۶/ ۳۱۵ ط س)
(۲) وفی البدائع: ان الاخبار اذا اختلف بالظاھر یجب الاخذ بالاحتیاط وذالک فیما قلنا: لان جوازہ عن سبعۃ ثابت الاتفاق وفی الزیادۃ اختلاف فکان الاخذ بالمتفق علیہ اخذاً بالتیقن (بدائع کتاب التضحیۃ ۵/ ۷۱ ط سعید)
(۳-۴) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۱۹۰)

اس کے ذمے باقی ہے یا نہیں ؟
(جواب ۲۴۹) قربانی کی گائے میں اگر کوئی ایسا شخص شریک تھا جس پر قربانی واجب تھی اور پھر ذبح سے پہلے وہ شرکت سے علیحدہ ہو گیا اور دوسرا آدمی اس کی جگہ شریک ہو گیا تو قربانی ہو جائے گی۔ اور جس پر قربانی واجب نہ تھی وہ اگر ذبح کرنے سے پہلے علیحدہ ہو جائے تو اس پر قربانی واجب رہے گی۔[1] اور اس جانور کے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی درست نہ ہو گی جب تک وہ اسی کو شریک کر کے قربانی نہ کریں۔[2]

فصل سوم' چھوٹے جانور

کیا چھ مہینے کے مینڈھے یا بھیڑ کی قربانی جائز ہے ؟
(سوال) چھ مہینے کا جانور بکری یا مینڈھا بھیڑ یا دنبہ چکتی والا قربانی میں جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا
(جواب) (از مولوی محمد ابراہیم صاحب واعظ دہلوی) چھ ماہ کا بکرا یا بکری بھیڑ یا بھیڑیا یا مینڈھا قربانی کرنا جائز نہیں ہے یہ جانور پورے ایک سال کے ہونے لازم ہیں۔ ہاں صرف دنبہ یا دنبی نر ہو یا مادہ چکتی والا جانور چھ ماہ کا بشرطیکہ سال بھر والے جانور کے قد و قامت میں ملتا جلتا ہو تو جائز ہے جیسے کہ در مختار اور اس کے حاشیے ردالمحتار میں صاف ثابت ہے۔ وصح الجذع ذوستة اشهر من الضان ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التميز من بعد (درمختار) قوله من الضأن هو ماله الية (منح) قيد به لانه لايجوز من المعز وغيره بلا خلاف كما في المبسوط (ردالمحتار[3] سید احمد طحطاوی) قوله من الضأن والضأن ما تكون له الية والله اعلم بالصواب' حرره محمد ابراهيم
(جواب ۲۵۰) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہوالمصوب۔ سال بھر سے کم کا جانور قربانی میں بوجہ اس صحیح حدیث کے فقہاء نے جائز کہا ہے جو کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے۔ لا تذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن[4] یعنی مسنہ کے سوا قربانی نہ کرو ہاں اگر مسنہ ملنا مشکل ہو تو ضان کا جذعہ ذبح کر دو اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ضان کیا ہے ؟ جہاں تک دیکھا اور غور کیا گیا یہی معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ غنم ایک عام لفظ ہے جو بکری بھیڑ دنبے تینوں کو شامل ہے اور پھر اس کو باعتبار صوف ہونے نہ ہونے کے فقط دو قسم پر منقسم کیا گیا ہے جس پر صوف نہ ہو اس کو معز کہتے ہیں اور جس پر صوف ہو جیسے بھیڑ دنبہ اس کو ضان کہتے ہیں پس ضان میں دنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں۔ اور یہ

---

(۱) و فقير شراها لها لو جوبها عليه بذالك حتى يمتنع عليه بيعها (التنوير الابصار مع الدرالمختار' كتا ب الاضحية ۶/ ۳۲۱ ط سعيد)
(۲) لان بعضها لم يقع قربة (الدرالمختار' كتاب الاضحية ۶/ ۳۲۶ ط سعيد)
(۳) (الدرالمختار مع الرد' كتاب الاضحية ۶/ ۳۲۱ ط سعيد)
(۴) (مسلم شريف' كتاب الاضاحي ۲/ ۱۵۵ ط قديمي)

عبارتیں اس کی دلیل ہیں۔ قولہ غنما یشمل الضان والمعز (عینی شرح بخاری جلد عاشر ص ۶۷) والغنم صنفان المعز والضان (کذافی حاشیۃ ابی داؤد نقلا عن الشیخ المحدث الدھلوی) ان عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ غنم عام ہے جس میں معز اور ضان دونوں شامل ہیں اب سنیے کہ معز اور ضان کسے کہتے ہیں۔ المعز بالفتح و یحرک خلاف الضان من الغنم انتھی مختصرا قاموس، اس عبارت سے جیسے کہ غنم کا عموم ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غنم میں معز کے علاوہ جو ہے وہ سب ضان ہے کیونکہ غنم کی صرف دو قسمیں ہیں فالمعز ذوات الشعور منہا والضان ذوات الصوف، انتھی تاج العروس[1] جلد رابع ص ۸۲ معز الماعز ذوالشعر من الغنم خلاف الضان انتھی لسان العرب[2] جلد سابع ضان من الغنم ذو الصوف والضائن خلاف الما عز انتھی مختصرا لسان العرب[3] جلد سابع عشر والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم تفسیر کبیر[4] جلدرابع، والضان ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم خازن[5] جلد ثانی ص ۶۰ قولہ ﷺ فتذ بحوا جذعۃ من الضان بالھمز و یبدل و یحرک خلاف الما عز من الغنم (مرقات شرح مشکوۃ[6] جلد ثانی ص ۲۶۱) ان تمام عبارتوں سے واضح ہے کہ معز تو اسے کہتے ہیں جس پر بال ہوں۔ اور ضان وہ ہے جس پر صوف یعنی اون ہو اور لسان العرب اور مرقاۃ کی عبارتیں اس بارے میں نص صریح ہیں کہ معز کے خلاف غنم میں جو جانور ہیں وہ سب ضان ہیں اور ظاہر ہے کہ غنم میں بکری، بھیڑ، دنبہ تینوں داخل ہیں۔ تو جب کہ فقط بکری ان میں سے معز ہے تو بھیڑ اور دنبہ دونوں ضان ہیں اور ضان کا جذعہ جائز ہے تو بھیڑ اور دنبہ دونوں چھ ماہ سے زائد کے جائز ہوں گے صرف دنبہ کے جواز اور بھیڑ کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں اور اس کی پوری تشریح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں بذیل حدیث لاتذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان[7] کردی ہے۔ فرماتے ہیں "پس ذبح کنید جذعہ را از میش" اور پھر تحقیق کرتے ہیں "وغنم دو صنف است معز کہ آں را بز گویند و ضان کہ آنرا میش خوانند"[8] اور ظاہر ہے کہ میش میں دنبہ اور بھیڑ دونوں شامل ہیں اور بز فقط بکری کو کہتے ہیں نواب قطب الدین خان مظاہر حق میں اسی حدیث کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "پس ذبح کرو جذعہ دنبہ یا بھیڑ سے"[9] پس اب اس میں

---

(۱) (تاج العروس للزبیدی، فصل المیم من باب الزا ٤ / ۸۲ ط بیروت)
(۲) (لسان العرب ٥ / ٤١٠ ط بیروت)
(۳) (" ۱۳ / ۲٥۱ ")
(٤) (تفسیر کبیر ۱۳ / ۲۱٦ ط تہران)
(٥) (تفسیر خازن ۲ / ۱۹۲ ط)
(٦) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۳ / ۳۰٤ ط امدادیہ ملتان)
(۷) (مسلم شریف، کتاب الاضاحی ۲ / ۱٥٥ ط قدیمی)
(۸) (اشعۃ اللمعات، باب الاضحیۃ ۱ / ٦۰۸ ط وکنوریہ سکھر)
(۹) (مظاہر حق ۱ / ٥۰٥ ط ادارہ اشاعت دینیات)

کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ اور دنبہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور یہ دونوں غنم کی ایک قسم میں داخل ہیں اور دوسری قسم بکری ہے اور ممیز ان دونوں میں صوف کا وجود اور عدم ہے۔ الیہ یعنی چکتی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔
رہی یہ بات کہ منح الغفار شرح درمختار میں ضان کی تفسیر ماله الية کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول درحقیقت تفسیر لغت کی طرف راجع ہے نہ حکم فقہی' پس اس میں ارباب لغت کے اقوال سے مطابقت ضروری ہے اور چونکہ قاموس' صراح' لسان العرب' تاج العروس' مجمع البحار (کتب لغت) اور تفسیر کبیر' خازن' کشاف (کتب تفسیر) اور عینی شرح بخاری' اشعۃ اللمعات' مظاہر حق (شروح حدیث) اور فتاوی بزازیہ وغیرہ کتب فقہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ضان بھیڑ اور دنبہ دونوں کو کہتے ہیں تو منح الغفار کا یہ قول اور تقیید کیسے قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ لامحالہ مسامحت یا زلۃ قلم پر محمول ہوگا کہ بجائے ماله صوف اوالية مانعة الخلو کے صرف ماله الية لکھا گیا ہے۔ هذا والله اعلم بالصواب کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ رضی عنہ ربہ وارضاہ۔

خصی جانور کی قربانی جائز ہے

(سوال) قربانی خصی بکرے یا مینڈھے یا بیل کی جائز ہے کوئی نقص شرعی تو نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۶۵ ماسٹر یونس خاں لاہور' ۸ محرم ۱۳۵۳ھ ۲۴ اپریل ۱۹۳۴ء۔
(جواب ۲۵۱) خصی بکرے' مینڈھے بیل کی قربانی جائز ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔[1]

خصی جانور کی قربانی کا حکم

(سوال) قربانی خصی دنبہ یا خصی بکرے کی جائز ہے یا نہیں ؟ خصی دو طرح سے کیا جاتا ہے خصیتین کو کاٹ کر یا دبا کر خصیتین نکال دیئے جاتے ہیں طریقہ ثانیہ میں اعضاء میں کمی ہو جاتی ہے کیا یہ دونوں قسم کے خصی جائز ہیں۔ المستفتی نمبر ۷۰ ۴ منشی مشتاق حسین (پٹیالہ) ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء
(جواب ۲۵۲) دونوں قسم کے خصی کی قربانی جائز ہے عضو کا کم ہو جانا اور کچل کر بیکار کر دینا یکساں ہے مگر یہ عیب گوشت کی عمدگی کے لئے قصداً کیا جاتا ہے۔ يجوز المجبوب العاجز عن الجماع (عالمگیری ص ۳۳۰ ج ۵)[2] و يضحى بالجماء والخصى والثولاء (درمختار علی هامش رد المحتار ص ۲۲٤ ج ٥)[3] و يجزئ الخصى لانه اطيب كما قال الشعبی مازاد الخصى فی طيبة لحمه خير للمساكين مما فات من الخصيتين (البرهان شرح مواهب الرحمن قلمی ص ۳۳۷)[4]

---

(۱) فی التنویر ویضحی بالجماء والخصی والثولاء (درمختار علی هامش رد المحتار کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۳ ط سعید)
(۲) (عالمگیریة کتاب الاضحیة ٥ / ۲۹۷ ط ماجدیه کوئٹه)
(۳) (ایضا بحواله سابق نمبر ۱ ص هذا) (۴) یہ کتاب بعد تلاش بسیار کے نہیں ملی

ویجزی الخصی (سراجیہ)[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا خصی جانور کی قربانی زیادہ بہتر ہے؟

(سوال) حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی کے لئے خصی کی فضیلت زیادہ ہے یا غیر خصی کی؟
المستفتی نمبر ۷۸۲ حکیم محمد ابراہیم صاحب (جودھپور) ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۹ فروری ۱۹۳۶ء
(جواب ۲۵۳) خصی جب کہ گوشت کے لحاظ سے بہتر ہو تو وہ افضل ہے یعنی اگر فقراء نادار لوگ زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت والا جانور افضل ہے اور حاجت مند کم ہوں تو پھر جس کی قیمت زیادہ اور گوشت عمدہ ہو وہ افضل ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

جانور کو خصی کرنے کا حکم

(سوال) جانور کو بدھیا بنانا یعنی اس کے خصیوں کو نکال دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور بدھیا جانور کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بدھیا جانور خواہ بکرا ہو یا بیل اس کو بدھیا کرنے کا ثبوت کوئی کتاب میں ہے؟ عیب دار جانور کی قربانی تو جائز نہیں پھر بدھیا خصی کی قربانی کیوں جائز ہے؟ کیونکہ خصیتین کا نکال دینا تو بڑا عیب اور صریح ظلم ہے؟ المستفتی نمبر ۷۹۷ شیخ غلام قادر صاحب (ضلع پورنیہ) ۴ اذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۹ مارچ ۱۹۳۶ء۔
(جواب ۲۵۴) آنحضرت ﷺ نے کبشین موجوئین یعنی ایسے دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے جن کے خصیے کچل کر بیکار کر دیئے گئے تھے۔ بدھیا کرنے کے دو طریقے تھے ایک تو خصیے نکال کر بدھیا کرتے تھے اسے خصی کہتے تھے۔ دوسرے خصیے کچل کر بیکار کر دیتے تھے اسے موجوء کہتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد نے روایت کی ہے۔[3] (کذا فی جمع الفوائد) بدھیا کرنے سے گوشت اچھا اور چکنا اور زیادہ ہو جاتا ہے ان فوائد کے لئے بدھیا کرنا جائز ہے۔[4] کیونکہ انسان کے انتفاع کے لئے جب ذبح کرنا اور کھانا جائز ہے تو بدھیا کرنا تو ذبح کرنے سے اہون ہے اگر ذبح کرنا ظلم نہیں تو بدھیا کرنا کس طرح ظلم قرار دیا جا سکتا ہے۔ رہا عیب تو یہ عیب اس لئے نہیں شمار کیا گیا کہ اس سے جانور موٹا عمدہ بیش قیمت ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) (فتاوی سراجیہ ص ۹۸ ط سعید)
(۲) فی الشامیۃ تحت قولہ اذا استویا فان کان سبع البقرۃ اکثر لحما فہو افضل والاصل فی ہذا اذا استویا فی اللحم والقیمۃ فاطیبہما لحما افضل واذا اختلفا فیہما فالفاضل اولی (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۲ ط سعید)
(۳) عن جابر بن عبداللہ قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین' وفی التعلیق علی ہامش ابی داود قال الخطابی الموجوء منزوع الانثیین والوجاء الخصاء وجواز الخصی فی الاضحیۃ قد کرہہ بعض اہل العلم لنقص العضو لکن لیس ہذا عیب لان الخصاء یفید اللحم طیبا و ینفی عنہ الزہومۃ و سوء الرائحۃ (ابوداؤد شریف ۲/ ۳۰ ط س)
(۴) وجاز خصاء البہائم حتی الہرۃ (الی ان قال) و قیدوہ بالمنفعۃ والا فحرام وفی الشامیۃ ای جواز خصاء البہائم بالمنفعۃ وہی ارادۃ سمنہا او منعہا عن العض (درمختار مع رد المحتار' کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۶/ ۳۸۸ ط سعید)

خصی بکرے اور دنبہ کی قربانی جائز ہے

(سوال) کیا خصی بکرے اور دنبے کی قربانی جائز ہے اور آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۱ عبدالحمید جی صاحب (مارواڑ) ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م یکم فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۵۵) خصی بکرے اور دنبے وغیرہ کی قربانی جائز ہے حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خصی جانور کی قربانی کی ہے۔ ابوداؤد شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس میں موجوئین کا لفظ ہے موجوء ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کے انثیین نکال کر ان کو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عیب قربانی کے جواز کے لئے مانع نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خصی بکرے کی قربانی کا حکم

(سوال) خصی بکرے کی قربانی جائز ہے کہ نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۳۱۸ اے، سی منصوری (بمبئی) ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۵ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۲۵۶) خصی بکرے کی قربانی جائز ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دس ماہ کے بکرے کی قربانی نہیں ہو سکتی

(سوال) بکرا دس مہینے کا جب کہ فربہ ہو قربانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۷۸۳ مولوی عبدالحمید مہتمم مدرسہ رشیدیہ عربیہ لدھیانہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۴ء

(جواب ۲۵۷) بکرا سال بھر سے کم کا قربانی میں جائز نہیں۔[3] بھیڑ اور دنبہ جائز ہے جب کہ چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور فربہ ہو۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

فصل چہارم' قربانی کے جانور کی تعیین یا نذر

کیا قربانی کا جانور متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے؟

(سوال) قربانی کا جانور ایام قربانی میں ہی خرید کر متعین کرنا جائز ہے یا یہ بھی جائز ہے کہ دوچار روز یا مہینہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۱۹۶ حاشیہ ۳)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ ص ۱۹۴)
(۳) وصح الثنی فصاعدا من الثلاثة والثنی هو ابن خمس من الابل وهو حولین من البقر والجاموس وحول من الشاة والمعز (درمختار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۲ ط سعید)
(٤) وصح الجذع ذوستة اشهر من الضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمیز من بعد (درمختار مع رد المحتار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۱ ط سعید)

پھر پہلے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید کیا یا اپنے گھر میں کوئی جانور تھا اس کے متعلق یہ نیت کرلی کہ امسال اس کو قربانی کروں گا تو اس صورت میں قربانی صحیح ہوگی یا نہیں ؟

(جواب ۲۵۸) قربانی کا جانور خواہ پہلے سے متعین کرلیا جائے خواہ ایام قربانی میں خرید کیا جائے دونوں صورتیں برابر ہیں لیکن اگر متعین کرنے والا یا بہ نیت قربانی خریدنے والا صاحب نصاب نہیں تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا واجب ہو جاتا ہے۔[1] اور اگر صاحب نصاب ہے اور ایام قربانی سے پہلے اس نے جانور خرید ا اور اسے بطور نذر قربانی کے لئے متعین کرلیا تو اس پر بھی اسی جانور کی قربانی واجب ہو گئی اور نصاب کی وجہ سے دوسری قربانی واجب ہوگی[2] اور اگر بطور نذر تعیین نہ کی تو اس کے ذمہ صرف ایک قربانی واجب رہے گی اور تعیین بھی لازم نہ ہوگی۔[3]

اگر بیماری کی وجہ سے قربانی کے جانور کو ایام قربانی سے پہلے ذبح کیا جائے تو گوشت کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے قربانی کے واسطے دنبہ خرید کر متعین کیا پھر وہ دنبہ بیمار ہو گیا پس اس شخص نے اس کو قبل ایام نحر ذبح کرا لیا بایں ارادہ کہ اس کی جگہ دوسرا دنبہ خرید کر ذبح کرلوں گا کیا اس دنبہ مذبوحہ قبل ایام نحر کا گوشت وہ مالک کھا سکتا ہے یا نہ ؟ المستفتی نمبر ۱۴۱۶ فیض اللہ متعلم مدرسہ امینیہ دہلی ۱۵ صفر ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب) (از مولوی محمد اسمٰعیل) واللہ الموفق للصواب۔ اگر دنبہ کو ایسی بیماری لگ گئی کہ معیوب ہو کر قابل قربانی نہیں رہا تو مالک اگر غنی ہے تو اس کو ذبح کرلے اور اس کا گوشت خود کھائے یا بیچے جائز ہے کیونکہ یہ دنبہ قابل قربانی نہیں رہا اس کے قائم مقام اس پر دوسرا واجب ہے۔ اور اگر مالک فقیر ہے تو اس کو گوشت کھانا جائز نہیں جب کہ قبل ایام نحر ذبح کرے اور دوسرا اس پر واجب نہیں کیونکہ مسکین پر بعینہ وہی متعین ہے اگر قابل قربانی نہ ہو اور اگر ایسی بیماری ہے کہ قربانی کو مانع نہیں اور مالک نے قبل ایام نحر ذبح کر لیا تو چاہے غنی ہو یا فقیر اس کو گوشت کھانا جائز نہیں۔ کما فی الهندیة ولو اشتری شاة للاضحیة فیکره ان یحلبها او یجز صوفها فینتفع به لانه عینها لاقربة فلا یحل له الانتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القربة فیها کما لا یحل الا نتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها ومن المشائخ من قال هذا فی الشاة المنذوربها بعینها من المعسر والموسر وفی الشاة المشتراة للاضحیة من المعسر فاما

---

(۱) فی شرح التنویر : و فقیر شراها لها لو جو بها علیه حتی یمتنع علیه بیعها (التنویر الابصار مع الدرالمختار' کتاب الاضحیة ٦/ ۳۲۱ ط سعید)

(۲) واعلم انه قال فی البدائع ولو نذران یضحی شاة وذالک فی ایام النحر وهو موسر فعلیه ان یضحی بشاتین عندنا شاة بالنذر وشاة بایجاب الشرع ابتداء (ردالمحتار' کتاب الاضحیة ٦/ ۳۲۰ ط سعید)

(۳) وفی الشامیة ایضا الا عنی به الا خبار عن الواجب فلا یلزمه الا واحدة (رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦/ ۳۲۰ ط سعید)

المشتراة من الموسر للاضحية فلا باس ان يحلبها ويجز صوفها كذافي البدائع والصحيح ان الموسر والمعسر في حلبها و جزصوفها سواء هكذا في الغياثية اه (۱) وقال ابن عابدين عند قول صاحب الدرالمختار و منهم من اجاز هما للغني والجواب ان المشتراة للاضحية متعينة للقربة الى ان تقام غير ها مقامها فلا يحل له الا نتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها اذا ذبحها قبل وقتها بدائع و ياتي قريبا انه يكره ان يبدل بها غير ها فيفيد التعين ايضا اه (۲) محمد اسماعیل عفی عنہ

(جواب ۲۵۹) (از حضرت مفتی اعظمؒ) ہو الموفق اگر غنی نے دنبہ اس نیت سے خریدا کہ میں اس کو ایام نحر میں قربانی واجب میں ذبح کروں گا تو یہ دنبہ اس حق میں ایسا متعین نہیں ہو جاتا کہ اسی کو ذبح کرنا واجب ہو اور دوسرا جانور ذبح کرنا کافی نہ ہو ہاں اتنی تعیین ہو جاتی ہے کہ بلا ضرورت اس کو بدلنا مکروہ ہے اور کسی ضرورت سے تبدیلی کی جائے مثلاً دنبہ ایسا عیب دار ہو جائے کہ اس کی قربانی جائز نہ ہو یا بدلے ہی ہو جائے تو یہ تبدیلی واجب ہے یعنی غنی پر واجب ہوتا ہے کہ اس دنبہ کی جگہ دوسرا صحیح جانور قربان کرے اور اس معیب کو جو چاہے کرے یعنی خواہ فروخت کرے یا ذبح کر کے کھالے یا گوشت فروخت کرے اور اگر معیب تو نہیں ہوا مگر علالت ہو گئی یا اس سے تلف ہو جانے کا خوف ہو گیا اور مالک غنی نے اس کی نیت بدل دی کہ اس کی جگہ دوسرا جانور قربانی کرے گا تو یہ دنبہ جو ایام قربانی سے پہلے ذبح کر دیا گیا اس کی ملک ہے جو چاہے کرے خود کھالے یا فروخت کرے ہندیہ کی عبارت کما لا یحل الا نتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها (۳) اور شامی کی عبارت فلا یحل له الا نتفاع بها ما دامت متعینة ولهذا لایحل له لحمها اذا ذبحها قبل وقتها (۴) سے ان صورتوں کا حکم مراد ہے جب یہ جانور قربانی کے لئے متعین رہے یعنی معیب نہ ہو جائے اور تبدیل کی کوئی معقول وجہ پیدا نہ ہو یا اس کی جگہ دوسرا جانور متعین نہ کیا جائے فقط۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قربانی کی نیت سے خریدے ہوئے جانور کو بیچنے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے قربانی کے لئے بکرا خریدا جتنے کا خریدا تھا اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا یہ کہہ کر یا اتنی زیادہ قیمت کی تو بچہ فروخت کر دیا کیا قربانی کے جانور کو فروخت کیا جا سکتا ہے؟
(۲) قربانی کے لئے جانور خریدا کچھ دن کے بعد پتہ چلا کہ یہ جانور چوری کا ہے اس کی قربانی جائز ہے کہ نہیں یا اور جانور خرید کر قربانی کی جائے؟ (۳) قربانی کرنا واجب نہیں مگر اس کا دل چاہتا ہے کہ میں قربانی کرے

(۱) (عالمگیریۃ کتاب الاضحیۃ ۵/ ۳۰۰ ط ماجدیہ کوئٹہ)
(۲) (رد المحتار کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۹ ط سعید)
(۳) (عالمگیریۃ کتاب الاضحیۃ ۵/ ۳۰۰ ط کوئٹہ)
(۴) (ردالمحتار کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۹ ط سعید)

کر قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں ؟ المستفتی مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی۔

(جواب ۲٦٦) (۱) قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہئیے تھا اگر فروخت کرکے دوسرا کم قیمت کا خریدا تو جو نفع حاصل ہوا ہے اسے بھی خیرات کردے۔[۱]

(۲) اگر چوری کرنے والے سے وہ جانور خریدا ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔[۲]

(۳) قرض لے کر قربانی کرنا بہتر نہیں جب کہ واجب نہیں ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عید اضحیٰ سے پہلے بکرے کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو قربانی کا حکم !

(سوال) ایک شخص جس پر قربانی واجب ہوتی ہے وہ قربانی کرنے کی نیت سے ایک بکری یا بھیڑ یا اور کوئی جانور خرید کرتا ہے جب قربانی کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے تو اب وہ شخص وہی جانور قربانی کرے یا دوسرا خرید کر قربانی کرے اور اس جانور کا کیا کرے اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لا سکتا ہے کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱٦۲٦ محمد نذیر صاحب ریاست (بیکانیر) ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵٦ھ م ۲۲ جولائی ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۲٦۹) اگر خریدنے والا مالدار اور غنی ہے اور اس نے اسی واجب قربانی کی ادائیگی کی نیت سے یہ جانور خریدا تھا اور وہ قربانی کے ایام سے پہلے عیب دار ہوگیا تو اسے لازم ہے کہ دوسرا صحیح جانور خرید کر قربانی کرے اور اس عیب دار کو خواہ بیچ ڈالے خواہ ذبح کرکے کھالے اسے اختیار ہے **ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع كما مر فعليه اقامة غيرها مقامها ان كان غنيا (درمختار)**[۴] **و يقيم بدل هدى واجب عطب او تعيب بما يمنع الاضحية و صنع بالمعيب ماشاء (درمختار) قوله ماشاء من بيع و نحوه فتح (رد المحتار ج ۲)**[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) ولو باع الاولی بعشرین فزادت الاولی عند المشتری فصارت تساوی ثلاثین علی قول ابی حنیفة بیع الاولی جائز فکان علیه ان یتصدق بحصة زیادة حدثت عند المشتری (عالمگیریة، کتاب الاضحیة ۵ / ۲۹٤ ط ماجدیه کوئٹه)

(۲) [illegible] قربانی [illegible] واجب التصدق [illegible] ہوتا ہے

(۳) ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو بالنصب ای ینفقون العفو او انفقوا العفو و قری بالرفع علی ان ما استفهامیة وذا موصولة صلتها ینفقون ای الذی ینفقون العفو قال الواحدی اصل العفو فی اللغة الزیادة وقال القفال العفو ما سهل و تیسر مما فضل من الکفایة وهو قول قتادة و عطاء والسدی وکانت الصحابة رضوان الله علیهم یکسبون المال ویمسکون قدر النفقه و یتصدقون بالفضل (کذافی تفسیر ابی سعود ۱ / ۳٤۱ ط مکتبه الریاض الحدیثیه)

(٤) (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الاضحیة ٦ / ۳۲۵ ط سعید)

(۵) (الدر المختار، باب الهدی ۳ / ٦۱۷ ط سعید)

کیا بکری خریدتے وقت "اس بکری کو ایام نحر میں ذبح کروں گا" کہنا نذر ہے؟

(سوال) مافولکم فی هذه المسئلة رجل موسر اشتری شاة قبل ایام النحر قال عند شرائها اذبح هذه الشاة فی ایام النحر للاضحیة التی اوجبها الله تعالیٰ علی عباده الموسرین ولم یقل لله علی ان اضحی بها ای لا اوجبها علی نفسه بل قال اضحی ما اوجب الله تعالی فی هذه الصورة ان ضحی بها فی ایام النحر تؤدی عنه الاضحیة ام تصیر نذرا فیذبح للاضحیة شاة اخری بینوا توجروا

(ترجمہ) آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ ایک مالدار آدمی نے ایام نحر سے قبل ایک بکری خریدی اور خریدتے وقت یہ کہا کہ اس بکری کو میں ایام نحر میں ذبح کروں گا بطور اس قربانی کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مالدار بندوں پر واجب کی ہے۔ اور یہ نہیں کہا کہ اس کا قربانی کرنا مجھ پر واجب ہے۔ یعنی اس کو اپنے اوپر واجب نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ قربانی جو اللہ نے واجب کی ہے وہ کروں گا۔ کیا اس صورت میں اگر اس نے بکری کو ایام نحر میں ذبح کر دیا تو اس کی واجب قربانی ادا ہو جائے گی یا وہ بکری نذر ہو جائے گی اور قربانی کی ادائیگی کے لئے اس کو دوسری بکری خریدنی پڑے گی۔

(جواب) (از مولوی مشتاق احمد چشتی) جب غنی اور دولت مند نے قربانی کا ارادہ کر کے ایک شاۃ کو خریدا اور اس خرید سے قربانی ہی سے فارغ الذمہ ہونے کی نیت کی تھی تو وقت پر یعنی ایام نحر میں قربانی کرنے سے فارغ الذمہ ہوگی۔ اور علیحدہ اس کے سوا نیت نذر کے ادا کریں گے اس کو قربانی کرنے کی ضرورت نہیں رہی اول تو یہ نذر نہیں اور اگر نذر ہی ہو تو واجب کی نذر صحیح ہے لیکن قبل ایام نحر کے نذر کرنے سے موافق تحقیق محققین دوسری بکری بھی ذبح کرنی پڑے گی۔ رد المحتار ص ۲۱۰ جلد ۵ میں ہے۔ واعلم انه قال فی البدائع ولو نذران یضحی شاة و ذلك فی ایام النحر وهو موسر فعلیه ان یضحی شاتین عندنا شاة بالنذر وشاة بایجاب الشرع ابتداء الا اذا عنی به الاخبار عن الواجب فلا یلزما الا واحدة ولو قبل ایام النحر لزمه شاتان بلاخلاف[1] احتیاطا مسئلہ نذر کا بھی لکھ دیا گیا مگر صورت مسئولہ میں نذر نہیں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ العاصی مشتاق احمد چشتی۔

(جواب ۲۶۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) لو ضحی بهذه الشاة المشتراة بنیة التضحیة الواجبة علیه تتادی بها فریضة الله تعالیٰ ویصیر فارغ الذمة ولا یجب علیه التضحیة بشاة اخری وذلك لانه لم ینو ولم یوجب علی نفسه شاة مبتدأة لتصیر نذرا وانما عین الشاة المشتراة لاقامة الواجب الشرعی الذی کان علیه قبل الشراء و بمثل هذا الکلام لا ینعقد النذر کرجل قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا یلزمه شئ الا ان یقول ان برئت فلله علی ان اذبح شاة (کذافی الهندیه ص ۷۱ ج ۲)[2] وعلم منه ان النذر لا یصح حتی یاتی الناذر بصیغة

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ۶ / ۳۲۰ ط سعید)
(۲) عالمگیریۃ' کتاب الایمان ۲ / ۶۶ ط سعید)

الالتزام والا یجاب علیہ للہ وھی غیر موجودة فی صورة السؤال کتبہ محمد کفایت اللہ عفی عنہ مدرسہ امینیہ سنہری مسجد دھلی ۹ محرم ۱۳۶۵ھ

(ترجمہ) اگر اس شخص نے اپنی واجب قربانی ادا کرنے کی نیت سے اس خریدی ہوئی بکری کو قربان کر دیا تو اللہ تعالیٰ کا فریضہ اس سے ادا ہو گیا اور وہ شخص فارغ الذمہ ہو گیا اور دوسری بکری کی قربانی اس پر واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے پہلی بکری خریدتے وقت اپنے اوپر خود واجب کرنے یا بطور خود اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت نہیں کی تھی اگر ایسا ہوتا تو وہ نذر بن جاتی اور اس خریدی ہوئی بکری کو اس نے اپنے واجب شرعی کی ادائیگی کے لئے متعین کیا جو خریدنے سے پہلے سے اس کے ذمہ تھا اور اس قسم کے کلام سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔ جیسے کسی شخص نے کہا کہ اگر میں اپنے اس مرض سے شفایاب ہو جاؤں تو ایک بکری ذبح کروں گا پھر وہ اچھا ہو گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں ہاں اگر یوں کہے کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو اللہ کے لئے ایک بکری قربان کروں گا۔ (وہ نذر ہو جائے گی اور اس کی ادائیگی ضروری ہوگی) اور اس سے معلوم ہو گیا کہ نذر صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ نذر کرنے والا صیغہ التزام وایجاب کے ساتھ اپنے اوپر اللہ کے واسطے واجب نہ کرے اور صورت مسئولہ میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(جواب) (از مولوی عبدالرحمٰن صاحب) در صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاة لازم خواہد شد یکے بہ نذر و دیگر بایجاب شرع۔ چرا کہ نذر مختص بہ لفظ للہ علی یا علی نیست بلکہ اگر گوید ایں شاة را اضحی خواہم نمود یا ایں را اضحی کردم تاہم نذر خواہد شد قال فی الکفایة تحت قول الماتن ان کان او جب علی نفسہ الخ ای شاة بعینھا بان فی ملکہ شاة فیقول اضحی بھذہ الخ وقال فی ردالمحتار تحت قول الماتن ناذر لمعینة الخ فالمنذ وربہ بان قال للہ علی ان ضحی شاة او بدنة او ھذہ الشاة او البدنة او قال جعلت ھذہ اضحیة انتھی [1] باقی ماند اگر در ایام نحر ایں صیغہا بوقت شراء گوید و در قصد ش اخبار عن الواجب الشرعی نیست تاہم دو شاة واجب خواہد دید و اگر در قصد ش اخبار عن الواجب و بس یک شاة لازم خواہد شد و اگر قبل از دم نحر ایں صیغہا گوید بہر حال بر او دو شاة واجب خواہد گردید برابر است کہ در قصد ش واخبار عن الجواب بود یا نہ۔

قال فی رد المحتار باب الاضحیة اعلم انہ قال فی البدائع ولو نذر ان یضحی شاة وذلک فی ایام النحر ھو موسر فعلیہ ان یضحی شاتین عندنا شاة بالنذر و شاة بایجاب الشرع ابتداء الا اذا اعنی بہ الاخبار الواجب علیہ فلا یلزمہ الا واحدة و لو قبل ایام النحر لزمہ شاتان بلا خلاف لان الصیغة لا تحتمل الاخبار عن الجواب قبل الوقت (انتھی) [2]

قال فی موضع آخر وقد منا ان الغنی اذا قصد بالنذر الاخبار عن الواجب علیہ کان فی ایام النحر لزمہ واحدة و الا فشاتان انتھی [3]

---

(۱) (ردالمحتار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۰ ط سعید)
(۲) (ردالمحتار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۰ ط سعید)
(۳) (ردالمحتار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۳۲ ط سعید)

پس ازیں عبارت واضح گردید کہ صیغہ نذر مختص بہ للہ علی یا علی نیست در صورت مسئولہ بر غنی مذکور دو شاۃ لازم خواہد شد وانچہ قبل النحر اخبار عن الواجب نمود قطعاً معتبر نیست پس انچہ مولانا مشتاق احمد صاحب و مولانا کفایت اللہ صاحب قلمی نمودہ اند کہ قول مذکور نذر نیست ونہ بر غنی مذکور سوائے یک شاۃ مشتراۃ لازم خواہد گردید در نظر فقیر از روایات فقہا معلوم نمی شود کما عرفت واللہ اعلم

حررہ الفقیر عبدالرحمن شکار پوری۔

(ترجمہ) صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہو جائیں گی۔ ایک نذر کی وجہ سے اور دوسری واجب شرعی کی وجہ سے۔ کیونکہ نذر میں اللہ کے لئے اپنے اوپر واجب و لازم کرنے کے الفاظ ضروری نہیں ہیں بلکہ اگر اس نے کہا کہ اس بکری کی قربانی کروں گا یا اس کی قربانی کروں گا تو نذر منعقد ہو جائے گی۔ کفایہ میں ہے کہ اگر اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا۔ یعنی ایک جانور کو بعینہ واجب کر لیا مثلاً ایک جانور پہلے سے اس کی ملک میں تھا اس نے اس کے متعلق کہا کہ میں اس کی قربانی کروں گا (تو وہ نذر ہو جائے گی) اور رد المحتار میں قول ماتن ناذر لعینہ کی تشریح میں کہا ہے کہ منذور بہ اس طرح ہو گا کہ اس نے کہا کہ اللہ کے لئے مجھ کو ایک بکری یا اونٹ کرنا ہے یا یہ خاص بکری یا اونٹ کہا یا یہ کہا کہ میں نے اس کو قربانی کے لئے قرار دیا اتنی رہی یہ بات کہ اگر ایام نحر میں بوقت خرید الفاظ مذکورہ کہے اور اس کی نیت اخبار عن الواجب الشرعی کی نہ تھی تو بھی دو بکریاں واجب ہوں گی اور اگر بقصد اخبار عن الواجب کہے تو ایک بکری لازم ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل الفاظ مذکورہ کہے تو اس پر دونوں صورتوں میں دو بکریاں واجب ہوں گی خواہ اس نے اخبار عن الواجب نیت کی ہو یا نہ کی ہو رد المحتار باب الاضحیہ میں بحوالہ بدائع منقول ہے کہ اگر اس نے ایام نحر میں منت مانی کہ ایک بکری کی قربانی کروں گا تو اگر وہ مالدار ہے تو اس پر دو بکریوں کی قربانی واجب ہو گی ایک منت کی اور ایک ایجاب شرعی کی لیکن اگر اس کی مراد اخبار عن الواجب تھی تو ایک ہی قربانی واجب ہو گی اور اگر ایام نحر سے قبل نذر مانی تو بالاتفاق اس پر دو ہی قربانیاں واجب ہوں گی کیونکہ الفاظ میں قبل از وقت اخبار عن الواجب کا احتمال نہیں ہے انتہی۔

دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اگر نذر سے مراد اخبار عن الواجب ہو اور زمانہ قربانی کا ہو تو اس پر ایک بکری لازم ہو گی ورنہ دو بکریاں انتہی۔

پس اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نذر کا صیغہ للہ علی یا علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور صورت مسئولہ میں غنی مذکور پر دو بکریاں لازم ہوں گی اور ایام نحر سے قبل اخبار عن الواجب قطعاً غیر معتبر ہے پس جو کچھ مولانا مشتاق احمد صاحب و مولانا کفایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ قول مذکور نذر نہیں ہے اور غنی مذکور پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہو گی فقیر کے خیال میں روایات فقہیہ کے مطابق نہیں ہے۔

....

(نوٹ) معلوم نہیں کہ حضرت مفتی اعظم نے جواب الجواب تحریر فرمایا یا نہیں (واصف)

اللہ کے واسطے چھوڑے ہوئے بکرے کو عقیقہ میں ذبح کرنا کیسا ہے ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید نے ایک بکرا اللہ واسطے کا چھوڑ رکھا ہے بعد ازاں زید کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اب زید اس بکرے کو عقیقہ میں ذبح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۶۳) یہ بکرا تو مستقل طور پر نذر کا ہو گیا اس کو عقیقے میں یا اپنی واجب قربانی میں ذبح کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اپنی نیت کے موافق قربان کرنا چاہئے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

فصل پنجم۔ قربانی کا اپنے اوپر واجب کر لینا

گم ہونے والا جانور مل جانے کی صورت میں کیا کیا جائے ؟

(سوال) قربانی کا جانور گم ہو گیا اس لئے دوسرا خرید اپھر وہ بھی مل گیا تو غریب آدمی پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوتی اور امیر پر ایک کی یہ بہشتی زیور کے تیسرے حصے ص ۴۴ میں درج ہے آیا فی الواقع فقہ حنفیہ میں یوں ہی موجود ہے یا یا للعجب مولانا مکرم کا ارشاد ہی کاتب سے غلطی ہوئی ہے۔

(جواب ۲۶٤) یہ مسئلہ اسی طریقے پر جیسا کہ سوال میں مذکور ہے صحیح ہے دیکھو شامی جلد خامس ص ۲۲۲ مطبوعہ مصر۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غریب آدمی پر اصل سے قربانی واجب نہیں تھی لیکن جب وہ کوئی جانور قربانی کے لئے خریدے تو اسی جانور کی قربانی اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے پھر جب وہ جانور گم ہو گیا تو اس کا واجب بھی ساقط ہو گیا مگر اس نے دوسرا جانور پھر خرید اوہ بھی واجب ہو گیا اب پہلا بھی مل گیا تو دونوں اس کے ذمہ واجب ہو چکے ہیں لہذا دونوں کی قربانی کرنی لازم ہے اور مالدار پر شرعاً اول ہی سے ایک قربانی واجب ہے اس نے جب جانور خریدا تو واجب شرعی کی ادائیگی کے لئے خریدا خود یہ جانور خریدنے سے اس کے ذمہ واجب نہیں ہوا اور جب یہ گم ہو گیا اور دوسرا خریدا جب بھی اسی واجب شرعی کے ادا کے لئے خریدا اور جب پہلا بھی مل گیا تو اس کے ذمہ وہی ایک واجب شرعی ہے ان دونوں میں سے جس کی چاہے قربانی کردے پہلے کو ذبح کردے یا دوسرے کو جب کہ اس کی قیمت پہلے کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو ولو ضلت او سرقت فشری اخری فظہرت فعلی الغنی احداھما و علی الفقیر کلاھما. شمنی (درمختار) (۲)

---

(۱) فی الھندیۃ : تجب بقولہ : للہ علی ان اضحی شاۃ او بدنۃ او قال جعلت ھذہ الشاۃ اضحیۃ لانھا قربۃ من جنسھا ایجاب (رد المحتار کتاب الاضحیۃ ٦ / ۳۲۰ ط سعید) [illegible: the middle of this note is too broken to read]

(۲) (الدرالمختار کتاب الاضحیۃ ٦ / ۳۲٦ ط سعید)

فصل ششم گیابھن کی قربانی

بچے والی گائے کی قربانی کا حکم

(سوال) ایک گائے بچے والی قربانی کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ بچہ ابھی دودھ پیتا ہے چار پانچ ماہ کا ہے اس بارے میں علماء کا کیا قول ہے ؟

(جواب ۲۶۵) اس قسم کی گائے کی قربانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر بچہ اس قدر چھوٹا ہو کہ وہ ابھی کچھ کھاتا نہیں تو زائد سے زائد یہ کہ بچہ کو بھی ذبح کرڈالو لیکن بچہ کی قربانی نہ ہو گی بلکہ ویسے ہی اس کے گوشت کا کھانا جائز ہوگا اور اتنا چھوٹا نہ ہو تو اس کے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اور چھوٹا ہونے کی صورت میں بھی اگر گائے کو ذبح کر دیا اور بچے کو ذبح نہ کیا تاہم قربانی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مناسب نہیں۔[1]

فصل ہفتم میت کی طرف سے قربانی کرنا

(۱) مردے کے نام پر قربانی کرنا
(۲) زندوں اور مردوں کے نام پر مشترک جانور ذبح کرنے کا حکم
(۳) غنی مردے کے نام پر قربانی کرے تو اس سے واجب ساقط نہیں ہوتا

(سوال) (۱) کسی شخص نے مردے کے نام سے قربانی کی یہ قربانی جائز ہو گی یا نہیں ؟ اور اس مردے کو قربانی کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟ (۲) سات شخصوں نے شرکت میں قربانی کے لئے ایک گائے خریدی ان سات شخصوں میں سے بعض اشخاص زندوں کے نام سے اور بعض اشخاص مردوں کے نام سے قربانی کرنا چاہتے ہیں یہ قربانی جائز ہو گی یا نہیں ؟ (۳) زید صاحب نصاب ہے قربانی کے لئے اس نے ایک بکری خریدی اور اس بکری کی قربانی اس نے مردے کے نام سے کی تو اس کی واجب قربانی ساقط ہو جائے گی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۹۶ سراج الدین۔ ایولہ ضلع ناسک ۱۱ رجب ۱۳۵۲ھ یکم نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب) (از مولوی حبیب المرسلین صاحب نائب مفتی) (۱) مردے کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہو گی اور مردے کو ثواب ملے گا۔ قال فی البدائع لان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ و یحج عنہ وقد صح ان رسول اللہ ﷺ ضحی بکبشین احدھما عن نفسہ والاخر عمن لم یذبح من امتہ وان کان منھم من قد مات قبل ان یذبح اھ (رد المحتار جلد خامس ص ۲۲۶)[2]

---

(۱) (ولدت الاضحیۃ ولداً قبل الذبح یذبح الولد معھا و عند بعضھم یتصدق بہ بلاذبح وفی الشامیۃ الا انہ لا یاکل منہ بل یتصدق بہ (الدرالمختار ' کتاب الاضحیۃ ۶ ، ۳۲۲ ط سعید)

(۲) (الدر المختار مع الرد' کتاب الاضحیۃ ۶ ، ۳۲۶ ط سعید)

(۲) اس قسم کی قربانی بھی جائز ہوگی تنویر الابصار و در مختار میں ہے وان مات احد السبعة المشتركين في البدنة (وقال الورثة اذ بحوا عنه و عنكم) صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل الخ على هامش (رد المحتار في الضحة المرقومة)[1]

(۳) جب خریدے ہوئے جانور کو غنی شخص مردے کی طرف سے قربانی کردے گا۔ تو اس سے اس کی قربانی ساقط نہ ہوگی بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کردے۔[2] فقط واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ' دہلی۔

(جواب ۲۶۹) (از حضرت مفتی اعظم) جواب نمبر ایک اور دو صحیح ہیں اور نمبر تین میں یہ تفصیل ہے کہ جس شخص نے اپنے مال سے میت کی جانب سے قربانی کی ہے اگر اس پر بھی قربانی واجب تھی تو یہ قربانی اس کی اپنی طرف سے ہو جائے گی اور میت کو قربانی کا ثواب نہ ملے گا اور اس پر قربانی واجب نہ تھی یا اپنی قربانی جدا کر چکا تھا تو میت کی طرف سے قربانی درست ہو جائے گی یعنی میت کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم

(سوال) جو قربانی کا جانور میت کی طرف سے کیا جائے اس کے گوشت کی تقسیم کا صحیح مصرف کیا ہے اور ایسے گوشت کا کھانا امراء و علماء کے لئے کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۴۸۴ حافظ محمد رفیق الدین صاحب بہار شریف (پٹنہ) ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ م ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۲۶۷) میت کی طرف سے قربانی کئے ہوئے جانور کا حکم زندہ کی طرف سے قربانی کئے ہوئے جانور کے حکم کے مساوی ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

قربانی کرنے سے پہلے بچے کے فوت ہونے کی صورت میں عقیقہ کے حصوں کا حکم

(سوال) ایک شخص نے بقر عید کے موقع پر اس نیت سے ایک گائے خریدی کہ عید کے روز دو حصے پر اپنے بچے کا عقیقہ کردوں گا اور ایک حصہ پر اپنی جانب سے اور ایک حصہ اپنی بی بی کی جانب سے اور دو حصے پر اپنے مرحوم والدین کی جانب سے اور ایک حصے پر حضور ﷺ کی جانب سے قربانی کروں گا اتفاقاً عید ہی کے روز اس

---

(۱) (الدر المختار مع الرد' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٦ ط سعيد)

(۲-۳) لو ضحى عن ميت وارثه بامره الزمه' بالتصدق بها و عدم الاكل منها' وان تبرع بها عنه له الاكل لانه يقع على ملك الذابح والثواب للميت' ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه اضحية كما في الاجناس' قال الشرنبلالي' لكن في سقوط الاضحية عنه تامل اقول. صرح في القدير في الحج عن الغير بلا امر يقع عن الفاعل فليسقط به الفرض عنه وللآخر الثواب (رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٣٥ ط سعيد)

(٤) في الشامية : من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في اضحية نفسه من التصدق والا كل والاجر للميت والملك للذابح (رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٦ ط سعيد)

بچے کا انتقال ہو گیا اب شرعاً اس گائے کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(جواب ۲۶۸) اگر گائے ذبح کرنے سے پہلے بچے کا انتقال ہو گیا تو اس کے حصے میں نیت بدل لینا اور کسی قربانی کرنے والے کو شریک کر لینا چاہئے تھا تاہم قربانی ہو گئی اور عقیقہ کا حصہ بھی قربت کا ذبح ہو گیا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

مشترک قربانی سے سات آدمیوں کو ہی ثواب پہنچانا ضروری نہیں

(سوال) (۱) اگر مردوں کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ایک گائے قربانی کی جائے تو سات ہی آدمی کو ثواب پہنچ سکتے ہیں یا زیادہ کو؟ کیونکہ گائے کے سات ہی حصے ہوتے ہیں (۲) ایک شخص نے گائے خریدی اس میں اپنی طرف سے اور تین مردوں کی طرف سے یعنی ان کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قربانی کی تو یہ قربانی جائز ہوئی یا نہیں؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

(جواب ۲۶۹) (۱) ایصال ثواب کے لئے ضروری نہیں کہ گائے میں سات آدمی کو ایصال ثواب کیا جائے جتنے آدمیوں کو ثواب پہنچانا منظور ہو ثواب بخش سکتے ہیں۔[2] سات آدمی قربانی کے جواز کے لئے شرط ہیں[3] (۲) مردوں کی طرف سے بھی قربانی میں نیت کرے تو درست ہے زندہ آدمی مردے کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فصل ہشتم نفلی قربانی

(۱) کیا ہندوستان میں موجود بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کر سکتے ہیں؟
(۲) نفلی قربانی کرنے کے بجائے نقد رقم اہل حاجت کو دے دینا بہتر ہے

(سوال) حضرت مخدوم و محترم دامت معالیہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' میں سفر حجاز مقدس سے بمبئی میں مقیم ہوں ۴ فروری ۱۹۳۷ء کو اکبر (جہاز) روانہ ہونے والا ہے اس میں روانگی کا ارادہ ہے کیونکہ وہ براہ راست جدہ جائے گا۔

(۱) میرا چھوٹا بچہ جو چھ ماہ کا ہے اس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے میرا ارادہ ہے کہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ)

---

(۱) وفی الشامیة تحت قوله وان كان شريك الستة نصرانيا' وكذا لو اراد بعضهم العقيقه عن ولد قدولدله من قبل لان ذالك من جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد (رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٦ ط سعيد)

(۲) فى الشامية : قال فى البدائع لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه و يحج عنه و قد صح ان رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والا خرعمن لم يذبح من امته' وان كان منهم من قدمات قبل ان يذبح (بحواله بالا)

(۳) والبقر والبعير يجزى عن سبعة اذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى (عالمگيرية' كتاب الاضحية ٥/ ٣٠٤)

(۴) (بحواله بالا نمبر ۲)

کو منی میں اس کے عقیقہ کی نیت سے قربانی کروں اور اسی تاریخ کو یہاں ہندوستان میں اس کے بال اتروا دئیے جائیں کیا ایسا کرنا جائز ہوگا (۲) دوئم یہ کہ اہل حجاز کے افلاس واحتیاج کے پیش نظر اگر نفلی قربانیاں کرنے والے بجائے قربانی کرنے کے نقد قیمت محتاجوں کو دیدیں تو یہ بہتر ہوگا یا قربانی کرنا ہی بہتر ہے۔؟
حق تعالیٰ اسلام کی خدمت اور اسلامیان ہند کی سیاسی و مذہبی رہنمائی کے لئے آپ کا وجود گرامی صحت عافیت کے ساتھ باقی رکھے آمین والسلام مشفوعاً باالاحترام۔ المستفتی نمبر ۱۳۲۶ مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیۃ علمائے ہند ۹ اذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۷۰) مولانا المحترم دام فیضہم السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ' سفر حجاز مقدس کی خبر فرحت اثر سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ اس مبارک سفر کو پورا فرمائے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف فرماکر اس عمل خیر کو قبول فرمائے آمین امید ہے کہ مقامات مقدسہ کی دعاء مستجاب میں اپنے دور افتادہ مخلص خادم کو بھی یاد رکھیں گے۔

(۱) بچے کے عقیقہ کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلہ کی تصریح کہیں نظر میں نہیں آئی اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا مگر میرے خیال میں عقیقے کے تمام اعمال اس جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے (۲) نفلی قربانیوں میں بجائے جانور ذبح کرنے کے ان کی قیمتیں اہل حاجت کو دیدینا بہتر ہے[1] واجب قربانیاں جانور ذبح کرکے ادا کی جائیں اور نفلی قربانیوں کی قیمت صدقہ کردی جائے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قرض دار کی قربانی کا حکم

(سوال) بعض لوگ قرضدار ہیں لیکن ثواب حاصل کرنے کی غرض سے قربانی کرنا چاہتے ہیں انکی قربانی جائز ہے یا نہیں ؟ ان کو ثواب ملے گا یا نہیں ؟ المستفتی مولوی عبدالروف خاں جگن پور ضلع فیض آباد۔
(جواب ۲۷۱) قرضدار لوگ اگر قرض ان کے مال کو محیط ہو قربانی نہ کریں۔[2] لیکن اگر کرلیں تو قربانی ہو جائے گی۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قربانی نہ کرسکنے کی صورت میں اس کے لئے متعین رقم کا حکم

(سوال) زید جو امسال حج بیت اللہ کے لئے جارہا تھا عمرو نے اس کو ایک سو روپے دیئے اور کہا کہ مکہ معظمہ میں سات نفلی قربانیاں ان روپیوں سے خرید کر میری طرف سے کردینا اگر دس پندرہ روپے اور زیادہ لگانے

---

(۱) اس لئے کہ قیمت انفع للفقراء ہے
(۲) ولو کان علیه دین بحیث لو صرف فیه نقص نصابه لا تجب (عالمگیریۃ' کتاب الاضحیۃ ۵/ ۲۹۲ ط ماجدیه کوئٹه)
(۳) وفقیر شراها لها لو جوبها علیه حتی یمتنع علیه بیعها (در مختار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۱ ط سعید)

پڑیں تو واپس میں مجھ سے لے لینا۔ زید جو حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آیا ہے عمرو کو ایک سو روپے واپس دیکر کہتا ہے کہ ایک سو پندرہ تک میں سات قربانیاں نہیں ہو سکتی تھیں البتہ ایک سو چالیس میں ہو سکتی تھیں لیکن یہاں تک آپ کی اجازت نہیں تھی اس لئے میں نے نہیں کیں اب چونکہ عمرو قربانیوں کی نیت کر چکا ہے یہ روپے کس مصرف میں خرچ کرے ؟ (شیخ رشید احمد سوداگر صدر بازار دہلی)

(جواب ۲۷۲) یہ روپے اگر سات قربانیوں کی قیمت کے لئے کافی ہیں تو روپیہ صدقہ کردے کیونکہ قربانی کا وقت گزر گیا یا سات قربانی کے جانور خرید کر زندہ صدقہ کردے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

فصل نہم قیمت کا صدقہ کر دینا

قربانی کے دنوں میں جانور کی جگہ کیا اس کی قیمت صدقہ کر سکتے ہیں

(سوال) ایام نحر میں تضحیہ کی جگہ اس کی قیمت صدقہ کرنا موسر و فقیر ہر دو کے لئے جائز ہے یا صرف فقیر کے حق میں تصدق بالثمن جائز ہے اگر تصدق بالثمن کسی کے حق میں جائز نہیں ہے تو ہدایہ اور بحر الرائق مبسوط کی عبارت مندرجہ ذیل کا منشا کیا ہے۔

ہدایہ اخیرین کتاب الاضحیہ ص ۴۳۰ التضحیة فیها افضل من التصدق بثمن الاضحیة لانها تقع واجبة او سنة والتصدق تطوع محض متنفل علیه تطوع محض پر محشی ہدایہ کا بین السطور قابل لحاظ ہے وهو هذا وان کان یسقط عند الوجوب[2]

بحر الرائق الجزء الثانی کتاب الاضحیة مصری ص ۱۷۶ التضحیة فیها افضل من التصدق بثمنها لا نها تقع واجبة ان کان غنیا و سنة ان کان فقیر اوالتصدق بالثمن تطوع محض وانت هی افضل لانها تفوت بفوات ایامها[3] کتاب المبسوط باب الاضحیة مصری ص ۱۳۰ والاضحیة احب الی من التصدق بمثل ثمنها والمراد فی ایام النحر[4] الخ مسئلہ مندرجہ کے جواز اور عدم جواز کی بحث کا تعلق اہل علم اصحاب سے ہے۔ المستفتی نمبر ۱۵۵۹ مولانا حافظ سید عبد الرؤف صاحب فاضل امام جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳ جولائی ۱۹۳۷ء

---

(۱) ولو ترکت التضحیة و مضت ایا مها تصدق بها حیة و فی الشامیة : قوله تصدق بها حیة لو قوع الیاس عن التقرب بالارادة وان تصدق بقیمته اجزاه لان الواجب هنا التصدق بها وهذا مثله فیما هو المقصود (الدرالمختار مع رد المحتار کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۰ ط سعید)

(۲) (هدایة اخیرین کتاب الاضحیة ۴/ ۴۴۶ ط شرکة علمیة)

(۳) (البحر الرائق کتاب الاضحیة ۸/ ۲۰۰ ط بیروت)

(۴) (المبسوط کتاب الاضحیة ۱۲/ ۱۲ ط بیروت)

(جواب ۲۷۳) پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ موسر پر قربانی کرنا امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی واجب ہے۔ اور قربانی میں قربت اراقہ دم بھی ہے نہ صرف تصدق باللحم لہذا وجوب کا تعلق اراقہ دم سے ہے یعنی جانور کے ذبح کرنے سے ہی یہ وجوب ادا ہوگا اس مقدمہ کے دلائل یہ ہیں۔

اما الذی یجب علی الغنی دون الفقیر فما یجب من غیر نذر ولا شراء للاضحیة بل شکرا لنعمته الحیات واحیاء لمیراث الخلیل علیه الصلوٰة والسلام

وعطیة علی الصراط و مغفرةً للذنوب و تکفیراً للخطایا

علی ما نطقت بذلك الاحادیث وهذا قول ابی حنیفة ومحمدؒ و زفرؒ و الحسنؒ بن زیاد و واحدی الروایتین عن ابی یوسفؒ (بدائع)[1] وانما الواجب علیه اراقة دم شاة (بدائع)[2] ولنا ان القربة فی اراقة الدم (بدائع)[3] و یجتمع فی الاضحیة معنیان فانه تقرب بالاراقة الدم وهو اتلاف ثم بالتصدق باللحم وهو تملیك قال وهی واجبة علی المیاسیر والمقیمین عندنا (مبسوط)[4]

امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت کے بموجب قربانی سنت ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے وذکر فی الجامع عن ابی یوسفؒ انها سنة وهو قول الشافعی (مبسوط)[5] اور امام طحاوی کی روایت کے بموجب امام ابو یوسفؒ اور امام محمد دونوں کے نزدیک سنت ہے وذکر الطحاوی انها سنة علی قول ابی یوسف و محمدؒ وهو قول الشافعی (بحرالرائق)[6] وسماها فی روایة کالشافعیؒ (البرهان)[7] ای قال ابو یوسف و محمد انها سنة کما قال الشافعی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ سے تو وجوب اضحیہ کی ہی روایت ہے مگر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے وجوب اور سنیت کی دونوں روایتیں ہیں۔

مصنفین نے ان دونوں روایتوں کے دلائل علیحدہ علیحدہ بیان کر کے امام صاحب کی طرف سے قائلین بالسنیت کے دلائل کے جواب دیئے مگر جب وہ یہ مسئلہ بیان کرنے لگے کہ آیا ایام نحر میں بجائے قربانی کرنے کی قیمت ادا کر دی جائے تو یہ کافی ہوگا یا نہیں تو انہوں نے اختصار کے لئے ایک ہی عبارت میں بیان کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے یہ عبارت اختیار کی۔ التضحیة فیها افضل من التصدق بثمن الاضحیة[8] کیونکہ یہ عبارت قول بالوجوب اور قول بالسنیت دونوں کے لحاظ سے درست ہو سکتی ہے۔ یعنی غنی

---

(۱) (بدائع الصنائع' کتاب الاضحیة ۵/۶۲ ط سعید)
(۲) (　　　۵/۶۸　　　)
(۳) (　　　۵/۷۱　　　)
(۴) (المبسوط للسرخسی' کتاب الاضحیة ۱۲/۸ ط بیروت)
(۵) (المبسوط للسرخسی' کتاب الاضحیة' ۱۲/۸ ط بیروت)
(۶) (البحر الرائق' کتاب الاضحیة' ۸/۱۹۷ ط بیروت)
(۷) (کتاب نہیں مل سکی)
(۸) (البحر الرائق' کتاب الاضحیة ۸/ ۲۰۰ ط سعید)

جس پر قربانی واجب ہے اس کے لئے بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایام نحر میں اس کو قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ یہ اداء واجب ہے اور قیمت کا صدقہ کرنا تطوع محض ہے اور اداء واجب بہر حال تطوع سے افضل ہے اور یہ شبہ کہ افضل کہنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اداء قیمت بھی جائز ہے اگرچہ خلاف افضل ہے اور ہدایہ میں بین السطور کی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہ تو افضل کہنے سے اداء قیمت کا جواز نکلتا ہے اور نہ بین السطور کی عبارت وان کان یسقط عندالوجوب [1] کی کوئی سند ہے بلکہ فقہاء کی صریح عبارتیں اس کے خلاف موجود ہیں یعنی ایام نحر میں اداء قیمت تو در کنار اگر جانور بھی صدقہ کردے جب بھی واجب ادا نہ ہوگا۔

ومنها ان لایقوم غیرھا مقامھا حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لا یجزیه عن الاضحیة لان الوجوب تعلق بالاراقة (بدائع) [2] والاضحیة احب الی من التصدق بمثل ثمنھا والمراد فی ایام النحر لان الواجب التقرب باراقة الدم ولا یحصل ذلك بالتصدق بالقیمة ففی حق الموسر الذی یلزمه ذلك لا اشکال انه لا یلزم التصدق بقیمة وھذا لانه لا قیمة لاراقة الدم واقامة المتقوم مقام مالیس بمتقوم لا تجوز (مبسوط) [3]

مبسوط کی یہ عبارت بھی اس مطلب کے ظاہر کرنے میں صاف ہے کہ جس شخص میں وسعت اور غنا ہو اور اس وجہ سے اس پر قربانی واجب ہو تو یہ وجوب اداء قیمت سے ایام نحر میں ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس پر اراقۃ دم واجب ہے اور اراقۃ دم متقوم نہیں تو جانور کی قیمت جو متقوم ہے غیر متقوم کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اور اراقۃ دم کے ساتھ قربت کا متعلق ہونا محض تعبدی اور غیر معقول المعنی ہے اس لئے اس کو زکوۃ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا بدائع اور مبسوط اور ہدایہ سب نے ایام نحر میں قربانی کے افضل ہونے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ قربانی کرنا اس لئے افضل ہے کہ قربانی کرنے والا یا غنی ہے تو وہ اپنا واجب ادا کر رہا ہے اور یا فقیر ہے تو اس کی قربانی قربت اراقت اور قربت تصدق کی جامع ہوگی اس کا مطلب یہ ہوا کہ غنی اگر قربانی نہ کرے اور قیمت صدقہ کردے تو اس نے اپنا واجب ترک کیا اور محض تطوع بالتصدق واجب کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اور فقیر اگر صدقہ کردے تو چونکہ اس پر قربانی واجب نہ تھی اس لئے وہ ترک واجب کا مرتکب تو نہیں ہوا مگر فضیلت اراقت سے وہ بھی محروم رہا پس ایام نحر میں قربانی کرنا غنی کے لئے اس واسطے افضل ہے کہ وہ اپنا واجب ادا کر رہا ہے اور فقیر کے واسطے اس لئے افضل ہے کہ وہ فضیلت اراقت حاصل کر رہا ہے پس اس جگہ لفظ افضل یا احب اختیار کرنا اس لئے ہے کہ غنی اور فقیر دونوں کو شامل کرکے حکم بتانا تھا اور اس کے لئے لفظ افضل ہی اختیار کیا جاسکتا تھا بہت سے مواقع پر فرض کو لفظ افضل یا خیر سے تعبیر کردیا جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی جانب مخالف بھی جائز ہے اس کی مثال یہ ہے۔

---

(۱) (ھدایة اخیرین' کتاب الاضحیة ٤/ ٤٤٦ ط شرکة علمیة)
(۲) (بدائع الصنائع' کتاب التضحیة ٥/ ٦٦ ط سعید)
(۳) (المبسوط للسرخسی کتاب الاضحیة ١٢/ ١٣ ط بیروت)

الصعید وضوء المسلم وان لم یجد الماء عشر سنین فاذا وجد الماء فلیتق الله و لیمسه بشره فان ذلک خیر (رواہ البزاز کذافی مجمع الزوائد[1] روی مثله الترمذی فی جامعه عن ابی ذر)[2] قال علی القاری قوله فان ذلک خیر ای خیر من الخیور و لیس معناه ان کلیهما جائز عند وجود المآء لکن الوضوء خیر انتهی[3] اسی طرح اذان فجر کا جملہ الصلوۃ خیر من النوم بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نماز نیند سے اچھی ہے کہ اس میں عبادت اور ادائے فرض ہے۔اور نیند سے غفلت اور ترک فرض ہے۔یہ معنی نہیں کہ نماز اور نیند دونوں جائز ہیں لیکن نماز بہتر ہے۔ الصلوٰۃ خیر من النوم اور الاضحیة افضل من التصدق بالثمن کا مفاد ایک ہی ہے۔کہ قربانی افضل ہے کیونکہ وہ قربت بالاراقۃ بھی ہے اور اس میں ادائے فرض بھی ہے اور نماز افضل ہے کہ اس میں عبادت اور ادائے فرض ہے۔اور ادائے قیمت ایام نحر میں بجائے قربانی واجب کے جائز نہیں ایسے ہی سوناوقت فجر میں بجائے نماز فرض کے جائز نہیں ہاں ادائے اضحیہ بھی ہو اور تصدق بالقیمۃ بھی ہو تو وہ جائز اور تطوع ہے ایسی ہی نماز فرض ادا کرلی جائے اور پھر وقت کے اندر کوئی سورہے تو یہ مباح ہے۔فرق اتنا ہے کہ تصدق بالقیمۃ فی نفسہ مستحب ہے اور سونا فی نفسہ مستحب نہیں مباح ہے۔

ہاں ایام نحر کے بعد چونکہ اراقۃ کا وقت نہیں رہا اس لئے اب غنی اداء قیمت یا تصدق بالحیوان کرسکتا ہے اس کی وجہ یہ مجبوری ہے کہ قربت بالاراقۃ کے واسطے وقت معین ہے اور وہ گزر چکا ہے اور غنی پر دونوں میں سے ایک چیز واجب ہوگئی کہ اگر جانور خرید لیا تھا تو اسے صدقہ کردے یا ایسے جانور کی قیمت جو قربانی کے لائق ہو صدقہ کرے اور فقیر جس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں بہ نیت قربانی جانور خرید لیا تھا اور ایام نحر میں قربانی نہ کی اس پر متعین ہے کہ اس جانور کو زندہ صدقہ کردے اور اگر اس نے قربانی نہیں خریدی تھی اور نذر بھی نہیں کی تھی تو وہ بھی قیمت کا صدقہ کرسکتا ہے۔

مزید سہولت کے لئے آپ کے سوال کے پیش نظر تفصیل ذیل لکھی جاتی ہے۔

(۱) موسر جس پر قربانی واجب ہے اگر اس نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں قربانی کرنے کے لئے جانور خرید لیا تو اس پر واجب ہے کہ ایام نحر میں اس کو قربانی کرے (یعنی ذبح کرے) اگر وہ یہ جانور یا اس کی قیمت ایام نحر میں صدقہ کردے تو قربانی کا حق واجب ادا نہ ہوگا۔[4] (۲) اگر اسی موسر نے جانور خریدنے پر بھی ایام نحر میں ذبح نہیں کیا تو اسے لازم ہے کہ بعد ایام نحر کے اس جانور کو زندہ صدقہ کردے۔[5] (۳) اگر موسر نے جانور خریدا ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر لازم ہے کہ قربانی کے لائق جانور کی

---

(۱) (مجمع الزوائد' باب فی التیمم ۱: ۲۶۱ ط بیروت)
(۲) (ترمذی شریف' باب التیمم' ۱: ۳۲ ط سعید)
(۳) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ' باب التیمم ۲: ۲۳۰ ط کوئٹہ)
(٤) فان تصدق بعینها فی ایامها فعلیه مثلها مکانها لان الواجب علیه الاراقة وانما ینتقل الی الصدقة اذا وقع الیاس عن التضحیة بمعنی ایامها (رد المحتار' کتاب الاضحیة ٦: ۳۲۰ ط سعید)
(۵) ولو ترکت التضحیة و مضت ایامها تصدق حیة (درمختار' کتاب الاضحیة ٦: ۳۲۰ ط س)

قیمت صدقہ کرے۔اور اگر جانور خرید کر زندہ صدقہ کردے تو یہ بھی جائز ہے۔[۱] (۴) اگر موسر نے ایام نحر میں قربانی نہیں کی بلکہ زندہ جانور صدقہ کردیا یا اس کی قیمت صدقہ کردی تو بعد ایام نحر کے اس کو مزید ایک جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی کیونکہ ایام نحر میں جانور یا اس کی قیمت کا صدقہ قائم مقام اراقة واجب کے نہ ہوگا۔لہٰذا وہ محض تطوع رہا۔[۲]

(۵) اگر معسر نے ایام نحر سے پہلے یا ایام نحر میں بقصد قربانی جانور خریدا تو اس خرید سے اس پر اس کی قربانی واجب ہوگئی اب اگر ایام نحر میں وہ اس جانور کو یا اس کی قیمت کو صدقہ کردے تو واجب سے سبکدوش نہ ہوگا اور ایام نحر باقی ہیں تو اس جانور کو ذبح کرنا لازم ہوگا اور ایام نحر کے بعد اس جانور کو اگر اس کے پاس ہو یا اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہوگا۔[۳] (۶) اگر معسر نے کوئی جانور نہیں خریدا مگر ایام نحر کے اندر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کردی تو اس کو قربانی کا ثواب اور ادائے سنت قربانی کا اجر نہیں ملے گا صدقہ کا ثواب تو ملا مگر وہ ایام نحر اور غیر ایام نحر تمام دنوں میں مل سکتا ہے۔[۴]

خلاصہ یہ کہ موسر اور معسر دونوں کے لئے ایام نحر میں قربانی کرنا ہی افضل ہے۔موسر اور معسر مشتری اضحیہ کے حق میں تو بوجہ اس کے کہ ان کا واجب ادا ہوگا اور معسر غیر مشتری اضحیہ کے لئے بوجہ اس کے کہ سنت اضحیہ کا ثواب حاصل ہوگا جو محض تطوع بالتصدق سے افضل ہے۔واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

قربانی کا جانور نہ ملنے کی صورت میں کتنی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے؟

(سوال) قربانی کے لئے جانور اب کے بہت کم آئے ہیں دہلی میں کچھ ہیں بھی تو وہ نہ ہونے کے برابر ہیں اس لئے وہ بہت زیادہ گراں ہیں ایسی صورت میں قربانی کے لئے اگر جانور نہ مل سکے تو قربانی کے دو یا تین دن کے بعد کم سے کم کتنے دام خیرات کرے جس سے کہ قربانی کا ثواب مل سکے۔ **المستفتی** بلا نمبر مولوی محمد رفیق دہلی۔

(جواب ۲۷۴) قربانی کے جانور یا گائے کے ساتویں حصے کی قیمت خیرات کرے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

کیا قربانی کے دنوں میں غنی اور فقیر دونوں کے لئے صدقہ کرنا ضروری ہے؟

(الجمعیة مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایام نحر میں تضحیہ کی جگہ اس کی قیمت تصدق کرنا موسر و فقیر ہر دو کے لئے جائز ہے یا صرف فقیر

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۲۱۱ حاشیہ ۵)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابق ص ۲۱۱ حاشیہ ٤)
(۳) (ایضاً بحوالہ نمبر ٤ ص ۲۱۱)
(٤) التضحیة فیها افضل من التصدق بثمن الا ضحیة لانها تقع واجبة او سنة والتصدق تطوع محض فتفضل علیه ولا نها تفوت بفواتها والصدقة تؤ لی بها فی الاوقات کلها (هدایة اخیرین کتاب الاضحیة ٤/٤٤٦ ط شرکة علمیه)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۱۱)

کے حق میں تصدق بالثمن جائز ہے اگر تصدق بالثمن کسی کے حق میں جائز نہیں تو بحر الرائق اور ہدایہ کی عبارت ذیل کا منشاء و مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ بحر الرائق کتاب الاضحیۃ میں ہے۔ التضحية فيها افضل من التصدق بثمنها لا تقع واجبةً ان كان غنياً و سنةً ان كان فقيراً او التصدق بالثمن تطوع محض فكانت هي افضل [1] ہدایہ اخیرین کتاب الاضحیہ میں ہے۔ التضحية فيها افضل من التصدق بثمن الاضحية لانها تقع واجبةاو سنةً والتصدق تطوع محض فتفضل عليه [2] علی تطوع محض پر محشی ہدایہ کا حاشیہ بین السطور قابل لحاظ ہے۔ وهو هذا وان كان لسقط عنه الوجوب-وغير امن الحواشي ثابتة له'

(جواب ۲۷۵) ایام نحر میں قربانی کی جگہ تصدق بالقیمۃ فقیر کے لئے جائز ہے اور افضل اس کے لئے بھی یہی ہے کہ قربانی کرے اور موسر کے لئے تصدق بالقیمۃ جائز نہیں بحر الرائق کی عبارت کا مطلب یہ ہے :

التضحية فيها (اى فى ايام النحر) افضل من التصدق بثمنها لا نها تقع واجبة ان كان غنياً (و تفرغ ذمته) و سنةً ان كان فقيراً و التصدق بالثمن تطوع محض [3] (فى حقهما فلا يحصل للفقير ثواب اقامة السنة ولا يفرغ ذمة الغنى من الواجب وان فرغ ذمته بالتصدق ثانيا بعد مضى ايام النحر كان كفارة لماوقع منه من التقصير فى الاتيان بالواجب ولكن لا يحصل له' ثواب الطاعة) فكانت هي افضل (فى حقهما) وكلمة افضل هٰهنا ليست للتفضيل بل فى معنى الخير' فمعنى قوله فكانت هي افضل اى فكانت التضحية خيراً فى حق الغنى والفقير كليهما)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

ایک آدمی کا تمام شہر والوں کی طرف سے قربانی کرنا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۳۴ء)

(سوال) محمد عثمان صاحب نے کلکتہ سے اخبار ہند جدید کلکتہ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۳۴ء کا ایک تراشہ میرے پاس بھیجا ہے جس میں اخبار مذکور کے مدیر نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ امسال وہ قربانی کے بجائے قربانی کے جانوروں کی قیمتیں مصیبت زدگان بہار کی امداد واعانت کے لئے دیدیں فاضل مدیر کا خیال ہے کہ قربانی کوئی فرض شرعی نہیں ہے اس لئے اگر وہ مطلقاً ترک کر دینے کا مشورہ بھی دیدیں تب بھی شرعاً قابل گرفت نہیں ہیں تاہم وہ بالکل ترک کرنے کا مشورہ دینے کے بجائے یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہر شہر میں ایک قربانی تمام شہر کے مسلمانوں کی طرف سے کر دی جائے باقی شہر کے تمام مسلمان اپنی اپنی قربانیاں ملتوی کر کے ان کی قیمتیں زلزلہ فنڈ میں بھیج دیں فاضل مدیر اس کو نہ صرف جائز کہتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے پاس اس

---

(۱) (البحر الرائق)
(۲) (هداية اخيرين ٤ / ٤٤٦ ط شركة علميه)
(۳) (البحر الرائق)

کے شرعی دلائل بھی موجود ہیں محمد عثمان صاحب نے اس کے متعلق شرعی حکم دریافت فرمایا ہے۔اس لئے چند تمہیدی مقدمات ذکر کرنے کے بعد حکم شرعی تحریر کرتا ہوں۔

(جواب ۲۷۹) (۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت حنفی ہے۔(۲) حنفیہ کے نزدیک ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔[1] (۳) واجب اور فرض کی ادائیگی عملاً یکساں طور پر لازم اور ضروری ہے تارک واجب کو بھی فاسق کہا جاتا ہے جس طرح تارک فرض کو۔ واجب اور فرض کا اصطلاحی وجوب عمل میں نہیں ہے بلکہ صرف علم واعتقاد کے درجہ میں ہے۔[2] (۴) جس شخص پر مالک نصاب ہونے کی بنا پر قربانی واجب ہے وہ قربانی کر کے ہی اس واجب سے سبکدوش ہو سکتا ہے قربانی کی قیمت ادا کرنے سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی۔[3] (۵) بکرا دنبہ 'بھیڑ' زیادہ ایک ہی شخص کی قربانی کی ادائیگی کے لئے کافی ہو سکتے ہیں ہاں گائے سات اشخاص کی جانب سے ادائے واجب کے لئے کافی ہو سکتی ہے یعنی ایک بکرے دنبے 'بھیڑ' میں ایسے دو شخص بھی شریک نہیں ہو سکتے جن پر قربانی واجب ہے چہ جائیکہ دو سے زیادہ۔[4] (۶) جن لوگوں پر قربانی واجب نہیں اگر کوئی شخص قربانی کر کے اس کے ثواب میں ایسے متعدد لوگوں کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے آں حضرت ﷺ نے ایک قربانی کر کے تمام امت کو شریک ثواب کر لیا تھا۔[5] مگر جن پر قربانی واجب ہے ان کے لئے حضور ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے **من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا**[6] یعنی جو شخص فراخی رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے (۷) اگر میت اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت کر جائے اور اس کے ترکہ کے ۱/۳ میں اس کی وصیت پوری کرنے کی گنجائش ہو تو وارث پر اس کی طرف سے قربانی کرنی واجب ہے۔[7] اس کے علاوہ اور کسی صورت میں میت کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔

مذکورہ تمہیدی مقدمات سے ہر مقدمے کے دلائل و شواہد ہمارے پاس موجود ہیں مگر ہم اختصار کے خیال سے دلائل کو ترک کر کے صاف صاف حکم شرعی لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ :

---

(۱) تجب على حر مسلم مقيم موسر بسار الفطرة عن نفسه (درمختار' كتاب الاضحية ۳۱۵/۶ ط سعيد)

(۲) اعلم ان الفرض ما ثبت بدليل قطعي لا شبهة فيه كالا يمان والاركان الاربعة' و حكمه اللزوم علما اى حصول العلم القطعي بثبوته و تصديقا بالقلب اى لزوم اعتقاد حقيقة و عملا بالبدن حتى يكفر جاحده و يفسق تاركه بلاتاويل كما هو مبسوط فى كتب الاصول (رد المحتار' كتاب الاضحية ۳۱۳/۶ ط سعيد)

(۳) فتجب التضحية اى اراقة الدم من النعم عملا لا اعتقادا' و فى الشامية : قال فى الجوهرة' والدليل على انها الاراقة لو تصدق بعين الحيوان لم يجز (درمختار' كتاب الاضحية ۳۱۲/۶ ط سعيد)

(۴) يجب ان يعلم ان الشاة لا تجزى الا عن واحد وان كانت عظيمة والبقر والبعير يجزى عن سبعة اذا كانوا يريدون وجه الله (عالمگيرية' كتاب الاضحية ۳۰۴/۵ ط ماجديه)

(۵) وان مات احد السبعة وقال الورثة اذبحوا عنه صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل و فى الشامية : قال فى البدائع : لان الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل انه يجوز ان يتصدق عنه و يحج عنه وقد صح ان رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من امته وان كان منهم من قد مات قبل ان يذبح (درمختار ۳۲۶/۶ ط سعيد)

(۶) ابن ماجه شريف' ص ۲۲۶ ط قديمى

(۷) واما دين الله تعالى فان اوصى وجب تنفيذه من ثلث الباقى والالا (الدر المختار' كتاب الفرائض ۷۶۰/۶ ط سعيد)

حنفی جو وجوب قربانی کے معتقد ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ شرائط وجوب کے ہوتے ہوئے وہ قربانی ہی ذبح کریں اس کی قیمت بلکہ جانور زندہ بھی صدقہ نہیں کر سکتے[1] مصیبت زدگان بہار کی امداد و اعانت اعلیٰ درجہ کا کار خیر ہے لیکن اس کار خیر کے ادا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی فرض یا واجب کو ترک کر دیا جائے ہاں اہل حدیث یا اور حضرات جو قربانی کو فرض و واجب نہیں سمجھتے بلکہ محض سنت یا مستحب خیال کرتے ہیں وہ اگر قربانی نہ کریں اور اس کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں تو ان سے ہم احناف کو کوئی تعرض نہیں۔

فاضل مدیر کی نیت تو خیر ہے اور اگر ان کی تجویز ہمارے اصول و معتقدات سے نہ ٹکراتی تو ہم بھی نہایت خوشی سے اس کی تائید کرتے تاہم ہندوستان کے کروڑوں حنفی اس تجویز پر دوسری صورت سے عمل کر سکتے ہیں اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر انہوں نے ہماری ذیل کی تجویزوں پر عمل کیا تو کروڑوں روپیہ کا زلزلہ فنڈ میں جمع ہو جانا ذرا بھی مشکل نہیں وہ تجاویز یہ ہیں

(۱) ہر وہ شخص جس پر قربانی واجب ہے اور وہ ادائے قربانی کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ جانور خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو لازم ہے کہ کم از کم قیمت کا جانور خریدے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی قیمت میں سے جو رقم بچے وہ زلزلہ فنڈ میں دیدے مثلاً اس کا ارادہ تھا کہ پندرہ روپے کا بکرا خریدے تو وہ یہ کرے کہ تین چار روپے کا بکرا یا بھیڑ اخرید کر قربانی کر دے اور گیارہ بارہ روپے زلزلہ فنڈ میں دیدے یہ واضح رہے کہ جو جانور قربانی کی نیت سے خریدے جا چکے ہیں وہ بدلے نہیں جا سکتے خریدنے سے پہلے ہماری تجویز پر عمل کیا جا سکتا ہے خریدنے کے بعد خریدا ہوا جانور ذبح کرنا لازم ہے۔[2]

(۲) جو لوگ صاحب نصاب ہیں وہ ایک جانور کی جگہ دو تین جانور ذبح کرتے ہیں ان کو چاہئیے کہ ایک پر اکتفا کریں اور زائد جانوروں کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں یہ بھی خریدنے سے پہلے کیا جا سکتا ہے۔

(۳) جو لوگ کہ اپنے متوفی والدین یا دیگر اقربا کی طرف سے نفلی قربانیاں کرتے ہیں وہ ان تمام قربانیوں کو ملتوی کر کے ان کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(۴) جو لوگ باوجود نصاب نہ ہونے کے نفلی قربانیاں کرتے ہیں انہوں نے اگر جانور خریدے نہیں ہیں تو قربانی ملتوی کر کے اس کی قیمت زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(۵) جو شخص قربانی کے وجوب سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے ادائے واجب کے لئے اقسام قربانی میں سے کم سے کم والی قسم کو اختیار کرے اور زائد رقم زلزلہ فنڈ میں دیدے۔

(۶) تمام مسلمان قربانی کی کھالوں کو زلزلہ فنڈ میں دیدیں۔

(نوٹ) تمام رقوم ناظم بیت المال امارت شرعیہ بہار پھلواری شریف کے پتہ پر ارسال کی جائیں۔ محمد کفایت اللہ (صدر جمعیۃ علمائے ہند)

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۳۱۴

(۲) وفقیر شراها لها لو جوبها علیه بذالك حتى يمتنع عليه بيعها (الدرالمختار کتاب الاضحیة ۶ / ۳۲۱)

فصل دہم قربانی کے جانوروں کی عمریں

قربانی کے لئے جانور کے دانت معتبر ہیں یا عمر؟

(سوال) قربانی کے جانوروں کی عمر جن کا ادنی درجہ دو دانت والا ہے ان سے شمار ہوگی یا کہ سالوں سے۔ اگر سالوں سے شمار کی جائے تو سوالات مندرجہ ذیل کا کیا جواب ہوگا۔

(۱) کسی صحیح حدیث میں جانوروں کی عمر سنین سے بیان نہیں کی گئی ہے بلکہ احادیث میں لفظ ثنایا مسنہ وارد ہے ثنایا کے معنی بالاتفاق لغت دو دانت کے ہیں کیونکہ قربانی کے جانوروں کے نچلے دانت شمار کئے جاتے ہیں اور مسنہ ماخوذ از سن ہے اور کتب لغت میں اس کے دو معنی مذکور ہیں دانت اور سال لیکن حدیث لاتذبحوا الا مسنة[1] دانت والا معنی متعین ہیں۔ کیونکہ حدیث مسلم شریف میں ضحوا بالثنايا[2] موجود ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تم دو دانت والے جانور کی قربانی کرو اور قربانی کے جانور کی یہ عمر کم از کم ہے اگر اس سے زائد ہو تو افضل ہے دوسری دلیل اشعة اللمعات باب الاضحیه میں شاہ صاحبؒ تحت حدیث لاتذبحوا الا مسنة وجہ تسمیہ مسنہ آنست کہ وی کی انداز دو دندان پیش را کہ آں را ثنایا گویند دریں عمر" عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے جو عمر قربانی کے جانوروں کی بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور اس عمر میں دو دانت والے ہو جاتے ہیں مثلاً گائے کی عمر فقہائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ تیسرے سال میں اس کا پاؤں ہو تو جب گائے کا پاؤں تیسرے سال میں ہوگا تو اس میں دو دانت والی ہو جاتی ہے کوئی چند دن پہلے اور کوئی چند دن پیچھے کیونکہ خلقت خدا کے اوپر کسی کو احاطہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مسنہ کے مصداق وہ جانور ہیں جنہوں نے دو دانت اگلے ڈال دیئے ہوں تو جس جانور نے دو دانت ڈال دیئے ہوں جب وہ ثنایا کا مصداق نہیں ہوتا تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں کیونکہ قربانی کے لئے کم از کم ثنایا ضرور چاہئے کما قال النبی ﷺ ضحوا بالثنايا رواہ مسلم[3]

(۲) قربانی کے جانور کا ثنایا ہونا یہ فقہائے کرام کے خلاف بھی نہیں کیونکہ مثلاً گائے تیسرے سال میں دو دانتی ہو جاتی ہے خواہ جس دن ہو اگر خلاف ہے تو کس دلیل سے ہے؟

(۳) اگر دو گائیں ایک شخص کے پاس موجود ہیں قد و جسم کے لحاظ سے برابر ہیں ایک دو دانتی ہے اور دوسری کے بھی دو سال مکمل گزر گئے لیکن ابھی تک دو دانتی نہیں ہوئی اب خریدنے والے کو دونوں کی عمر کا صحیح علم نہیں ہے وہ کونسی گائے قربانی کے لئے خرید سکتا ہے اگر دونوں خرید سکتا ہے تو کس دلیل سے؟

(۴) جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ قربانی کے لئے جانور کا دو دانت والا ہونا ضروری ہے تو

---

(۱) (صحيح مسلم شريف' كتاب الاضاحى' باب من الاضحية ۲ ۱۵۵ ط قديمى)

(۲) (ايضاً)

(۳) (اشعة اللمعات' باب الاضحية ۱/ ۶۰۸ ط وكوريه سكهر)

اب اگر فقہائے کرام کی عبارت کا مصداق یہ لیا جائے کہ اگر مثلاً گائے پر دو سال گزر گئے ہیں خواہ وہ دانت نہ ڈالے اس کی قربانی جائز ہے تو یہ خلاف حدیث ہوگا اگر نہیں تو کس دلیل سے ؟
(۵) کیا ثنایا ثنی کی جمع ہے ؟ اگر جمع ہے تو اس کا معنی لغوی ثنایا کے معنی لغوی کے خلاف ہے۔
(۶) سن اپنے معنی دانت اور سال میں مشترک ہے یا حقیقت مجاز ؟
(۷) کسی حدیث صحیح یا قول فقیہ مفتی بہ سے ثابت کریں کہ قربانی کے لئے اگر جانور ثنایا نہ ہو تب بھی اس کی قربانی جائز ہے بغیر جذع من الضان کے۔ **المستفتی نمبر ۲۸۱۰** حکیم مولوی محمد شریف ضلع گوجرانوالہ ۸ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ ۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء

(جواب ۲۷۷) قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکری بکرا ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی اس لئے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا اور اس کے گھر پرورش پاتا رہا تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا اب اگر اس کے کھلے دانت نہ نکلے ہوں تب بھی وہ اس کی قربانی کر سکتا ہے کیونکہ اس کی عمر یقیناً ایک سال کی پوری ہو کر آٹھ نو روز زائد کی ہو چکی ہے لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جا سکتا ہے خواہ اس کی عمر کا یکسالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے کہ مسنۃ کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہو سکتے ہیں۔[2] لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہو سکتا اس لئے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔[3] واللہ اعلم　محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) ان الفقہاء قالوا الجذع من الغنم ابن ستة اشہر والثنی ابن سنة والجذع من البقر ابن سنة والثنی منه ابن سنتین والجذع من الابل ابن اربع سنین والثنی ابن خمس وتقدیر هذه الاسنان ما قلت یمنع النقصان لا یمنع الزیادة حتی لو ضحی باقل من ذالك شیئاً لا یجوز ولو ضحی باکثر من ذالك شیئاً یجوز و یکون افضل (عالمگیریة' کتاب الاضحیة ۵ ۲۹۷ ط ماجدیه)
(۲) (مصباح اللغات ص ۳۹۹ ط میر محمد)
(۳) (اذا تعذرت الحقیقة یصار الی المجاز) قواعد الفقه ص ۵۶ صدف پبلشرز)

دوسرا باب
چرم قربانی کے مصارف

کیا قربانی کے بجائے اس کی قیمت دے سکتے ہیں؟

(سوال) اکثر مسلمان نفلی قربانیاں کرتے ہیں تو ان کو ایسی قربانی کی قیمت ترکی مجروحین بلقان کی اعانت میں دیدینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز فرض قربانی کی کھال یا قیمت اس مد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۷۸) جن مسلمانوں پر قربانی واجب ہے ان کو تو قربانی ہی کرنا ضروری ہے قیمت دیدینا جائز نہیں۔[۱] مگر قربانی کی کھالیں اور نفلی قربانیوں کی قیمت وہ اس مصیبت زدہ قوم کی اعانت میں دے سکتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی عزت بچانے کے لئے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ بلکہ بہتر یہی ہے کہ نفلی قربانیاں اس سال ملتوی کریں اور اس کی مقدار نقد ترکی مجروحین و یتامی کے لئے بھیج دیں۔ واضح ہو کہ مردہ عزیزوں کی طرف سے جس قدر قربانیاں بغیر وصیت کی جاتی ہیں وہ سب نفلی ہیں۔ واللہ اعلم

قربانی کی کھال عیدگاہ اور یتیم خانہ کی تعمیر پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

(سوال) قربانی کی کھال کی قیمت مرمت عیدگاہ یا کسی یتیم خانہ و دینی مدرسہ یا غریب قرابت داروں کی امداد میں صرف ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

(جواب ۲۷۹) کھال کی قیمت عیدگاہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز نہیں کیونکہ کھال بیچ دینے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔[۲] اور اب اسی جگہ صرف ہو سکتی ہے جو صدقہ کے مصرف ہیں[۳] ہاں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ کے طلبہ یا محتاج عزیزوں یا اور مساکین پر صرف کی جا سکتی ہیں مگر بطور تملیک دیدینا چاہئے۔[۴]

قربانی کی کھال کو غیر مصرف میں خرچ کرنے والے گناہ گار ہوں گے

(سوال) قربانی کا جانور سات آدمیوں نے شریک ہو کر خرید کیا بعد قربانی کھال کو فروخت کر دیا اور حصہ رسد ہر ایک نے اپنی اپنی قیمت لے لی جن میں سے چار شخصوں نے ایسی جگہ پر قیمت صرف کی جہاں شرعاً

---

(۱) ولو تركت التضحية و مضت ايامها تصدق حية (درمختار كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٠ ط س)
(۲) فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدرهم تصدق بثمنه (درمختار ٦/ ٣٢٨ ط سعيد)
(۳) وهو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات الواجبة (ردالمحتار باب المصرف ٢/ ٣٣٩ ط سعيد)
(٤) و يتصدق بجلدها الخ (درمختار كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٨) وايضا فى شرح التنوير و يشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كمامر (درمختار باب المصرف ٢/ ٣٤٤ ط سعيد)

صرف کرنا درست نہیں ہے۔ اور تین شخصوں نے ایسی جگہ صرف کی جہاں شرعاً دینا جائز تھا لہذا سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ان سب شخصوں کی قربانی مقبول و جائز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۸۰) صورت مسئولہ میں قربانی تو جائز ہوگئی لیکن کھال کو بیچنے کے بعد اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔[1] اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں[2] جن لوگوں نے کھال کی قیمت کا اپنا حصہ غیر مصرف میں صرف کیا ہے گناہ گار ہوں گے قربانی میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔[3]

قربانی کی کھال بطور اجرت امام کو دینا جائز نہیں

(سوال) اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام صاحب کو دیدیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا ہوتا ہے اور پیش امام صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں ضرور مجھے دینا چاہئے اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہے نہ کہ جبراً۔ جب تبرعاً دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم قربانی کا امام صاحب کو دیں گے اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے اس اختلاف میں طرفین کی طرف سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے گئے منصف مولوی صاحب نے حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام کو دیدو اور کسی دیگر مساکین کو مت دو اس واسطے کہ وہ لوگ تمہاری حیات و ممات کے حق دار نہیں اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے کچھ گناہ بھی نہیں اگر گناہ ہو تو میں حاضرین مجلس میں اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزا و سزا میں نے لے لی تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے امام صاحب کو دیدو حاضرین مجلس میں سے کسی نے ان منصف مولوی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے ایک گائے قربانی کی اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا ان کو دیا جائے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑا دو مسکینوں کو دینا مکروہ و منع ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ جناب من دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے مولوی صاحب نے فرمایا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دبر کی راہ میں جانے دو اب سوال یہ ہے کہ (۱) اس طرح جبراً قربانی کی کھال امام صاحب کو لینی جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر جبراً لے لے تو ایسے پیش امام کے واسطے شرعی حکم کیا ہے؟ (۳) اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے اس مددگار کے لئے کیا حکم ہے؟ (۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص کے لئے امام صاحب کا حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بد دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) اور اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جنہوں نے حشر کے دن مواخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے کیا حکم ہے؟ و نیز ان منصف صاحب کے پیچھے جو ایک

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۱۸)

(۲) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۱۸)

(۳) لیکن اگر بغیر تحقیق کے غیر مصرف میں خرچ کیا تھا تو اتنی قیمت کا دوبارہ صدقہ واجب ہے کمافی الدر: حتی لو دفع بلا تحر لم یجزء ان اخطا (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۲ ۳۵۳ ط سعید)

مسجد کے امام ہیں نماز پڑھنا کیسا ہے؟(۶) جو شخص حق کو باطل کرے اس کا کیا حکم ہے؟ (۷) اور ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

(جواب ۲۸۱) قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو اجرت امامت یا اور کسی کام کی اجرت میں دینا جائز نہیں حتی کہ جزار یعنی قصاب کو بھی اجرت ذبح میں قربانی کے جانور کے اجزا میں سے کسی جزو کا دینا جائز نہیں۔ عن علی ان النبی ﷺ امرہ' ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا و جلودھا و جلالھا ولا یعطی فی جزارتھا شیئا (۱) (بخاری ص ۲۳۲ ج ۱) یعنی "حضرت علی کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ہمارے قربانی کے اونٹوں کا تم انتظار کرنا اور تمام اونٹ تقسیم کردو گوشت چمڑے جھولیں سب بانٹ دو اور اجرت ذبح میں ان میں سے کچھ نہ دینا" اور نفس کھال کو قربانی کرنے والا خود اپنے کسی کام میں (مثلاً ڈول یا جانماز بنانے میں) لا سکتا ہے۔ اور تبرعاً جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ اگر امام کو بھی محض تبرعاً دیدے تو مضائقہ نہیں (۲) لیکن تبرعات میں جبر نہیں اور دینے والے پر لازم نہیں کہ وہ ضرور ہی دے اور نہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ جبراً لے اگر وہ اپنا حق سمجھ کر یا اجرت امامت قرار دے کر زبردستی لینا چاہے تو وہ خاطی اور گناہ گار ہے اور اجرت سمجھ کر دینے والا بھی گناہ گار ہے اور اس کی قربانی میں بھی نقصان پیدا ہو جائے گا (۳) اور جب کہ کھال کو مالک فروخت کر ڈالے تو پھر اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہو جاتا ہے (۴) اور اس حالت میں وہ قیمت اس شخص کو دی جا سکتی ہے جو مسکین اور مستحق ہو (۵) امام بھی اگر مسکین ہو تو اسے تبرعاً دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ مالدار ہو یا اپنا حق لازم سمجھے یا اجرت امامت قرار دے کر طلب کرے تو ان صورتوں میں اسے دینا جائز نہیں اور صورت مسئلہ میں حکم صاحب کا یہ فیصلہ کہ "قربانی کی تمام کھالیں امام کو دیدو اور امام کو جبراً لینے میں بھی گناہ نہیں" غلط ہے اور پھر اس پر ان کی یہ جرأت کہ "اگر اس میں گناہ بھی ہو تو حشر کے دن اس کی جزا سزا میں نے لے لی" نہایت خوفناک دلیری ہے اسے زوال ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ خدا کے مواخذے اور عذاب کو باکا سمجھنے کا اثر زوال ایمان ہے (۶) بہر حال ان حکم صاحب کے ذمہ توبہ کرنی لازم ہے اور ان کا یہ مسئلہ کہ ایک کھال دو مسکینوں کو نہ دی جائے یہ بھی بے دلیل ہے اور دوسرے مسائل کے متعلق انکے وہ الفاظ جو سوال

---

(۱) (بخاری شریف' باب یتصدق بجلود الہدی' ۱/ ۲۳۲ ط قدیمی)

(۲) (و یتصدق بجلدھا وایضا فی شرح التنویر: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کما مر (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳۴٤ ط سعید)

(۳) (ولا یعطی اجرۃ الجزار منھا لانہ کبیع واستفیدت من قولہ علیہ السلام' من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ (رد المحتار' کتاب الاضحیۃ ٦/ ۳۲۸ ط سعید)

(٤) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۱۸)

(۵) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۱۸)

(٦) (ولا عتارا للتعظیم المنافی للاستخفاف کفر الحنفیۃ بالفاظ کثیرۃ وافعال تصدر من المتھتکین لدلالتھا علی الاستخفاف بالدین کالصلاۃ بلا وضو عمدا بل بالمواظبۃ علی ترک سنۃ استخفافا بھا بسبب انہ فعلھا النبی ﷺ زیادۃ او استقباحھا کمن استقبح من آخر جعل بعض العمامۃ تحت حلقہ او احفاء شاربہ' قلت و یظھر من ھذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یقصد الاستخفاف ولانھا لوقف علی قصدہ لما احتاج الی زیادۃ عدم الاخلال بما مر فصد الاستخفاف مناف للتصدیق (رد المحتار' باب المرتد ٤/ ۲۲۲ ط سعید)

میں مذکورہ ہیں ان کے فحاش ہونے کی دلیل ہیں ایسی صورت میں انکی امامت تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرلیں مکروہ ہے۔[1] واللہ اعلم

کیا ہر حصہ دار کھال میں سے اپنا حصہ کاٹ کر لے سکتا ہے ؟

(سوال) کیا عین چرم قربانی مشترک فی السبع کو ہر ہر حصہ دار مقراض سے کاٹ کر لے سکتا ہے یا کہ بلا قطع و برید کل کو فروخت کرنا واجب ہے اور پھر اس کی قیمت کو فقراء پر تقسیم کریں ؟

(جواب ۲۸۲) اصل حکم کے لحاظ سے حصہ دار چمڑے کو کاٹ کر بھی لے سکتے ہیں لیکن کاٹنے سے چمڑے کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور خود چمڑے کو کام میں لانا مقصود نہ ہو تو اس صورت میں کاٹنے سے فقراء کا نقصان متصور ہے لہذا کاٹ کر تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔[2] واللہ اعلم

کیا قربانی کی کھال مسجد کی تعمیر پر لگائی جاسکتی ہے ؟

(سوال) قربانی کی کھال یا منذور جانور کی کھال کو بیچنے کے بعد فقہاء واجب التصدق لکھتے ہیں اس کی صورت تملیک کی صورتوں میں جو مصارف زکوٰۃ ہیں منحصر ہے یا اس کی قیمت کو مسجد اور کنواں وغیرہ پر صرف کرسکتے ہیں المستفتی (مولانا) عبدالصمد رحمانی مونگیر۔

(جواب ۲۸۳) واجب التصدق ہو جانے سے اتنا تو ضروری ہے کہ تملیک فقیر لازم ہوگی لیکن تمام احکام صدقات واجبہ کے لازم ہو جائیں اس کی تصریح میری نظر میں نہیں ہے یعنی قربانی کی کھال کی قیمت اگر ہاشمی کو دیدی جائے تو میں اس کو ناجائز نہیں سمجھتا[3] مگر مسجد کنواں وغیرہ مصارف میں خرچ کرنا جن میں تملیک نہیں ہوتی وجوب تصدق کے منافی ہے کیونکہ ہمارے فقہا کے قاعدہ کے موافق ان مواضع میں صرف کردینا تصدق نہیں ہے۔[4] واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی۔

---

(۱) ویکرہ امامة عبد واعرابی و فاسق و فی الشامیة : واما الفاسق فقد عللوا کراھة تقدیمه بانه لا یھتم لامر دینه و بان فی تقدیمه للامامة تعظیمه (الیٰ ان قال) فھو کالمبتدع تکرہ امامته بکل حال الخ (الدرالمختار 'باب الامامة ۱/ ۵۹۰ ط س)

(۲) ویتصدق بجلدھا او بعمل منه نحو غربال او جراب لانه جزء منھا وکان له التصدق والا نتفاع به الخ (البحرالرائق' کتاب الاضحیة ۸/۲۰۳ ط بیروت)

(۳) واضح ہو کہ کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے' اور ہاشمی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں لہذا حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا کہ "میں اس کو ناجائز نہیں سمجھتا" یہ تفرد ہے فی الشامیة : وھو مصرف ایضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذالك من الصدقات الواجبة (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳۳۹ ط سعید)

(٤) لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت و قضاء دینه و فی الشامیة (قوله نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات و کری الانھار والحج والجھاد وکل مالا تملیك فیه (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳٤٤ ط سعید)

سید کو قربانی کی کھال دینے کا حکم

(سوال) میں سید ہوں ۔ صاحب نصاب ہوں قربانی کا چمڑا گاؤں والوں نے مجھے دیا اس کو فروخت کر کے رد قادیانی کی کتابیں منگالیں۔ کیا یہ جائز ہے اس میں غریب کو مالک بنانا شرط ہے یا نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۹۷ احمد النبی صاحب (ضلع پوری) ۲۵ شوال ۱۳۵۲ھ ۱۰ فروری ۱۹۳۴ء

(جواب ۲۸٤) گاؤں والے قربانی کی کھالیں جو آپ کو دیتے ہیں وہ آپ کی ملک ہو جاتی ہیں۔ آپ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے کتابیں منگا سکتے ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ۔

قربانی کی کھال سے خود نفع اٹھانا جائز ہے

(سوال) قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اپنی لڑکی یا امام مسجد کا حق سمجھنا کیسا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۸۷ صوفی خدا بخش صاحب (شاہ پور سرگودھا) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۲۸۵) قربانی کی کھال سے خود فائدہ اٹھانا یا کسی کو کھال دیدینا خواہ وہ غنی ہو یا فقیر۔ ہاشمی ہو یا اور کوئی اپنے اصول و فروع ہوں یا اجنبی یہ سب جائز ہے۔ اور اس میں تملیک بھی لازم نہیں کیونکہ خود اپنے لئے اس کا مصلی ڈول وغیرہ بنالینا اور کام میں لانا جائز ہے۔ جس میں تملیک متصور نہیں۔[2] لیکن اگر قربانی کرنے والا کھال سے نفع نہ اٹھانے اور نہ کسی کو کھال ہبہ کرے بلکہ اسے فروخت کر ڈالے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔[3] اور اب اس میں زکوۃ کے احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ تملیک بھی لازم اور اصول و فروع وہاشمی و غنی کو دینا بھی درست نہیں۔[4] اور اپنی لڑکی کا یا امام مسجد کا حق لازم سمجھنا یہ بات بہر صورت غلط ہے حق لازم کسی کا نہیں اور اگر امامت کی اجرت کے طور پر کھال یا اس کی قیمت دی جائے تو ناجائز ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قربانی کی کھال سید کو دینا

(سوال) بقر عید میں جو قربانی ہوتی ہے اس کی کھال سیدوں کو دینا جائز ہے یا نہیں کیا مثل زکوۃ کے اس کا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۱۸۰ سید جلال الدین صاحب (ضلع آرہ شاہ آباد) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ م ۱۰ ستمبر ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۲۸۶) قربانی کی کھال سید کو دے دینی جائز ہے۔[5] یعنی خود کھال دی جائے نہ کہ اس کی

---

(۱) تبرعی بطور ہدیہ دینے میں مضائقہ نہیں۔
(۲) ویتصدق بجلدها الخ (رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/ ٣٢٨ ط سعيد) وايضاً فيه و يشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كمامر (درمختار' باب المصرف ٢/ ٣٤٤)
(۳) فان بيع اللحم او الجلد به اي بمستهلك او بدراهم يتصدق بثمنه (درمختار ٦/ ٣٢٨ ط سعيد)
(٤) ويشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كما مر و فيه ايضاً ولا الى بنى هاشم ولا الى مواليهم اى عتقاءهم فارقاهم اولى لحديث مولى القوم منهم (درمختار' باب المصرف ٢/ ٣٥٠ ط سعيد) (٥) (بمطابق حواله نمبر ۲ ص ۲۲۱)

قیمت۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

قربانی کی ہبہ کی ہوئی کھال کی قیمت صدقہ کرنا ضروری نہیں

(سوال) بگرامی خدمت محبی مکرمی جناب مفتی مولانا کفایت اللہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
اگر کسی قربانی کرنے والے نے قربانی کی کھال کسی غنی کو ہبہ کر دیا اور اس غنی نے اس کھال کو فروخت کر کے اس کی قیمت حاصل کر لی تو کیا اس قیمت کا تصدق اس غنی پر ضروری ہے مجھ کو آپ کی رائے معلوم کرنی ہے۔ اور اگر کوئی دلیل بھی ساتھ ہو تو غایت احسان ہوگا۔ والسلام المستفتی نمبر ۱۳۶۹ مولانا محمد سہول صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ ۲ مارچ ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۷) مولانا المحترم دام فضلہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لے آنا قربانی کرنے والے کے لئے بصر تیح فقہا جائز ہے اور کسی ایسی شئے کے عوض میں دیدینا جو بقاء عین کے ساتھ منتفع بہ ہو سکے یہ بھی جائز ہے۔[2] دراہم ودنانیر سے فروخت کرنا قربانی کرنے والے کے لئے مکروہ اور فروخت کر دینے پر اس کی قیمت واجب التصدق ہے یہ صرف قربانی کرنے والے کے لئے حکم ہے تاکہ وہ اپنی قربانی کے کسی جزء سے تمول کی جہت پیدا نہ کر سکے۔[3]
جب قربانی کرنے والے نے کسی غنی یا فقیر کو تملیکاً کھال دیدی تو اس کا وظیفہ شرعیہ پورا ہو گیا اب وہ غنی یا فقیر اگر اس چمڑے کو فروخت کر دے تو یہ اس کا اپنا فعل ہے اور اس کے حق میں وہ اس کی قربانی کا جزء نہیں ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس پر صدقہ قیمت واجب کیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چرم قربانی کی قیمت اسکول یا ہسپتال میں نہیں دی جا سکتی

(سوال) (۱) چرم قربانی اس کی قیمت' خواہ چرم' کس مصرف میں خرچ کرنا چاہئیے؟ (۲) غریب و مساکین کو نصف یا پوری قیمت دینا چاہئیے اور جو ہمیشہ عوام غربا کو ملا کرتا تھا ان کو نہ دے کہ اگر ہسپتال یا انگریزی اسکول میں دیا جائے تو وہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والے کی قربانی ہوگی یا نہیں اور اسکول میں عموماً اور ہسپتال میں خصوصاً امراء فیضیاب ہوتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۵۸ محمد شاکر صاحب (ضلع پورنیہ) ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ ۲ جون ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۸۸) چرم قربانی تو قربانی کرنے والا اپنے مصرف میں بھی لا سکتا ہے کہ اس کی جانماز بنالے'

---

(۱) کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے' فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۱۸) اور صدقہ واجبہ بنی ہاشم پر نہیں لگتا' فی شرح التنویر : ولا الی بنی ھاشم ولا الی موالیھم (رد المحتار' باب المصرف ۲/ ۳۵۰)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۲۳)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۲۳)

ڈول بنالے یا چمڑے کو کسی اور کام میں لے آئے۔ یہ بھی جائز ہے کہ چمڑا کسی فقیر یا غنی یا سید کو دیدے لیکن اگر مالک بیچ ڈالے تو پھر قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے یعنی فقیر یا مسکین کو قیمت دیدینی چاہئے۔ (۱)

قربانی کی کھال ' گوشت ہڈی وغیرہ سے نفع اٹھانے کا حکم

(سوال) اسلامی دنیا میں عید قربان کے موقع پر قربانی کا پس ماندہ گوشت پوست استخواں اور انتڑیاں وغیرہ اس خیال سے دفن کی جاتی ہیں کہ ان کی بیع و شراء جائز نہیں یا کسی انتظام کی عدم موجودگی میں بالخصوص حج کے موقع پر جہاں ہزار ہا مسلمان جمع ہو کر لاکھوں جانوروں کو قربان کرتے ہیں اور گوشت کی اس قدر بہتات اور کثرت ہوتی ہے کہ اسے دفن کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا اگر اس گوشت اور پوست و استخواں وغیرہ کو دفن کرنے کے بجائے اس سے کوئی ایسا مفید ذریعہ استعمال پیدا کیا جا سکے جو مکینان حرم محترم کے لئے بالخصوص اور عام ملت اسلامیہ کے لئے بالعموم مفید اور کار آمد نتائج پیدا کر سکے تو شریعت کی روشنی میں ہدایات صادر کی جائیں استعمال کی حسب ذیل صورتیں مستفتی کے ذہن میں ہیں۔

(۱) اس زائد از حاجت گوشت کو خاص ادویہ کے ذریعہ محفوظ (پریزڈ) کر کے اسے کاروباری نقطہ نظر سے عالم اسلام میں قیمتاً فروخت کیا جائے اور اس کی آمد کا بیشتر حصہ حجاز اور حجاز کے رہنے والوں کے مفاد کے لئے خرچ کیا جائے۔ (۲) اس کی کھال کو مختلف صنعتی اور کاروباری صورت میں استعمال کیا جائے۔ (۳) انتڑیوں کو چھلنیوں اور دیگر سامان تفریح مثلاً اسپورٹ کا سامان وغیرہ کے تیار کرنے کے مصرف میں لایا جائے۔ (۴) استخواں اور سینگ کے ذریعہ بٹن اور کنگھی تسبیح چاقو چھری کے دستے اور دیگر اسی قسم کی مصنوعات کے تیار کرنے میں صرف ہو سکتے ہیں علاوہ ازیں ہڈی کا بہت بڑا خرچ شکر سازی کے کارخانوں میں ہو سکتا ہے۔ (۵) دیگر فضلات ردیہ کو کھاد کے طور پر کھیتوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ اور بھی کچھ ایسی اشکال ہیں جن کے ذریعہ قربانی کے اس غیر مستعمل گوشت وغیرہ کو کام میں لایا جا سکتا ہے مستفتی کی نیت یہ ہے کہ اس کی آمد سے امور خیر اور خدمت خلق کے مصارف پورے کئے جائیں اور مسلمانوں کی اقتصادی اور مالی مشکلات کو اس پہلو سے کم از کم کیا جا سکے۔

علمائے کرام سے یہ بھی درخواست ہے کہ متذکرہ صدر صورتوں کے علاوہ کوئی اور شکل بھی اگر شرعی نقطہ نظر سے ان کے سامنے ہو تو اس کی وضاحت بھی کی جائے علاوہ ازیں اس کا بھی جواب مطلوب ہے کہ اس زائد گوشت پوست اور استخوان وغیرہ کا صحیح مصرف لکھا جائے جس پر عملدر آمد کرنے سے حجازی مسلمانوں کی مالی مشکلات ختم کی جا سکیں ایسی شرعی صورتیں بیان کی جائیں جن کی پابندی سے گوشت کی اس بہتات اور کثرت کو مسلمانوں کے لئے دنیوی نقطہ نظر سے مفید بنا سکیں۔ المستفتی نمبر ۵۴۰ ایس ایم قمر

---

(۱) قوله يتصدق بجلدها لانها جزء منها او يعمل منه آلة تستعمل فى البيت كالنطع والجراب والغربال (الجوهرة النيرة' كتاب الاضحية ۲/ ۲۴۵ ط مير محمد)

الدین (لاہور)

(جواب ۲۸۹) (۱) جائز ہے کیونکہ یہ بیع قربانی کرنے والے کی طرف سے اپنی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ فقراء مسلمین کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہوگی اور اس میں کوئی نقصان معلوم نہیں ہوتا[1] مال منتفع بہ کو ضائع ہونے سے بچانا بھی جواز کے لئے ایک مستقل وجہ ہو سکتی ہے۔[2]
(۲) یہ بھی جائز ہے کیونکہ کھال کو خود قربانی کرنے والا بھی اپنے کام میں لا سکتا ہے اور اگر کھال کو کام میں نہ لایا جائے بلکہ فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت فقراء مسلمین کے صرف میں لائی جا سکتی ہے۔[3] اور نمبر ۳۔۴۔۵ کا بھی یہی جواب ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ جون ۱۹۳۷ء

کھالوں کی قیمت مکتبہ اسلامیہ کی تعمیر میں لگانا

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کی قیمت کو قصبہ ہذا کے مکتب اسلامیہ کی عمارت کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں جب کہ عمارت بالکل منہدم ہو چکی ہے اور بچے درخت کے سایہ میں تعلیم پا رہے ہیں قریب ۶۰ بچے اور بچیاں امیر غریب سب کے بلا فیس تعلیم پاتے ہوں اور قصبہ کے لوگوں کی مالی حالت اچھی نہ ہو (۲) اس کے علاوہ اور کس جگہ اس رقم کا صحیح مصرف ہو سکتا ہے۔ المستفتی عزیز احمد مدرس مکتب اسلامیہ عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

(جواب ۲۹۰) قربانی کے چمڑے فروخت کئے جائیں تو ان کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔[4] تعمیر میں لگانا درست نہیں۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

قربانی کی کھالوں کا روپیہ کسی معلم کو دینا جائز نہیں

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کے روپیہ سے قرآن شریف پڑھانے والے معلم کی تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ (۲) قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسجد کی کسی تعمیر میں خرچ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ المستفتی عبدالرحمن۔ نصیر آبادی۔

---

(۱) والصحیح کما فی الهدایة وشروحها انهما سواء فی جواز بیعها بما ینفع بعینه دون ما یستهلك وایده فی الکفایة بما روی ابن سماعة عن محمد لو اشتری باللحم ثوباً فلا باس بلبسه (درمختار' کتاب الاضحیة ۶/ ۳۲۸ ط سعید)
(۲) و کره تحریماً بعظم و طعام و دوث و آجر و صرف و زجاج و شئ محترم (درمختار ۱/ ۳۴)
(۳) (ایضاً بحواله سابقه نمبر ۳ ص ۳۲۲)
(۴) (ایضاً بحواله بالا نمبر ۳)
(۵) لا یصرف الیٰ بناء نحو مسجد ولا الیٰ کفن میت و قضاء دینه' وفی الشامیة (قوله نحو مسجد) کبناء القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات و کری الانهار والحج والجهاد و کل مالا تملیك فیه (رد المحتار ' باب المصرف ۲/ ۳۴۴ ط سعید)

(جواب ۲۹۱) قربانی کی کھال اگر قربانی کرنے والا کسی کو دیدے اور وہ شخص جس کو کھال دی ہے اسے فروخت کر کے کسی معلم کو تنخواہ دے یا مسجد کی تعمیر میں خرچ کردے تو جائز ہے۔[1] لیکن اگر قربانی کرنے والا خود فروخت کردے تو پھر وہ اس روپیہ کو معلم کی تنخواہ یا مسجد میں خرچ نہیں کر سکتا۔ بلکہ صدقہ کر دینا لازم ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

قربانی کی کھالوں کا صحیح مصرف

(سوال) قربانی کی کھالوں کا صحیح مصرف کیا ہے؟ کیا قربانی کی کھالیں یا ان کی قیمت غیر مسلم پر صرف کی جاسکتی ہے؟ زید بالجبر یا کوئی قانونی کارروائی کی دھونس دیکر کسی جماعت کے لئے محمود سے قربانی کی کھال لے سکتا ہے؟ کیا اس دور میں خالص اسلامی نقطہ نظر سے کوئی جماعت ہے؟ خویش پرور جماعتیں اور خود غرض یتیم خانوں میں نام و نمود کے لئے قربانی کی کھالیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹۲) قربانی کی کھال قربانی کرنے والا اپنے کام میں لاسکتا ہے۔ مثلاً مصلی بنالے یا ڈول بنالے اور اگر فروخت کردے تو پھر اسکی قیمت صدقہ کرنی واجب ہے۔[3] مگر یہ صدقہ نافلہ ہے کافر غریب ہو تو اسے بھی دی جاسکتی ہے۔[4] جبراً یا ڈرا دھمکا کر چرم قربانی وصول کرنا جائز نہیں ہے جمعیۃ علماء اور مدرسہ دیوبند یا مظاہر علوم سہارنپور یا دیگر مدارس دینیہ اس کے مستحق ہیں ہاں جو جماعتیں قابل اعتماد نہ ہوں ان کو نہ دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

قربانی کی کھالوں کی قیمت سے کھانا کھلانا جائز نہیں

(سوال) (۱) قربانی کی کھالوں کو بیچ کر قبرستان میں کھانا پکا کر امیر و غریب کو اور مرد و عورت کو دعوت دیکر کھلانا کیسا ہے؟ (۲) قربانی کی کھالوں کو بیچ کر اس کے پیسے غریبوں اور مسکینوں کو دینا چاہئے یا کھانا پکا کر کھلانا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۰۴۲ احمد صدیق (کراچی) ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۳) (۱) ناجائز ہے[5] (۲) غربا اور مساکین کو پیسے دیدئے جائیں۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) و قدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يا مره بفعل هذه الاشياء (درمختار باب المصرف ۲/ ۳۴۵ ط سعيد)
(۲ ۳) و يتصدق بجلدها لا نها جزء منها او يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال (الجوهرة النيرة ۲/ ۲۴۵ ط ميرمحمد) فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعيد)
(۴) و جاز دفع غيرها و غير العشر والخراج اليه اى الذمي ولو واجباً كنذر و كفارة و فطرة خلافاً للثاني و بقوله يفتى حاوى القدسي الخ (درمختار باب المصرف ۲/ ۳۵۱ ط سعيد)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۲۵)
(۶) فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم يتصدق بثمنه (درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعيد)

قربانی کے چمڑے کی قیمت مسجد کی ضروریات کے لئے استعمال کرنا ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) کھال قربانی اکثر مسجدوں میں آتی ہیں کیا ان کی قیمت سے ماہوار (پیش امام و مؤذن صاحب کی تنخواہ اور مسجد کی روشنی اور دیگر ضروریات مسجد اور مسجد کی تعمیر و مرمت میں خرچ کرنا جائز ہے؟ نیز ان کھالوں کی قیمت سے کتب تفاسیر و حدیث و فقہ عام لوگوں کی معلومات کے لئے خرید کر مسجد میں رکھنا نادار طلبہ کو درسی کتابیں ان کھالوں کی قیمت سے خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۲۹٤) قربانی کی کھالیں اگر دباغت کر کے خود قربانی کرنے والا فائدہ اٹھانا چاہے تو جائز ہے اور اگر کھال کسی فقیر یا غنی کو دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔[۱] لیکن اس کھال کو فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا یعنی مسکین کو بلا معاوضہ دیدینا واجب ہو جاتا ہے پس کھال یا اس کی قیمت کو امام یا مؤذن کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں[۲] اور کھال کی قیمت کو مسجد کی روشنی، فرش، تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں[۳] ہاں اگر کھال کے بدلے میں (بغیر اس کے کہ اس کو فروخت کیا جائے) کتب فقہ و تفسیر و حدیث حاصل کرلی جائیں اور ان کو عوام کی فائدہ رسانی کے لئے مسجد میں رکھ دیا جائے تو مضائقہ نہیں[۴] لیکن کھال کو روپے پیسے کے عوض فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کردینا متعین ہو جاتا ہے۔[۵] یہی حکم طلبہ کے لئے کتابیں مہیا کرنے کا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۷ء)

(جواب ۲۹۵) قربانی کی کھالیں جب فروخت کردی جائیں یعنی قربانی کرنے والا خود فروخت کردے تو اس کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کردے۔[۶] پس کھالوں کی قیمت کا روپیہ مدرسین کی تنخواہوں میں نہیں دیا جاسکتا۔[۷] ہاں نادار طلبہ کو وظائف کی صورت میں یا سامان تعلیم کی صورت میں دینا جائز ہے مگر جو دیا جائے وہ تملیک کی صورت میں دیا جائے۔[۸] تعمیر مسجد میں خرچ کرنا درست نہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ ص ۲۲۳)
(۲) ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا' وفي الشامية قوله (والا لا) لان المرفوع يكون بمنزلة العوض (درمختار' باب المصرف ۲/ ۷۰ ط بيروت)
(۳) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۵ ص ۲۲۵)
(٤) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۲۲)
(۵) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۲۳)
(٦) فان بيع اللحم او الجلد به اى بمستهلك او بدراهم تصدق بثمنه (درمختار' ۶/ ۳۲۸)
(۷) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص هذا)
(۸) و يشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳٤٤ ط سعيد)

قربانی کی کھال کی قیمت اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) چرم قربانی کے دام اگر گھر میں کھا لئے جائیں تو قربانی درست ہو گی یا نہیں ؟ چرم قربانی کی قیمت اگر صاحب نصاب کو نادار سمجھ کر دیدی جائے یا مسجد اور کنویں پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۶) قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں اگر اپنے استعمال میں لائی گئی تو اس کا بدل صدقہ کرنا واجب ہے۔[۱] ورنہ ثواب قربانی میں نقصان ہو گا صاحب نصاب کو دینا بھی جائز نہیں اگر اس کو نادار سمجھ کر دیدی جائے تو خیر مضائقہ نہیں۔[۲] مسجد اور کنویں پر خرچ کرنا ناجائز ہے۔[۳] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

کیا قربانی کی کھالوں سے دیگ خرید کر اس کا کرایہ مستحقین کو دے سکتے ہیں؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۷ء)

(سوال) ہمارے گاؤں موضع دریاپور ضلع بلند شہر میں چرم قربانی کی قیمت جمع کر کے ایک دیگ خریدی گئی ہے اس کا کرایہ مستحق لوگوں کو دیا جائے گا اور یہ سلسلہ بطور صدقہ جاریہ قائم رہے گا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۲۹۷) اگر قربانی کرنے والے اپنے چرم قربانی کسی کو دیکر مالک بنا دیں اور وہ انہیں فروخت کر کے دیگ خرید کر رفاہ عام کے لئے دیدے تو جائز ہے۔[۴] اور اگر کسی کو مالک نہ بنائیں اور چمڑوں کو فروخت کر کے دیگ خرید لی جائے تو اس دیگ کو بغیر اجرت کے رفاہ عام کے لئے قرار دینا بھی جائز ہے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

مردار کے چمڑے کو دباغت کے بعد فروخت کرنے کا حکم

(سوال) ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم مردار کا چمڑا سوائے خنزیر و آدمی کے بعد الدباغت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۹۶۱ محمد انصار الدین (آسام) ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۲۹۸) ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم جانوروں کا مردار چمڑا دباغت کر کے فروخت کرنا جائز

---

(۱) ایضاً بحوالہ بالا نمبر ۶ ص گزشتہ۔

(۲) دفع بتحر فبان انہ عبدہ او مکاتبہ او حربی ولو مستامناً اعادھا وان بان غنائہ او کونہ ذمیاً او انہ ابوہ او ابنہ او امراتہ او ہاشمی لا (تنویر الابصار' باب المصرف ۲/ ۳۵۲ ط سعید)

(۳) لا یصرف الی بناء نحو مسجد الی اخرہ فی الشامیۃ : نحو مسجد کبناء القناطیر و السقایات واصلاح الطرقات (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳۴۴ ط سعید)

(۴) وقدمنا ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ہذہ الاشیاء (درمختار' باب المصرف ۲/ ۳۴۵)

(۵) واضح ہو کہ بظاہر یہ تسامح معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیچھے جواب نمبر ۲۸۳ میں مفتی عالام فرما چکے ہیں کہ تملیک فقیر لازم ہوتی لہذا فروخت کرنے کے بعد قیمت کے تصدق میں تملیک لازم ہے جیسا کہ حوالہ نمبر ۸ صفحہ گزشتہ سے واضح ہو رہا ہے۔

ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تیسرا باب
مااہل بہ لغیر اللہ

غیر اللہ کے لئے مقرر کئے ہوئے جانوروں کا حکم

(سوال) زید کا قول ہے کہ جو چیز تقرب لغیر اللہ کی وجہ سے مقرر کی جائے وہ حرام ہے مسلم کے لئے اس کا لین دین حرام ہے۔ جس جانور کو خدا کے سوا دوسرے کے نام پر تقرب کی غرض سے مقرر کر دیا جائے وہ حرام ہے اگرچہ بسم اللہ اللہ اکبر پچاس مرتبہ پڑھا جائے اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑے گئے اگر مسلمان بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے حلال ہے وہ خشک اشیا جو تقرباً لغیر اللہ ہو پجاری سے خریدی جائیں وہ حلال ہیں ؟ المستفتی حاجی حافظ سید محمد شفیع امام جامع مسجد سیکر مورخہ ۵ محرم ۱۳۲۱ھ

(جواب ۲۹۹) غیر اللہ کے لئے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو یہ سائبہ ہے جس کو ہم سانڈ کہتے ہیں[2] سانڈ کا مالک اس کو کسی بت یا دیوتا کے نام پر کام اور خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرے اس قسم کے جانور کو خریدنا اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں پھر ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام نہ لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہرگز نہ بیچتا۔[3] مگر ایسے جانور یعنی سانڈ کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر پکڑ کے ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے مگر اس کی حرمت مال غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ کہ مااہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کی بنا پر۔ سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔

---

(۱) وذبح مالا یؤکل یطہر لحمہ و شحمہ وجلدہ الا الآدمی والخنزیر و فی الشامیۃ : وھل یجوز الانتفاع بہ فی غیر الاکل قیل لا یجوز اعتبارا بالاکل و قیل یجوز' فالزیت اذا خالطہ و دک المیتۃ' والزیت غالب لا یؤکل و ینتفع بہ فی غیر الاکل (درمختار ' کتاب الذبائح ٦/ ۳۰۸ ط سعید)

(۲) ھی الناقۃ التی تسیب فلا تمنع من مرعی بسبب نذر علق بشفا ، مریض لو قدوم غائب (قواعد الفقہ ص ۳۱۷ ط صدف پبلشرز)

(۳) واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد للانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فھذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ واخذہ ایضا مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ لی' و صرفہ الی الفقراء و یقطع النذر عن النذر الشیخ(البحر الرائق ' کتاب الصوم ۲/ ۳۲۰ ط بیروت)

دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لئے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت پر ذبح ہو جائے تو حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے جب بھی وہ حرام اور مردار ہی رہے گا جیسے کہ اکثر ہندو دیبی یا کسی بت کے نام پر جانور کی جان قربان کرنے کے لئے لاتے ہیں۔ مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیتا ہے تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے کہ اس کو دیبی کے اوپر قربان کر دینا پجاری ان جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر لیتے ہیں یہ بھی حرام ہیں کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہوئی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لئے قربان ہو پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خرید نے سے وہ نیت کالعدم نہ ہوگی بلکہ پجاری کی بیع باطل ہوگی۔[1]

ایسے جانور جن کی جان کو کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں کہ ان کو ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کر لے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو خاص خدا کے لئے ذبح کرنے کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو یہ حلال ہوگا نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہوگی[2] اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا جو پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا تقرب الی غیر اللہ باراقۃ الدم کی نیت پر ذبح ہونے والا جانور بسم اللہ اللہ اکبر سے بھی پاک اور حلال نہیں ہوتا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے سانڈ کا گوشت کھانا:

(سوال) ایک سانڈ اندار غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا اب اس کا کوئی بھی حقیقۃً مالک نہیں۔ چونکہ مجرب تھا کسی مسلمان کی طبیعت آگئی لہذا گوشت کھانا چاہتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۰۶ نذیر احمد پور نیہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ م ۳۰ جون ۱۹۳۵ء۔

---

(۱) وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فی الشامیۃ ای علی الاجازۃ علی اما بینا (الدر المختار مع رد المحتار ۵ / ۱۰۷ ط سعید)

(۲) واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما ھو مشاھد للانسان غائب او مریض اولہ حاجۃ ضروریۃ فھذا النذر باطل بالاجماع لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز ولا نہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ واخذہ ایضاً مکروہ مالم یقصد بہ الناذر التقرب الی اللہ لی' و صرفہ الی الفقراء و یقطع النذر عن النذر الشیخ (البحر الرائق' کتاب الصوم ۲ / ۳۲۰ ط بیروت)

(۳) ذبح لقدوم الامیر و نحوہ کو احد من العظماء و یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالی (تنویر الابصار کتاب الذبائح ۶ : ۳۰۶)

(جواب ۳۰۰) سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا اس لئے مال غیر ہونے کی بنا پر اس کو کھانا حرام ہے۔ [۱] محمد کفایت اللہ۔

غیر اللہ کی نذر ماننا حرام ہے

(سوال) (۱) نذر لغیر اللہ حلال ہے یا حرام؟ (۲) جو جانور لغیر اللہ اور تقرب لغیر اللہ کی نیت پر ذبح کیا جائے اور ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بھی کہا جائے مگر عند الذبح بھی نیت نذر لغیر اللہ اور تقرب لغیر اللہ کی ہو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ (۳) مندرجہ بالا وما اهل به لغير الله میں درج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا
المستفتی نمبر ۵۱۶ قاضی شمس الدین (پنڈی گھیپ) ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۷ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۰۱) (۱) نذر لغیر اللہ حرام ہے ۔ واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام (الی قوله) تقربا الیهم فهو بالا جماع باطل و حرام درمختار (قوله باطل و حرام) لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لا یکون لمخلوق و منها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ و اعتقاده ذلك كفر [۲] (۲) جو جانور کہ نذر لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت سے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ حرام اور مردار ہے ذبح لقدوم الا میر و نحوه کواحد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو ذکراسم الله تعالیٰ (درمختار) [۳] (۳) عبارت مندرجہ نمبر ۲ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ ذبیحہ ما اهل به لغير الله میں داخل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور مسنون طریقہ پر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا

(سوال) جو جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑا جائے مگر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ فقط اللہ کا نام لیا جائے یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے اس جانور کا گوشت حرام ہے یا حلال؟ المستفتی نمبر ۱۰۷۰ مستری مولا بخش صاحب (بھرت پور) ۶ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۳۰۲) جو جانور کہ کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑا یا پالا گیا ہو یعنی اس کے مالک کا قصد یہ ہو کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کی جائیگی وہ حرام ہو جاتا ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کیا جائے درمختار میں ہے۔ ذبح لقدوم الا میر و نحوه کواحد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو ذکراسم الله تعالیٰ اه [۴] اور نذر لغیر اللہ حرام ہے۔ درمختار میں ہے النذر للمخلوق لا یجوز لانه

---

(۱) ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة ولا وصيلة الخ (مائدة ۱۰۳)
(۲) (الدرالمختار' کتاب الصوم' ۶/۴۳۹ ط سعید)
(۳) (الدرالمختار' کتاب الذبائح فصل فی العوارض ۶/۳۰۹ ط سعید)
(۴) (الدرالمختار' کتاب الذبائح ۶/۳۰۹ ط سعید)

عبادة والعبادة لا يكون لمخلوق انتهى [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

غیر اللہ کے نام کا بکرا تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

(سوال) تفسیر موضح القرآن مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی میں آیت شریف فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور [2] کی بابت فرمایا ہے۔ جو کسی کے نام کا کر کر ذبح ہوا وہ بھی حرام ہے۔ سورۂ حج ع ۳ پ ۱۷ چونکہ ہم کو علم نہیں سمجھنے کے لائق اس لئے سوالات کئے گئے یعنی زید نے ایک بکر پالایا خریدا اس نیت سے کہ یہ بکرا "میراں" کا ہے یا کسی اور غیر خدا کے نام سے مقرر کر دیا جیسے کہ یہ نیت کی کہ یہ بکرا بڑے پیر کے نام کا ہے گیارھویں کے لئے مخصوص کر دیا اور جب گیارھویں آئی تو اس کو تکبیر اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر کے فقیروں محتاجوں کو پکا کر کھلا دیا تو فرمایئے کہ ایسی ہی صورتوں میں ایسا بکرا حرام ٹھیرا یا حلال اور اس کا گوشت کھانا جائز ہوا یا نہیں اور اس طرح سے مقرر کر دینا جائز ہے یا ناجائز؟ المستفتی نمبر ۴۰۵ منشی عبدالوحید صاحب (ضلع بلند شہر) ۷ صفر ۱۳۵۶ھ م ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۳) کسی غیر اللہ کے نام کر دینے سے اکثری طور پر یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس جانور کی جان اس غیر اللہ کے لئے نذر کی جائے گی یعنی انکے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے گا تو ایسا جانور حرام ہو جاتا ہے اور بوقت ذبح بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ [3] لیکن اگر مقصد اس جانور کی جان کو غیر اللہ کے لئے نذر کرنا نہ ہو بلکہ صرف گوشت کا صدقہ کرنا ہو تو یہ حرام نہیں ہوتا [4] مگر یہ جب ہے کہ مالک کو اس میں تردد اور تامل نہ ہو کہ اس جانور کو ذبح کرے یا اس کو چھوڑ کر دوسرا جانور ذبح کر دے یا اس قدر گوشت بازار سے خرید کر صدقہ کر دے اگر اس نے اس تبدیلی کو منظور نہ کیا اور اس جانور کو ذبح کرنا ضروری سمجھا تو یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ اس کا مقصد جانور کی جان کو ہی نذر کرنا ہے اور اس صورت میں حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کو تکبیر پڑھ کر ذبح کیا تو کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص نے دیوتاؤں کے نام پر یا کسی پیر اولیاءؒ کے نام پر کوئی جانور چھوڑا اب زید اس چھوڑے ہوئے جانور کو لفظ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۲۲۸۴ حکیم سعید احمد خاں صاحب اودے پور۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ م ۴ جون ۱۹۳۸ء۔

---

(۱) (الدر المختار' کتاب الصوم ۲/ ۴۳۹ ط سعید)
(۲) (الحج ۳۰)
(۳) (ایضا بحوالہ نمبر ٤ صفحہ ۲۳۱)
(٤) وان تبرع بها عنه له الاكل لانه يقع على ملك الذابح والثواب للميت الخ (ردالمحتار' كتاب الاضحية ٦/ ۳۳۵ ط سعيد)

(جواب ۳۰۴) کسی غیر اللہ کے نام پر جانور کو نامزد کرنے اور چھوڑنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں اول یہ کہ اس جانور کو کام اور خدمت لینے سے آزاد کردینا مقصود ہوتا ہے بس اس سے زیادہ کوئی اور مطلب نہیں ہوتا یعنی اس کی جان کو کسی کے لئے قربان کرنا مراد نہیں ہوتا یہ حیثیت تو سائبہ کی ہے اس سے جانور میں کوئی حرمت نہیں آتی اور جانور اسی مالک کی ملک میں رہتا ہے جس نے اسے چھوڑا ہے اگر وہ کسی کو اجازت دیدے کہ ذبح کرکے کھالو اور کوئی اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرلے تو وہ حلال ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر کوئی ذبح کرلے تو بوجہ ملک غیر ہونے کے حرام ہوگا۔ ما اھل به لغیر الله میں داخل نہ ہوگا دوسری صورت یہ ہے کہ جانور کو کسی کے نام پر اس نیت سے نامزد کیا جاتا ہے کہ اس کی جان اس منذور لہ کے لئے قربان کی جائے گی خواہ اسی وقت ذبح کیا جائے یا سال دو سال کے بعد ذبح کرنے کا ارادہ ہو یہ جانور منذور لغیر اللہ اور ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے یہ اگر مالک کی اس نیت پر ذبح کیا گیا تو خواہ ذبح کرنے والے نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو جب بھی حرام ہے[1] ہاں اگر ذبح سے پہلے مالک اپنی نیت بدل لے اور نذر لغیر اللہ سے توبہ کرلے اور اس کی جان خاص خدا کے لئے قربان کرنے کی نیت کرے اور اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو حلال ہوگا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

نیت کی تبدیلی کے بعد غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم

(سوال) ماقولکم رحمکم الله فی هذه المسئلة البقرة التی ترکت و ربیت تقربا لغیر الله ثم بدل المتقرب نیته و ذبح البقرة ببسم الله الله اکبر أ لحمها حلال ام حرام . اتسری فی البقرة حرمة تربیتها بنیة التقرب لغیر الله بعد تبدل نیة المتقرب و ذبحها ببسم الله الله اکبر ام لا المستفتی نمبر ۲۶۹۶ سید محمد ہاشم توسط مولانا فضل الرحمن صاحب (راجپوتانہ) ۸ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء۔

(ترجمہ) جناب کا کیا فرمان ہے اس مسئلے کے بارے میں کہ جو گائے غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دی گئی اور اس کی پرورش تقرب لغیر اللہ کے لئے کی جاتی رہی تھی پھر اس کے مالک نے اپنی نیت بدل دی اور گائے کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردیا کیا اس کا گوشت کھانا حلال ہے ؟ کیا اس کے مالک متقرب کے ارادہ بدل دینے اور اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردینے کے بعد بھی حرمت تقرب لغیر اللہ جو اس کی پرورش بہ نیت تقرب لغیر اللہ کی وجہ سے تھی اس گائے میں جاری و ساری رہے گی ؟

(جواب ۳۰۵) ان بدل المتقرب نیته قبل ذبح البقرة و قصد التقرب باراقة دمها الی الله تعالیٰ وتاب عن ما صدر منه من قصد التقرب الی غیره تعالیٰ ثم ذبحها تقربا الی الله تعالیٰ حلت البقرة وحل اکلها وان لم یبدل نیته قبل ذبحها ولم یتب عمّا صدر منه و ذبحها علی

---

(۱) الدر المختار ، کتاب الصید ۶ / ۴۳۹ سعید

(۲) ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص ۲۳۰

نیته السابقة لا یحلها التسمیة اللسانیة و حرمت البقرة و حرم اکلها مع کونها مذبوحة باسم اللہ تعالیٰ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دھلی

(ترجمہ) اگر گائے کو ذبح کرنے سے پہلے متقرب (یعنی گائے کے مالک) نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس کے اراقہ دم سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کر لیا اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت کا گناہ کبیرہ جو اس سے سرزد ہوا تھا اس سے اس نے توبہ کر لی اور پھر گائے کو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کیا تو گائے حلال ہے اور اس کا گوشت کھانا بھی جائز ہے[1] اور اگر ذبح کرنے سے پہلے اس نے اپنی نیت نہیں بدلی اور توبہ نہیں کی اور اسی حال میں اس نے گائے کو ذبح کر دیا تو محض زبانی تکبیر ذبح سے گائے حلال نہیں ہوگی اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوگا باوجود اس کے کہ اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا گیا ہو۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

کیا غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور خود خریدار کے لئے حلال ہوگا

(سوال) ایک صاحب تو یہ کہتے ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد ہو جائے تو اس کے اندر حرمت آتی ہے لیکن خریدار کو جائز ہے کہ (وہ جانور جو ما اہل لغیر اللہ ہے) اس کو خرید لے کیونکہ خریدار کی نیت ٹھیک ہے اس کے واسطے حرام نہیں ہے دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جانور مانند سور کے ہو گیا ہے اس کی خرید و فروخت ہرگز جائز نہیں مثلاً سانڈ وغیرہ جو ہندو نے اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ رکھا ہے اس کی خرید و فروخت حرام ہے جو مدعی حرمت کا ہے وہ صاحب اپنے دلائل بدستور پیش کر رہا ہے۔ تفصیل سے لکھنا اس دفعہ مناسب نہیں فقط کتابوں کا (جن کتابوں نے حرام فرمایا ہے) نام تحریر کیا جائے گا۔ **وما اهل لغير الله الاية** تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ علماء نے اجماع کیا ہے اس بات پر کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب غیر اللہ کا چاہا وہ مسلمان اس کرنے سے مرتد ہو جائے گا اور ذبیحہ اس کا مرتد کے ذبیحہ کی طرح مردار ہوگا اور در مختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے ذبح کیا امیر یا کسی اور رئیس کے آنے کے وقت تو وہ ذبیحہ حرام ہے اس واسطے کہ اس پر نام غیر اللہ کا پکارا گیا اور اسی طرح لکھا ہے جامع الرموز اور قرۃ الانظار اور ہدایۃ المبتدی اور اشباہ میں اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے اور وہ نذر جو عوام لوگ مانتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس آ کر اس کا غلاف اٹھا کر کہتا ہے اے فلانے سردار اگر تو نے میری فلاں حاجت روا کی تو تیرے لئے میری طرف سے اتنا سونا نذر ہے تو یہ نذر اجماع کے ساتھ باطل ہے اور اسی طرح لکھا ہے بحر الرائق اور نہر الفائق اور در مختار کتب فقہ میں 'تیسیر الرحمٰن اور اسی طرح بیضاوی اور تفسیر حقانی و اعظم التفاسیر اور اسی طرح بیان القرآن مولانا حکیم الامت شاہ اشرف علی صاحب مدظلہ 'اور علماء سہارنپور کا فتویٰ حرمت قطعی پر موجود ہے مولانا الحاج حافظ القاری الغازی فی سبیل اللہ حسین احمد طال اللہ عمرہ کا بھی یہی فتویٰ ہے باقی تحقیق لفظی اسی طرح ہے کہ یہ کلیہ ہے اپنے تمام افراد پر جاری رہے گا اور مفسرین نے جو قید عند الذبح لگائی ہے وہ

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ ۲۳۰)

(۲) الدر المختار ، کتاب الذبائح ۶/۳۰۹ سعید

قید علی عادتہم ہے۔ تو اس کی دو فرد ہیں ایک یہ کہ وقت ذبح نام غیر اللہ کا لیا گیا ہو دوسری یہ کہ مطلقاً نامزد ہو تقرب غیر اللہ اور یہ دونوں کو شامل ہے چنانچہ اس پر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تفسیر کی تقریر شاہد ہے وہ یہ قید مانتے تھے ؟ المستفتی نمبر ۲۶۹۷ حافظ محمد شفیع صاحب جامع مسجد سیکر (جے پور) ۸ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۶ جنوری ۱۹۴۲ء

(جواب ۳۰۶)[1] غیر اللہ کے لئے جانور کے نامزد کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے نام پر خدمت اور کام لینے سے آزاد کر دیا جائے اس کی جان قربان کرنا مقصود نہ ہو یہ سائبہ ہے۔ جس کو ہم سانڈ کہتے ہیں سانڈ کا مالک اس کو کسی بت یا دیوتا کے نام پر کام و خدمت لینے سے آزاد کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جان کسی غیر اللہ کے لئے قربان کرے اس قسم کے جانور کو خریدنا اگر مالک فروخت کرے تو جائز ہے اور وہ خریدنے کے بعد خریدار کی ملک ہو جاتے ہیں ان کو ذبح کر کے کھانا بھی جائز ہے کیونکہ جب مالک ان کے بیچنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے بیچ ڈالا تو یہ دلیل اس امر کی ہے کہ اس نے جانور سے کام نہ لینے کی جو نیت کی تھی وہ بدل ڈالی ورنہ وہ ہرگز نہ بیچتا مگر ایسے جانور (یعنی سانڈ) کو اگر کوئی شخص اس کے مالک سے خریدے بغیر اور اس کی اجازت کے بغیر پکڑ کے ذبح کر لے تو اس کا کھانا حرام ہے مگر اس کی حرمت مال غیر ہونے کی بنا پر ہے نہ ما اہل لغیر اللہ میں داخل ہونے کی بنا پر یہ سائبہ جانور اپنے مالک یعنی چھوڑنے والے کی ملک سے خارج نہیں ہوتا۔

دوسری قسم نامزد کرنے کی یہ ہے کہ مالک اس جانور کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کے لئے اس کے نام پر جانور کو نامزد کرتا ہے یہ جانور اگر مالک کی اسی نیت پر ذبح ہو جائے تو حرام اور مردار ہو جاتا ہے اگرچہ ذبح کرنے والا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے جب بھی وہ حرام اور مردار ہی رہے گا جیسے کہ اکثر ہندو دیبی یا کسی بت کے نام پر جانور کی جان قربان کرنے کے لئے لاتے ہیں مگر اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کرتے کوئی مسلمان وہاں ہوتا ہے اس سے کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کر دو وہ بسم اللہ کہہ کر اس کو ذبح کر دیتا ہے تو اس کی بسم اللہ سے وہ حلال نہیں ہوں گے یا وہی مالک اپنی نیت کے موافق اس جانور کو اپنے سامنے ذبح نہیں کراتا بلکہ پجاری کو دے جاتا ہے۔ کہ اس کو دیبی کے اوپر قربان کر دینا پجاری ان جانوروں کو فروخت کر دیتا ہے اور مسلمان خرید کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرا لیتے ہیں یہ بھی حرام ہیں کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہو گی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لئے قربان ہو پجاری کے فروخت کرنے اور مسلمان کے خریدنے سے وہ نیت کالعدم نہ ہو گی بلکہ پجاری کی بیع باطل ہو گی۔

ایسے جانور جن کی جان کسی غیر اللہ پر قربان کرنے کی نیت کی گئی ہو صرف ایک صورت میں جائز اور حلال ہو سکتے ہیں کہ انکے ذبح کرنے سے پہلے ان کا مالک اپنی اس نیت کو بدل لے اور اس گناہ سے توبہ کر لے کہ اس نے ایک جانور کی جان غیر اللہ پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا توبہ کر لینے کے بعد اس جانور کو

---

(۱) (اس جواب کی تخریج چار صفحے پہلے گزر چکی ہے)

خاص خدا کے لئے ذبح کرنے کی نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو یہ حلال ہوگا نیت کی تبدیلی ذبح سے پہلے معتبر ہوگی اور ذبح تقرب غیر اللہ کی نیت پر ہو گیا تو پھر نیت کی تبدیلی معتبر نہیں بلکہ وہ میتہ اور مردار ہو گیا جو پھر توبہ یا نیت کی تبدیلی سے پاک اور حلال نہیں ہو سکتا تقرب الی غیر اللہ باراقۃ الدم کی نیت پر ذبح ہونے والا جانور بسم اللہ اللہ اکبر سے بھی پاک اور حلال نہیں ہوتا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

غیر اللہ کے لئے ذبح کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) غیر اللہ کے نام پر جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ غیر اللہ کون ہیں؟

(جواب ۳۰۷) جو جانور کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو خوش کرنے اور قربت حاصل کرنے کے لئے ذبح کئے جائیں وہ ما اھل لغیر اللہ میں داخل ہیں اور ان کا کھانا حرام ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

چوتھا باب
شکار

بندوق سے شکار کی ہوئی مچھلی اور جانوروں کا حکم

(سوال) مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا اور اس کو کھانا حرام ہے؟ بندوق کی گولی سے ماری ہوئی مچھلی ہرگز کوئی مسلمان نہ کھائے حرام ہے شکاری ہرن یا نیل گائے وغیرہ کو بندوق کی گولی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلائے اور وہ شکار مر جائے مسلمانوں کو مردہ شکار دستیاب ہو اس کو فوراً اپنے خورد و نوش میں کام میں لائے ضائع نہ کرے اربعہ مذاہب میں حلال ہے آیا ان امور کا قرآن وحدیث و فقہ میں کوئی ثبوت ہے؟ المستفتی نمبر ۲۳۱ محمد رشید ترمذی مقام ایلول ۸ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۰۸) مچھلی کا بندوق سے شکار کرنا جائز ہے اور حلال ہے کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔[3] مچھلی کے سوا باقی جانوروں کو اگر بندوق سے شکار کیا جائے اور وہ جانور مر جائیں ذبح کرنے کی نوبت نہ آئے تو وہ جانور حرام اور مردار ہو جاتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں۔[4] اگرچہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلائی

---

(۱) اس جزء کی وضاحت جواب نمبر ۳۰۵ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔
(۲) الدر المختار، کتاب الذبائح ۶/ ۳۰۹، ط، سعید
(۳) کیونکہ مچھلی میں دم مسفوح نہیں لہذا اس کا ذبح ضروری نہیں' عن عبداللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان' الحوت و الجراد (سنن ابن ماجۃ باب صید الحیتان والجراد ص ۲۳۲ ط قدیمی)
(٤) فان ادرکہ الرامی او المرسل حیا زکاہ وجوباً فلو ترکھا حرم (الدر المختار' کتاب الصید ٦/ ٤٦٩ ط سعید)

ہو اگر بندوق کا شکار زندہ ہاتھ آجائے اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے ورنہ حرام۔[1] تیر جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چلایا جائے تو اس کا شکار مر بھی جائے تب بھی حلال ہے[2] مگر بندوق کا یہ حکم نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بندوق کے ذریعے مرے ہوئے جانوروں کا حکم

(سوال) (۱) بندوق کو تکبیر کہہ کر کسی پرند مرغابی وغیرہ کا شکار کیا اور بلا ذبح کئے پانی پر مر گئی اس شکار کا کھانا جائز ہے یا ناجائز (۲) ہرن وغیرہ کا شکار بذریعہ بندوق بعد ادائے تکبیر کیا گیا اور وہ ذبح سے پہلے مر گیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۱۳۳۲ ارشاد علی صاحب (اجمیر شریف) ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۶ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۰۹) بندوق سے مارا ہوا جانور اگر ذبح سے پہلے مر جائے حرام ہے[4] اگرچہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بندوق چلائی گئی ہو چرند اور پرند سب کا یہی حکم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

کیا ذبح کرتے ہوئے منجمد خون نکلنے والا جانور حلال ہو گا؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) گولی سے ہرن مارا اور ذبح کرتے وقت جسم میں حرکت ہرن کے باقی نہیں رہی ذبح کرنے سے پہلے کچھ منجمد خون نکلا اور بعد میں رقیق لیکن حرکت بالکل معلوم نہیں ہوئی جسم ضرور گرم ہے اگر اسکو مسلمان نے کھالیا تو مردار ہونے کی صورت میں کیا کفارہ ہے؟

(۲) شکار یعنی ہرن ذبح کرتے وقت منہ ہرن کا مشرک پکڑتا ہے اور مسلمان چاقو سے ذبح کرتا ہے یہ ذبیحہ کیسا ہے؟

(جواب ۳۱۰) جب کہ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم میں حرکت نہ ہو اور خون بھی منجمد پایا جائے تو وہ حلال نہیں ہے۔[5] جن لوگوں نے غلطی سے کھالیا وہ صرف توبہ کریں کوئی اور کفارہ ان کے ذمہ نہیں

(۱) ولا یؤکل ما اصابه البندقیة فمات لانها تدق و تکسر ولا تجرح فصار کالمعراض اذا لم یخرق (هدایة اخیرین' کتاب الصید ٤/ ٥١٢ ط سعید) (۲) واذا سمی الرجل عند الرمی اکل ما اصاب اذا جرح السهم فمات لانه ذابح بالرمی لکون السهم آلة فتشرط التسمیة عنده الخ (هدایة' آخرین' کتاب الصید ٤/ ٥١٠ مکتبه شرکة علمیه)
(۳) والاصل ان الموت اذا حصل بالجرح بیقین حل وان بالثقل او شك فیه فلا یحل حتماً او احتیاطاً (الی قوله) اذ یمس له حد فلا یحل الخ (ردالمحتار' کتاب الصید ٦/ ٤٧١ ط سعید) (٤) ولا یحل ما اصابه البندقیة فمات لانها تدق و تکسر ولا تجرح فصار کالمعراض (هدایة اخیرین' کتاب الصید ٤/ ٤٧٢،٥١٢ ط شرکة علمیة) (٥) واما خروج الدم بعد الذبح فیما لا یحل الا بالذبح فهل هو من شرائط الحل فلا روایة فیه عن اصحابنا و ذکر فی بعض الفتاوی انه لا بد من احد شیئین' اما التحرك واما خروج الدم فان لم یوجد لا تحل کذافی البدائع و فیه ایضاً وان ذبح شاة او بقرة فخرج منها دم ولم تتحرك وخروجه مثل ما یخرج من الحی اکلت عند ابی حنیفه (عالمگیریة' کتاب الذبائح ٥/٢٨٦ ط ماجدیة) و فی شرح ای کما یخرج من الحی و فی شرح الطحاوی خروج الدم لا یدل علی الحیاة الا اذا یخرج منه کما یخرج من الحی عند الامام وهو ظاهر الروایة (درمختار ٦/ ٣٠٨ ط سعید)

(۲) جانور کو پکڑنے والا اگرچہ غیر مسلم ہو لیکن ذبح کرنے والا مسلمان ہے تو ذبیحہ جائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ

تسمیہ و تکبیر پڑھ کر چھوڑے ہوئے کتے اور باز کے شکار کا حکم

(ضمیمہ الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۳۰ء)

(سوال) اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکاری کتے کو ہرن کی طرف یا باز کو کبوتر کی طرف چھوڑا جائے اور وہ شکار کو پکڑ کر مار ڈالے تو اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۱۱) سکھائے ہوئے کتے یا باز کو جب بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے تو اگر یہ جانور شکار کو زخمی کر کے مار ڈالیں وہ شکار حلال ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی۔

بندوق کے ذریعے کئے ہوئے شکار کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) اگر بندوق بسم اللہ کہہ کر چلائی جائے اور کوئی پرندیا چرند شکار ہو کر مر جائے تو اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۱۲) بندوق سے مارا ہوا جانور اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر بندوق چلائی ہو[3] اگر زندہ مل جائے اور بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لیا جائے۔ تو حلال ہو گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

پانچواں باب
عقیقہ

عقیقہ کا گوشت پکا کر تقسیم کرنا بھی جائز ہے

(سوال) عقیقہ کا کچا گوشت تو لوگ لیتے نہیں ہیں سالن روٹی لے جاتے ہیں اور اگر کچا گوشت لیتے بھی ہیں تو نہایت ناگواری سے لیتے ہیں پلاؤ پکا کر کھلا دینا گناہ تو نہیں؟ المستفتی نمبر ۶۵۸ مجیدی دواخانہ' ممبئی ۷ ۲

---

(۱) اس لئے کہ اعتبار ذابح کا ہے معین کا نہیں

(۲) ويحل الصيد بكل ذى ناب و مخلب من كلب و باز ونحوهما بشرط قابلية التعليم و بشرط كونه ليس بنجس العين و بشرط ارسال مسلم او كتابي و بشرط التسمية عند الارسال (التنوير الابصار مع درمختار كتاب الصيد ٦/٤٦٣ ط سعيد)

(۳) ولايؤكل ما اصابه البندقية فمات لانها تدق و تكسر ولا تجرح فصار كالمعراض (هداية' كتاب الصيد ٤/٥١٢ شركة علمية)

(٤) واذا ادرك المرسل اوالرامى الصيد حيا بحياة فوق ما في المذبوح ذكاه وجوباً (التنوير الابصار مع درمختار ٦/ ٤٦٨ ط سعيد)

رجب ۱۳۵۴ھ م ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۳) عقیقہ کا کچا گوشت لوگ نہیں لیتے تو پکا کر روٹی کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے یا پلاؤ پکا کر دیدیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) ذبح کئے ہوئے جانور کی ران دائی کو اور سیری نائی کو دینی ضروری نہیں
(۲) عقیقہ میں لڑکی اور لڑکے کے لئے کتنے بکرے ہونے چاہئیں؟
(۳) کیا لڑکے اور لڑکی کے باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ عقیقہ کا گوشت کھا سکتے ہیں؟
(۴) گیابھن بکری ذبح کرنے کا حکم
(۵) مذبوحہ بکری کے زندہ پیدا ہونے والے بچے کو بھی ذبح کیا جائے

(سوال) (۱) سالم ران دائی کو اور سری نائی کو دی جانی ضروری ہے یا نہیں؟
(۲) لڑکی کے واسطے ایک بکری اور لڑکے کے واسطے دو بکرے ذبح ہوتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟
(۳) عقیقہ کا گوشت ماں، باپ، دادا، دادی، نانا نانی اور دائی وغیرہ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟
(۴) گیابھن بکری ذبح ہو سکتی ہے یا نہیں؟
(۵) اگر بکری کے ذبح ہونے کے بعد اس کا بچہ زندہ نکلے تو اس کو کیا کیا جائے؟

المستفتی نمبر ۶۸۱ سید شبیر حسن (دہلی) ۲۹ شعبان ۱۳۵۴ھ ۲۷ نومبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۱۴) (۱) یہ کوئی لازمی حق نہیں ہے۔[2]

(۲) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں جانور کے مذکر مؤنث ہونے کا فرق نہیں ہے لڑکے کے عقیقے میں بکری اور لڑکی کے عقیقے میں بکرا ذبح کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ فرق ہے کہ لڑکے کے لئے دو بکرے افضل ہیں اور لڑکی کے لئے ایک۔[3]

(۳) سب رشتہ دار جو سوال میں مذکور ہیں اور دائی وغیرہ کھا سکتے ہیں۔[4]

(۴) گیابھن بکری ذبح کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کر دی گئی تو عقیقہ ادا ہو جائے گا۔[5]

---

(۱) وهي شاة تصلح للاضحيه تذبح للذكر والانثى سواء فرق لحمهانيئا او طبخه بحموضه او بدونها مع كسر عظمها اولا واتحاذ دعوة اولا (رد المحتار كتاب الاضحية ۶/۳۳۶ ط سعيد)

(۲) (ايضاً بحواله سابقه نمبر ۱ صفحه هذا)

(۳) عن ام كرزؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول اقرو الطيور على مكنا تها وقالت سمعته يقول عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة لا يضر كم ذكرانا كن ام اناثاً (ابو داؤد شريف باب في العقيقه ۲/۳۶ ط امداديه)

(٤) ويا كل من لحم الا ضحية ويوكل غنياً و يدخر و ندب ان لا ينقص التصدق عن الثلث (في الشامية) قوله ندب قال في البدائع والا فضل ان يتصدق بالثلث و يتخذ الثلث ضيافة لاقر بائه واصد قائه و يدخر الثلث و يستحب ان ياكل منها (درمختار ۶/ ۳۲۸ ط سعيد)

(۵) شاة او بقرة اشرفت على الولادة قالوا يكره ذبحها لان فيه تضيع الولد (عالمگيرية ۵/ ۲۸۷ ط ماجديه)

(۵) اس بچہ کو بھی فوراً ذبح کر لیا جائے اور اسی مصرف میں صرف کر لیا جائے۔[۱] فقط محمد کفایت کان اللہ لہ۔

بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن نام رکھنا مستحب ہے

(سوال) جب لڑکا پیدا ہو تو نام کس وقت پر رکھا جائے ؟ کیونکہ رسم ہمارے ملک کی یہ ہے کہ لوگ دوسرے یا تیسرے روز بعد نام رکھتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۲۲۰ پنشنر مہدی خان صاحب (ضلع کاملپور) ۲۰ رجب ۱۳۵۵ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۴) بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کرنا، نام رکھنا مستحب ہے، اس سے پہلے نام رکھ دیں تو یہ بھی جائز ہے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عقیقہ کے لئے بھی سات آدمی ایک گائے میں شریک ہو سکتے ہیں

(سوال) جس طرح قربانی میں سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے کی قربانی کرتے ہیں تو کیا عقیقہ میں بھی سات آدمی شریک ہو کر ایک گائے ذبح کر سکتے ہیں اکثر کتابوں میں قربانی اور عقیقہ کی ایک شرطیں لکھی ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۴۰ انور محمد صاحب (لکھنؤ) ۳۰ شعبان ۱۳۵۵ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۱۵) ہاں گائے میں عقیقہ کی نیت سے کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت قربانی یا عقیقہ کی ہو بعض شرکاء قربانی کی نیت سے اور بعض عقیقہ کی نیت سے گائے میں شریک ہو سکتے ہیں[۳] دوسری شرط یہ بھی ہے کہ کسی شریک کا حصہ ۱/۷ سے کم نہ ہو۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ایک گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں

(سوال) گائے یا بیل میں تو سات آدمیوں کی قربانی چلتی ہے کیا ایک ہی گائے یا بیل میں سات لڑکوں یا لڑکیوں کا عقیقہ بھی چلتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۹۹۲ محمد علی حسن ضلع گوال پارہ آسام ۲ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۷ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۱۶) ایک گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہو سکتے ہیں جس طرح قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) ولدت الاضحیۃ ولداً قبل الذبح یذبح الولد معہا و عند بعضہم یتصدق بلاذبح (درمختار ۶/ ۳۲۲ ط ماجدیہ)
(۲) یستحب لمن ولد لہ ولد ان یسمیہ یوم اسبوعہ و یحلق راسہ و یتصدق عند الائمۃ الثلاثۃ بزنۃ شعرہ فضۃ و ذہبا ثم یعق عند الحلق عقیقۃ اباحۃ (رد المحتار ۶/ ۳۲۲ ط سعید) (۳) و شمل مالو کانت القربۃ واجبۃ علی الکل او البعض اتفقت جہا تہا اولا کا ضحیۃ واحصار (الی ان قال) وکذا لواراد بعضہم العقیقۃ عن ولد قدولدلہ من قبل لان ذالک جہۃ التقرب بالشکر علی نعمۃ الولد (رد المحتار، کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۶ ط سعید) (۴) واو لا حد ہم اقل من سبع لم یجز عن احد و تجزی عما دون سبعۃ (ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۲۶ ط سعید) (۵) و شمل مالو کانت القربۃ واجبۃ علی الکل او البعض اتفقت جہا تہا اولا کاضحیۃ واحصار او جزاء صید و حلق و متعۃ و قرآن خلافاً لزفر لان المقصود من الکل القربۃ وکذا لواراد بعضہم العقیقہ عن ولد الخ (ردالمحتار ۶/ ۳۲۶ ط سعید)

(۱) عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ کھا سکتے ہیں

(۲) عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنا جائز ہے نہ توڑنا وہم ہے

(سوال) (۱) عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ' دادا دادی' نانا نانی' وغیرہ کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنی جائز ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۵۷ منشی الطاف حسین صاحب وزیر گنج (گونڈہ) ۲ محرم ۱۳۵۸ھ م ۲۲ فروری ۱۹۳۹ء

(جواب ۳۱۷) (۱) عقیقہ کے گوشت کے متعلق مشہور ہے کہ بچے کے ماں باپ دادا دادی نانا نانی نہ کھائیں مگر یہ بات غلط ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ سب لوگ کھا سکتے ہیں۔[1] (۲) اس جانور کی جو عقیقہ میں ذبح کیا جائے ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کے لئے کوئی سند نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عقیقہ وہاں کرنا چاہئے جہاں بچہ موجود ہو

(سوال) میرا چھوٹا بچہ جو چھ ماہ کا ہے اس کا عقیقہ نہیں ہوا ہے میرا ارادہ ہے کہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو منیٰ میں اس کے عقیقے کی نیت سے قربانی کروں اور اسی تاریخ کو ہندوستان میں اس کے بال اتروا دیئے جائیں کیا ایسا کرنا جائز ہوگا ؟ المستفتی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم جمعیت علمائے ہند ۲ فروری ۱۹۳۷ء ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ۔

(جواب ۳۱۸) بچے کے عقیقے کا جانور منیٰ میں ذبح کرنا اور بال ہندوستان میں اتارنا اس مسئلے کی تصریح نہیں نظر میں نہیں آئی اگرچہ اصولاً کوئی مانع معلوم نہیں ہوتا مگر میرے خیال میں عقیقے کے تمام اعمال اسی جگہ ادا کرنا جہاں بچہ موجود ہو بہتر اور احوط ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

عقیقہ کا گوشت بچہ کے والدین' بہن بھائی وغیرہ کھا سکتے ہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء)

(سوال) عقیقہ کا گوشت والدین اور بھائیوں بہنوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۱۹) عقیقہ کا گوشت والدین اور بھائی بہن سب کھا سکتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ٤ صفحہ ۲۳۹)

(۲) وهي شاة تصلح لاضحية تذبح للذكر والانثى سواد فرق لحمها نيئا او طبخه لحموضة او بدونها مع كسر عظمها اولا: رد المحتار' كتاب الاضحية ٦/٣٣٦)۔

کیا بیٹے کے عقیقہ میں دو بکرے ضروری ہیں

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) بیٹے کے عقیقے میں عموماً دو خصی یا دو بکری یا دو بھیڑیں دی جاتی ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بیٹے کے عقیقہ میں ایک بھی دینا جائز ہے لیکن ہماری تشفی نہیں ہوئی ہے۔

(جواب ۳۲۰) لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو بکریاں یا بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے اگر دہ کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

عقیقہ کا تمام گوشت مہمانوں کی دعوت میں خرچ کرنے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۸ء)

(سوال) زید اپنی لڑکی کا عقد اور لڑکے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اور تاریخ مقرر ہے زید کا ارادہ ہے کہ عقیقہ کا سارا گوشت مہمانوں کی دعوت میں خرچ کرے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۹) عقیقہ کا گوشت ایک تہائی مساکین کو تقسیم کردینا افضل ہے باقی دو تہائی اقرباء واحباب کی ضیافت میں خرچ کیا جاسکتا ہے اگر تمام گوشت بھی ضیافت میں خرچ کردیا جائے تاہم عقیقہ ہو جائے گا[2] اگرچہ یہ خلاف افضل ہے۔[3] محمد کفایت اللہ غفرلہٗ

عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) عقیقہ سنت ہے یا واجب؟

(جواب ۳۲۴) عقیقہ واجب نہیں ہے سنت ہے اگر وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولیٰ وافضل ہے۔[4]

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ٤ ص ۲۳۹)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ ص ۲۳۹)
(۳) (ایضاً بحوالہ بالا نمبر ۱)
(٤) و یستحب لمن ولد له ولد ان یسمیه یوم اسبوعه ویحلق راسه و یتصدق عند الائمة الثلاثة بزنة شعره فضة او ذهبا ثم یعق عند الحلق عقیقة اباحة علی ما فی جامع المحبوبی او تطوعا علی مافی شرح الطحاوی (الی ان قال) و سنها الشافعی و احمد سنة مؤکدة شاتان عن الغلام و شاة عن الجاریة (رد المحتار کتاب الاضحیة ٦ ۳۳٦ ط سعید)

چھٹا باب

ذبیحہ

فصل اول ‘اجرت ذبح

ذبح کی اجرت ذبح کرنے والے کا حق ہے

(سوال) ہمارے شہر ناگپور میں رواج ہے کہ قاضی صاحب یا ان کا کوئی نوکر بکرے ذبح کرتا ہے اور ایک پیسہ فی بکرا لیتے ہیں قصابوں کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی طرف سے ذابح مقرر کریں اور پیسہ مذکورہ مدرسہ اور مسجد میں خرچ کریں قاضی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ذبح کا پیسہ ہمارا حق ہے ۔ یہ پیسہ قاضی صاحب کا شرعی طور پر حق ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۳) ذبح کرنے کی اجرت جائز ہے اور وہ ذبح کرنے والے کا حق ہے [1] قصابوں کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں ذابح مقرر کردیں اور اجرت اس کو دیں لیکن ذابح کی اجرت کو مسجد اور مدرسے میں لگانا بغیر اس کی اجازت کے ناجائز ہے اور نہ بغیر ذبح قاضی کا کوئی حق ہے ۔[2] محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ ۔

اجرت پر ذبح کرنے والے شخص کی امامت درست ہے

(سوال) جو آدمی ذبیحہ کرتا ہو اور ذبیحہ کا پیسہ لیتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۷۹ محمد رفیق صاحب سوداگر ضلع میدنی پور یکم ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ م ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۲۴) ذابح کی امامت جائز ہے یعنی محض اجرت پر ذبح کرنے کی وجہ سے کراہت پیدا نہیں ہوتی ۔[3] محمد کفایت اللہ ۔

ذبح کی اجرت لینا ہر وقت جائز ہے

(سوال) کسی شخص کو ذبیحہ کی اجرت ہمیشہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۱۵ ظفر یار خاں صاحب

---

(۱) و یجوز الا ستیجار علی الزکاۃ (ای الذبح) لان المقصود منہا قطع الاوداج دون اماتۃ الروح وذالک یقدر علیہ کذافی السراج الوھاج انتہی مختصراً (عالمگیریۃ کتاب الاجارۃ ۴/ ۴۵۴ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) لایجوز لاحد ان یتصرف فی ملک الغیر بغیر اذنہ (قواعد الفقہ ص ۱۱۰ صدف پبلشرز)

(۳) و یجوز الا ستیجار علی الزکاۃ (ای الذبح) لان المقصود منہا قطع الاوداج دون اماتۃ الروح وذالک یقدر علیہ کذافی السراج الوھاج انتہی مختصراً (عالمگیریۃ کتاب الاجارۃ ۴/ ۴۵۴ ط ماجدیہ کوئٹہ)

(دہلی) ۱۰ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۲۵) جائز ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

فصل دوم غیر مسلم کا ذبیحہ

ذابح مسلمان اور معاون مشرک ہو تو ذبح درست ہے

(سوال) ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور دوسرا شخص پانوں پکڑ کر بیٹھنے والا مشرک ہے اور ذبح کرنے والے مسلمان نے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور مشرک نے نہیں کہا تو یہ ذبیحہ جائز ہوا یا نہیں اور اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور اس نے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بھی کہا اور اس مشرک نے بھی جو جانور کو دبائے تھا بسم اللہ اللہ اکبر کہا تو یہ ذبیحہ جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر کوئی جانور مشرک خرید کر لایا اور اس کو حسب قاعدہ شرع شریف مسلمان سے ذبح کرایا اور مشرک بروقت ذبح اس کا مددگار رہا تو اس صورت میں اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر ان تینوں صورتوں میں مشرک مالک ہے اور اپنے گھر لے جا کر یا دوکان پر رکھ کر اسی روز یا دوسرے روز گوشت کو فروخت کرے تو اس گوشت کی نسبت کیا حکم ہے ؟ مسلمانوں کو خریدنا چاہئے یا نہیں ؟

(جواب ۳۲۶) جب کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو جانور کا پکڑنے والا خواہ مشرک ہو خواہ مسلمان کچھ حرج نہیں اور نہ پکڑنے والے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور پکڑنے والا مشرک اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہے تو کچھ مفید نہیں ہاں شریک فی الذبح پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور صرف جانور کو پکڑنے والا شریک فی الذبح نہیں ہے۔ اراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب في الذبح واعانه على الذبح سمى كل وجوباً (درمختار)[2] یعنی جو شخص کہ ذابح کے ہاتھ کو زور دے اور چھری چلانے میں اپنے ہاتھ کا سہارا دے وہ شریک فی الذبح ہے۔ اور اس پر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔

کافر گوشت بیچنے والے سے گوشت خریدنے کو بہت سے فقہاء نے منع کیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ اس کا یہ قول کہ یہ گوشت مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے غیر معتبر ہے۔[3] لیکن صحیح یہ ہے کہ جن مقامات میں سرکاری قانون کے موافق مذبح مقرر ہو اور سوائے مذبح معین کے دوسرے مقامات میں

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

(۲) (در مختار' کتاب الاضحیۃ ۶/ ۳۳۴ ط سعید)

(۳) في الشامية : تحت قوله او قال اشتريته من مجوسي فيحرم: فى التاتارخانية قبيل الاضحية عن جامع الجوامع لابي يوسف من اشترى لحما فعلم انه مجوسي واراد الرد فقال ذبحه مسلم يكره اكله و مفاده ان مجرد كون البائع مجوسيا يثبت الحرمة فانه بعد اخباره بالحل بقوله ذبحه مسلم كره اكله فكيف بدونه (درمختار' كتاب الحظر والاباحة ٦/ ٣٤٤ ط س)

ذبح کرنا ممنوع اور قانونی جرم ہو اور اس بات کا گمان غالب ہو جائے کہ شہر میں فروخت ہونے والا گوشت اسی مذبح معین سے لا کر فروخت کیا جاتا ہے اور اس مذبح میں مسلمان ذابح مقرر ہیں کہ ان کے سوا کوئی اور شخص ذبح نہیں کر سکتا یا ذبح نہیں کرتا تو ایسی صورت میں اس ظن غالب پر اعتماد کر کے کافر گوشت فروش سے ان مقامات میں گوشت خرید نا جائز ہے جیسے کہ گھی تیل وغیرہ عام طور پر کافروں سے خریدتے ہیں اور ... جائز ہے حالانکہ گھی میں بھی یہی احتمال موجود ہے کہ اس میں کسی غیر مذبوح جانور کی چربی ملی ہوئی ہو لیکن چونکہ ایسی چربی ملانا قانونی جرم ہے اور اس بنا پر گمان غالب یہ ہے کہ بازار میں فروخت کرنے کے لئے کوئی شخص گھی میں ایسی چربی نہیں ملاتا جو قانونی جرم ہو اس لئے گھی کے خریدنے اور کھانے کے جواز کا فتویٰ اور اس پر عام مسلمانوں کا عمل ہے اور یہی حکم گوشت کا ہے۔[1] واللہ اعلم

فرقہ مہدویہ والوں کا ذبیحہ درست نہیں

(سوال) فرقہ مہدویہ یہ کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہو گیا ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۷) فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں۔[2]

محمد کفایت اللہ۔

مرزائی کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) جو شخص احمدی فرقہ (المعروف مرزائی فرقہ) سے تعلق رکھتا ہو خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا ولی مجدد وغیرہ کیا اس کے ہاتھ کا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۴۶۹ عبداللہ (بھاولپور) ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۵ اپریل ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۲۸) اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہو یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔[3] لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مرزائی کے بیٹے کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) الجمعیۃ کے اندر آنجناب کا فتویٰ نکلا تھا کہ اگر باپ مرزائی ہے تو اس سے گوشت خریدنا جائز ہے اگر خود ہو اہے تو جائز نہیں اس پر روشنی ڈالیں۔ المستفتی نمبر ۷۹۱ محمد انور (ضلع جالندھر) ۷ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

---

(۱) وهو غلبة الظن لانه العلم الموجب للعمل بمعنى اليقين نص عليه في المنافع وغاية البيان و مثله في البحر عن الفتح وكذا في المعراج (ردالمحتار، كتاب الصوم ۲ / ۳۸۸ ط س)

(۲) ایضا بحوالہ آخر صفحہ گزشتہ

(۳) لاتحل ذبيحة غير كتابي من وثني و مجوسي و مرتد و تارك التسمية عمدا (درمختار، كتاب الذبائح ۶ / ۲۹۸ ط سعيد)

(۴) نمبر ۳ اور ۴ میں کچھ تفصیل ہے جو نمبر ۱۰ کے صفحے پر آ رہی ہے۔

(جواب ۳۲۹) ہاں مشہدیوں کی بے اور نسلی مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔[1] اور خود مرزائی بننے والا مرتد کے حکم میں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

آج کل کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) فی زمانہ جو یہود و نصاریٰ ہیں ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ المستفتی نمبر ۸۶۲ علی محمد (دندی اسکاٹ لینڈ) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۳۰) جو یہود و نصاریٰ کہ توراۃ اور انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہیں اور شریعت موسوی یا عیسوی کے قائل ہیں ان کا ذبیحہ حلال ہے لیکن ان کی دوسری بد عقیدگیاں حلت ذبیحہ کے لئے مانع نہیں ہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

عیسائیوں کے ذبیحہ کا حکم

(سوال) اس زمانہ کے عیسائی اہل کتاب ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے اور اس کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے؟ المستفتی نمبر ۱۲۳۹ اے ایم صاحب (جنوبی افریقہ) ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۲۷ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۳۱) ہاں عیسائی جو انجیل کو آسمانی کتاب مانے اور دین مسیحی کی حقانیت کا قائل ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس اعتقاد کی نصرانیہ سے نکاح جائز ہے کیونکہ نصوص میں نصرانیوں کے عقیدہ الوہیت مسیح کا ذکر موجود ہے اور پھر بھی ان کو اہل کتاب کہا گیا اور حل ذبیحہ یا نکاح نصرانیہ کو ہم اہل کتاب کے ساتھ متعلق رکھا گیا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا موجودہ یہودی اور نصرانی اہل کتاب ہیں؟

(سوال) موجودہ وقت میں اہل کتاب کا اطلاق یہودی نصرانیوں پر ہو سکتا ہے یا نہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں اور دیگر فقہی مسائل نکاح وغیرہ کے متعلق احکام موجودہ نصرانی یہودیوں پر منطبق ہوتے ہیں

---

(۱) (ایضاً بحوالہ نمبر ۳ ص گزشتہ)

(۲) (وشرط كون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان كان صيدا او كتابيا ذميا او حربيا (تنوير الابصار مع الدر المختار كتاب الذبائح ۶/۲۹۷ ط سعيد) وفي العالمگيرية وتوكل ذبيحة اهل الكتاب ويستوي فيه اهل الحرب منهم وغيرهم وكذا يستوي فيه النصارى بني تغلب وغيرهم لانهم على دين نصارى العرب . (عالمگیریہ کتاب الذبائح ۵/۲۸۵ ط ماجدیہ) [illegible]
[illegible]
[illegible]
(معارف القرآن ۳/۴۸ تفسیر سورۃ مائدہ)

(۳) (ایضاً بحوالہ نمبر ۲)

(۴) (ایضاً بحوالہ نمبر ۲)

نہیں؟ المستفتی بلا نمبر احقر عبدالکریم فاضل الطب والجراحت بھروچ

(جواب ۳۳۲) ہاں جو یہودی اور نصرانی اپنے مذہب کے تابع ہوں یعنی مذہب کو مانتے ہوں وہ اہل کتاب میں شامل ہوں گے ان پر یہودیوں اور نصرانیوں کے احکام جاری ہوں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ذبیحہ کے حلت کے لئے ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء)

(سوال) شریعت مقدسہ اسلامیہ میں سکھوں کے کئے ہوئے جھٹکے کا گوشت مسلمان کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور یہ دلیل قرآن مجید میں ذبیحہ کی حلت کے لئے صرف خدا کا نام لیا جانا مذکور ہے اور چونکہ سکھ بھی جھٹکا کرتے وقت واہگرو یعنی خدا کا نام پڑھتے جاتے ہیں اس لئے ان کا جھٹکہ قرآن مجید کے حکم کی رو سے حلال ہے قرآن مجید میں اہل کتاب کی شرط نہیں ہے اسی طرح عربی میں خدا کا نام لینا ضروری قرار نہیں دیا گیا اسلامی اصول کے لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟ (سید عزیز حسن بقائی مدیر پیشوا)

(جواب ۳۳۳) هو الموفق ذبیحہ کی حلت کے لئے ذابح کا مسلمان ہونا یا کتابی ہونا شرط ہے غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے پس جاٹوں یا سکھوں کا جھٹکہ حلال نہیں، اس لئے یہ کتابی نہیں ہے۔ غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر علمائے سلف کا اجماع ہے۔ تفسیر خازن میں ہے "واجمعوا علی تحریم ذبائح المجوس وسائر اهل الشرك من مشركي العرب وعبدة الاصنام ومن لا كتاب له" یعنی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجوسیوں اور عرب کے تمام مشرکوں اور تمام بت پرستوں اور غیر کتابی کافروں کا ذبیحہ حرام ہے۔

کتابی کافر کا ذبیحہ بھی حسب قاعدہ حرام ہوتا مگر قرآن پاک کی آیۃ کریمہ ہے۔ وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم (مائدہ) یعنی اہل کتاب کے تیار کئے ہوئے کھانے تمہارے لئے حلال ہیں۔ طعام کی تفسیر میں صاحب مدارک و خازن و معالم التنزیل و دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس سے اہل کتاب کے ذبیحے مراد ہیں۔ خازن میں ہے واجمعوا على المراد بطعام الذين اوتوا الكتاب ذبائحهم خاصة. یعنی سلف کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں طعام سے ان کے ذبیحے مراد ہیں۔ اور معالم التنزیل میں ہے يريد ذبائح اليهود والنصارى (خازن) یعنی اہل کتاب کے کھانے سے یہود و نصاریٰ کے ذبیحے مراد ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد جو لوگ یہودیت و نصرانیت اختیار کرلیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ ذبیحہ صرف ان یہود و نصاریٰ کا حلال ہے جو نزول قرآن سے پہلے یہودی یا نصرانی مذہب میں داخل تھے اور انہیں مذہبوں کو ابا عن جدٍ اختیار کئے ہوئے چلے آرہے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ پرانے یا نئے یہودیوں اور نصرانیوں میں فرق نہیں کیا اور دونوں قسم کے یہودیوں اور نصرانیوں کا ذبیحہ ان کے نزدیک حلال رہا۔ یہ مذہب حضرت حبر الامۃ عبداللہ بن عباس

---

(۱) ایضا بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ

رضی اللہ عنہ اور حسن بصری و عطاء بن ابی رباح، شعبی، عکرمہ، قتادہ، زہری، حکم، حماد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے ماثور ہے روی عن علی بن ابی طالب قال لاتاکل من ذبائح نصاری العرب بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا بشئ من النصرانیۃ الا بشرب الخمر بہ قال ابن مسعود ومذھب الشافعی ان من دخل فی دین اھل الکتاب بعد نزول القرآن فانہ لا تحل ذبیحتہ و سئل ابن عباس عن ذبائح نصاری العرب فقال لاباس بہ ثم قرأ و من یتولھم منکم فانہ منھم و ھذا قول الحسن و عطاء بن ابی رباح و الشعبی وعکرمۃ وقتادۃ والزہری والحکم و حماد وھو مذھب ابی حنیفۃ ومالک (خازن) [1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عرب کے نصاریٰ یعنی بنی تغلب کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ یہ لوگ مذہب نصرانیت میں سے سوائے شراب پی لینے کے اور کسی چیز پر عامل نہیں ہیں اور یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے اور امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے کہ جو لوگ نزول قرآن کے بعد اہل کتاب کا مذہب اختیار کریں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عرب کے نصاریٰ کے ذبیحوں کا کیا حکم ہے تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں اور آیۃ ومن یتولھم بطور دلیل پڑھ کر سنادی اور یہی قول حضرت حسن وغیرہ کا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر کتابی کافر تو کجا بعض حضرات صحابہؓ تمام اہل کتاب کے ذبیحوں کی حلت کے بھی قائل نہیں تھے۔

حلت و حرمت کے احکام میں آنحضرت ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام و سلف صالحین کے اقوال کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتے قرآن مجید میں تمام حرام اشیاء اور حرام صورتوں کی **تفصیل** مذکور نہیں ہے **تفصیل** کے لئے ہم کو حدیث شریف اور تفاسیر صحابہ و سلف کی طرف رجوع کرنا لازم ہوگا۔

ذبیحہ کی حلت کے لئے جب کہ سائل نے خدا کا نام لینا بطور ضروری رکن یا شرط کے تسلیم کرلیا تو سائل سے ہی یہ دریافت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں یہ کہاں مذکور ہے کہ خدا کا نام ذبح کرتے وقت لینا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ذرا زیادہ جرأت کرے اور کہہ دے کہ آیۃ و لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اور فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ [2] کی تعمیل کے لئے کھاتے وقت خدا کا نام لینا کافی ہے اور اسی طرح ذبح یا جھٹکے کے اندر محصور نہیں بلکہ خدا کا نام لیکر تلوار ماری جائے اور بکری کے دو ٹکڑے کردیئے جائیں تو وہ بھی حلال ہے کیونکہ خدا کا نام لینے کی شرط پوری ہوگئی تو سائل کیا جواب دے گا؟ نیز قرآن مجید میں ذبیحہ کے اجزاء میں سے سوائے دم مسفوح کے اور کسی چیز کی حرمت مذکور نہیں کیا سائل ذبیحہ

---

(۱) (تفسیر خازن سورۃ مائدۃ ۲ : ٤ ط مصری)
(۲) (الانعام : ۱۲۱)

کے تمام اجزاء کی حلت کا اس بنا پر قائل ہو جائے گا کہ **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ**[1] میں ان اجزاء کو مستثنیٰ کئے بغیر کھانے کی اجازت دیدی اور ذکر انثیین، مرارہ، مثانہ وغیرہ کی حلت کا فتویٰ دیدے گا؟ اور کیا اس بنا پر کہ قرآن مجید میں صرف خدا کا نام لینا مذکور ہے اس امر کی اجازت بھی ہو گی کہ مسلمان بجائے حلق پر چھری پھیرنے کے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کی گردن اڑا دیا کریں یعنی جھٹکہ کر لیا کریں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ذبح کرنے کا حکم نہیں ہے اور کیا اگر کوئی ہندو بت پرست بھی کسی جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دے تو سائل اس بنا پر کہ قرآن مجید کی شرط (یعنی خدا کا نام لینا) پوری ہو گئی اس کو بھی حلال کہہ دے گا؟

اگر ان تمام امور میں سائل حلت کا قائل ہو تو اسے تصریح کر دینی چاہئے اور اس وقت اس کو جواب دینے کی نوعیت دوسری ہو گی لیکن اگر وہ حلت کا قائل نہ ہو اور یہ عذر کرے کہ اگرچہ قرآن پاک میں ذبح کے وقت نام لینے کی تصریح نہیں اور تسمیہ کے ساتھ دو ٹکڑے کر دینے کا حرام ہونا مذکور نہیں اور اجزائے محرمہ کو بھی مفصل بیان نہیں کیا گیا اور مسلمانوں کو جھٹکے سے منع نہیں کیا اور بت پرست کے تسمیہ کا غیر معتبر ہونا بالصراحۃ نہیں آیا مگر چونکہ احادیث نبی کریم وارشادات صحابہ کرامؓ واجماع سلف صالحین سے یہ چیزیں حرام ہیں اس لئے ان کی حلت کا قائل نہیں تو اس زیر بحث مسئلہ میں بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ اگرچہ قرآن پاک میں اہل کتاب کی تصریح نہیں مگر چونکہ غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر سلف صالحین کا اجماع ہو چکا ہے جیسا کہ تفسیر خازن سے اوپر منقول ہے اس لئے غیر کتابی کا ذبیحہ یا جھٹکا درست نہیں واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے تکبیر پڑھ کر ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

(سوال) امریکہ میں بہت سے امریکن لوگ جو مذہب عیسائی رکھتے ہیں ہم سے سوال کرتے ہیں کہ مسلمان امریکہ میں ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کیا ہوا جانور کیوں نہیں کھاتے اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ جب ہم کسی حلال جانور کو ذبح کرتے ہیں تو ہم تکبیر پڑھتے ہیں اس کے جواب میں انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیا پڑھتے ہو تو ہم نے ان کو تکبیر (بسم اللہ اللہ اکبر) پڑھ کر سنائی انہوں نے کہا کہ ہم بھی اگر یہی تکبیر پڑھ کر کوئی جانور ذبح کریں تو تم کھا سکتے ہو یا نہیں؟ ہم نے ان سے کہا کہ ہم اپنے علماء سے دریافت کر کے بتلائیں گے؟

(جواب ۳۳٤) اگر عیسائی تکبیر پڑھ کر حلال جانور ذبح کرے تو مسلمان اس ذبیحہ کا گوشت کھا سکتا ہے یہی حکم یہودی کا بھی ہے کہ اس کا ذبیحہ بھی مسلمان کھا سکتا ہے[2] بت پرستوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ تکبیر پڑھ کر بھی ذبح کریں جب بھی حرام ہے۔[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) (الانعام ۱۱۸)
(۲) (وشرط کون الذابح مسلما حلالا او کتابیا ذمیا او حربیا (تنویر الابصار مع درمختار' کتاب الذبائح ۶ / ۲۹۷ ط سعید)
(۳) (لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و تارک التسمیۃ عمدا (درمختار' کتاب الذبائح ۶ / ۲۹۸ ط سعید)

فصل سوم مشتبہ ذبیحہ

مشتبہ ذبیحہ کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

(سوال) ایک شخص کی گائے گھر سے چوری ہوگئی اور اس نے ایک جنگل میں دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی ہوئی ہے گلے پر چھری پھری ہوئی ہے اور چمڑا اس کا نکال کر کوئی لے گیا ہے محض گوشت ہی گوشت ہے مگر اس کے کھر اور سینگ سے شناخت ہوتی ہے کہ یہ گائے وہی ہے جو گھر سے چوری کی گئی اور مالک نے خاص شناخت کرلی ہے تو اس کا گوشت مالک کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ذبح کرنے والا معلوم نہیں کون ہے اور تسمیہ کا بھی علم نہیں ہے۔

(جواب ۳۳۵) اس گائے میں وجہ اشتباہ دو ہیں اول یہ کہ یہ گائے خود اس کی گائے ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ذابح کون ہے اور ذبح بالتسمیہ واقع ہوا یا نہیں؟ پہلے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مالک نے اس کے سینگ اور کھر وغیرہ سے اچھی طرح پہچان لیا ہے اور اسے یقین یا گمان غالب ہے کہ یہ گائے میری ہی ہے تو وہ اس کی ملک ہے اسے استعمال جائز ہے[1] دوسرے شبہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ گائے ایسے مقام پر پائی گئی کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اور اس کے قرب و جوار میں غیر مسلم آباد نہیں تو ظن غالب ہے کہ کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو گا اس کا کھانا جائز ہے لیکن اگر اس جگہ غیر مسلم لوگوں کی آبادی ہے یا مخلوط ہے یا غیر مسلم اس جگہ یہ کام کرتے ہوں یعنی جانوروں کے چمڑے اتار کر گوشت چھوڑ جایا کرتے ہوں تو ان حالات میں اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ۔ان رجلا وجد شاتہ مذبوحۃ ببستانہ ھل یحل لہ اکلھا ام لا و مقتضی ما ذکرناہ انہ لا یحل لوقوع الشک فی ان الذابح ممن تحل ذکاتہ ام لا وھل سمی اللہ تعالیٰ علیھا ام لا (درمختار) فالا ولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنہ او یسلک فیہ مجوسی لا یوکل والا اکل ولا یعترض بشان ترک التسمیۃ عمدا فان الظاھر من حال المسلم والکتابی التسمیۃ الخ (ردالمحتار)[2] ۔

فصل چہارم مقصد ذبیحہ

بزرگان دین کو ثواب پہنچانے کے لئے قبرستان میں ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(سوال) ایک جانور عند اللہ واسطے ایصال ثواب بزرگان دین کے ہے جس کو زید نے قبرستان میں ذبح کیا ہے اس غرض سے کہ بزرگان کی قبر بھی اسی قبرستان میں ہے جس میں جانور ذبح کیا اور زید وہ وہاں قبرستان

---

(۱) ان المراد الظن الغالب لا مجرد الحظور انہ لا یترتب علیہ حکم (رد المحتار کتاب الصید ۶ / ۴۷۶ ط سعید)
(۲) (درمختار کتاب الصید ۶ / ۴۷۶ ط سعید)

میں مساکین کو کھلانا بھی مقصود ہے تو موجب شرع شریف ذابح وذبیحہ کے واسطے کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۳۶) جانور ذبح کرنے میں دو جہتیں ہیں ایک تو یہ کہ جانور کو ذبح کرنا یعنی اس کی جان قربان کرنا اور اراقۃ دم (کسی کام کی غرض سے ہو) دوسرے یہ کہ اس کے ذبح سے صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہو اور گوشت کا صدقہ کر کے ثواب حاصل کرنا یا اپنے خرچ میں لانا یا مہمان کو کھلانا یا دعوت میں خرچ کرنا مراد ہو ایصال ثواب کے لئے بھی جانور کو ذبح کرنے میں یہی دونوں جہتیں متحقق ہو سکتی ہیں دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔ مفصل بیان کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ نفس ذبح یعنی جان قربان کرنے سے مقصود تقرب الی غیر اللہ ہو یعنی کسی بزرگ، ولی وغیرہ کی طرف تقرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے اور اس کی خوشی چاہنے کے لئے ذبح کیا جائے تو یہ تو حرام ہے اور وہ ذبیحہ بھی ما اهل به لغیر الله میں داخل ہو کر حرام ہو جاتا ہے خواہ اپنے گھر ذبح کیا جائے یا قبرستان میں یا کسی اور جگہ ذبح لقدوم الا میر و نحوہ کواحد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر الله (درمختار)[1]

دوسری صورت یہ کہ ذبح سے مراد تقرب الی اللہ ہو یعنی ذبح کرنے والا خاص خدا کی رضامندی اور تعظیم و عبادت کے خیال سے ذبح کرے اور پھر اس فعل پر اس کو جو ثواب ملے وہ کسی دوسرے کو بخش دے اس صورت میں کوئی نقصان اور الزام ذابح اور ذبیحہ میں نہیں ہے یعنی ذابح کا یہ فعل حلال اور ذبیحہ جائز ہے[2] مگر اس کے لئے کسی مکان اور جگہ کی تخصیص نہیں اور نہ قبرستان میں لے جانے کی ضرورت ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ذبح سے تقرب مقصود نہ ہو بلکہ صرف گوشت حاصل کرنا مقصود ہے تو اس صورت میں ذبیحہ جب کہ بقاعدہ شرعیہ ذبح کیا جائے حلال ہے رہا ثواب تو وہ گوشت کے صدقہ کرنے سے حاصل ہوگا اور اس صورت میں بھی کسی جگہ کی تخصیص مثلاً قبرستان میں جا کر ذبح کرنا اور اس کو ضروری یا موجب ثواب یا باعث زیادتی ثواب سمجھنا جائز ہے[3] گوشت کا صدقہ کرنا یا پکا کر کھلانا ہر جگہ ہو سکتا ہے اور ثواب پہنچ سکتا ہے قبرستان میں ذبح کرنے اور کھلانے یا تقسیم کرنے کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں۔[4]
واللہ اعلم

(۱) مرض سے نجات کی غرض سے جانور ذبح کر کے صدقہ کرنا
(۲) جانور اس نیت سے ذبح کرنا کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے کیسا ہے ؟

(سوال) (۱) مریض کی صحت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کیا جاوے تاکہ رب العزت مریض

---

(۱) درمختار' کتاب الاضحیۃ ۶ ۳۰۹ ط سعید (۲) وانما جاز لان الداخل تحت النذر ما هو قربة وهو اصل التصدق دون النعس فبطل التعیین ولزمته القربة (رد المحتار ۵ ۱۲۶ لم اجده فی الشامیة ط سعید (۳) قال الطیبی: وفیه ان من اصر علی امر مندوب و جعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة او منکر (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ۳ ۳۱ ط کوئٹہ) (٤) وانما جاز لان الداخل تحت النذر ما هو قربة وهو اصل التصدق دون النعس فبطل التعیین ولزمته القربة لم اجده فی الشامیة ۱۲۶ ط سعید)

کو شفا عطا فرمائے تو یہ جانور ذبح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

(۲) جانور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے جانور کی جان چلی جائے اور انسان کی جان بچ جائے یعنی خداوند تعالیٰ جانور کی جان قبول فرما کر بندہ کی جان نہ لیں درست ہے یا نہیں ؟

(۳) جانور اس نیت سے پالا جائے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس کو قربان کیا جائے گا اور اس کو مشہور کیا جائے کہ یہ جانور نبی کریم ﷺ کی قربانی کا ہے درست ہے یا نہیں ؟

(۴) جانور اس نیت سے پالا جائے کہ کسی بزرگ یا ولی کی نیاز دلائی جاوے گی یعنی اس جانور کو ذبح کر کے اس کا ثواب اس ولی یا بزرگ کو پہنچایا جائے گا درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۴۹۳ عبدالحق (گوڑ گانوہ) ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ ۱۱ مئی ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۳۳۷) (۱) زندہ جانور صدقہ کر دینا زیادہ بہتر ہے [۱] شفائے مریض کی غرض سے ذبح کرنا اگر محض لوجہ اللہ ہو تو مباح تو ہے لیکن اصل مقصد بالاراقۃ صدقہ ہونا چاہئے نہ کہ فدیہ جان بجان۔

(۲) یہ خیال تو بے اصل ہے اباحت صرف اس خیال سے ہے کہ اللہ کے واسطے جان کی قربانی دی جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ جیسے صدقہ مالیہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے اسی طرح یہ قربانی جالب رحمت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مریض کو شفا عطا فرمائے۔[۲]

(۳) حضور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے جانور پالنا درست ہے [۳] اور اس شہرت سے اس کے جواز میں کوئی نقصان نہیں آتا۔

(۴) یہ بھی درست ہے مگر نمبر ۳ و ۴ میں عوام کی نیت اکثر ی طور پر یہ ہوتی ہے کہ جانور کی جان اس بزرگ کے تقرب حاصل کرنے کی جہت سے قربان کی جائے گی اور یہ نیت اس جانور کو ماا هل به لغير الله میں داخل کر دیتی ہے اور وہ حرام ہو جاتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ولو تركت التضحية و مضت ايامها تصدق بها حية وفى الشامية (قوله تصدق بها حية) لو قوع اليأس عن التقرب بالاراقة وان تصدق بقيمتها اجزاء ه لان الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود (الدرالمختار مع الرد' كتاب الاضحية ٦ / ٣٢٠ ط س)

(۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان الصدقة لتطفى غضب الرب و تدفع ميتة السوء رواه الترمذى (مشكوٰة ١ / ١٦٨)

(۳) ذكر ابن حجر فى الفتاوى الفقهية ان الحافظ ابن تيميه زعم منع اهداء ثواب القراءة للنبى ﷺ الى قوله ، و بالغ السبكى وغيره فى الرد عليه بان مثل ذالك لا يحتاج لاذن خاص الا ترى ان ابن عمر كان يعتمر عنه ﷺ بعد موته من غير وصية (الى قوله) قلت وقول علمائنا له ان يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبى ﷺ فانه احق بذالك حيث انقذنا من الضلالة ففى ذالك نوع شكر حسبل له الخ (رد المحتار ٢ / ٢٤٤ ط سعيد)

فصل پنجم ذبح کرنے کا طریقہ

جانوروں کو زخمی کر کے ذبح کرنے کا حکم

(سوال) اس ملک افریقہ میں حکام کے حکم سے بیل وغیرہ مذبح میں بوقت ذبح پہلے پستول سے دماغ میں نشانہ لگا کر پھر ذبح کرتے ہیں اس طور پر ذبح کرنا نزدیک اہل اسلام درست ہے یا نہیں؟ المستفتی محمد حسین پراچہ (نیروبی)

(جواب ۳۳۸) یہ طریقہ خلاف سنت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اس میں جانور کے حرام ہو جانے کا ظن غالب ہے اور وہ یہ کہ اگر اس ضرب سے جانور کی ہلاکت متیقن ہو جائے تو پھر اس کے گلے پر چھری پھیر نا بیکار ہو گا اور جانور حرام ہو جائے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' ۱۳۵۸ھ۔

جانور کو ذبح کرنے کی دو حالتیں ہیں

(سوال) سوال منقول نہیں۔ المستفتی نمبر ۲۳۰ - ۷ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۴ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۳۹) (۱) حلال جانوروں کا تذکیہ دو قسم کا ہے ایک اضطراری دوسرا اختیاری' اضطراری تزکیہ یہ ہے کہ کسی دھار دار یا باریک نوکدار چیز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جانور کی جسم میں جس جگہ بھی ممکن ہو ضرب لگا کر خون بہادیا جائے یہ تذکیہ اس وقت مؤثر ہوتا ہے جب کہ جانور پر قابو پانا اور ذبح یا نحر کرنا ممکن نہ ہو اختیاری تذکیہ یہ ہے کہ جانور کو دھار دار چیز سے ذبح کیا جائے یا اونٹ کو نحر کیا جائے[2] (۲) ذبح کرنے سے دم سائل نکل جاتا ہے لیکن دم سائل کو نکالنا مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اضطرار یا اختیار کے فرق سے مختلف طریقوں سے لازم ہے (۳) نمبر ایک میں جو تفصیل ہے وہ اضطراری اور اختیاری حالتوں کے ساتھ وابستہ ہے (۴) مردہ (حلال جانور) میں حرمت کی وجہ قرآن کا حکم حرمت علیکم المیتة[3] ہے اور اس کی حکمت دم مسفوح کا خارج نہ ہونا ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

جان نکلنے کے بعد جانور کی پوری کھال اتارنا جائز ہے

(سوال) اگر کسی شخص نے کسی حلال جانور کو گوشت بیچنے کی غرض سے یا کھال حاصل کرنے کی غرض سے

---

(۱) ذبح شاة مریضة فتحرکت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاته عند الذبح وان علم حیاته حلت مطلقا وان لم تتحرک ولم یخرج الدم (الدر المختار' کتاب الذبائح ۶/۳۰۸ ط س)

(۲) والاصل فی هذا ان الزکاة علی ضربین اختیاریة واضطراریة و متی قدر علی الاختیاریة لا یحل له الزکاة الاضطراریة و متی عجز عنها حلت له الاضطراریة فالاختیاریة ما بین اللبة واللحیین والاضطراریة الطعن والجرح وانهار الدم فی الصید (الجوهرة النیرة' کتاب الصید والذبائح ۲/۲۳۷ ط میر محمد)

(۳) (المائدة ۳) (۴) وزکاة الضرورة جرح و طعن وانهار دم فی ای موضع وقع من البدن الخ (الدر المختار' کتاب الذبائح ۶/۲۹۴ ط سعید)

ذبح کیا اور اس کی کھال سینگ کے حصہ تک (جس کو عرف میں چوٹی کہتے ہیں) نکال لی تو یہ شرعاً کسی بے رحمی میں تو شامل نہیں۔ المستفتی نمبر ۱۳۳۱ مولوی جمال الدین صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲ فروری ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۰) جب جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرلیا جائے اور اس کا دم نکل جائے تو اس کی کھال نکالنا جائز ہے خواہ پوری کھال اتاری جائے یا ٹکڑے ٹکڑے اتاری جائے یا سینگوں تک کی کھال جسم کی کھال کے ساتھ شامل کرلی جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں اور شریعت اسلامیہ میں اس کی اجازت ہے اس کو بے رحمی قرار دینا غیر معقول اور شریعت کے خلاف ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا حلقوم سے اوپر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے؟

(سوال) ذبیحہ فوق العقدہ آیا حلال ہے یا حرام ہے اگر حرام ہے تو دلیل حرمت کی کیا ہے اور حدیث الزکوۃ ما بین اللبۃ و اللحیین[2] کا کیا مطلب ہے اور امام رستغفنی کا قول جو بزازیہ والے نے نقل کیا ہے اس کا کیا جواب ہے اور وہ قول یہ ہے ان الامام الر ستغفنی سئل عن ذبح شاۃ فبقیت عقدۃ الحلقوم ما یلی الصدر کان یجب ان تبقی مما یلی الراس اتؤکل ام لا قال تؤکل وما قیل انھا لا تؤکل فذلک قول العوام من الناس وھذا لیس بمعتبر لان المعتبر عندنا قطع الاوداج وقد وجد الاتری الی قول محمد بن الحسن فی الجامع لا باس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ و اعلاہ واسفلہ فاذا ذبح فی الا علی لا بد ان تبقی العقدۃ من تحت و کیف یصح ھذا علی رای الامام وقد قال یکتفی بقطع الثلاث من الاربع ایا کانت و یجوز علی ھذا ترک الحلقوم اصلاً فبا لا ولی ان یحل اذا قطع قطع الحلقوم من اعلاہ انتھی کلام البزازیۃ[3] المستفتی نمبر ۷۰۹ محمد امیر عالم (ضلع ہزارہ) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ م ۳۰ اگست ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۴۱) ہاں یہی صحیح ہے کہ قطع اوداج حلت ذبیحہ کے لئے کافی ہے لحدیث اما تکون الحلق واللبۃ الخ[4] امام محمدؒ کا قول لا باس بالذبح فی الحلق کلہ اوسطہ و اعلاہ واسفلہ[5] اس کے لئے صریح دلیل ہے اور ہدایہ کی عبارت وھی اختیاریۃ کالجرح فیما بین اللبۃ واللحیتین[6] اصرح ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبراد ای تسکن عن الاضطراب (الدرالمختار' کتاب الذبائح ۶/۲۹۶ ط سعید)

(۲)

(۳) (بزازیہ علی ھامش ھندیۃ کتاب الذبائح ۶/۳۰۶ ط ماجدیہ)

(٤) (ابو داؤد شریف' باب الذبیحۃ بالمتردیۃ ۲/۳٤ ط امدادیہ)

(۵) (الجامع الصغیر للامام محمد بن حسن الشیبانی' کتاب الذبائح ص ٤۷۱ ادارۃ القرآن)

(٦) (ھدایۃ اخیرین' کتاب الذبائح ٤/٤۳٤ ط سعید)

ذبح فوق العقدہ سے جانور حلال ہو گیا یا نہیں ؟

(سوال) ذبیحہ فوق العقدہ حلال ہے یا حرام؟ جو حضرات حرام کہتے ہیں اپنی دلیل میں حلقوم اور مری کا ثبت اور بحال رہنا بیان کرتے ہیں حلت کے قائل حضرات اس بارے میں کیا دلیل لاتے ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۹۸ شیخ محمد عبداللہ صاحب (مظفر گڑھ) ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۱۹ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۳۴۲) موضع ذبح مابین لبہ و لحیین ہے ہدایہ میں اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے[1] پس اس میں راجح یہی ہے کہ فوق العقدہ و تحت العقدہ کی بحث فضول ہے کیونکہ فوق العقدہ واقع ہونے کی صورت میں بھی مابین لبہ و لحیین ہی ذبح واقع ہوتا ہے اور انہار دم علی وجہ الکمال واقع ہوتا ہے۔[2] واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی۔

قبلہ رخ لٹا کر ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے

(سوال) شخصے گائے را بہ قبلہ رخ بر پہلوئے راست داشتہ ذبح کرد اکنوں مردماں می گویند کہ ایں فعل و مذبوحہ حرام شدہ است وچند گویند مکروہ وچند گویند ایں فعل جائز شدہ است ومذبوحہ حلال است۔ المستفتی نمبر ۲۴۱۲ محمد علی صاحب (بریال) ۷ ارجب ۱۳۵۷ھ م ۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء

(ترجمہ) ایک شخص نے گائے کو قبلہ رخ سیدھی کروٹ پر رکھ کر ذبح کیا اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل بھی حرام ہوا اور ذبیحہ بھی حرام ہو گیا چند آدمی مکروہ کہتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فعل بھی جائز ہے اور ذبیحہ بھی حلال ہے۔

(جواب ۳۴۳) مذبوحہ حلال است وجہ حرمت دریں یافتہ نمی شود البتہ مستحب این است کہ جانور را بر زانوئے راست قبلہ رخ غلطانیدہ پائے خود بر پہلوئے او داشتہ ذبح کند۔

(ترجمہ) یہ ذبیحہ حلال ہے اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں پائی جاتی البتہ مستحب یہ ہے کہ جانور کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ لٹا کر اس کے اوپر اپنا پاؤں رکھ کر ذبح کرے۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

(۱) جانور کو حلقوم سے اوپر ذبح کرنا
(۲) ذبح کی جگہ معلوم کرنے کے لئے آدھے سر کی شکل بنانا

(سوال) (۱) ذبح فوق العقدہ میں آنجناب کا کیا فتویٰ ہے؟ آیا حلال ہے یا نہیں ؟

---

(۱) وهي اختيارية كالجرح فيما بين اللبة واللحيين (هداية اخيرين كتاب الذبائح ٤ / ٤٣٤ ط شركة علميه)

(۲) وذكاة الاختيار ذبح بين الحلق واللبة و عروقه الحلقوم كله وسطه لو اعلاه لو اسفله وهو مجرى النفس وفي الشامية قال في الهداية وفي الجامع الصغير لا باس بالذبح في الحلق كله و سطه واعلاه واسفله والا صل فيه قوله عليه الصلاة والسلام الزكاة ما بين اللبة واللحيين ولانه مجمع العروق فيحصل بالفعل فيه انهار الدم على ابلغ الوجود فكان حكم الكل سواء (الدر المختار كتاب الذبائح ٦ / ٢٩٤ ط سعيد)

(۳) عن انس ان النبي ﷺ ضحى بكبشين اقرنين املحين يذبح و يكبر و يسمي و يضع رجله على صفحتهما (ابوداؤد شريف ٢ / ٣٠ ط امداديه ملتان)

(۲) رسالۃ الذبح فوق العقدہ کے اندر افہام و تفہیم کے لئے آدھے سر کی شکل بنانا جو طولاً درمیان سے کاٹا ہوا ہو جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۴٤) (۱) ذبح فوق العقدہ واقع ہو جائے تو مذبوح حرام نہیں کیونکہ محل ذبح مابین اللبہ واللحیین ہے اور اس میں ذبح واقع ہونے سے مقصود ذبح یعنی دم سائل کا خروج اور ازہاق روح حاصل ہو جاتا ہے بنا بریں یہی قول راجح اور قوی ہے۔[۱]

(۲) سر کی آدھی صورت بنانا اس غرض سے مباح ہے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

جانور کو ذبح کرتے وقت غیر ضروری تکلیف سے بچانا ضروری ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) قربانی کا جانور ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں مویشی باندھے جاتے ہوں اور گوبر وغیرہ وہاں ہمیشہ پڑے رہنے کی وجہ سے پلیدی جمع ہوئی ہو اور جگہ بھی اونچی نیچی ایسی ہو کہ جانور کو تکلیف پہنچے کیسا ہے ؟

(جواب ۳٤۵) قربانی کے جانور کو ایسی طرح ذبح کرنا چاہئے کہ اسے غیر ضروری تکلیف اور ایذا نہ ہو حدیث میں ہے ولیحد احدکم شفرتہ ولیرح ذبیحتہ[۳] کوئی ایسی حرکت جو جانور کو غیر ضروری ایذا پہنچائے مکروہ ہے۔[۴] جگہ بھی پاک ہونی چاہئے ناپاک اور پلید جگہ پر ذبح کرنا بہتر نہیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ'

بے ہوش کر کے ذبح کئے ہوئے جانور کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک جانور کو کسی آلہ سے بیہوش کیا جائے اور پھر ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت حلال ہے یا نہیں ؟ بیہوش کرنے کے لئے ایک ریوالور میں ایک کھلا ہوتا ہے وہ جانور کے سر میں خاص جگہ لگتا ہے جس سے بیہوش ہو جاتا ہے۔

(جواب ۳٤٦) اگر یہ آلہ جو سر پر مار کر بیہوش کیا جاتا ہے صرف بیہوشی پیدا کرتا ہے ازہاق روح یعنی جانور کی جان نکالنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس آلہ سے بیہوش کرنے کے بعد جو جانور ذبح کیا جائے وہ حلال ہے۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ ص گزشتہ ،

(۲) مالا یبقی الحی بدونہ حیا ل صورت بنانا مباح ہے او کانت صغیرۃ او مقطوعۃ الراس اوالوجہ او عضو لا تعیش بدونہ او لغیر ذی روح لا یکرہ لانہا لا تعبد (ردالمحتار ۱/ ٤۳٦ ب)

(۳) ابوداؤد شریف ۲/ ۳۳ ط امدادیہ ملتان،

(٤) وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃ مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الا ضطراب (درمختار' کتاب الذبائح ٦/ ۲۹٦ ' ط سعید)

(۵) ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت وخرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت وان لم تتحرک ولم یخرج الدم (درمختار' کتاب الذبائح ٦/ ۳۰۸ ط سعید)

فصل ششم غیر مسلم سے گوشت خریدنا

مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا گوشت ہندوؤں سے خریدنا کیسا ہے ؟

(سوال) بعض مقامات میں ہندو کھٹیک گوشت فروخت کرتے ہیں اور مسلمان سے ذبح کراتے ہیں اس کا کیا حکم ہے ؟ ایک فتویٰ مطبوعہ نظر سے گزرا تھا اس میں حرام بتلایا تھا اور لکھا تھا کہ جب مسلمان کی نگاہ سے غائب ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہے ۔ اس وقت وہ فتویٰ دستیاب نہیں ہوا۔ المستفتی نمبر ۲۵۱ حاجی متین احمد ابن حاجی رشید احمد کشمیری دروازہ دہلی ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ م ۲۱ مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۴۷) جن مقامات میں مذبح مقرر ہے اور اس میں مسلمان ذابح متعین ہیں اور مذبح کے علاوہ دوسری جگہ جانور ذبح کرنا جرم ہے ایسے مقامات میں اس امر کا ظن غالب موجود ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والا گوشت مسلمان کا ہی ذبح کیا ہوا ہے اور اس ظن غالب کی بنا پر اسے خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے[1] وہ فتویٰ جس کا سوال میں ذکر ہے ان مقامات کے متعلق ہے جہاں مذبح مقرر نہیں اور ذبح اور ذابح پر کوئی پابندی نہیں ہے وہاں کے ذبح کرنے کے بعد مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہونے تک ہندو سے خریدنا جائز ہوگا اور نظر سے غائب ہو جانے کے بعد اس کا اطمینان نہیں کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں اس لئے خریدنا ناجائز ہوگا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

ہندوؤں سے گوشت خریدنے کا حکم

(سوال) ہندو کھٹیک گوشت فروخت کرتے ہیں اور وہی لوگ مردار چمڑا بھی رنگتے ہیں پانی اور کپڑا بھی اپنا استعمال کرتے ہیں اور گھروں میں حلال کرتے ہیں اور اس چھری سے مردار کھال بھی کاٹتے ہیں مسلمانوں کو ان لوگوں کے ہاں سے گوشت خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۶۸۷ نور بخش (جھجر ضلع روہتک) ۲۰ رمضان ۱۳۵۴ھ م ۱۷ دسمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۴۸) جس مقام پر مسلخ یعنی مذبح نہیں ہے اور گھروں میں جانور ذبح کرنے پر کوئی پابندی قانونی نہیں ہے تو ایسے مقام پر غیر مسلم سے گوشت خریدنا جائز نہیں بلکہ مسلمان ذابح کا ذبح کیا ہوا گوشت بھی غیر مسلم سے اس وقت خریدنا جائز ہے کہ ذبح کے وقت سے خریدنے کے وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ

---

(۱) عن ہشام بن عروة عن ابیه عن عائشة انہم قالوا یا رسول اللہ ان قوماً حدیثو عہد بجاہلیة یا تونا بلحمان لا ندری اذکر او اسم اللہ ام لم یذکر وانانا کل منہا فقال رسول اللہ ﷺ سموا اللہ وکلوا الحدیث (ابو داؤد ۲/۳۵ ط امدادیة)

(۲) من اشتری لحماً فعلم انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکرہ اکله و مفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیاً یثبت الحرمة فانه بعد اخبارہ بالحل بقوله ذبحه مسلم کرہ اکله فکیف بدونه (درمختار' کتاب الحظر والا باحة ۶/۳۴۴ ط سعید)

نہ ہو۔[۱] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

غیر مسلم سے منگوائے ہوئے گوشت کا حکم

(سوال) اگر غیر مسلم سے گوشت منگایا جائے تو وہ گوشت قابل اعتبار سمجھا جائے گا یا نہیں یعنی اس کے کھانے میں کوئی حرج تو نہیں ؟ المستفتی نمبر ۷۶۳ مولانا حکیم محمد عبدالوہاب انصاری ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ م ۱۷ فروری ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۴۹) اس مسئلے میں غالب ظن کا اعتبار ہے اگر غالب ظن یہ ہو کہ غیر مسلم مسلمان سے ہی حلال گوشت لایا ہے تو کھانے میں مضائقہ نہیں مگر احتیاط یہی ہے کہ مسلم کے ذریعے سے منگایا جائے۔[۲] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ،

ذابح مسلمان اور بیچنے والا ہندو ہو تو گوشت کا کیا حکم ہے ؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) (۱) ہندو دکاندار بکری کا گوشت بیچتا ہے اور وہ گوشت گھنٹوں نگاہوں سے مسلمانوں کی اوجھل رہتا ہے لیکن اس کا اطمینان ہے کہ یہ گوشت مسلمان کے ذبح کئے ہوئے بکرے کا ہے اس ہندو سے گوشت خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) مچھلی مردہ ہندو دکاندار سے خرید کر کھانا کیسا ہے ؟ جس کے متعلق یہ اطمینان ہے کہ یہ پکڑنے کے بعد ہی مری ہے یا لکڑی یا گولی سے ماری گئی ہے۔

(جواب ۳۵۰) (۱) جب کہ گمان غالب اس بات کا ہو کہ ذبیحہ مسلمان کا ہی ہے اور غیر مسلم کو ذبح کرنا قانوناً ناجائز ہو اور ذابح صرف مسلمان مقرر ہو تو ایسے گمان غالب کی صورت میں غیر مسلم بیچنے والے سے گوشت خرید لینا جائز ہے۔[۳]

(۲) مچھلی ہندو یا کسی اور غیر مسلم کے پاس سے بہر صورت خریدنی جائز ہے۔[۴] محمد کفایت اللہ غفرلہ

فصل ہفتم مسلمان کا ذبیحہ

(۱) مسلمان قصاب کے ذبیحہ کا حکم
(۲) بلا تحقیق مسلمان قصاب کے ذبیحہ کو حرام کہنا جائز نہیں

(سوال) (۱) ایک مسلمان قصاب نے ایک حلال جانور بکری یا گائے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ

(۱ - ۲ - ۳) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

(۴) کیونکہ مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ در مختار میں ہے : السمک والجراد فیحلان بلا ذکاۃ (کتاب الذبائح ۶/ ۲۹۴ ط سعید)

ذبیحہ حلال ہے یا حرام (۲) کوئی ملا آدمی قصاب کے ذبیحہ کو حرام قرار دے اور ذبح کرنے والے قصاب کو اس ذبیحہ کے باعث جماعت سے علیحدہ کرادے حتی کہ ان کے میل ملت والوں کی میت کو قبرستان میں جو وقف عام ہے دفن تک نہ ہونے دے اور قبرستان کا خادم قبرستان کو اپنی ملکیت جتا کر میت کو دفن نہ ہونے دے تو کیا حکم ہے؟ المستفتی نمبر ۳۶۸ مطیع فیض گنجور (پونا) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ ۸ جولائی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۵۱) (۱) قوم قصاب کے کسی شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام نہیں ہے کیونکہ قصاب بھی مسلمان ہیں اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے[1] (۲) کسی ملا کا اس ذبیحہ کو حرام قرار دینا غلط ہے جو اپنے ہاتھ سے قصاب نے بقاعدہ شرعیہ کیا ہے اور احکام شریعت سے لاعلمی یا ضد و نفسانیت پر مبنی ہے اور اس بنا پر قصاب کو جماعت سے علیحدہ کر دینا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا سخت گناہ اور ظلم ہے اور عام وقف قبرستان کو اپنی ملک بتانا جھوٹ اور فسق اور ظلم ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بدمزاج وبدزبان قصاب کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

(سوال) قصاب مسلمان ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے تین دو کانوں پر گوشت کی خرید و فروخت اسی کی ہے اور بکرے بھی ذبح کرتا ہے بعض مسلمان دوستی کے باعث اس کی ذبح چاہتے ہیں اور نصف سے زائد نفرت کرتے ہیں اور قصاب بدمزاج اور بدزبان ہے کیا ایسی صورت میں اس کا ذبیحہ شرعاً درست ہے؟ المستفتی نمبر ۱۸۹۲ شیخ محمد حسین صاحب (راجپوتانہ) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۲) ذبیحہ ہر مسلمان کا حلال ہے بد مزاجی وبد زبانی سے ذبیحہ کی حلت میں کوئی فرق نہیں آتا۔[1]
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

ذابح مسلمان اور معین ہندو ہو تو ذبیحہ کا حکم

(سوال) جنگل میں مسلمان شکاری نے ہرن یا نیل گائے وغیرہ کا شکار کیا اکیلے شکاری کے قابو میں شکار نہیں آتا کہ ذبح کرے وہاں کسی ہندو سے امداد لی گئی جو کافر ہے المستفتی نمبر ۱۹۱۵ ملا عبدالغنی صاحب پراگپورہ (جے پور) ۱۸ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۵۳) ہندو نے جانور کے پکڑنے اور قابو کرنے میں امداد دی اور ذبح مسلمان نے کیا تو اس میں کوئی خرابی نہیں مذبوحہ شکار حلال ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا او کتابیاً ذمیاً او حربیاً (درمختار کتاب الذبائح ۶/۲۹۷ ط سعید)
(۲-۳) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ ھذا)

نشہ کرنے والے کے ذبیحہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) ذبیحہ کرنے والا پابند صوم و صلوۃ نہیں ہے اور نشہ بھی کرتا ہے اور طاہر بھی نہیں رہتا اور قصاب روزانہ اس سے ذبح کراتے ہیں اس کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۴) ذبیحہ کے جواز کے لئے ذابح کا مسلمان ہونا کافی ہے۔[1] بشرطیکہ ذبح کے وقت قصداً تسمیہ کو ترک نہ کرے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

نابینے کے ذبیحہ کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید نابینا ہے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا پیشہ کرتا ہے اس کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۵۵) ذبح کی حلت کے لئے ذبح کرنے والے کا بینا ہونا شرط نہیں نابینا کا ذبیحہ بھی حلال ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ آنکھوں والے سے ذبح کرایا جائے تاکہ وہ ذبح کے کمال و نقصان کو دیکھ کر معلوم کر سکے تاہم نابینا کا ذبیحہ حرام نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زانیہ عورت کے خاوند کا ذبیحہ حلال ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) ایک شخص کی عورت غیر مرد سے کھلم کھلا زنا کراتی ہے اور خاوند کو اس کا خوب اچھی طرح علم ہے کیا ایسے شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے ؟

(جواب ۳۵۶) وہ شخص اپنی زوجہ کو اس فعل شنیع سے منع کرتا ہو یا نہ کرتا ہو دونوں صورتوں میں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔[4] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

فصل ہشتم تکبیر ذبح

ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ پڑھنے کی کیا وجہ ہے ؟

(سوال) ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ کیوں پڑھی جاتی ہے تمام بسم اللہ کیوں نہ پڑھی جائے۔ المستفتی

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر (۲ – ۳) صفحہ گزشتہ)

(۲) لا تحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و تارك التسمیة عمداً الخ (ردالمحتار کتاب الذبائح ۲۹۸:۶ ط سعید)

(۳ – ۴) (ایضا بحوالہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

نمبر ۸۳۱ محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳ محرم ۱۳۵۵ھ ۶ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۷) ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہئیے[1] اور کھانا کھاتے وقت پوری بسم اللہ پڑھی جائے ۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ۔

فصل نہم گیابھن کا ذبیحہ

حاملہ بھیڑوں کو ذبح کرنے کا حکم

(سوال) میں نے اخبار مجاہد اور اخبار شمس ملتان میں حاملہ بھیڑوں اور ان کے چھوٹے بچوں کے متعلق مضمون شائع کرائے تھے کہ ہندوستان میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً روزانہ لاکھوں کی تعداد میں حاملہ بھیڑوں کو ذبح کر کے ان سے جو بچے پیدا ہوں ان کی کھالیں اتار لی جاتی ہیں اور ان کھالوں کو ہندوستان کے باہر فروخت کیا جاتا ہے یہ سب کچھ محض دنیاوی مفاد کی خاطر کیا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کھالوں کی تجارت سے بڑا فائدہ ہوتا ہے اتنی رقم بڑی بھیڑ یا بکری کی نہیں ملتی جتنی کہ ان کے بچوں کی کھالوں کی ملتی ہے جناب والا کی خدمت اقدس میں التماس ہے کہ آپ شرعی فتویٰ مع دلیل بلا کسی کے لحاظ کے ارشاد فرمادیں ۔ المستفتی نمبر ۸۶۵ غلام محمد خاں (ملتان) ۲۲ محرم ۱۳۵۵ھ م ۱۵ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۸) میں پہلے فتوے کا جواب ارسال خدمت کر چکا ہوں تعجب ہے کہ آپ کو کیوں نہیں پہنچا اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حاملہ جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے کراہت کی تو فقہانے بھی تصریح کی ہے[3] لیکن جب کہ اس کو بطور کاروبار کے اختیار کر لیا جائے اور حاملہ جانوروں کو ذبح کرنے کی اس قدرت کثرت ہو جائے کہ انقطاع نسل کا خوف غالب ہو تو پھر یہ فعل حرام ہو جائے گا اور اس کے انسداد کے لئے مؤثر تدبیر اختیار کرنا لازم ہو گا ذبح کرنے والوں کے شخصی فائدہ سے عمومی نقصان کا لحاظ قطعاً مقدم ہے ۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (شائع شدہ اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ یکم مئی ۱۹۳۶ء) ۔

بچہ کا چمڑا حاصل کرنے کے لئے حاملہ بھیڑ کو ذبح کرنا

(سوال) قصابان میں عموماً یہ مسئلہ جائز کر لیا گیا ہے کہ بھیڑ حاملہ کو اس نیت سے خریدتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا چمڑا قیمتی ہوتا ہے صرف بچہ کا چمڑا نکالنے کی غرض سے بھیڑ کو ذبح کرتے ہیں اگرچہ

---

(۱) (ایضا بحوالہ صفحہ گزشتہ حاشیہ نمبر ۳ - ٤)
(۲) والمستحب ان یقول بسم اللہ اللہ اکبر بلا واو وکرہ بھا لانہ یقطع فور التسمیۃ (درمختار' کتاب الحظر والاباحۃ ۶/ ۳٤ ط سعید)
(۳) شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ قالوا یکرہ ذبحھا لان فیہ تضییع الولد وھذا قول ابی حنیفۃ عند الجنین لا یتذکی بذکاۃ الام کذافی فتاوی قاضی خان (عالمگیریۃ' کتاب الذبائح ۵/ ۲۸۷ ط ماجدیہ)

زندہ ہوتا ہے تو اس کو بھی ذبح کر لیتے ہیں اور اگر بچہ مردہ نکلتا ہے تو بھی اس کا چمڑا نکال لیتے ہیں اور پھر ذبیحہ کا گوشت یا تو فروخت کر دیتے ہیں اگر فروخت نہیں ہوتا ہے تو اس گوشت کو پھینک دیتے ہیں مگر اکثر پھینکتے ہی ہیں بعض علماء ایسے ذبیحہ اور اس پیشہ کو جائز کہتے ہیں اور بعض علماء حرام بتلاتے ہیں بروئے شرع شریف جواب سے جلد مشکور فرمایا جائے۔ فقط المستفتی نمبر ۱۰۶۰ حاجی عبدالعظیم صاحب (ریاست جے پور) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۵۹) یہ فعل اور پیشہ حرام تو نہیں مگر گوشت کو پھینک دینا مال کو ضائع کرنے کی وجہ سے ناجائز ہوتا ہے[1] دوسرے اس پیشہ سے انقطاع نسل کا اندیشہ ہے اس لئے اس کا انسداد واجب ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل دہم کچا گوشت کھانا

حلق میں ذبح کی جگہ کونسی ہے ؟

کچا گوشت کھانا کیسا ہے ؟

(سوال) حلق میں مقام ذبح کون سا ہے ؟ کچا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۶۰) ذبح فوق العقدہ واقع ہو جانے تو ذبیحہ حرام نہیں ہوتا الزکوۃ بین اللبۃ واللحیین[3] اور امام محمدؒ کا قول جامع صغیر میں کہ تمام حلق محل ذبح ہے[4] کافی ہے امام رستغفنیؒ کا قول راجح ہے[5] اراقۃ دم ہو جانا حلت کی علت ہے اور زکوۃ اضطراری میں اسالہ دم کو حلت کے لئے کافی قرار دیا جانا مؤید ہے۔[6] گوشت کچا کھانا جائز ہے پکانا حلت کی شرط نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

خصیے، حرام مغز اور گردے کھانے کا حکم!

(سوال) بکرے کے خصیے، حرام مغز اور گردے کھانے جائز ہیں یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۱۴ ابو محمد رشید خاں دہلی ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ ۱۶ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۶۱) کپورے کھانا مکروہ ہے۔ گردے جائز ہیں۔ حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ۔ یونہی بیچارہ بدنام

---

(۱) لما ورد في الحديث عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان الله حرم عليكم عقوق الامهات ووأد البنات ومنع وهات وكره لكم قيل وقال وكثرة السوال واضاعة المال (متفق عليه كذافي المشكوة ۲ / ۱۹ ٤ ط سعيد)

(۲) (ايضا بحواله سابقه جواب ۳۵۸)

(۳) (هدايه اخيرين كتاب الذبائح ٤ / ٤٣٤ ط شركة علميه)

(٤) قال الامام محمد : لا بأس بالذبح في الحلق كله وسطه واعلاه واسفله (الجامع الصغير ص ٤١٧ ادارة القرآن)

(٥) ان الامام الرستغفني سئل عن ذبح شاة فبقيت عقدة الحلقوم مما يلي الصدر كان يجب ان يبقى مما يلي الراس تؤكل ام لا قال تؤكل (عالمگيرية كتاب الذبائح ٦ / ٣٠٦ ط ماجديه)

(٦) والا ضطرارية الطعن والجرح وانهار الدم في الصيد (جوهرة النيرة ٢ / ٢٣٧)

ہو گیا۔[1] محمد کفایت اللہ

عضو تناسل، اوجھڑی اور آنت کھانے کا حکم

(سوال) بکرے اور بیل بھینسے ذبح شدہ کے فوطے، عضو تناسل، آنت اور اوجھڑی کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

المستفتی نمبر ۱۰۴۲ حافظ اکرام الدین ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ ۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(جواب ۳۶۲) مذبوحہ جانور کے خصیے اور عضو تناسل کھانا مکروہ تحریمی ہے۔[2] اوجھڑی بلا کراہت حلال ہے۔[3] محمد کفایت اللہ

سری اور پائے کھانے کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۶ فروری ۱۹۲۷ء)

(سوال) گائے یا بھینس وغیرہ کے پائے (جن کو پک جانے پر نہاری کہتے ہیں) ان کی کھال اور بکرے کے سر کی کھال (پک جانے پر جس کو سری کہتے ہیں) صرف بال جلا کر عام طور پر پکائے جاتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

(جواب ۳۶۳) سری اور پایوں کا مع کھال کے پکانا اور کھانا جائز ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) امداد المفتین میں ہے اسی طحطاوی میں حرام مغز و بتی حرام لکھا ہے فی الطحطاوی تحت قول الدر (والدم المسفوح) و زید نخاع السلب (حاشية الطحطاوي على الدر ۴ / ۳۶۰ ط بیروت)

(۲) و کرہ تحریما و قیل تنزیها والاول اوجه من الشاة سبع الحياء والخصية والغداة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذكر للاثر الوارد في كراهة ذلك (در مختار ۶ / ۷۴۹ ط سعيد)

(۳) اس لئے کہ یہ ان سات اشیاء میں سے نہیں ہے جن کا کھانا مکروہ ہے۔

(۴) الراس والا كارع لحم في يمين الاكل و في الشامية : قلت و لعل وجهه ان الراس والا كارع مشتملة على اللحم وغيره (الدر المختار، كتاب اليمين ۳ / ۷۷۳ ط سعيد)

کتاب الفرائض

پہلا باب
میراث کے احکام

فصل اول تشریحات و تفریعات

کیا خدمت کے عوض قاضی کو ملنے والی زمین میں وراثت جاری ہو گی ؟

(سوال) قاضی محمد صادق ' قاضی محمد مراد' قاضی محمد اعظم' قاضی غلام' قاضی محمد اسلم' قاضی محمد ہاشم' قاضی محمد حسن' قاضی محمد اسماعیل۔

پرگنہ کامریج علاقہ سورت کی خدمت قضا شاہان اسلام کے زمانے میں قاضی محمد صادق کو سپرد کی گئی تھی ان کے بعد یکے بعد دیگرے مندرجہ بالا سلسلے کے موافق قاضی ہوتے رہے قاضی محمد صادق کو صلہ خدمت قضا میں کچھ زمینیں دی گئی تھیں اور وہ سلسلے وار ہر مابعد کے قاضی کو ملتی رہیں قاضی محمد محسن نمبر سات کے انتقال کے بعد ان کی نرینہ اولاد نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں رسول بو' حفصہ بی بی' خدیجہ بی بی رسول بو کا لڑکا محمد اسماعیل تھا جو قاضی محمد محسن کا نواسہ ہو اگورنمنٹ گائیکواڑ نے بعد تحقیق قاضی محمد اسماعیل کے متعلق خدمت قضا جاری رکھی اور تمام زمینیں قاضی محمد اسماعیل کے نام بطور انعام حق مالکانہ عطا کردیں ہر قطعہ زمین کے متعلق ایسی سندیں دی گئی ہیں قاضی محمد اسمعیل خود بھی خدمت قضا ادا کرتے رہے اور ان کے بعد ان کی اولاد ادا کرتی ہے اب قاضی محمد اسمعیل کی اولاد نے ان زمینوں کو فروخت کرکے آپس میں روپیہ تقسیم کرلیا ہے یہ دیکھ کر قاضی محمد حسن نمبر ے کی ایک لڑکی خدیجہ جو زندہ ہے دعویٰ کرتی ہے کہ اس زمین میں ایک تہائی میرا حق ہے نیز قاضی محمد ہاشم کی نواسیاں بھی دعویٰ کرنے والی ہیں کہ قاضی محمد محسن سے پہلے یہ زمین قاضی محمد ہاشم کے نام تھی اس لئے ہمارا بھی حق ہے سوال یہ ہے کہ کیا قاضی محمد ہاشم یا قاضی محمد محسن کے یا اور کسی قاضی سابق کے وارثوں کا ان زمینوں میں کوئی حق ہے ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۲۶۴) صورت مرقومہ میں اراضی مذکورہ کا قاضیوں کے نام منتقل ہوتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عطیہ بشرط خدمت تھا اور جو عطیہ بشرط خدمت ہو وہ اسی شخص پر منتقل ہوتا ہے جو خدمت انجام دے اس میں میراث جاری نہیں ہوتی مثلاً قاضی محمد صادق کے بعد ان کے تمام وارثوں پر تقسیم نہ ہو گا بلکہ قاضی محمد مراد کے نام منتقل ہونا اس کی دلیل ہے کہ قاضی محمد صادق کو اس زمین کا مالک نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ خدمت قضا کا صلہ تھا اور جبکہ ان کے بعد قاضی محمد مراد نے خدمت قضا انجام دی تو زمین ان کے نام منتقل ہو گئی اسی طرح قاضی محمد محسن تک نقل ہوتی چلی آئی پس قاضی محمد ہاشم یا کسی قاضی سابق کے

وارثوں کا اس زمین میں کوئی حق نہیں قاضی محمد محسن کے بعد چونکہ قاضی محمد اسماعیل کے ذمہ خدمت قضا مقرر ہوئی لہذا وہ زمینیں قاضی محمد اسمٰعیل کی طرف بجا طور پر منتقل ہوئیں اور قاضی محمد محسن کے وارثوں کا ان میں کوئی حق نہیں اس کے بعد اگر گورنمنٹ گائیکواڑ نے قاضی محمد اسماعیل کے نام وہ زمینیں حق مالکانہ بطور انعام کے کردیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو قاضی محمد اسماعیل کے وارثوں پر بقاعدہ میراث تقسیم ہوں گی اور ان کے وارث اگر بیع کردیں تو ان کی بیع جائز ہے دلائل یہ ہیں۔قال الشامی فی رد المحتار من کتاب الفرائض تحت قولہ (والمستحقون للترکۃ عشرۃ اصناف) تنبیہ قیل بالترکۃ لان الارث یجری فی اعیان المالیۃ اما الحقوق فمنھا ما یورث کحق حبس المبیع و حبس الرھن و منھا ما لا یورث کحق الشفعۃ و خیار الشرط (الی ان قال) والولایات والعواری والو دائع اہ ملخصا من الاشباہ و شرحھا لشیخنا العلامۃ البعلی [1] احقر کہتا ہے کہ نسخہ میں رد المحتار کے الولایات ہے اور ایسا ہی اتحاف الابصار والبصائر فی تبویب الاشباہ والنظائر مطبوعہ مصر کی کتاب الفرائض میں ہے لیکن نسخہ الاشباہ والنظائر مطبوعہ ہند میں اس کے بجائے الوکالات ہے لیکن راجح نسخہ مصری ہے وکیف کان جواب مسئلہ کا وہی ہے جو صدر میں مذکور ہے قال فی الفتاوی الا سعدیۃ لمفتی المدینۃ المنورۃ من باب القراءات و التقریرات والمباشرات والو ظیفات قال علماؤنا الحظائف لا تورث وانما یقرر ھا ولی التقریر اہ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

الجواب صحیح عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفر لہ ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ۔محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔الجواب صواب سید محمد ادریس عفا اللہ عنہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ادریس کاندھلوی غفر لہ۔

تحریری طلاق زوجہ تک پہنچنے سے قبل شوہر فوت ہو تو عورت میراث میں شریک ہوگی یا نہیں ؟

(سوال) زید نے اپنے مرض الموت (دق مرض) میں نکاح کیا۔ تین روز بعد اس نے اپنی زوجہ منکوحہ کو تحریری طلاق اپنے مرنے سے ۲۴ گھنٹے قبل دی جو کہ زوجہ تک نہ پہنچی دریافت طلب یہ امر ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور مطلقہ ترکہ کی مستحق ہے یا نہیں ؟

(جواب ۳۶۲) اگر زوجین کے درمیان وطی یا خلوت کا اتفاق ہو چکا ہے تو بیوی کو حصہ میراث ملے گا کیونکہ خاوند کا انتقال عدت کے اندر ہوا ہے [2] لیکن اگر وطی یا خلوت کی نوبت نہیں آئی تھی تو عورت کو میراث نہ ملے گی۔ [3] یہ حکم اس وقت ہے کہ زوج نے تحریری طلاق اپنی خوشی سے بغیر جبر واکراہ بطور تنجیز

---

(۱) (در مختار، کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲ ط سعید)

(۲) (وھو کذلک) بذالک الحال (و مات بذلک السبب) موتہ (او بغیرہ) کان یقتل المریض او یموت بجھۃ اخری فی العدۃ للمدخولۃ ورثت ھی منہ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۳/ ۳۸۷ ط سعید)

(۳) تحت قول الدر للمدخولۃ ای المدخول بھا حقیقۃ اعنی الموطوءۃ لیخرج المختلی بھا فانھا وان وجبت علیھا العدۃ لکنھا لا ترث کما مر فی باب المھر (رد المحتار باب طلاق المریض ۳/ ۳۸۷ ط سعید)

کے دی ہو یقیناً واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ طلاق عورت تک خبر طلاق یا تحریر طلاق پہنچنے پر معلق نہ ہو اور تحریر کے وقت اس کے ہوش و حواس بھی درست ہوں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

وظیفہ میں ملنے والی زمین مالک ہی کی ہوگی وارثوں کو اس میں کوئی حق نہیں

(سوال) ایک شخص کو جاگیر زمین بطور وظیفہ شاہان مغلیہ ہندوستان ملا تھا اس وظیفہ کے دستاویز میں یہ شرط لگائی ہے کہ زمین مذکور کا نفع وہ شخص مذکور اور اس کے ورثاء و توابعین کھائیں اور وظیفہ کا نفع شخص مذکور مطابق دستاویز کے کھاتا رہا بعد یہ شخص مذکور کا انتقال ہو گیا اور شخص مذکور نے اپنے پیچھے ورثا میں تین لڑکیاں اور ایک ہمشیرہ چھوڑی اور ایک بھائی لیکن گم ہو گیا ہے اس کا اب تک پتہ نہیں قریب چالیس پچاس سال ہوئے اب مرور زمانہ کے سبب مذکور زمین والا ملک ہندو راجہ کے قبضہ میں آ گیا اس نے ڈھونڈورا پٹوایا کہ جس جس شخص کی جائیداد زمین وغیرہ ہو وہ اپنی اپنی دستاویز رجوع کر کے مطابق قانون ریاست کے اپنے نام پر کرالے اب شخص مذکور کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا ایک بڑا لڑکا تھا وہ مذکور ریاست کی عدالت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں مذکور شخص وظیفہ دار کا نواسہ ہوتا ہوں اور مذکور شخص وظیفہ دار نے مجھ کو ان کی اولاد میں کوئی وارث نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے لے پالک متبنی (وتک) بنایا ہے۔ میرے سوا اور کوئی بھی وارث نہیں ہو سکتا اس واسطے مذکور شخص کی جائیداد زمین وظیفہ میرے نام پر ہونی چاہئے (مذکور ریاست نے جتنے شاہی اور اپنی ریاست کے وظیفے تھے ان کے لئے ایک دارالانعام مقرر کیا) ریاست مذکور نے بعد تصدیق کے مذکور شخص کی زمین مذکور لڑکے کے نام پر اپنی ریاست کے قانون کے مطابق لے پالک ہونے کی حیثیت سے کر دی اب یہ لڑکا بھی اپنے نانا شخص مذکور کے مطابق مذکور زمین کا نفع آپ بھی لیتا رہا اور اپنے نانا کے ورثاء توابعین پر بھی تقسیم کرتا رہا اپنی حین حیات تک اب یہ مذکور لڑکا بھی انتقال کر گیا اس کے بڑے لڑکے کے نام پر یہ مذکور زمین آئی یہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا یہ لڑکا بھی انتقال کر گیا اب اس کے بعد اس کے بھائی بہن ماں اور لڑکا یہ لوگ رہے اس میں سے اخیر مرنے والے کے ایک بڑے بھائی نے مذکور زمین فروخت کر کے اپنے بھائی بہنوں ماں اور مرنے والے اخیر لڑکے پر تقسیم کر لیا یہ بھائی بہنوں نے اپنے باپ کے نانا کے ورثا اور توابعین کو کچھ بھی نہیں دیا در اں حالیکہ ان کا باپ اور اس کے بعد اس کا بڑا لڑکا زمینوں کا نفع اپنے نانا کے ورثاء و توابعین پر برابر تقسیم کرتا رہا ہے تو اب ازروئے شرع محمدی مذکور زمین کا فروخت کرنا اور اپنے اپنے میں تقسیم کر لینا اور اپنے باپ کے نانا کے ورثاء و توابعین کو زمین مذکور کی قیمت میں سے بطور وراثت کچھ بھی نہ دینا جائز ہے یا کیا؟ اور بصورت نہ دینے کے حق الناس کا غصب ہوتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۳) ملاحظہ سندات منسلکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اس حیثیت سے دی نہیں گئی تھی کہ

---

(۱) اگر بالجبر و اکراہ تحریری طلاق لی جائے تو واقع نہیں ہوتی لما فی الشامیۃ وفی البحر ان المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا (رد المحتار ۳ : ۲۳۶ ط سعید)

اس کی تقسیم قاعدہ میراث کے موافق کی جائے محمد شاہ غازی کی سند کی نقل میں لفظ فرزندان ہے اور محمد عالم شاہ غازی کی سند کی نقل میں فرزندان و توابعان کا لفظ ہے اور ان دونوں میں وارثان شرعی کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ منافع زمین کی تقسیم نہ تو بقاعدہ شرعیہ منظور ہے ورنہ کوئی قاعدہ بتایا گیا ہے تو بہر حال صاحب جاگیر کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ جسے چاہے اور جس قدر چاہے دے اور چاہے نہ دے اس لئے کسی کو حصہ میراث کے دعویٰ کرنے کا حق نہیں رہا فروخت کرنے کا اختیار تو اس کا فیصلہ حاکم متعلقہ کو کرنا چاہئیے وارثین قاضی محسن کو یہ سوال اٹھانے کا بھی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی ۱۶ صفر ۱۳۴۸ھ

کیا نابالغ لڑکی پر کئے گئے اخراجات اس کے ترکہ سے لئے جا سکتے ہیں؟

(سوال) ایک یتیم لڑکی ناکتخدا چودہ سالہ صاحب جائیداد کا انتقال ہو گیا جس کی پرورش اس کی والدہ نے کی تھی مرحومہ متوفیہ کے مال میں سے اس کی والدہ نے حسب ذیل خرچ کر دیا ہے جس پر اس کے تایا جو ۱/۶ کے حصہ دار ہیں اعتراض کرتے ہیں بموجب شرع شریف آیا یہ خرچ جائز کیا گیا ہے؟ اور کون اس کا متحمل ہو جب کہ مرحومہ کا سرمایہ موجود ہے (۱) خرچ پرورش یتیمہ مرحومہ ایام طفولیت (۲) خرچ بیماری و تجہیز و تکفین متوفیہ (۳) خرچ ادائیگی قرضہ ذمگی متوفیہ (۴) خرچ تقسیم گندم جو مرحومہ کی نمازوں کے بدلے میں دی (۵) خرچ تقسیم قرآن شریف بچوں کو پڑھنے کے لئے دیئے (۶) خرچ سویم اور جمعرات و چہلم وغیرہ مرحومہ کا کھانا کھلایا گیا (۷) خرچ حج مرحومہ کا کرایا گیا جو فرض تھا (۸) خرچ مرحومہ کی جانب سے تعمیر مسجد میں دیا گیا۔

(جواب ۳۶۴) نابالغہ لڑکی چاردہ سالہ مرحومہ کے ذمے نہ حج فرض تھا نہ نماز روزہ پس اس کی والدہ نے اس کی پرورش میں جو روپیہ اٹھایا ہے وہ موافق اس کی حیثیت اور عرف کے مرحومہ کی جائیداد و ترکہ میں سے والدہ کو ملے گا اور تجہیز و تکفین کا خرچ بھی اسے ملے گا اسی طرح دوا و علاج کا لیکن سب میں عرف اور واقعیت کا لحاظ ہوگا خرچ نمبر ۳ یعنی ادائیگی قرضہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ قرضہ کیسا اور کیوں اس کے ذمہ ہوا تھا اگر کوئی واقعی اور شرعی قرضہ ہوگا تو وہ بھی دیا جائے گا ورنہ نہیں۔[1] خرچ نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ یہ تمام اخراجات کرنے والے کے ذمہ رہیں گے ترکہ میں سے ان کے لئے ایک حبہ نہیں دیا جائے گا۔[2] تایا کا ۱/۶ حصہ جو

---

(۱) وفی المحیط عن محمد اذا نوی الاب الرجوع و نفذ الثمن علی هذه النیة و سعه الرجوع فیما بینه و بین الله تعالی اما فی القضاء فلا یرجع مالم یشهد و مثله فی المنتقی و فیه ایضا ولو شری الاب لطفله شیئا یجبر هو علیه کالطعام والکسوة لصغیر الفقیر لم یرجع اشهد اولم یشهد لانه واجب علیه وان شری لهما لا یجب علیه کالطعام لابنه الذی له مال والدار والخادم یرجع ان اشهد علیه ومثله الام الوصی علی اولادها (ردالمحتار ۶/ ۷۱۷ ط سعید)

(۲) [illegible] کی ولایت ماں کو نہیں تھی بدل [illegible] بھی نہیں دیا جائے گا۔ کما فی الشامیة: اما الوصیة بذالك فلا معنی لها ولا معنی ایضا لصلة القاری لان ذالك یشبه استیجاره علی قراة القرآن و ذالك باطل ولم یفعله احد من الخلفاء بحر و قد صرح بحسن القراءة علی القبر و بطلان الوصیة (رد المحتار کتاب الوصیة ۶/ ۶۹۰ ط سعید)

سوال میں ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ صحیح ہے یا غلط کیونکہ مرحومہ کے وارث پورے طور پر سوال میں مذکور نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

مالک اپنی مملوکہ جائیداد کے فروخت کا حق رکھتا ہے

(سوال) زید اہل اسلام قوم سادات سے ہے جس کی ایک بیوی اور تین اولاد دختر ہیں ایک دختر مع اپنے تین بچوں کے باپ کے پاس رہتی ہے اور زید نے بہت عرصے سے اپنی کل جائیداد زرعی بعوض ساٹھ روپے پاس بکر جو چوتھی یا پانچویں پشت میں زید کا بھتیجا ہوتا ہے رہن یا قبضہ کر دی تھی۔ اب تک بکر راہن جائیداد مرہونہ کی آمدنی لیتا رہا اور زید بوجہ چھوٹے آمدنی اور ضعیف العمری کے مقروض ہو گیا اور نان و نفقہ سے محتاج ہو گیا زید نے جائیداد مرہونہ بکر راہن کو بیع دینی چاہی لیکن بکر مذکور ایک زبردست اور جتھ دار آدمی ہے اس زعم میں ہمارے خوف سے کوئی دیگر بیع نہ لے سکے گا زید راہن کو ایک حبہ نہ دینا چاہا مجبوراً زید نے دوسرے کے ہاتھ جائیداد مرہونہ بیع کر دی اور زر رہن ساٹھ روپے راہن کو ادا کر دیا اور اپنے قرض خواہوں کو زر قرضہ ادا کیا باقیماندہ زر بیع سے اپنا اور اپنی دختر کا اور اس کے بچوں کا گزارہ کرنا چاہا زید یہ بھی چاہتا تھا کہ اگر روپیہ بعد ادائیگی قرضہ و ضروریات میرے پاس زاد راہ کے لائق بچ جاوے تو میں حج بیت اللہ کو چلا جاؤں اب زید پر چوتھی یا پانچویں پشت کے رشتہ داروں نے دعویٰ کیا ہے کہ جائیداد جدی ہے زید کو حق بیع حاصل نہیں ہے بکر وغیرہ رشتہ داروں نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ ہم لوگ شریعت کے پابند نہیں ہیں رواج اہل ہنود کو مانتے ہیں بعد وفات زید اس کی منکوحہ ضعیفہ اور دختروں کا کوئی حق نہیں ہے ہمارا حق ایک جدی ہونے سے ہے لہذا اس بارے میں شرع شریف کیا فرماتا ہے زید کو اپنی جائیداد کا حق بیع و شرا حاصل ہے یا نہیں ؟ اور بعد وفات زید اس کی بیوی اور دختروں کا ہے یا چوتھی پانچویں شاخ کے رشتہ داروں کا ہے اور جو اہل اسلام پابندی شرع شریف سے صریح انکار کرے اور ہندوؤں کے رواج کو قبول کرے اس کے واسطے کیا حکم ہے اور جو مسلمان بکر وغیرہ کی جو پابندی شریعت سے منکر ہیں پیروی کرے اور گواہی دیوے اور رفاقت کرے اس کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا المستفتی قطب الدین پنجابی پیر کوٹی

(جواب ۳۶۵) زید کی بیع صحیح ہے کیونکہ مالک کو اپنی ملک کو بیع کر دینے کا شرعی اختیار حاصل ہے اور کوئی مانع بیع مثل صغر مالک وغیرہ کے موجود نہیں ہے پس رشتہ داروں کا یہ کہنا کہ " جائیداد جدی ہے اور زید کو حق بیع نہیں " زید کے حصے اور اس کی ملک کے بارے میں باطل ہے اگر زید کی وفات کے بعد کسی رسم و رواج کے مطابق زید کی منکوحہ اور اس کی لڑکیوں کو حق نہ پہنچتا ہو تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اپنی زندگی میں بھی اپنی جائیداد کو منتقل نہ کر سکے نہ کسی رواج کا غالباً یہ منشا ہو گا۔

جو لوگ کہ شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کریں اور اس کے مقابلے میں کسی خلاف شریعت رواج پر اعتقاد و عمل رکھیں وہ اسلام سے خارج ہیں قال اللہ تعالیٰ : فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما

شجر بینهم ثم لا یجد وافی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما[1] واللہ اعلم بالصواب
کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ

تجارتی فرم میں صرف نام ڈالنے سے شرکت ثابت نہیں ہوتی

(سوال) زید نے ایک تجارتی فرم کے نام میں اپنا اور اپنے لڑکے عمرو کا نام ڈالا لیکن عمرو کا کوئی پیسہ وغیرہ زید نے اپنے مال میں شامل نہیں کیا پھر زید کا انتقال ہوا۔ اب عمرو کے علاوہ اور لڑکے لڑکیاں اور زید کی زوجہ بھی ہے کیا ایسی صورت میں زید کا کل ترکہ ورثہ پر تقسیم ہوگا یا نصف مال عمرو کی شرکت میں دیا جائے گا۔ بینوا توجروا۔
(جواب ۳۶۶) اس صورت میں دکان کا کل مال وارثوں پر تقسیم ہوگا کیوں کہ فرم میں نام ڈالنے سے شرکت یا ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔[2] کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ، سنہری مسجد دہلی

مشترکہ مال میں کسی ایک شریک کی محنت سے ہونے والی زیادتی سب شرکاء کو ملے گی

(سوال) زید اور عمرو دو بھائیوں نے باپ کے مال سے ترکہ پایا اور دونوں کا مال تجارت میں مشترک تھا اور ان میں سے زید اپنے ورثہ ایک لڑکی ایک بھائی ایک زوجہ چھوڑ کر فوت ہو گیا اور عمرو نے اپنے بھائی فوت شدہ کی بیوی سے نکاح کر لیا کچھ عرصے کے بعد وہ بھی انتقال کر گئی بعد ازاں فوت شدہ بھائی سے ایک لڑکی رہی اور عمرو اس مال مشترک میں بدستور سابق تجارت کرتا رہا اور اس کے تجارت کے نفع سے اپنے گھر اور اپنے بھائی کی لڑکی کے جملہ اخراجات چلاتا رہا اور بوقت انتقال زید مال و اسباب تقسیم نہ ہوا تھا اور عمرو پیشتر ہی کی طرح معاملہ کرتا رہا یہاں تک کہ پینتیس سال کا عرصہ گزر گیا اب عمرو بھی اپنے ورثہ دو لڑکیاں ایک عورت اور دو چچیرے بھائی چھوڑ کر انتقال کر گیا بوقت انتقال زید دو لاکھ روپے تھے اور اب بوقت انتقال عمرو تخمیناً تیس لاکھ روپے ہیں پس سوال یہ ہے کہ ورثہ مذکور پر مال کس طرح تقسیم ہوگا؟ حاصل شدہ منافع از مال زید تا وفات عمرو جمیع ورثہ زید ایک لڑکی اور اس کے بھائی پر تقسیم ہوگا یا صرف عمرو کے ترکہ میں شمار کیا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۳۶۷) عمرو نے مال مشترک میں تجارت وغیرہ کر کے جو نفع حاصل کیا ہے اور مال بڑھایا ہے وہ سب ورثہ زید پر بھی تقسیم ہوگا صرف عمرو کا ترکہ نہیں سمجھا جائے گا[3] وعمله وتصرفه یکون تبرعا ووجهه انه شریك فی بعضه و عامل بنت اخیه فی بعضه وهی فی عیاله و لیس ههنا عقد ولا غصب واللہ اعلم

---

(۱) (النسآء: ٦٥)
(۲) اس لئے کہ اسباب ملک میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا اور اسباب ملک تین ہیں: لمافی الدر: اعلم ان اسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة و خلافة كارث واصالة وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد او حكماً بالتهيئة كنصب شبكة الصيد (الدرالمختار، كتاب الصيد ٤٦٢/٦ سعيد) (۳) هذا من كلام مفتی صاحب نور الله مرقده

قانون وراثت کے منکر کا حکم

(سوال) کچھ لوگ کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون وراثت شرعی کو بالکل نہیں مانتے اور اپنے آبائی قدیم ہنود کے قانون کو صاف طور پر اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آبائے ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور عدالت میں بھی یہی کہہ دیتے ہیں آیا اس آیت شریفہ کا حکم ان پر عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون

(جواب ۳۶۸) قانون وراثت کا اکثری حصہ صریح نص قرآن سے ثابت ہے اس ثابت شدہ حصے کے کسی جزو کو تسلیم نہ کرنا یا کسی دوسرے قانون کو اس پر ترجیح دینا قطعاً کفر ہے پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت محمدی کے قانون وراثت کو ہم تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں اور جب وہ کافر ہیں تو اوقاف شرعیہ کی تولیت کا انہیں کوئی استحقاق نہیں ۔ فی البزازیۃ انکر آیۃ من القرآن اوسخر بآیۃ منہ یکفر انتھی و فی اعلام بقواطع الاسلام و یکفر من کذب بشئ مما صرح بہ القرآن من حکم اوخبر اوجملۃ التوراۃ والا نجیل و کتب اللہ المنزلۃ او کفر بھا او لعنھا او سبھا اواستخفھا انتھی وفی الفصول العمادیۃ اذا انکرآیۃ من القرآن و سخربآیۃ منہ کفر الخ[1]

پرورش نہ کرنے کی صورت میں بھی باپ میراث کا حقدار ہو گا

(سوال) زید کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں زید نے ان کی پرورش نہیں کی اور ان کی اولاد کو بھی کسی طرح بیٹے پر نہ سمجھا ان دونوں لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ مرحومہ نے جائیداد زیور اور جہیز چھوڑا تین بچے نابالغ چھوڑے دو لڑکے ایک لڑکی ایک خاوند یہ مرحومہ کی جائیداد و زیور اور جہیز کے مالک ہیں مگر یہ باپ اپنی دختر کے زیور جائیداد اور جہیز میں سے ۱/۶ حصہ طلب کرتا ہے ایسے باپ کو شرع شریف سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۶۹) ماں باپ کا حصہ بیٹی کے ترکہ میں ۱/۶ ہے اور وہ اس کو ملے گا خواہ اس نے بیٹی کے ساتھ کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو میراث کا حق کسی معاوضہ کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرسہ امینیہ دہلی

خاوند بیوی کے اخراجات برداشت نہ کرنے کی صورت میں بھی اس کی میراث سے حصہ لے گا

(سوال) زید نے شادی کی اور بوجہ بے روزگاری بیوی کے اخراجات برداشت نہ کر سکا زید کے بھائی نے زید کے اور زید کی بیوی کے اخراجات برداشت کرنے شروع کئے جب سے زید کی بیوی بالغ ہوئی تو اس کو

---

(۱) (عالمگیریۃ کتاب الالفاظ تکون اسلاما او کفرا او خطاء ۲۴۲/۶ ط ماجدیۃ)

(۲) وفی الجوھرۃ والسدس فرض سبعۃ لکل واحد من الابوین مع الولد او ولد الابن الخ (الجوھرۃ النیرۃ کتاب الفرائض ۳۸۹/۲ ط میر محمد)

عدالت سے اس کے حصے کا جمع شدہ روپیہ اور جائیداد ملی بیوی نے اپنے اخراجات اپنے روپے اور جائیداد سے برداشت کیئے خاوند کے اخراجات برداشت کرنا نہیں چاہتی تھی مگر مجبور ہو کر خاوند کو بھی اس خیال سے دینا شروع کیا کہ جب ان کے پاس ہوگا لے لیا جائے گا دو لڑکیاں پیدا ہوئیں دونوں کی پرورش اور شادی بھی بیوی نے ہی کی اور کل رسومات پر زید کی بیوی کا ہی روپیہ صرف ہوا۔ نواسا نواسی کے ساتھ بھی زید نے کچھ نہیں کیا زید کی بیوی نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی کل جائیداد کو وقف علی الاولاد کردے اس وجہ سے کہ کوئی لڑکا نہیں ہے ہمشیرہ کو اور خاوند کو اس جائیداد میں سے کچھ نہ ملے دونوں لڑکیاں ہی مالک جائیداد رہیں زید کی بیوی اپنے ارادہ کے موافق اپنی جائیداد وقف نہ کر سکی کہ اچانک مرض ہیضہ سے انتقال کیا یہ خاوند جس نے مہر بھی ادا نہیں کیا بیوی کے اخراجات ۲۸ برس تک برداشت نہیں کیئے۔ دونوں لڑکیوں کی پرورش بھی نہیں کی ان کی شادی نہیں کی نواسا نواسی کو کچھ نہ سمجھا بیوی کی جائیداد زیور اور گھر کے کل سامان میں سے ورثہ طلب کرتا ہے۔ ایسے خاوند کو شرع سے کوئی ورثہ ملتا ہے یا نہیں؟ بیوی نے اس خاوند کو ۲۸ برس نان نفقہ دیا ہے اور کل اخراجات برداشت کیئے ہیں اور اس روپے کے یہ بیوی کے مقروض ہیں؟

(جواب ۳۷۰) بیوی نے خاوند کو جو روپیہ دیا ہے اگر اس کے متعلق کوئی ثبوت ہو کہ وہ بطور قرض تھا تو وہ زید کے ذمہ ہوگا اور اس حصے میں محسوب ہوگا جو زید کو اپنی بیوی کے ترکہ میں سے پہنچتا ہے[1] زید کو اپنی بیوی کے ترکہ میں سے ۱/۴ ملتا ہے۔ اور زید کے ذمہ جو بیوی کا مہر ہے وہ بھی بیوی کے ترکہ میں شامل ہوگا اور اگر زید ادا نہ کرے تو اس کے حصے میں محسوب ہوگا۔[2] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

باپ کی میراث بیٹیوں کی اولاد پر تقسیم کرنے کی ایک صورت

(سوال) زید اور عمرو دونوں حقیقی بھائی ہیں انکے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور ان دونوں کے کوئی لڑکا نہیں ہے زید حیات ہیں اور عمرو تقریبا ایک سال ہوا فوت ہو گئے ان کا کل کام اور جائیداد وغیرہ کا کرایہ عمرو کی حیات تک مشترک رہا زید نے بعد وفات عمرو تنہا کام دکانداری وغیرہ کا انجام دیا ہے اور زوجہ عمرو کو خرچ خانہ داری ماہانہ جو تجویز ہوا تھا دیتے رہے ہیں و نیز عمرو کی ایک دختر کی شادی عمر، کے فوت ہونے کے بعد زید نے زوجہ عمرو کے کہنے پر مشترکہ روپے سے کی ہے اب مشترکہ سامان دوکانداری و جائیداد و دوکانات وغیرہ خرید کردہ زید و عمرو خود کی تقسیم زید و عمرو کے متعلقین میں ہونا قرار پایا ہے اور زوجہ عمرو نے اپنا مہر معاف نہیں کیا ہے زید کی دو دختروں کی شادی بھی زید و عمر کی حیات میں اسی مشترکہ آمدنی سے ہوئی تھی جن کا انتقال عرصہ پندرہ سال ہوئے ہو چکا۔

زید کی ایک لڑکی جس کی شادی زید و عمرو کی حیات میں مشترک آمدنی سے ہوئی عمرو کی ایک زوجہ اور

---

(۱) اس صورت میں وارث کے حصے اور میت کے اس پر دین کا مقاصہ ہو جائے گا

(۲) المسمی دین فی ذمته و قد تاکد بالموت فیقضی من ترکته الا اذا علم انها ماتت اولا فیسقط نصیبه من ذالك (هداية باب المهر ۲/ ۳۳۷ ط شركة علمية)

ایک دختر کلاں جس کی شادی زید و عمر کی زندگی میں مشترک آمدنی سے ہوئی اور ایک دختر خورد۔ المستفتی نمبر ۴۵ مشتاق احمد صاحب آنولہ، ضلع بریلی ۷ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۱) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اور عمرو دونوں باپ کے ترکہ میں شریک رہے اور خود بھی جو کماتے رہے وہ بھی مشترکہ طور پر خرچ کرتے رہے اس لئے زید اور عمرو دونوں تمام مشترکہ جائیداد میں بحصہ مساوی شریک ہیں دونوں میں تمام جائیداد اور اموال منقولہ و غیر منقولہ مشترکہ نصف نصف تقسیم ہو جائیں گے عمرو کے نصف میں سے پہلے اس کی زوجہ کا مہر ادا کیا جائے گا[1] شجرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے اپنی بیوی اور دو لڑکیاں چھوڑی تھیں تو بیوی کو مہر کے بعد ۱/۸ حصہ میراث کا ملے گا اور ۲/۳ دونوں لڑکیوں کو[2] اور باقی ۵/۲۴ زید کو ملے گا[3] اور زید کا نصف زید کو مل جائے گا چونکہ زید کی دو لڑکیوں کی اور بھی شادیاں مشترکہ جائیداد میں سے ہوئی تھیں اس لئے اگر زید عمرو کی بچی کی شادی کا خرچہ بھی نصف اپنی طرف لگالے تو اس کو ثواب ملے گا اور صلہ رحمی کے اجر کا مستحق ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

باپ کی میراث بیٹوں کے حصوں کے اعتبار سے ان کی اولاد پر تقسیم ہوگی

(سوال) (۱) مرزا نعمت اللہ بیگ حج بیت اللہ شریف کے لئے گئے اور اپنا کارندہ اپنے برادر مرزا بیگ کو مقرر کر گئے بقضائے الٰہی مرزا نعمت اللہ بیگ مکہ معظمہ میں فوت ہوگئے اور ان کی زوجہ مدینہ منورہ میں فوت ہوگئیں۔

(۲) مرزا بیگ بعد فوت ہونے اپنے بھائی اور بھاوج کے جائیداد پر قابض و متصرف رہے اور اولاد حسب ذیل شجرہ ہذا چھوڑی۔

(۳) کچھ عرصے کے بعد مرزا کریم بیگ کا بھی انتقال ہوگیا جنہوں نے بموجب شجرہ ہذا اولاد چھوڑی۔

(۴) اسی اثناء میں مرزا بیگ ہی جائیداد پر قابض و متصرف رہے اور کچھ عرصے کے بعد حج بیت اللہ شریف چلے گئے اور قضائے الٰہی سے وہ بھی فوت ہوگئے اور بروقت روانگی حج بیت اللہ شریف مرزا ابراہیم بیگ خلف مرزا کریم بیگ کی سپردگی میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اور انتظام خانہ داری مقرر کر دیا اور کام بدستور ہوتا رہا ابراہیم بیگ و ایوب بیگ و داؤد بیگ نے آپس میں جائیداد منقولہ و غیر منقولہ تقسیم کر لی اور اسمٰعیل بیگ مفقود الخبر رہے۔

---

(۱) ثم یقدم دیونہ التی لھا مطالب من جھۃ العباد (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)

(۲) فیفرض للزوجۃ فصاعداً الثمن مع ولدا او ولد ابن وفیہ ایضاً والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید)

(۳) یجوز العصبۃ بنفسہ وھو کل ذکر لم یدخل فی نسبتہ الی المیت انثی و عند الانفراد یجوز جمیع المال بجھۃ واحدۃ (التنویر الابصار مع درمختار' کتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعید)

(۵) مرزا ابراہیم بیگ فوت ہوگئے اب ان کی اولاد اور ان کے عم زاد بھائی مرزا ایوب بیگ و داؤد بیگ جائیداد پر قابض ہیں۔ المستفتی نمبر ۷ ۴ محمد اسمٰعیل خاں کوچہ رائسان دہلی۔ ۱۸ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۲) چونکہ نعمت اللہ بیگ اور امیر بیگ و کریم بیگ تینوں بھائی تھے اور حصہ مساوی جائیداد مشترکہ کے مالک تھے اس لئے تمام جائیداد کی ایک تہائی نعمت اللہ بیگ کی اولاد واولاد اولاد کے حصے میں آئے گی نیز امیر بیگ جو لاولد فوت ہوئے ہیں ان کی ایک تہائی میں سے ۵ / ۳ حاجی بیگ و نواب مرزا و قدرت اللہ بیگ کو پہنچے گا اس لئے ابراہیم بیگ وایوب بیگ و داؤد بیگ کا ساری جائیداد کو باہم تقسیم کرلینا صحیح نہیں ہے نعمت اللہ بیگ کے وارث اپنا حق اس میں سے لے سکتے ہیں۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مصلحتاً مکان کو کسی کے نام کردیا تو اس کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) زید اور بکر دو بھائی تھے ان کو اپنی والدہ کے ترکہ میں سے ایک مکان ملا تھا جس میں دونوں حصہ مساوی شریک تھے بکر نے اپنی کاروباری خرابی کی بنا پر قرضخواہوں سے بچانے کے لئے اپنا نصف حصہ زید کے نام کردیا اور کچھ معاوضہ نہیں لیا بکر کے تمام اخراجات زید ہی اٹھاتا رہا اس کے بعد زید کا کاروبار خراب ہوا تو زید نے والدہ والا مکان کسی غیر کے ہاتھ فروخت کرنا چاہا خریدار نے اصرار کیا کہ اس کے بیعنامہ پر اپنے بھائی کے دستخط بھی کرادو بکر نے انکار کیا اور کہا کہ میں نے مصلحتاً اپنا حصہ تمہارے نام کیا تھا اس حصے کے بارے میں تم میرے قرض دار ہو زید نے دستخط کرانے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اپنے ایک عزیز محمود کو بلا کر کہا کہ میں اپنا ایک مکان فرضی طور پر تمہارے نام کرتا ہوں اس کا کرایہ تازیست تم مجھے دیتے رہنا اور میری وفات کے بعد یہ مکان تم بکر کے نام کردینا اس اطمینان دہانی کی وجہ سے والدہ والے مکان کے بیعنامے پر بکر نے بھی دستخط کردیئے کچھ عرصے کے بعد زید نے اپنی مزید پریشانی کی وجہ سے محمود سے کہا کہ وہ مکان جو میں نے تمہارے نام کیا تھا وہ فروخت کرکے اس کا روپیہ قرض خواہوں کو ادا کردو محمود نے کہا کہ تم نے یہ مکان میرے نام کرتے وقت یہ اقرار کیا تھا کہ اپنی زندگی میں تم اس کا کرایہ لوگے اور تمہاری وفات کے بعد مکان بکر کو دیا جائے گا زید نے کہا کہ وہ دستخط نہیں کرتا تھا اس لئے میں نے ایسا کہہ دیا تھا اور اس پر تو میرے بہت احسانات ہیں زید نے اس مکان کو فروخت کرنے کی کوشش بھی کی مگر سودا نہ ہوا اور زید کا انتقال ہوگیا اور وہ مکان اب تک محمود کے نام ہے زید کی دو بہنیں اور ایک بھائی بکر ہے اور زید کے اوپر اہل ہنود اور بمبئی کے بوہروں کا کافی قرضہ ہے اور زید اپنے بھائی بکر کا بھی والدہ والے مکان میں قرض دار تھا محمود کے پاس اس مکان کا کرایہ وصول شدہ بھی جمع ہے اور اب وہ اپنے پاس اس مکان کو نہیں رکھنا چاہتا اب محمود کیا کرے اور مکان کس کو دے۔ المستفتی نمبر ۱۴۵ حاجی عبدالحمید عبدالمجید موتی والے صدر بازار دہلی ۱۶ شعبان ۱۳۵۲ھ

---

(۱) للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون (النساء: ۷)

۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۳۷۳) زید کا یہ مکان زید کا ترکہ ہے جس میں اس کے تمام قرض خواہ ہندو مسلمان بورے وغیرہ شریک ہیں ظاہر ہے کہ بکر نے اپنا حصہ مکان جو زید کے نام کر دیا تھا اس کے عوض میں اس مکان کی بیع بکر کے ہاتھ نہیں کی گئی ہے ورنہ زندگی تک کرایہ خود لینے کے کوئی معنی نہیں تھے سوال میں اس کی تصریح نہیں کہ بکر نے اپنا حصہ زید کے نام بطور بیع کیا تھا یا بطور ہبہ اگر بطور ہبہ کیا تھا تو بکر کا کوئی قرض زید کے ذمہ نہیں اور اگر بطور بیع کیا تھا تو اس کی قیمت زید کے ذمے دین ہے اور بکر بھی دیگر قرض خواہوں کے ساتھ اپنے حصہ دین کا مستحق ہے خلاصہ یہ کہ زید کے مکان کا کرایہ اور مکان اول قرض خواہوں کے قرضے میں دیا جائے گا اس کے بعد جو بچے گا وہ اس کے وارثوں بھائی بہنوں کو بطور میراث ملے گا۔(۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا نصف مکان کے عوض اس کے مالک کا پورا نام قبالہ میں لکھوانا بیع ہے؟

(سوال) زید اور بکر بھائی بھائی تھے ان کی والدہ ایک مکان چھوڑ کر مر گئی زید نے بوجہ چند وجوہات کے اپنا حصہ بطور امانت بکر کے نام فرضی بیع کر دیا اور اس وقت کوئی معاوضہ یا قیمت بکر سے وصول نہ کی کچھ عرصے بعد بکر مقروض ہو گیا اور اس نے اس تمام مکان کو فروخت کرنا چاہا زید نے اس پر سخت احتجاج کیا اور اپنا حصہ یا اس کی قیمت طلب کی اس پر بکر نے زید کے حصے کے بدلے میں ایک حصہ جائیداد اپنی ملکیت جو دوسری جگہ تب اس کا قبالہ بطور امانت ایک دوسرے شخص کے نام کر دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ میرے بعد یہ جائیداد زید کے حوالہ کر دی جائے اس بات کے چند معزز گواہ ہیں اور اس کا کرایہ زندگی بھر خود لیتا رہا اور زید کو ساڑھے سولہ روپے دیتا رہا چند روز بعد بکر کا انتقال ہو گیا ایسی صورت میں جب کہ بکر کے ذمہ ابھی اور بھی قرضہ باقی ہے وہ امانت جو زید کے لئے چھوڑ گیا ہے وہ زید کو دیدی جائے جو اس وقت سخت ضرورت مند محتاج اور مفلوج ہے یا بکر کے قرض خواہوں میں بحصہ رسدی تقسیم کی جائے؟ المستفتی نمبر ۷ ۱۵ عبدالکریم ولد عبدالرحیم محلہ کشن گنج دہلی ۲۵ شعبان ۱۳۵۲ھ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) جب بکر نے زید کے حصے کے معاوضے میں (جو کہ زید کا اس کی ماں کے مکان متروک میں برابر بکر کے تھا) ایک حصہ اپنی جائیداد کا جو دوسری جگہ تھا اس کا قبالہ بطور امانت کے ایک تیسرے شخص کے نام کر دیا ہے اور اس کو یہ ہدایت بھی کر دی کہ میرے بعد یہ جائیداد میرے بھائی زید کے حوالہ کر دینا تو شرعاً یہ حصہ مرقومہ زید کا حق ہو گیا ہے لہذا یہ حصہ صرف زید کو ملے گا اور بکر کے کسی قرضدار کا اس میں کچھ حق نہ ہو گا واللہ اعلم۔ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ محمد عظمت اللہ کان اللہ لہ نائب مفتی جمعیۃ علمائے ہند۔ الجواب صحیح عبدالوہاب عفی عنہ مدرسہ مولوی عبدالرب مرحوم دہلی۔ الجواب صحیح مقبول عفی عنہ مقیم نظام الدین۔ الجواب صحیح احمد اللہ مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی۔ الجواب

---

(۱) ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم تقدم وصیتہ ومن ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بعد ذالک بین ورثتہ

تصحیح محمد نسیم احمد عفاعنہ الصمد امام مسجد سنہری دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جو قبالہ فرضی بیع کی صورت میں بطور امانت رکھوایا تھا جب کہ اس میں کوئی امر شرعی مانع و حارج نہیں تو وہ قبالہ حسب وصیت موصی واپس کرنا چاہئیے حدیث میں ہے علی الیدما اخذت[1] نیز ارشاد خداوندی ہے ادوا الامانات الی اھلھا الایۃ[2] فقط حررہ العاجز ابو محمد عبدالستار غفرہ ولوالدیہ الغفار آمین۔

(جواب ۳۷۴) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ اگر بکر نے اپنی زمین زید کے حصہ مکان کے بدلے زید کو دیدی تھی تو یہ بیع تھی اور اگر اس معاملے کے گواہ شرعی موجود ہوں تو اس کے موافق وہ زمین زید کو خالصاً ملنی چاہئیے۔[3]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

شوہر کا یہ قول "میں اپنی جائیداد سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا" بیوی کو میراث سے محروم نہیں کرے گا

(سوال) منشی ارشاد الدین صاحب ساکن میرٹھ نے ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء کو ایک وقف نامہ لکھا ہے کہ منقر کی اولاد پسری و دختری نہیں ہے ایک زوجہ مسماۃ معصوم النساء دختر دوست محمد خان موجود ہے عرصہ قریب گیارہ سال کا ہوا کہ بوجہ نافرمانی میں نے اسکو طلاق دیدی تھی اور مبلغ چار سو روپے اس کا مہر ادا کر کے رسید رجسٹری کرادی تھی مگر بعد کو اس کے خواستگار معافی ہونے پر میں نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اب اس کا دین مہر صرف مبلغ عہ؎ ہے میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا ہوں منشی صاحب موصوف نے ۱۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا آیا تحریر وقف نامہ کے بعد مسماۃ معصوم النساء شرعی حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور عقد ثانی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۰ سلیم الدین احمد چشتی میرٹھ ۳ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۳۷۵) اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم النساء بوقت تحریر وقف نامہ جائز طور سے ارشاد الدین کی زوجیت میں تھی اس لئے وہ حصہ میراث پانے کی مستحق ہے[4] دوبارہ نکاح کرنے کی کئی صورتیں جائز ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں میں سے کوئی صورت ہو گی[5] پس صرف ارشاد الدین صاحب کے اس ارادہ سے کہ "میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ دینا نہیں چاہتا" اس کا حصہ میراث باطل نہیں ہو سکتا۔[6]

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) (مشکوۃ باب الغصب والعاریۃ الفصل الثانی ص ۲۵۵ ط سعید)
(۲) (النسآء : ۵۸)
(۳) قال تعالیٰ : یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (النساء : ۲۹)
(۴) ویستحق الارث باحد ثلاث برحم و نکاح صحیح [illegible] (تنویر الابصار [illegible] ۶ / ۷۶۲ ط سعید)
(۵) امور المسلمین علی السداد حتی یظھر غیرہ من مسائلہ ان من باع درھما و دینارا بدرھمین [illegible] صرف الجنس الی خلاف جنسہ تحریاً للجواز حملا لحال المسلم علی الصلاح الا اذا نص [illegible] بالدرھم والدینار بالدینار فانہ یفسد البیع (قواعد الفقہ ص ۶۳ صدف پبلشرز) (۶) اس لئے کہ یہ الفاظ حرمان میراث نہیں ہے ارادہ ہے۔

کیا تقسیم سے پہلے ترکہ سے ضروریات کے لئے لی ہوئی رقم کل مال سے وضع ہوگی ؟

(سوال) آپ نے سوال نمبر ۴۵ کے جواب میں زید کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے زید بری الذمہ ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ شادی دختر عمر خورد کا خرچہ عمر کے کل مال میں سے مجرا کیا جائے اور اس کے بعد باقی تقسیم کیا جائے یا لڑکی کے حصے میں سے رقم شادی مجرا کی جائے اور خرچ خانہ داری جو مسماۃ کو اب تک دیا ہے وہ کس سے مجرا ہوگا کیونکہ دراصل شادی دختر خورد زوجہ عمر نے خود کی ہے اور خرچہ مشترکہ آمدنی میں سے کیا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۳ اللہ دین نظام الدین ضلع مراد آباد ۸ شوال ۱۳۵۲ھ ۲۴ جنوری ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۶) مسماۃ کو جو خرچہ دیا ہے اگر اس کو یہ کہہ کر دیا ہے کہ یہ سب تمہارے حصے میں وضع کیا جائے گا تو بے شک اسے وضع کرنا چاہئے اسی طرح اگر لڑکی کی شادی میں جو کچھ خرچ کیا لڑکی سے پوچھ کر اور اجازت لیکر اور یہ کہہ کر کہ یہ تیرے حصے میں سے وضع کریں گے تو وضع کر سکتے ہیں۔[1] اور اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو کل ترکہ میں سے وضع کیا جائے کیونکہ زید نے بھی تو اسی مشترکہ میں سے اپنے خانگی اخراجات لئے ہیں اگر وضع ہوں تو دونوں کے اخراجات وضع ہوں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(۱) عاریت پر دی ہوئی چیز مالک کے ورثاء کو ملے گی
(۲) مفقود کی وراثت میں ملے ہوئے مال کا حکم ؟
(۳) عاریت پر لی ہوئی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں
(۴) نفع اٹھانے کے لئے مفت دی ہوئی چیز کا عوض لینا
(۵) وصیت کرنے والے کی وصیت ثلث مال کی حد تک پوری کرنا ضروری ہے

(سوال) (۱) ایک جائیداد تین بہنوں میں مشترکہ تھی ان میں سے ایک بہن رقیہ نے اپنا حصہ اپنی بہن محمودن کے پاس اس لئے چھوڑ دیا کہ محمودن بیوہ تھی وہ اس کے حصے کا کرایہ لیکر اپنے صرف میں لاتی رہی تیسری بہن زمرد تھی اس کا حصہ اس کے خاوند کو اور لڑکے کو پہنچا مگر لڑکا عبدالحکیم مفقود الخبر ہے محمودن کی ایک لڑکی تھی محبوبن وہ اپنی والدہ محمودن کے بعد اس جائیداد کا کرایہ لیتی رہی اب محبوبن کا بھی انتقال ہو گیا محبوبن کے خاوند اور لڑکے کے ہاتھ میں جائیداد آگئی اب وہ اسے فروخت کرنا چاہتے ہیں اس لئے حسب ذیل سوالات ہیں۔

(۱) رقیہ کا حصہ اس کے دو بیٹے ایک بیٹی طلب کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ (۲) زمرد کا حصہ جو اس کے لڑکے عبدالحکیم مفقود کا حق ہے کس کے پاس محفوظ رکھا جائے (۳) کیا محبوبن کے خاوند اور لڑکے کو تمام

---

(۱) والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء (تنویر الابصار' باب النفقة ۳/۵۹۴ ط سعید)

(۲) یہ سوال مبہم ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چند شرکاء نے مال مشترک میں اپنے اپنے اخراجات کئے اب ایک شریک مسمی زید دوسرے شرکاء کے حصوں میں سے بطور اخراجات وضع کرنا چاہتا ہے یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ شرکاء میں تساوی ضروری ہے

جائیداد فروخت کردینے کا حق ہے؟ (۴) کیا رقیہ کے وارث گزشتہ زمانے کا کرایہ محبوبن کے وارثوں سے طلب کر سکتے ہیں؟ جب کہ رقیہ نے خود اپنی بہن محمودن کو اس کے استعمال کی اجازت دیدی تھی (۵) رقیہ نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ میرے حصے میں سے میرے والد کی طرف سے حج کرایا جائے یہ وصیت قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۹۵ محمد یوسف محمد اسحٰق دہلی ۱۴ صفر ۱۳۵۳ھ م ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(جواب ۳۷۷) (۱) رقیہ نے اپنا حصہ اپنی بہن محمودن کے پاس اسکی بیوگی کی وجہ سے کرایہ کھانے کے لئے چھوڑ دیا تھا اور محمودن کے انتقال کے بعد اس کی لڑکی محبوبن کے لئے چھوڑ دیا کہ وہ کرایہ کھاتی رہے تو اس سے رقیہ کی ملکیت زائل نہیں ہوئی[1] اور جب کہ رقیہ نے اسی حصے کے متعلق یہ وصیت بھی کی تھی کہ اس میں سے رقیہ کے والد کی طرف سے حج کرایا جائے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے حق ملکیت سے دست برداری نہیں کی تھی اس لئے اس کا حصہ اس کے جائز وارث محبوبن کے ورثا سے طلب کر سکتے ہیں اور محبوبن کے ورثا پر لازم ہے کہ رقیہ کا حصہ اس کے ورثا کو واپس کریں یا اس امر کا ثبوت پیش کریں کہ رقیہ نے اپنے حصے کا ان کو مالک بنادیا تھا۔[2]

(۲) زمرد کا حصہ جو اس کے بیٹے عبدالحکیم مفقود کا حق ہے وہ کسی معتمد علیہ شخص کے پاس امانت رکھا جائے گا اور وہ عبدالحکیم کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔[3]

(۳) محبوبن کے خاوند اور لڑکے کو یہ حق نہیں کہ وہ رقیہ اور زمرد کے حصوں کو فروخت کریں کیونکہ اس میں ان کا تمام جائیداد پر حق ملکیت نہیں ہے وہ صرف محبوبن کے حصے کے حق دار ہیں۔[4]

(۴) اگر یہ جائیداد کرایہ پر آباد تھی اور اس کا کرایہ محبوبن اور اس کے ورثا نے وصول کیا ہے اور رقیہ کے وارثوں نے اس کی اجازت نہ دی تھی کہ محبوبن کے ورثا یہ کرایہ خود کھالیا کریں تو محبوبن کے انتقال کے بعد سے جائیداد کے کرایہ میں سے رقیہ کے ورثا اپنا حصہ طلب کر سکتے ہیں بشر طیکہ انہوں نے محبوبن کے ورثا کو محبوبن کے انتقال کے بعد یہ کہہ دیا ہو کہ آئندہ وہ کرایہ کا حصہ لیا کریں گے۔[5]

---

(۱) اس لئے رقیہ جب چاہے اس کو واپس لے سکتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: و لعدم لزومها يرجع المعير متى شاء ولو موقتة و فيه ضرر (كتاب العارية ٥/٦٧٨ ط سعيد)

(۲) عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لا دعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه وفي شرحه للنووي انه قال وجاء في رواية البيهقي باسناد حسن او صحيح زيادة عن ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعي واليمين على من انكر (مشكوة باب الاقضية والشهادات ص ٣٢٦ ط سعيد)

(۳) هو الغائب الذى انقطع خبره ولا تدرى حياته ولا موته وحكمه ما اشار اليه بقوله المفقود حي في ماله حتى لا يرث منه احد و ميت في مال غيره حتى لا يرث من احد و يوقف ماله حتى تصح موته او تمضي عليه عدة (شريفية فصل في المفقود ص ١٣٧ ط سعيد)

(٤) و بطل بيع ما ليس في ملكه و في الشامية: اذمن شرط المعقود عليه ان يكون مملوكاً في نفسه (درمختار كتاب البيوع ٥/٥٨ ط سعيد)

(۵) کیونکہ یہ کہہ دینا اس بات کی علامت ہے کہ آئندہ ہم اپنی چیز کے منافع کی رقم لیں گے اب محبوبن کے ورثاء واپس نہ کرنے کی صورت میں غاصب سمجھے جائیں گے و بخلاف منافع الغصب استوفاها او عطلها الا في ثلاث فيجب اجر المثل على اختيار المتاخرين ان يكون المغصوب وقفاً او مال يتيم او معداً للاستغلال بان بناء لذالك او اشتراه لذالك (الدرالمختار كتاب الغصب ٦/٢٠٦ ط س)

(۵) ہاں مجنون کے ورثا ت رقیہ کے ورثا اپنا حصہ لینے کے بعد اس کے ثلث میں سے اپنی ماں رقیہ کی وصیت پوری کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔[1] فقط محمد کفایت اللہ

کیا پوتے کو دادا کی میراث سے حصہ مل سکتا ہے ؟

(سوال) زید کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی سے ایک فرزند اور بیوی رحلت کر گئی فرزند کو ایک لڑکا اور بیوی انتقال کر گئی فرزند غائب "لڑکا اپنے نانا نانی کے ہاں پرورش پایا زید کا حصہ اس کے فرزند کو مل سکتا ہے یا نہیں " دادا رحلت کر چکا ہے اس کی ملکیت میں پوتے کو حصہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۵۴ عبدالرحیم (بنگلور سٹی) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء

(جواب ۳۷۸) جب کہ اس پوتے کا باپ یعنی متوفی کا بیٹا زندہ ہے تو لڑکا حق دار ہے پوتا حقدار نہیں[2] لڑکا اگر غائب ہے تو اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا باپ کے ساتھ شریک اور مددگار اولاد کی علیحدہ ملکیت ثابت ہو گی ؟

(سوال) زید کے چار لڑکے بالغ ہیں اور سب لڑکے زید کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں اور سب کے خورد و نوش کا انتظام یکجائی ہے اور ان لوگوں کے پاس علاوہ حاجات اصلیہ کے ہزاروں روپے کی مالیت ہے پس اس صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا صرف زید پر واجب ہے یا سب پر ؟ زید کی موجودگی میں اگر کسی لڑکے کا انتقال ہو جائے اور وہ بیوی بچے چھوڑ دے تو آیا اس صورت میں کل مال زید کا قرار پائے گا یا کچھ میت کا قرار پا کر اس حصہ میں وراثت جاری ہو کر بیوی بچے پا سکیں گے المستفتی نمبر ۲۰۵۸ محمد یسین مدرس مدرسہ احیاء العلوم (اعظم گڑھ) ۱۶ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۱ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۷۹) اگر زید کے ان لڑکوں کی ملکیت جدا نہیں ہے بلکہ باپ کے ساتھ سب شریک اور باپ کے مددگار ہیں تو ان میں سے کسی کی موت پر اس کی میراث ثابت نہ ہو گی کیونکہ اس کا اپنا ترکہ کچھ بھی نہیں ہے۔[4] ہاں صدقہ فطر ان سب کی طرف سے ادا کرنا پڑے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و حکمها کون الموصی به ملکا جدیدا للموصی له و تجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجوز الوارث ذالک لا الزیادة علیه الا ان یجیز ها الورثة (الدرالمختار' کتاب الوصیة ۲/ ۶۵۰ ط سعید)

(۲) وهم ای العصبات بانفسهم اربعة اصناف : الاول جزء المیت' والثانی اصله' والثالث جزء ابیه' والرابع جزء جده فیقدم فی هده الاصناف والمدرجین فیها الاقرب فالا قرب ای یرجحون بقرب الدرجة اعنی به اولاهم بالمیراث الذی یستحق بالعصوبة جزء المیت ای البنون ثم بنوهم وان سفلوا (شریفیه شرح سراجیه ص ۳۸ ط سعید)

(۳) ویوقف ماله حتی تصح موته او تمضی علیه مدة الخ (شریفیه ص ۱۳۷ ط سعید)

(٤) الاب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شی فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا له الاتری لو غرس شجرة تکون للاب الخ(ردالمحتار ٤/ ۳۲۵ ط سعید)

(۵) لا عن زوجته وولده الکبیر العاقل ولو ادی عنهما بلا اذن اجزاء استحسانا للاذن عادة ای لو فی عیاله والا فلا (درمختار' باب صدقة الفطر ۲/ ۳۶۳ ط سعید)

کیا زندگی ہی میں کل مال وقف کرنا زیادہ بہتر ہے؟

(سوال) زید کے ورثہ میں ایک عینی بہن اور ایک چچازاد بھائی ہے بہن کی کفالت ان کے بیٹے کرتے ہیں اور چچا زاد بھائی اپنی محنت سے کھاتے ہیں زید کی خواہش ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایسا کام کر جاؤں جس سے مجھے آخرت میں زیادہ سے زیادہ نفع ہو اس لئے زید یہ دریافت کرتا ہے کہ مجھ کو اپنا مال فی سبیل اللہ مسجد کی مرمت مدرسے میں یا کسی کار خیر میں وقف کر دینے میں یا غربا و مساکین پر خرچ کر دینے میں یا حج نفل کر لینے میں (حج فرض ادا کر لیا ہے) زیادہ ثواب ہے یا ورثہ کے لئے چھوڑ جانے میں جب کہ ورثا کا نفقہ زید کے ذمہ نہیں ہے۔
المستفتی نمبر ۲۸۱۴، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ۔

(جواب ۳۸۰) زید کے لئے بہتر یہ ہے کہ اپنے ترکہ کی ایک تہائی کی وصیت کرے اور دو تہائی وارثوں کے لئے چھوڑے [1] اگر وہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں کچھ مال مسجد یا مدرسے میں وقف کر دے تو وقف صحیح ہوگا [2] مگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کرنا مکروہ ہے [3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

باپ کے ساتھ شریک اولاد کی آمدنی کا حکم

(سوال) میرے والد نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں محل اول سے ایک لڑکا' محل ثانی سے ایک لڑکا محل ثالث سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کی ماں محل ثالث موجود ہیں محل اول میں سے مستفتی ہوں۔

بچپن ہی سے مجھ سے بطور ملازم کاروبار میں کام لیا گیا اور تا وفات والد صاحب کام کرتا رہا میری کارکردگی کا منافع جو میرے بجائے اگر کسی ملازم سے کام لیا جاتا تو بصورت تنخواہ و اجرت اسے دینا پڑتا مجھے بجز خورد و نوش کے اور کوئی جداگانہ معاوضہ نہیں ملا اور وہ حصہ جو خورد و نوش سے بچ سکتا تھا وہ کاروبار و مکان کی خرید و تعمیر میں صرف ہوا ہوگا ایسی صورت میں موجودہ ترکہ پر اس کا کوئی اثر شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بالغ اولاد کی آمدنی باپ کی ملکیت شرعاً ہوگی یا نہیں؟ جب کہ وہ باپ سے الگ نہ رہتا ہو اور وہ آمدنی باپ کو وصول ہوتی ہو المستفتی نمبر ۲۱۲۰ محمد احسان الحق صاحب بہرائچ ۱۲ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۳۸۱) بالغ اور نابالغ بچے جب کہ باپ کے کاروبار میں باپ کے ساتھ شریک رہیں یعنی کام کاج کرتے رہیں لیکن ان کی محنت کا کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا گیا ہو نہ کبھی انہوں نے اس کا مطالبہ کیا ہو تو تمام آمدنی

---

(۱) عن عامر بن سعد عن ابیہ قال مرضت عام الفتح حتی اشفیت علی الموت فعادنی رسول اللہ ﷺ فقلت الی رسول اللہ ﷺ ان لی مالاً کثیرا و لیس یرثنی الا ابنة لی افاتصدق بثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر (ابن ماجة' باب الوصیة بالثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

(۲) وسببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب و فی الآخرة بالثواب یعنی بالنیة من اهلها و محله المال المتقوم و رکنه الالفاظ الخاصة کارضی هذه صدقة مؤبدة علی المساکین و نحوه من الالفاظ کموقوفة لله تعالیٰ او علی وجه الخیر او لبر و شرطه شرط سائر التبرعات کحریة و تکلیف (الدر المختار' کتاب الوقف ۴/۳۳۹ ط سعید)

(۳) لقوله علیه السلام انک یا سعد ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعهم عالة یتکففون الناس (ابن ماجة' باب الوصیة بالثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

باپ کی ملک تصور ہوتی ہے اور اولاد اس کی معین و متبرع قرار دی جاتی ہے (۱) پس صورت مسئولہ میں سوائے اس کے کہ متوفی بیویوں کی اولاد اپنی ماں کے مہر میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرے اور تقسیم ترکہ سے پہلے یہ رقم ترکہ میں سے علیحدہ کرانے اور کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹے کو نفع اٹھانے کے لئے دی ہوئی چیز کے منافع بیٹے ہی کے ہوں گے

(سوال) میری والدہ کا انتقال میرے بچپن میں ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا والد مرحوم نے ایک پریس قائم کیا اور اسی پریس میں ایک ملازم کی بجائے مستقلاً تقریباً کئی سال تک مجھ سے کام لیا گیا اور بعدہ' بعض ہمدرد ملازمین کی سفارش سے مجھے کتابت کا کام سکھایا گیا اس کام کے سیکھنے کے بعد مجھ سے کتابت کا کام لیا جاتا رہا پریس کا قیام ایک خاص تفسیر کی کتابت کے لئے ہوا تھا تفسیر کی طباعت کے لئے ایک اور کاتب تھے علاوہ اس کے اور جس قدر کتابت کا کام ہوتا تھا مجھ سے لیا جاتا تھا تفسیر کی طباعت کے لئے ایک پریس مخصوص تھا اور اس کے علاوہ دو تین پریس تھے جو کبھی کبھی سب چلتے تھے اور کبھی کبھی کمی ہو جاتی تھی ان پریسوں کی کل کتابت کا کام مجھ سے لیا جاتا تھا اور اس کتابت سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ والد مرحوم کو حاصل ہوتی تھی عرصہ دراز تک یہ سلسلہ رہا مجھے صرف خورد و نوش کا بصورت یکجائی فائدہ حاصل تھا جب تفسیر کی طباعت ختم ہو گئی تھی تو والد مرحوم نے ایک پریس کے علاوہ اور سب سامان فروخت کر ڈالا اور ایک پریس اور چند پتھر مجھے سپرد کئے جس پر میں نے کام شروع کر دیا اور بوجوہ ذیل میں نے یہ سمجھا کہ یہ سامان مجھ کو بطور ملکیت دیدیا گیا ہے۔

(۱) ایک صاحب سے دوران گفتگو والد صاحب نے فرمایا کہ اس کے لئے (میرے لئے) ایک پریس کھانے کمانے کو کافی ہے آئندہ جب ضرورت ہوگی وہ خود مہیا کرلے گا۔

(۲) ایک مرتبہ کسی انتظامی معاملہ کے متعلق میں نے عرض کیا تو جواب میں فرمایا کہ تم جس طرح مناسب سمجھو انتظام کرو مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) ایک صاحب کتاب چھپوانا چاہتے تھے اس معاملے میں مجھے خط لکھا جس میں یہ الفاظ لکھے تھے وہ تمہارے پریس سے چاہتے ہیں۔

(۴) اپنا کوئی ذاتی کام کتاب وغیرہ چھپوائی تو حساب کر کے کل اجرت مجھے دی۔

(۵) تاحیات مجھ سے کبھی پریس کی آمد و خرچ نفع و نقصان کی بابت کوئی حساب کتاب نہیں لیا اور نہ پوچھا۔ میں نے بوقت ضرورت پریس کے سامان میں اضافہ کیا جو قرض سے ہوا اور پھر انہیں پریسوں کی آمدنی سے قرض ادا ہوا والد مرحوم کی وفات کے وقت علاوہ اس ایک پریس کے جو والد سے ملا تھا میرے

---

(۱) (بحوالہ سابقہ نمبر ٤ ص ۲٤٥)

پاس اور بھی دو پریس تھے بعد انتقال والد مرحوم میں بدستور کام کرتا رہا اور ایک مشین بھی خریدی جو موجود ہے صورت مسئولہ میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) مندرجہ بالا طریق پر پریس میری ملکیت ہو گیا یا نہیں؟

(۲) جو زائد سامان پریس و مشین وغیرہ میں نے مہیا کی ہے اگر اول پریس جو والد نے مجھے دیا تھا میری شرعاً ملکیت نہ ہو تو یہ زائد سامان اس کا جزو ہو گیا یا میری ملکیت؟

(۳) اگر زائد جزو ہو گا تو وہ بھی جو میں نے والد صاحب کی وفات کے بعد خریدا ہے یا صرف وہ جو ان کی حیات میں میں نے اضافہ کیا تھا۔

(۴) اگر وفات کے قبل وبعد کا کل اضافہ شدہ سامان والد صاحب کے ترکہ میں شمار کیا گیا تو میں نے جو کتابت کا کام وفات سے پہلے اور بعد کیا اور جو وقت انتظام میں صرف کیا اس کا شرعاً کوئی معاوضہ ہو گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۱۲۱ محمد احسان الحق صاحب اکلیل پریس (بہرائچ)

(جواب ۳۸۲) پہلا پریس جو والد صاحب نے دیا تھا اس کے متعلق تملیک کی کوئی تصریح نہیں قرائن تملیک کے پانچ نمبروں میں سے نمبر ۴ و ۵ تو قرینہ تملیک ہیں لیکن تملیک کی حجت اور دلیل وہ بھی نہیں بن سکتے۔

زائد سامان اور پریس و مشین وغیرہ جو آپ نے مہیا کی ہیں وہ سب آپ کی ملک ہیں خواہ والد صاحب کی حیات میں آپ نے مہیا کی ہوں یا ان کی وفات کے بعد۔

صورت حال یہ ہے کہ یا تو ورثاء پریس کو جو والد صاحب نے دیا تھا آپ کی ملکیت ہونے کا اقرار کریں جب تو وہ اور اضافہ شدہ سامان آپ کی ملک ہے[1] اس میں کوئی شبہ نہیں اور اگر وہ تملیک کو تسلیم نہ کریں تو صرف وہ سامان جو والد نے دیا تھا والد کا ترکہ ہو گا مگر چونکہ والد نے اس سے نفع اٹھانے (کمانے کھانے) کی اجازت آپ کو دی اس لئے اس کے تمام منافع آپ کی ملک ہوئے[2] اس میں کوئی دوسرا وارث شریک اور حقدار نہیں ہاں والد کی زندگی میں پریس میں کتابت کا جو کام آپ نے والد کے لئے کیا یا مینیجری کا کام کیا اس کا معاوضہ آپ والد کے ترکہ میں سے طلب نہیں کر سکتے وہ سب کام والد کی اعانت اور تبرع قرار پائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة يعني عند وجود وارث اخر كما يفيده اخر الحديث و سنحققه وهم كبار عقلاء فلم تجز اجازة و مجنون و اجازة المريض كابتداء و صية (الدر المختار، كتاب الوصايا ٦ / ٦٥٦ ط سعيد)

(۲) [illegible] و تتم الهبة بالقبض الكامل في محوز مفرغ مقسوم و مشاع لا يبقى منتفعا به بعد ان يقسم الخ (الدر المختار، كتاب الهبة ٥ / ٦٩٣ ط سعيد)

(۳) الاب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ فالكسب كله للاب ان كان الابن في عياله لكونه معينا الا ترى لو غرس شجرة تكون للاب (رد المحتار ٤ / ٣٨٥ ط سعيد)

کیا خاوند کی وفات کے بعد عورت گزشتہ زمانے کا نفقہ لے سکتی ہے؟

(از اخبار سہ روزہ الجمعیۃ مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) جناب عمدة العلماء وزبدة الفصحاء المتكلمين مولانا و مقتدانا رئيس جمعية علماء الهند دام ظلكم العالى

بعد اهد ائكم وافر السلام والسوال عن صحة حالكم لا زلتم بتمام الصحة والسرور ثم المعروض لدى سيادتكم العالية هو التكليف فى مسئلة المعينة ادناه طبقا لحكم الشريعة الغراء على صاحبها افضل الصلوٰة والتحية

امرأة افترقت مع زوجها منذ عامين لعوارض شقا قية حدث بينهم ولم تجد منه ما يقيم حياتها من اللوازم البشرية و بعد انقضاء الحين المذكور اعلاه بلغها بوفاة زوجها السابق من ثقات الرجال الذين يقبل شهادتهم الشرع المحمدى يعنى بينة كاملة

فهل لهاان تطلب من مال زوجها السابق نفقة وهل لها ان تزوج ثانيا ام لا؟

افيدونا افادكم الله و دمتم والبارى يحفظكم   الداعى لكم سالم عبد على

(ترجمہ) حضرت الفاضل صدر جمعیۃ علمائے ہند دام ظلکم العالی۔ ہماری طرف سے بہت بہت سلام قبول فرمائیے امید ہے کہ آپ خیر و عافیت ہوں گے اللہ تعالیٰ آپ کو باصحت و عافیت اور خوش و خرم رکھے! آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے تاکہ شریعت کے حکم کے مطابق عمل کیا جاسکے ایک عورت اپنے شوہر سے تعلقات کی کشیدگی کے باعث دو سال سے جدا تھی اور ان دونوں کے درمیان کسی قسم کے تعلقات زناشوئی قائم نہیں رہے تھے۔ دو سال کے بعد اس کو چند معتبر اور عادل مقبول الشہادۃ لوگوں کے ذریعے شوہر کی وفات کی خبر پہنچی۔ کیا اس کو شوہر متوفی کے مال میں سے زمانہ سابق کا نان نفقہ طلب کرنے کا حق ہے؟ اور کیا وہ اپنا نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

(جواب ۳۸۳) رحمكم الله نعم! لها ان تقبل قول الثقات و تتزوج بعد انقضاء عدة الوفاة[1] و ليس لها ان تطلب النفقة من مال زوجها لان النفقة لا تجب لما مضى الا بالقضاء اوالرضاء[2] و كلا هما لا يتصور بعد وفاة الزوج ولا نفقة فى عدة الموت ولها المهر والميراث والله اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(ترجمہ) ہاں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان معتبر گواہوں کے قول کا اعتبار کرے اور عدت وفات پوری کر کے اپنا نکاح ثانی کرلے[1] اور اس کو شوہر کے ترکہ میں سے نان نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ زمانہ سابق کا نفقہ بغیر حکم قاضی کے یا آپس کی رضامندی کے واجب نہیں ہوتا[2] اور شوہر کے مرنے کے بعد

(۱) لما فى الدر وفيه عن الجوهرة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات او طلقها ثلاثا او اتاها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق ان كبر رأيها انه حق فلا بأس ان تعتد وتتزوج الخ (الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/ ۵۲۹ ط سعيد) (۲) واذا مضت مدة لم ينفق عليها الزوج فيها و طالبته بذلك فلا شئ لها الا ان يكون القاضى فرض لها النفقة او صالحت على مقدارها فيقضى لها بنفقة ما مضى لان النفقة صلة وليست بعوض عندنا فلا يستحكم الوجوب فيها الا بالقضاء الخ (الجوهرة النيرة' كتاب النفقة ۲/ ۱۱۳ ط مير محمد)

ان دونوں باتوں کا امکان نہیں اور عدت موت میں نفقہ کا حق نہیں ہوتا[1] البتہ مہر[2] اور میراث کی حقدار ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیوی اور اولاد کی موجودگی میں شوہر کے حقیقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید انتقال کر گیا اور ایک حقیقی بھائی ایک زوجہ پانچ لڑکے چھوڑے زید نے زوجہ کا دین مہر ادا نہیں کیا تھا اور نہ زوجہ نے معاف کیا تھا زید کو انتقال کئے ہوئے نو دس برس ہوئے زید کی زندگی سے کاروبار تجارت جاری تھا صرف دو تین لڑکے جو ہوشیار و بالغ تھے تجارت میں مشغول رہے اور بعد وفات اپنے والد کے انہیں تینوں نے اس کا انتظام چلایا اور نابالغوں کی نوشت و خواند کا انتظام کیا کبھی کبھی وہ نابالغ نوشت و خواند سے فرصت پاکر حسب الحکم اپنے بڑے بھائیوں کے جو کام ہوتا کرتے تھے اب بالغ و ہوشیار ہونے پر اپنے باپ کے ترکے میں حصہ کا مطالبہ کیا تو اب پہلے دین مہر ادا کیا جائے تو اصل مال متروکہ زید سے ادا ہو یا مال موجودہ ترقی شدہ سے اور اس کے بعد مال بچنے پر ورثا کو دلایا جائے تو اصل مال متروکہ زید کے انتقال کے وقت جو تھا اس میں سے سب کو برابر ملے گا یا جو مال ترقی شدہ ہے اس میں سے ملے گا؟

(جواب ۳۸۴) زید کے اقربائے مذکورین میں زید کے وارث صرف زوجہ اور لڑکے ہیں زید کے بھائیوں کا کوئی حق نہیں اور چونکہ لڑکوں نے متروکہ زید میں قبل تقسیم تجارت جاری رکھی تو متروکہ زید اسی طرح مشترک رہا اور کام کرنے والے دوسرے ورثا کے حق میں (چونکہ وہ ماں اور بھائی تھے) متطوع تھے[4] اس لئے اب مال موجودہ میں سے زوجہ کو مہر دینے کے بعد باقی مال موجودہ کو حصص فرائض پر تقسیم کیا جائے ماں کو آٹھواں حصہ دیکر باقی مال سب لڑکے برابر تقسیم کر لیں۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پوتوں کی موجودگی میں بھتیجے وراثت کے حقدار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) عبدالکریم و حاجی احمد یہ دونوں بھائی ہیں اور ہر ایک کے ایک ایک لڑکا ہے عبدالکریم کا علی محمد اور

---

(۱) لا تجب النفقہ بانواعها لمعتدة موت مطلقا لو حاملا (الدرالمختار باب النفقة ۳ : ۶۱۰ س)

(۲) و آتوا النساء صدقاتهن نحلة (النساء: ۷)

(۳) وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والاقربون (النساء: ۷)

(٤) ايضا بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ ۲۸۱)

(٥) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد (الى قوله) ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت ارثهم بالكتاب والسنة (الدرالمختار كتاب الفرائض ٦ : ٧٦٠ ط سعيد) وفيه ايضا فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (وفيه ايضا) يحوز العصبة بنفسه وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته الى الميت انثى ما ابقت الفرائض و عند الانفراد يحوز جميع المال (الدرالمختار على هامش رد المحتار كتاب الفرائض ٦ : ٧٧٣ ط س)

حاجی احمد کا صالح احمد، علی محمد کے والد کا انتقال ہو گیا اس کی پرورش اس کے چچا حاجی احمد کے پاس ہوئی اور صالح احمد غنی تھا اس نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد اور اپنے باپ حاجی احمد کے درمیان جائیداد تقسیم کر دی تھی اب سوال یہ ہے کہ حاجی احمد کے پوتا و پوتی و بھتیجا موجود ہیں اب وہ حصہ جو کہ لڑکے کی طرف سے پہنچا ہے اس میں سے ازروئے شریعت ورثاء اس کے بھتیجے کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۸۵) پوتوں کے موجود ہونے کی صورت میں بھتیجے حقدار نہیں ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

صرف مل جل کر رہنے سے جائیداد میں شرکت ثابت نہیں ہوتی

(الجمعیۃ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) ایک شخص کے وارثوں میں دو بیٹے اور ایک بی بی ہے تینوں مدت بیس سال تک ایک ساتھ ہم طعام رہے۔ دونوں لڑکوں نے جدا جدا کمائی کی اور روزی کے مال غیر مخلوط رکھ کر جدا جدا جائیداد و مکانات خرید کیا اس وقت وہ تینوں تفریق ہونے لگے اب وہ جائیداد و مکانات کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۳۸۶) جبکہ لڑکوں نے جدا جدا کمایا اور جدا جدا جائیداد بنائی تو ہر ایک اپنی کمائی اور جائیداد کا جداگانہ مالک ہو گا صرف ہم طعام ہونے سے جائیداد مشترک نہیں ہو جاتی ہاں باپ کا ترکہ سب وارثوں میں قاعدہ وراثت کے موافق تقسیم ہو گا۔ بی بی کو مہر[2] اور آٹھواں حصہ میراث دیگر[3] باقی مال دونوں لڑکوں کو بحصہ مساوی ملے گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

نابالغ اولاد کو ہبہ کی ہوئی جائیداد پر بقیہ وارثوں کا حق نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید ایک زوجہ ایک لڑکی چار سوتیلی بہنوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا زید اپنے حین حیات میں اپنی کمسن نابالغہ لڑکی کے نام ملک خرید کر ہبہ کر دے کر اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ مذکور املاک کی آمدنی اپنے حسب منشا خرچ کر رہا تھا اور اپنی لڑکی کے نام چند کمپنیوں میں برائے منافع سرمایہ جمع کر رکھا تھا وقت ضرورت اصل سرمایہ میں سے بھی لیکر صرف کر رہا تھا الحاصل آمد و خرچ لڑکی کے نام پر ہی رکھا تھا اب سوال یہ ہے کہ املاک اور نقد لڑکی کا حق ہے یا اس میں وارثوں کا بھی حق ہے زید ملک اور نقد اپنے حین حیات ہی میں لڑکی کو ہبہ کر دینے کے باوجود پہلے کچھ روپیہ لڑکی کی شادی کی غرض سے ہبہ کر دیکر اپنے نام میں خرچ لکھ کر لڑکی کے

---

(۱) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجة اعنی اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم (سراجی باب العصبات ص ۱۳ ط سعید)
(۲) والمهر یتأکد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة و موت احد الزوجین (عالمگیریة ۱ / ۳۰۳ ط مصری)
(۳) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۷۰)
(۴) (ایضا بحواله بالا نمبر ۱)

نام مذکور روپیہ حساب میں جمع رکھا ہے۔ اس صورت میں مذکور رقم کو زید کے خاص املاک میں سے لڑکی کو ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ زید اپنی بیماری کے وقت بکر کے پاس بطور امانت پندرہ سو روپے دے رکھا تھا۔ بکر کے اصرار پر زید نے کہا کہ اس رقم کو لڑکی کے نام جمع رکھو پھر چند دنوں کے بعد بکر سے کہا کہ ان روپوں کو لڑکی کی شادی میں خرچ کرو اس صورت میں مذکور رقم کا حق کس کا ہے؟ زید اپنے ہمشیر زادہ کے نام ایک ملک خرید کر کے ہبہ کر دیگر مذکور ملک کی آمد و خرچ اپنے قبضہ ہی میں رکھا تھا مذکور ملک کی آمدنی سے خرچ جو زیادہ ہوا ہے اس کے نام پر خرچ لکھا ہوا ہے اس صورت میں خرچ افزود زید کے ہی ذمہ ہے یا ہمشیرہ زادہ ادا کرتا یا نہیں؟ زید پابند صوم وصلوٰۃ نہیں تھا کبھی پڑھا کبھی نہیں اور حج بھی ادا نہ کیا اور نہ حج بدل کے لئے وصیت کیا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(جواب ۳۸۷) زید کا ترکہ اس کے وارثوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ ترکہ کے بتیس سہام کر کے اس میں سے چار سہام زوجہ کو اور سولہ سہام لڑکی کو اور تین تین سہام چاروں بہنوں کو دیئے جائیں گے (جب کہ بہنیں علاتی یعنی باپ شریک ہوں)[1] نابالغہ لڑکی کو جو جائیداد اور املاک نقد روپیہ زید نے ہبہ کر دیا تھا وہ نابالغہ کی ملک ہو گیا اس میں دوسرے وارثوں کا حق نہیں ہے ہمشیر زادے کو جو جائیداد ہبہ کی ہے اگر ہبہ کے وقت وہ ہمشیر زادہ نابالغ ہو اور زید کی عیال داری میں ہو تو وہ ہبہ بھی صحیح ہو گیا اور جائیداد ہمشیر زادہ کی ملک ہو گئی[2] لیکن اگر ہبہ کے وقت ہمشیر زادہ بالغ ہو یا نابالغ ہو مگر اپنے باپ دادا چچا وغیرہ میں سے کسی کی عیالداری میں ہو تو اس صورت میں ہبہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ بصورت بلوغ خود ہمشیر زادے کو یا بصورت دیگر اس کے سرپرست ولی کو جائیداد موہوبہ کا قبضہ دیدیا گیا ہو[3] اگر ان صورتوں میں قبضہ نہ دیا گیا تو ہبہ صحیح نہیں ہوا اگر زید نے اپنے قضا شدہ فرائض نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی ہے تو وارثوں پر لازم نہیں کہ وہ فدیہ ادا کریں یا حج بدل کرائیں ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے کرنا چاہیں تو بالغ ورثا اپنے اپنے حصے میں سے فدیہ اور حج بدل کے مصارف ادا کر سکتے ہیں۔[4] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ

---

(۱) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٠ ط سعيد) وفي الشريفيه والا خوات لاب كالا خوات لاب وام ولهن احوال سبع : النصف للواحدة والثلثان للاثنين فصاعدة عند عدم الاخوات لاب وام(شريفيه شرح سراجية ص ٢٧ ط سعيد)

مسئلہ ۸ تصحیح ۳۲

بیوی	لڑکی	سوتیلی بہن
١/٤	٤/١٦	٣/١٢

(٢) وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ فلا تصح هبة صغير و رقيق ولو مكاتباً وشرائط صحتها في الموهوب ان يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول (الدرالمختار ٥/ ٦٨٧ ط س)

(٣) وان وهب له اجنبي يتم بقبض وهو احد اربعة : الاب ثم وصيه (الى قوله) و يقبضه لو مميزاً يعقل التحصيل ولو مع وجودا بيه لانه في المنافع المحض كالبالغ (الدرالمختار' باب الهبة ٥/ ٦٦٥ ط سعيد)

(٤) ولو مات و عليه صلوات فائتة واوصى بالكفارة و يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وكذا حكم الوتر والصوم وان ما يعطى من ثلث ماله اى يعطى عنه وليه (الى قوله) واما اذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات انه يجزيه ان شاء الله تعالىٰ (الدرالمختار : باب قضاء الفوائت ٢/ ٧٢ ط سعيد)

میراث تقسیم کرنے کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کو یکے بعد دیگرے چار عورتیں پہلی عورت ایک لڑکی چھوڑ کر گزر گئی۔ دوسری عورت ایک لڑکی چھوڑ کر گزر گئی۔ اس دوسری عورت کو زید اس کی حیات ہی میں اپنی ملک مہر کے لئے اس کے نام رجسٹرڈ کر کے ملک اپنے ہی قبضے میں رکھا تھا۔ چند دنوں کے بعد عورت گزر گئی تیسری عورت دو لڑکے دو لڑکیاں چھوڑ کر گزر گئی۔ چوتھی عورت موجود ہے اس سے ایک لڑکی بھی ہے زید گزر گیا سب اولاد زندہ ہے؟

(جواب ۳۸۸) زید نے جو جائیداد کہ دوسری عورت کے نام اس کے مہر میں لکھ دی ہے وہ اس عورت کی ملک ہو گئی[۱] باقی تین عورتوں کا مہر زید کے باقی ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا[۲] اور بعد ادائے دین مہر و قرض وغیرہ اس کا باقی ترکہ اس کے وارثوں کو تقسیم کیا جائے گا اس طرح کہ آٹھواں حصہ[۳] بیوی کو دیگر باقی ترکہ کے نو سہام کر کے چار سہام دونوں لڑکوں کو (فی نفر دو سہام) اور پانچ سہام پانچوں لڑکیوں کو (فی لڑکی ایک سہام) دیدیئے جائیں گے۔[۴] یہ جب کہ ان مذکورہ وارثوں کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہو۔ فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ

کیا بھتیجی اور چچا کی اولاد، بیوی، بہنوں اور بھتیجے کے ساتھ وارث نہیں بن سکتے؟

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۸ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید لاولد اور ضعیف العمر ہے بظاہر اولاد ہونے کی کوئی امید نہیں اس کے رشتہ داروں میں ایک بیوی، تین بہنیں، ایک مرحوم بھائی کی اولاد میں دو لڑکیاں، ایک لڑکا ایک مرحوم بہن کی اولاد میں ایک لڑکی اور تین مرحوم چچاؤں کی مختلف اولادیں موجود ہیں بعد انتقال زید کون وارث ہوگا؟

(جواب ۳۸۹) اگر زید کے وارث اس کے انتقال کے وقت یہ لوگ ہوں تو اس کی بیوی اور بہنیں اور بھتیجا وارث ہوں گے۔ ان وارثوں کے سامنے بھتیجی اور چچا کی اولاد وارث نہ ہوگی اسی طرح بہن کی اولاد بھی وارث نہ ہوگی۔[۵] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

---

(۱) و تجب العشرة ان سماها او دونها و يجب الاكثر منها ان سمى الاكثر ويتا كد عند وطى او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما الخ (الدرالمختار، باب المهر ۳/۱۰۲ ط سعيد)

(۲) والمهر يتا كدبا حد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية، الباب السابع فى المهر ۱/۳۰۳ ط ماجديه)

(۳) فيفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد وولد ابن (درمختار، كتاب الفرائض ۶/۷۷۰ ط سعيد)

(۴) وفى العالمگيرية: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية ۶/۴۴۸ ط ماجديه)

(۵) ثم ذوى الارحام اى يبدأ عند عدم الرد لا نتفاء ذوى الفروض النسبية بذوى الارحام وهم الذين لهم قرابة وليسوا بعصبة ولا ذوى سهم وانما اخروا عن الرد لان اصحاب الفرائض النسبية اقرب الى الميت واعلى درجة منهم (شريفة ص ۹ ط سعيد)

باپ کی میراث میں تمام اولاد چاہے کئی بیویوں سے ہو برابر کے حقدار ہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء)

(سوال) بڑا بھائی باپ کی جائیداد پر قابض ہے دوسرا بھائی بڑے کے شامل کام کرتا ہے بڑے بھائی نے سب کام اپنے نام سے کر رکھا ہے اور وہ اپنی ماں کا اکیلا ہے اور ہم دو جو ہیں چھوٹے دوسری ماں سے ہیں بڑا بھائی چھوٹے بھائیوں کو حصہ نہیں دینا چاہتا ہے؟

(جواب ۳۹۰) باپ کی جائیداد متروکہ میں اس کی تمام اولاد ایک بیوی سے ہو یا کئی بیویوں سے حصہ پانے کی حق دار ہے صورت مسئولہ میں بڑا لڑکا اور چھوٹے لڑکے جو دوسری ماں سے ہیں سب حصہ پائیں گے[۱] بڑے لڑکے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ باپ کے ترکہ پر تنہا خود قبضہ کر لے اور چھوٹے سوتیلے بھائیوں کو محروم کر دے اگر ایسا کرے گا تو سخت ظالم اور گناہ گار ہوگا۔[۲] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

بہن کے ہوتے ہوئے بھتیجی وراثت کی حقدار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسماۃ ہندہ لاولد فوت ہو گئی مسماۃ حمیدہ اس کی ہمشیرہ حقیقی و زینب اس کی بھتیجی موجود ہیں اب زینب لاولد فوت ہو گئی ترکہ ہندہ متوفیہ مقبوضہ زینب مرحومہ کے خاوند عمرو خالد ماموں زینب نے باہم بحصہ مساوی تقسیم کر کے سعید و سعیدہ اولاد حمیدہ کو محروم وراثت قرار دیا یا سعید و سعیدہ بھی خواہاں ترکہ کے ہیں

(جواب ۳۹۱) جب کہ ہندہ متوفیہ نے اپنی وفات کے وقت اپنی حقیقی ہمشیرہ اور بھتیجی زینب کو چھوڑا تھا تو ہندہ کے تمام ترکہ کی مستحق اس کی حقیقی ہمشیرہ تھی[۳] بھتیجی کا کوئی حق نہ تھا[۴] پس ہندہ کے ترکہ کے حق دار سعید و سعیدہ (بواسطہ حمیدہ) ہیں اور عمرو خالد کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ'

صرف خاوند اور ماموں وارث ہوں تو تقسیم میراث کی کیا صورت ہو گی؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء)

(سوال) مسماۃ زینب لاولد فوت ہو گئی ہے اس کے مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں عمرو (خاوند متوفیہ)

---

(۱) کیونکہ باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ ایک باپ کی اولاد ہے اس لئے میراث میں یکساں حصہ لیں گے۔
(۲) قال تعالیٰ: ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (النساء: ۲۹) وقال تعالیٰ: ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا (النساء: ۱۰)
(۳) نصف بطور فرض ہونے کے اور نصف بطور رد کے

مـ ۱ تصـ ۲

اخت ع　　　　بنت الاخ

۱　　　　۰

خالد (ماموں حقیقی) سعید (پھوپھی زاد بھائی) سعیدہ (پھوپھی زاد بہن) ترکہ جو کہ مسماۃ زینب چھوڑ گئی ہے دراصل جائیداد مسماۃ ہندہ پھوپھی زینب مرحومہ و خالہ مسمیان سعید و سعیدہ کا ہے چونکہ ہندہ کو فوت ہو گئے بارہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اس لئے بموجب قانون انگریزی مسماۃ زینب مرحومہ قابض مخالف کی حیثیت سے مالک تصور کی جاوے گی؟

(جواب ۲۹۲) اگر یہ ترکہ مسماۃ زینب کی جائز ملکیت نہیں ہے بلکہ صرف قبضہ مخالفانہ کی حیثیت سے وہ مالک سمجھی جاتی ہے اور دراصل جائیداد اس کی پھوپھی کی تھی اور اس کی پھوپھی کے وارثوں میں زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی تھے تو اس جائیداد میں زینب کا حصہ ۳ / ۲ اور سعید و سعیدہ کا ۳ / ۱ تھا اب زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۳ / ۲ حصہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس میں سے نصف اس کے خاوند کو ملے گا[1] اور نصف اس کے ماموں کو۔[2] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ'

فوت شدہ اور موجودہ بیوی کا مہر خاوند کے ترکہ سے ادائیگی کا طریقہ

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک شخص کی زوجہ کا انتقال ہوا اس نے اولاد چھوڑی اس شخص نے دوسری شادی کی اس سے بھی اولاد ہوئی پھر وہ شخص ایک بیوی اور اولاد جو دونوں بیویوں سے ہے چھوڑ کر انتقال کر گیا اس کی جائیداد میں سے دین مہر دونوں بیویوں کا ادا کیا جائے گا یا صرف موجودہ بیوی کا؟

(جواب ۲۹۳) دونوں بیویوں کی اولاد اپنے باپ کے مال کی حقدار ہے اور دونوں بیویوں کا مہر خاوند کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔[3] مگر جو بیوی کہ خاوند کے سامنے مر گئی ہے اس کے مہر میں سے خاوند کا حصہ ۴/۱ وضع کر لیا جائے گا۔[4] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

ولد الزنا کو ''زانی باپ'' کی وراثت سے حصہ نہیں ملے گا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک معزز مسلمان شخص کا ایک ہندو عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا اور اسی کے نطفے سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ لڑکا اس مسلمان کی جائیداد میں سے حصہ پائے گا یا نہیں؟

---

(۱) والنصف له عند عدمهما الخ (تنویر الابصار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٧٠ ط سعید)

(۲) فيبدأ باصحاب الفرائض ثم يبدأ بالعصبات من جهة النسب الى قوله ثم ذوى الارحام (شریفیه شرح سراجیة ص ٨ ط سعید)

(۳) والمهر يتأكد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگیریة' الباب السابع فی المهر ١/ ٣٠٣ ط ماجدیه)

(٤) المسمى دين فى ذمته وقد تاكد بالموت فيقضي من تركته الا اذا علم انها ماتت اولاً فيسقط نصيبه من ذالك (هداية باب المهر ٢/ ٣٣٧ ط شركة علمية)

(جواب ۳۹٤) اگرچہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ بچہ مسلمان کے نطفے سے پیدا ہوا ہے لیکن شریعت کے احکام میں اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس مسلمان شخص کی وطی جو ہندو عورت کے ساتھ واقع ہوئی ہے زنا قرار پائے گی اور زنا میں نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زنا کی سزا جاری ہوتی ہے۔ [1] پس بچہ کو اس شخص کی جائیداد متروکہ میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ

(۱) حرام مال کے حلال ہونے کی کیا صورت ہے ؟
(۲) کیا حرام مال وارثوں کے لئے بھی حرام ہوگا ؟
(۳) حرام مال سے تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والے مال کا حکم
(۴) توبہ سے مال حلال نہیں ہوگا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) (۱) مال حرام کے جائز و حلال ہونے کی کوئی صورت کسی وقت ممکن ہے یا نہیں ؟ (۲) مورث کا مال حرام ورثا کے واسطے شرعاً حرام ہے یا حلال ؟ (۳) اگر کسی کے پاس مال مخلوط بحلال و حرام ہو یعنی راس المال حرام تھا اس سے وہ تجارت یا زراعت کرتا ہے تو اب اس کے مال کا کیا حکم ہوگا ؟ (۴) کیا مال حرام بعد توبہ حلال ہو جاتا ہے ؟

(جواب ۳۹۵) (۱) حرمت کی وجوہ مختلف ہیں اور ان سے حاصل شدہ مال کے احکام بھی مختلف ہیں مال مغصوب یا مسروقہ مالک کی اجازت دینے اور بخش دینے سے حلال ہو جاتا ہے ۔ [2] (۲) مورث کا مال حرام جس کے متعلق وارث کو حرام ہونے کا علم ہو وارث کے لئے بھی حرام ہے اور اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اصل مالکوں کو واپس کرے ۔ [3] مثلاً اگر وارث کو یہ علم ہو کہ مورث نے زید سے سو دیا رشوت میں یہ سو روپے یا گھوڑا وغیرہ حاصل کیا تھا تو وارث کو لازم ہوگا کہ وہ سو روپے اور وہ گھوڑا اس کے مالک کو واپس کر دے ۔ [4] کیونکہ وارث اس چیز کا وارث ہوتا ہے جو اس کے مورث کی ملک ہو اور جو چیز کہ اس کے مورث کی ملک ہی نہیں تھی وارث اس کا بحیثیت وارث ہونے کے مستحق ہی نہیں ہوا (۳) مال مخلوط میں اکثریت پر احکام جاری ہوتے ہیں اگر اکثر حلال ہے تو حلال کا حکم دیا جائے گا اور اکثر حرام ہے تو حرام کا ۔ [5] (۴) توبہ سے مال

---

(۱) فقال الولد للفراش و للعاهر الحجر (ابو داؤد شریف ۱/ ۳۱۰)
(۲) و کذا ینفذ با جازۃ المالک البیع' لانہ عتق ترتب علی سبب ملک تام (ردالمحتار' کتاب الغصب ۶/ ۲۰٤ ط سعید)
(۳) والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم (ردالمحتار' کتاب البیوع ۵/ ۹۹ ط سعید)
(٤) و فی منیۃ المفتی : مات رجل و یعلم الوارث ان اباہ کان یکسب من حیث لا یحل ولکن لا یعلم الطالب بعینہ لیرد علیہ حل لہ الارث والا فضل ان یتورع و یتصدق بنیۃ خصماء ابیہ (رد المحتار' کتاب البیوع ۵/ ۹۹ ط سعید)
(۵) آکل الربا و کاسب الحرام اھدی الیہ واضافہ و غالب مالہ حرام لایقبل ولا یاکل مالم یخبرہ ان ذالک المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ وان کان غالب مالہ حلالاً لا باس بقبول ھدیتہ والا کل منھا (عالمگیریۃ' الباب الثانی عشر ۵/ ۳٤۳ ط ماجدیہ)

حلال نہیں ہوتا۔[1] زنا وغیرہ کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔[2] محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

کیا پوتے دادا کی وراثت سے حصہ لے سکتے ہیں ؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک بیوہ نے عقد ثانی کیا سابق شوہر سے ایک لڑکا بھی اس کے ساتھ نئے شوہر کے ہاں آیا نئے شوہر کے سابقہ زوجہ سے دو لڑکے ہیں اول شوہر کا انتقال ہوا پھر گیلڑ کا پھر مسماۃ فوت ہوئی شوہر کے مال پر اس کے دونوں لڑکے جو پہلی زوجہ سے ہیں قابض ہیں تو کیا گیلڑ لڑکے سے جو مسماۃ کے دو پوتے ہیں وہ دادی کے اس حصے میں سے جو دوسرے شوہر مرحوم کے مال میں سے اسے مل سکتا ہے کچھ طلب کرنے کے حقدار ہیں یا نہیں ؟ مسماۃ کا مہر بھی شوہر کے ذمہ باقی ہے۔

(جواب ۳۹۶) دوسرے شوہر کے مال میں سے مسماۃ کو جو حصہ ملا ہے وہ اس کے دونوں پوتوں کو ملے گا کیونکہ مسماۃ کے وارث وہی ہیں مسماۃ کے مہر کے بھی وہی دونوں پوتے حقدار ہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کے حصہ کے علاوہ باقی تمام ترکہ باپ ہی کا ہوگا

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۳۵ء)

(سوال) زید کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں زید نے اپنی زندگی میں ایک املاک خرید کر تینوں فرزندوں میں تقسیم کر دیا۔ سب سے چھوٹا فرزند رحلت کر گیا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس کے ورثہ میں سے بہن بھائیوں کو کتنا ملے گا ؟ اور ماں باپ کو کتنا ؟

(جواب ۳۹۷) اس مرحوم لڑکے کی ملکیت صرف باپ اور ماں کو ملے گی یعنی ۱/۶ ماں کو اور ۵/۶ باپ کو ملے گا ۔[4] بھائیوں اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بیٹے کی موجودگی میں پوتا حق دار نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۳۶ء)

(سوال) زید کی دو بیویاں تھیں پہلی بیوی سے ایک فرزند اور بیوی انتقال کر گئی فرزند کو ایک لڑکا اور بیوی انتقال

---

(۱) کیونکہ حرمت یا حق اللہ ہوگی یا حق العباد اگر حقوق العباد میں سے ہو تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کریں اور جو حقوق اللہ میں سے ہو اس کی توبہ یہ ہے کہ بلا نیت ثواب صدقہ کر دے

(۲) عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ کل بنی آدم خطاء و خیر الخطا ئین التوابون (ابن ماجہ شریف ۲/۳۱۳)

(۳) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجۃ اعنی اولھم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوھم وان سفلوا (سراجی' باب العصبات' ص ۱۳ ط سعید)

(٤) وللاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن والتعصیب المطلق عند عدمھما الخ وفیہ ایضاً وللام السدس مع احدھما او مع اثنین مع الاخوۃ والاخوات (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/۷۷۰ ط س)

(٥) وبنوا لاعیان والعلات کلھم یسقطون بالا بن وابن الابن وان سفل و بالاب بالاتفاق (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

کر گئی فرزند غائب ہے اب زید رحلت کر گیا اس کے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں ؟
(جواب ۳۹۸) جب اس پوتے کا باپ یعنی متوفی کا بیٹا زندہ ہے تو بیٹا حق دار ہے پوتا حقدار نہیں [۱] بیٹا اگر غائب ہے تو اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔ [۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

حمل کی حالت میں دی ہوئی طلاق کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کا وارث ہو گا

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) زید کی منکوحہ کو چھ ماہ کا حمل ہے زید نے منکوحہ کو تین طلاق دیدی ہے تو یہ طلاق حمل ہونے کی صورت میں ہوئی یا نہیں ؟ اور یہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہونے کے بعد زید کے مال میں وارث ہو گا یا نہیں ؟
(جواب ۳۹۹) حالت حمل میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ [۳] جو بچہ پیدا ہو گا وہ زید کا ہی بچہ ہو گا۔ [۴] اور زید کے مال میں سے حصہ میراث کا مستحق ہو گا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

فصل دوم محجوب الارث

(۱) بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو میراث نہیں ملے گی
(۲) شرعی وارث نہ ہونے کی صورت میں بچہ کے دیکھ بھال کا حکم ؟ ودیگر چند سوالات !

(سوال) (ا) زید کے دولڑکے تھے بنام عمرو' بکر' عمرو زید کی زندگی میں فوت ہو گیا اور ایک شیر خوار بچہ بنام عبداللہ چھوڑا پانچ سال کے بعد خود زید فوت ہو گیا تو زید کی جائیداد میں عبداللہ کو حصہ وراثت ملے گا یا نہیں ؟
(ب) اگر جواب نفی میں ہو اور اس کا چچا بکر حکم شریعت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے بھتیجے عبداللہ کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ دے اور نہ کوئی معقول انتظام تعلیم و تربیت و معاش کا کرے تو اس کا یہ فعل جائز ہے یا نا جائز ؟
(ج) کیا شریعت اسلام میں اور بروئے ہمدردی و ضرورت و انصاف جائز و درست ہے کہ ایک یتیم بچہ تعلیم و تربیت و معاش سے بھی محروم رہے اور ہر قسم کی تکلیف اٹھائے اور اس کا چچا عیش و عشرت اڑائے جب کہ اس بچہ کے دادا کے پاس کافی جائیداد ہو۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)
(۲) المفقود حي في ماله حتى لا يرث منه احد و ميت في مال غيره حتى لا يرث من احد و يوقف ماله حتى يصح موته او تمضي عليه عدة (شريفيه شرح سراجية فصل في المفقود ص ۱۳۷ ط سعيد)
(۳) و حل طلا قهن اى الآيسة والصغيرة والحامل عقب وطي لان الكراهة فيمن تحيض لتوهم الحبل وهو مفقود هنا (الدر المختار' كتاب الطلاق ۳/ ۲۳۲ ط سعيد)
(٤) واذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاء ت بالولد لا قل من ستة اشهر يثبت نسبه لانه ظهر كذبها بيقين فبطل الاقرار (هداية' باب ثبوت النسب ۲/ ٤۳۱ ط شركة علمية)

(د) اس کا کیا فلسفہ ہے کہ اسلام اس بچے کو وراثت سے محروم کرتا ہے اور اس کے چچا پر کرم و عنایت کرتے ہوئے ڈبل حصہ دلواتا ہے اس بچے نے کیا گناہ کیا؟

(ہ) اگر کوئی چچا قانون شریعت کی مخالفت کر کے اپنے بھتیجے کو برابر حصہ وراثت دیوے اور عدالت موجود میں عدالت کے سوال کے جواب میں یہ کہے کہ میں شریعت کو نہیں مانتا بلکہ رواج عام کا پابند ہوں تو وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

(و) اگر یہ بچہ بغیر تعلیم و تربیت کے آوارہ پھرے اور بری صحبت کی وجہ سے بد معاش یا ڈاکو بن جائے اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ المستفتی نمبر ۷۷۴ خان محمد (گوہانہ ضلع رہتک) ۱۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء

(جواب ٤٠٠) (ا) جبکہ کوئی متوفی اپنا لڑکا اور پوتا چھوڑے تو متوفی کی میراث لڑکے کو ملے گی اور پوتا محروم رہے گا کیونکہ وراثت میں قرابت قریبہ قرابت بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے یہی اصول اس صورت میں بھی جاری ہے کہ بیٹوں کے سامنے پوتے محروم ہوں گے خواہ ان پوتوں کے باپ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔[1]

(ب) چچا پر لازم نہیں کہ وہ پوتے کو میراث میں حصہ دار بنائے ہاں چونکہ وہ اس کا بھتیجا اور خاندان کا ایک فرد ہے اس لئے اس کی اعانت و خبر گیری اور اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا اس کے لئے موجب اجر و ثواب اور سلوک قرابت اور صلہ رحمی ہے۔[2]

(ج) شریعت اسلام نے جو اصول کلیہ مقرر فرمادئے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے یتیم بچہ اگر کفالت و تعلیم و تربیت کا محتاج ہے تو اس کی اعانت مامور بہا اور موجب اجر ہے۔[3] لیکن وراثت کے اصول شخصی مفاد کی خاطر بدلے نہیں جا سکتے۔

(د) نمبر میں لکھا گیا کہ وراثت کا مدار قرابت پر ہے نہ کہ افلاس و احتیاج پر اور قرابت میں واسطہ ذی واسطہ کے لئے حاجب ہوتا ہے اور قریب کے ہوتے ہوئے بعید محروم ہو جاتا ہے[4] اگرچہ بعید محتاج اور قریب مالدار ہو۔

(ہ) اگر چچا اپنے بھتیجے کو برابر کا حصہ دار بنالے یعنی اپنے حصے میں شریک کر لے تو اگرچہ بھتیجا براہ راست میراث پانے کا حقدار نہ تھا لیکن شریعت چچا کو اس سے منع نہیں کرتی کہ وہ اپنا حصہ کلاً یا جزءاً اپنے

---

(۱) الاقرب فالا قرب یرجحون بقرب الدرجة اعنی اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم وان سفلوا (سراجی باب العصبات ص ۱۳ ط سعید)

(۲-۳) و عن سهل ابن سعد قال قال رسول الله ﷺ . انا وكافل اليتيم له و لغيره في الجنة هكذا واشار بالسبابة والوسطى و فرج بينهما شيئاً (رواه البخاري' كذافي المشكوة ۲/ ٤٢٢ ط سعيد)

(٤) وهذا مبنى على اصلين : احدهماهو ان كل من يدلى الى الميت بشخص لا يرث مع وجود ذالك الشخص سوى اولاد الام فانهم يرثون معها لا نعدام استحقاقها جميع التركة والثاني الاقرب فالا قرب كما ذكر نا في العصبات (سراجي باب الحجب ص ۱۷ ط سعيد)

محجوب الارث بھتیجے کو دیدے۔[۱] لہذا یہ کہنا چاہئیے کہ میں اپنا حصہ بھتیجے کو دیدینے میں یا اس کو اپنے حصے میں شریک بنالینے میں شرعی طور پر مختار ہوں تو اس پر کوئی الزام نہیں لیکن یہ کہنا کہ میں اس بارے میں شریعت کو نہیں مانتا سخت گناہ کی بات ہے جس سے ایمان کے زوال کا قوی خطرہ ہے۔

(و) ہر متنفس اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے اگر اس کو مال دیدیا جائے اور وہ اس کے ذریعہ سے فسق و فجور کرے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ کیا وارث کے گناہ مورث پر ڈالے جائیں کہ اس کی میراث کے مال سے وارث نے فسق و فجور کیا ہے؟[۲] حاشا و کلا محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

پوتے کو ہبہ کئے ہوئے مکان میں اس کی ماں کا حصہ نہیں

(الجمعیۃ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) شیخ نظام الدین جی مرحوم کے دو لڑکے ہوئے (۱) بڑے لڑکے وجیہ الدین مرحوم (۲) دوسرے لڑکے معین الدین جی مرحوم

(الف) بڑے لڑکے وجیہ الدین جی کی شادی ہونے کے بعد ایک لڑکا کریم الدین جی پیدا ہوا پندرہ یوم کا چھوڑ کر اس کی والدہ وفات پاگئی پھر وجیہ الدین جی نے دوسری شادی مجہور النساء سے کی جس سے دو لڑکیاں کریم النسا اور کبیر النسا پیدا ہوئیں۔

(ب) شیخ نظام الدین جی کے چھوٹے لڑکے معین الدین جی نے ایک شادی کی جس سے چھ لڑکے پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں۔

وجیہ الدین جی کا انتقال اپنے والد کی زندگی میں ہوگیا ان کے والد شیخ نظام الدین جی نے اپنی حیات میں ایک مکان سہ منزلہ جو موروثی تھا دو حصے میں تقسیم کر کے ایک حصہ بڑے لڑکے وجیہ الدین مرحوم کے لڑکے کریم الدین کو جو وجیہ الدین کی پہلی بیوی سے تھا بصیغہ پرورش دیدیا اور دوسرا حصہ اپنے چھوٹے لڑکے معین الدین کو دیدیا مجہور النساء بیوہ وجیہ الدین اپنے لڑکے کریم الدین کے پاس رہنے لگی مگر حصہ ہونے کے کچھ دنوں بعد کریم الدین نے اس کو گھر سے نکال دیا اور کھانے کو بھی نہیں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا میرے ذمہ کوئی حق نہیں؟

(جواب ۴۰۱) جب کہ وجیہ الدین کا انتقال اپنے والد کے سامنے ہوگیا تو ان کا لڑکا کریم الدین محجوب الارث ہوگیا[۳] دادا نے جب مکان کا نصف حصہ اس کو دیا تو یہ ہبہ ہوا اور اس کا مالک صرف کریم الدین

---

(۱) و تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلاً لملک الواھب لامشغولاً بہ (الدر المختار' کتاب الھبۃ ۶ / ۶۹۰ ط سعید)

(۲) قال تعالیٰ : ولا تزر وازرۃ وزر اخری (الفاطر : ۱۸)

(۳) والا صل الثانی الا قرب فالا قرب کما ذکر نا فی العصبات انھم یرجحون بقرب الدرجۃ فالا قرب یحجب الابعد حجب حرمان سواء اتحد فی السبب اولا (شریفیہ شرح سراجیۃ باب الحجب ص ۴۸ ط سعید)

ہوا[1] اس لئے مجہور النساکو اس مکان میں سے حصہ نہیں مل سکتا۔ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

فصل سوم محروم الارث

کیا خاوند کو زہر پلانے کی وجہ سے بیوی میراث سے محروم ہو گی ؟

(سوال) عبداللہ اور اس کی زوجہ مسماۃ زبیدہ کے درمیان اکثر اختلاف رہا کرتا تھا جس سے اہل خانہ آگاہ تھے ناگہاں عبداللہ بہت بیمار ہو گیا بھائیوں نے عبداللہ کا علاج بہت کیا مگر بیماری بڑھتی گئی اس سے عبداللہ کے بھائیوں کو شک ہوا کہ ضرور اس کی زوجہ نے کوئی زہریلی چیز کھلادی ہے چند مسلمانوں کے سامنے اس سے بلا سختی و دھمکی کے دریافت کیا گیا۔ زبیدہ نے اقرار کیا کہ ہم نے ایک جڑی اپنے شوہر کو کھلایا ہے آخر عبداللہ جہاں بر نہ ہوا فوت ہو گیا اور عبداللہ نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے دو بھائی عبدالرحیم و عبدالکریم ایک ماں حمیدہ خاتون ایک لڑکا عبدالرحمن۔ ایک لڑکی جمیلہ خاتون بعدہ عبدالرحمن و جمیلہ خاتون بھی فوت ہو گئے کیا شرعاً مسماۃ زبیدہ مستحق پانے حق زوجیت کے ہے ؟ اور جائیداد عبداللہ کی کس طرح تقسیم ہو گی ؟
المستفتی نمبر ۹۱۶ محمد لیاقت حسین بھاگلپور ۱۴ صفر ۱۳۵۵ھ ۶ مئی ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۲) زہر اگر اتنی مقدار میں زبردستی پلایا جائے کہ وہ مقدار غالب حالات میں قاتل ہوتی ہے تو یہ قتل عمد ہو گا اور اگر اتنی مقدار نہ ہو مگر مفضی الی الہلاک ہو جائے تو شبہ عمد ہے اور ان دونوں صورتوں میں پلانے والا محروم عن المیراث ہو گا لیکن زبردستی نہ پلایا گیا ہو بلکہ کھانے میں ملا دیا گیا اور کسی نے اس کھانے کو کھالیا تو یہ قتل موجب حرمان میراث نہیں۔[2] اس تقسیم کے موافق صورت مسئولہ میں عورت کے محروم یا وارث ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا اور اس فیصلے کے بعد اس کی جائیداد کی صحیح تقسیم ہو سکے گی سوال میں کوئی تصریح نہیں کہ وہ جڑی زہر تھی یا نہیں اور کتنی مقدار کھلائی تھی اور کھلانے کی کیفیت کیا تھی ؟ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلاً لملك الواهب لا مشغولاً به (درمختار باب الهبة ۵/ ۶۹۰ ط سعيد)

(۲) المانع من الارث اربعة : الاول الرق ' والثاني القتل الذى يتعلق به وجوب القصاص او الكفارة' اما القتل الذى يتعلق به وجوب القصاص فهو القتل عمداً وذالك بان يتعمد ضربه سلاح او ما يجرى مجراه في تفريق الاجزاء كالمحدد من الخشب والحجر وموجبه الاثم والقصاص ولا كفارة فيه واما القتل الذى يتعلق به وجوب الكفارة فهو اما شبهه عمد كان يتعمد ضربه بما لا يقتل به غالباً الى قوله يحرم القاتل عن الميراث و فيه ايضاً واما اذا كان القتل بالتسبيب دون المباشرة كحافر البئر او واضع الحجر في غير ملكه ففيه الدية على العاقلة لا قصاص فيه ولا كفارة وكذا الجاني اذا كان القاتل صبيا او مجنوناً فلا حرمان عندنا بالقتل في هذه الصورة (شريفيه شرح سراجية ص ۱۱ ط سعيد)

فصل چہارم لاوارث کا ترکہ

وارث گم ہونے کی صورت میں اس کا حصہ امانت رکھا جائے

(سوال) ایک مسلمان بے وارث کا کچھ مال اور نقد رہ گیا ہے صاحب موصوف انتقال کر گئے ہیں اب کچھ نقد اور کچھ سامان چھوڑ گئے ہیں مرتے وقت کچھ نصیحت وغیرہ نہیں کی یہاں کے مسلمانوں میں تفرقہ پڑا ہوا ہے کچھ کہتے ہیں کہ مرحوم جو روپیہ نقد اور سامان چھوڑ گئے ہیں یہ سب مسجد کے کاروبار پر خرچ کیا جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ مرحوم نے وقف تو نہیں کیا مسجد کے لئے مسجد پر خرچ کرنا جائز نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۱۲ قاضی محمد حسین صاحب (ضلع گنجام) ۲۶ رجب ۱۳۵۵ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۳) مرحوم کا کوئی قریب یا بعید کا وارث موجود ہو تو مرحوم کا مال اس کا حق ہے۔ اگر وہ کہیں باہر کے تھے تو ان کے وطن سے تحقیق کی جائے اور تکمیل تحقیق تک مال امانت رکھا جائے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

فصل پنجم ترکہ کی تولیت

کیا باپ کی عدم موجودگی میں تایا کو نابالغہ پر ولایت حاصل ہے؟

(سوال) ایک دختر نابالغہ کا جس کا باپ زندہ نہیں ہے اس کے تایا نے بغرض اپنے ذاتی فائدے کے بلا رضا مندی والدہ نابالغہ و دیگر رشتہ داران کے نکاح کر دیا ہے اور مال نابالغہ اپنے قبضہ میں کر لیا ہے شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

(جواب ۴۰۴) نابالغہ کے نکاح کی ولایت باپ نہ ہو تو چچا تایا کو ہے[2] صورت مسئولہ میں تایا کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے تاوقتیکہ نکاح غبن فاحش یا غیر کفو کے ساتھ ہونا ثابت نہ ہو اس نکاح پر عدم جواز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔[3]

نابالغہ کے مال کی ولایت چچا کو حاصل نہیں ہے[4] پس اگر خاندان کے بڑے اور معتبر لوگ چچا پر اعتماد رکھتے ہوں تو اسے امین بنا دیں اور نہیں تو نابالغہ کا مال کسی دوسرے امین کی تحویل میں دیدیں۔

---

(۱) اس کے بعد بیت المال میں دیدیا جائے لیکن چونکہ اب بیت المال نہیں ہے تو میت کی طرف سے کسی بھی کار خیر میں خرچ کر دیا جائے۔

(۲) صورت مسئولہ میں چچا تایا کی ولایت تب صحیح ہوگی جب بھائی نہ ہو اگر بھائی ہو تو وہ ولایت میں چچا تایا سے مقدم ہے لما فی الدر الوالی فی النکاح لا المال العصبة بنفسه وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة بلا توسط انثى على ترتيب الارث والحجب (الدر المختار' كتاب النكاح باب الولي ۳/۷٦ ط سعيد)

(۳) وللولي الاتي بيانه انكاح الصغير والصغيرة جبراً ولو ثيباً (الى قوله) لا يصح النكاح من غير كفو او بغبن فاحش وما في صدر الشريعة صح و لهما فسخه (الدر المختار' كتاب النكاح ۳/٦٨ ط سعيد)

(٤) والولاية في مال الصغير الى الاب ثم وصيه (تنوير الابصار ' باب لا يعقد وكيل ٥/٥٢٨ ط سعيد)

کیانابالغ لڑکی کے مال کو اس کا باپ کاروبار میں لگا سکتا ہے ؟

(سوال) ہندہ ایک نابالغ لڑکی بعمر چھ سال ہے وہ ایک ترکہ کی وارث ہے جو اس کو اس کی والدہ متوفیہ کی طرف سے ملا ہے یہ ترکہ تقریباً چھ سو روپے کی شکل میں محمود کی معرفت بینک میں جمع ہے جہاں سے صرف بارہ روپیہ سال سود ملتا ہے ہندہ کا والد زید حیات ہے ہندہ اپنے والد کے پاس پرورش پا رہی ہے زید کا اپنا ذاتی کاروبار عرصہ دراز سے قائم ہے جس میں کبھی خدا کے فضل سے نقصان نہیں ہوا اب زید ہندہ کے سرمایہ کو اپنے کاروبار میں لگانا چاہتا ہے تاکہ کاروبار میں ترقی ہو اور جو کہ واقعات کی بنا پر ایک یقینی امر ہے محمود اور ہندہ کا آپس میں کوئی رشتہ بھی نہیں ہے محمود زید کے خلاف ہو گیا ہے وہ ہندہ کے سرمایہ کو بینک میں رکھنا اور سود لینا بہتر سمجھتا ہے۔ (نمبر ۱) کیا مندرجہ بالا واقعات میں زید کو یہ شرعی حق حاصل ہے کہ وہ اپنی لڑکی ہندہ کا سرمایہ اپنے کاروبار میں لگا دے جس میں ترقی یقینی امر ہے۔ (۲) کیا محمود حق بجانب ہے کہ وہ زید کے خلاف ہو کر یہ اصرار کرے کہ ہندہ کے سرمایہ کو بینک میں ہی رکھ کر سود لیا جاوے۔ المستفتی نمبر ۱۲۱۵ محمد یوسف صاحب (دہلی) ۷ رجب ۱۳۵۵ھ م ۷ اکتوبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۰۵) نابالغ لڑکی کے مال کی ولایت اس کے باپ کو حاصل ہے باپ کے سامنے کوئی اجنبی یا رشتہ دار ولایت کا مستحق نہیں ہے [1] باپ اپنی نابالغ بچی کا مال اپنی تحویل میں یا نگرانی میں رکھنے کا مجاز ہے تجارت میں لگانے کا اس صورت سے مجاز ہے کہ نفع تو لڑکی کو ملے گا مگر نقصان کا خود ضامن ہو۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا بھائی کو بھائی کے مال پر ولایت حاصل ہے ؟

(سوال) زید نے اپنی وفات کے بعد ایک زوجہ ایک لڑکی اور چار لڑکے چھوڑے ہیں جن میں ایک لڑکا عبدالغنی فاترالعقل ہے کیا اس کی ولایت سگے بڑے بھائی کی موجودگی میں کسی غیر کو پہنچتی ہے ایک غیر شخص عبدالغنی فاترالعقل کا ولی بننا چاہتا ہے جس سے اس کو کوئی بعید کا بھی تعلق نہیں ہے تقسیم جائیداد کے لئے جن صاحب کو پنچ مقرر کیا تھا انہوں نے بھی اپنے فیصلہ اور تقسیم نامہ میں بڑے بھائی کو ولی قرار دیا ہے۔ المستفتی نمبر ۲۰۶۴ محمد اسحاق گلی قاسم جان دہلی۔ ۱۸ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۰۶) مال کی ولایت تو بھائی کو بھی حاصل نہیں ہے بلکہ صرف باپ دادا یا ان کے مقرر کئے ہوئے وصی ہی ہو سکتے ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر حاکم جس کی امانت دار اور خیر خواہ سمجھے اس کو ولی مقرر کر دے یا پھر فاترالعقل کا حصہ اپنی تحویل میں لے۔ کسی اجنبی شخص کو ولی بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ [3]

---

(۱) وصی ابی الطفل احق بماله من جده و فی الشامیة : الولاية فی مال الصغير للاب ثم وصيه (الدرالمختار' كتاب الوصايا ۶/۷۱۴ ط سعيد) (۲) ولا يتجر الوصی فی ماله ای اليتيم لنفسه فان فعل تصدق بالربح وجاز لو اتجر من مال اليتيم لليتيم فی الشامية تحت قول الدر (فان فعل تصدق بالربح) ای عندهما و يضمن راس المال و عند ابی يوسف يسلم له الربح ولا يتصدق بشی خانيه (الی قوله) والصحيح ان الاب كالوصی لا كالقاضی الخ (الدرالمختار' باب الوصی ۵/۵۵۵ ط بيروت) (۳) والولاية فی مال الصغير الی الاب ثم وصيه ثم الی ابی الاب ثم الی وصيه ثم الی القاضی ثم الی من نسبه القاضی الخ (تنوير الابصار ' كتاب الوكالة ۵/۵۲۸ ط سعيد)

دوسرا باب
تقسیم ترکہ

باپ فوت ہونے کی صورت میں نابالغ کی اولاد کی پرورش کس کے ذمے ہے؟

(سوال) زید کا انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے ایک زوجہ اور ایک دختر یک سالہ چھوڑ گیا صورت موجودہ میں زوجہ زید کو اس کا مہر اور مال متروکہ میں حصہ ملے گا؟ نیز دختر مذکورہ کی پرورش کون کرے گا اور اس کا نفقہ کس پر اور کس عمر تک واجب ہو گا؟ بینوا توجروا۔

(جواب ٤٠٧) زوجہ زید کو اس کا پورا مہر ملے گا[1] اور زید کے ترکہ میں سے اس کی زوجہ کو حق ارث آٹھواں حصہ دیا جائے گا[2] اور باقی اس کی لڑکی کا حق ہے جب کہ زید کا سوائے ان دو کے اور کوئی وارث نہ ہو[3] لڑکی کی پرورش کا حق اس کی والدہ کو ہے[4] اور نفقہ خود لڑکی کے مال میں سے لیا جائے گا اور جب اس کا مال نہ رہے تب ماں کے ذمہ ہو گا۔[5] واللہ اعلم کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔

تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) (۱) ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے ایک شیر خوار لڑکی اور ایک حقیقی بہن ایک دادی ایک زوجہ ایک علاتی بھائی ورثا چھوڑے عند الشرع ورثائے مذکور میں متوفی کی جائیداد کس طرح تقسیم ہو گی؟

(۲) متوفی کی زوجہ کا مہر نو ہزار تھا اور متوفی کی کل جائیداد کی مالیت عند الوفات سات ہزار کی تھی اب بیوہ متوفی کی کل جائیداد پر قابض ہو گئی بالعوض اپنے مہر کے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا متوفی کی کل جائیداد پر زوجہ بالعوض مہر کے مالک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ یا متوفی کی جائیداد اس آمدنی کو جو آٹھ دس برس کے عرصے میں اس جائیداد سے وصول ہوئی اور وہ نو ہزار سے زائد ہے بالعوض مہر کے وضع کیا جا سکتا ہے یا

---

(۱) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة : الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية' الباب السابع في المهر ۱/ ۳۰۳ ط ماجديه)

(۲) فيفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد اوولدابن (الدرالمختار' باب الفرائض ٦ / ۷۷ ط سعيد)

(۳) لڑکی نصف ذی فرض ہونے کی وجہ سے ملے گا اور باقی اس پر رد ہو گا لما في الدر : والثلثان بكل اثنين فصا عدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ۷۷۳ ط سعيد) وفي الشريفيه وما فضل من المخرج عن فرض ذوى الفروض ولا مستحق له من العصبة يرد ذالك الفاضل على ذوى الفروض بقدر حقوقهم الخ(شريفيه ' باب الرد' ص ۷٤ ط سعيد)

(٤) تثبت للام النسبية ولو كتابية او مجوسية او بعد الفرقة الا ان تكون مرتدة (الدرالمختار باب الحضانة ۳/ ۵۵۵ ط سعيد)

(۵) وفي كتب الشافعية. مؤنة الحضانة في مال المحضون لو له والد فعلى من تلزمه نفقته قال شيخنا وقواعدنا تقتضيه فيفتي به ثم حرر ان الحضانة كالرضاع الخ (الدرالمختار' ۳/ ۵٦۲ ط سعيد)

نہیں؟بینوا توجروا

(جواب ۴۰۸) مسئلہ ۲۴ زوجہ ۔ جدہ ام الاب ۔ بنت ۔ اخت عینیہ ۔ اخ علاتی
۳ ۴ ۔ ۱۲ ۔ ۵ ۔ محروم

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث کل ترکہ کے چوبیس سہام ہوں گے ان میں سے تین سہام زوجہ کو اور چار سہام جدہ کو اور بارہ سہام لڑکی کو اور پانچ سہام حقیقی بہن کو ملیں گے علاتی بھائی محروم ہے۔[1]
زوجہ کا دین مہر تقسیم میراث پر مقدم ہے لیکن ظاہر ہے کہ مہر بصورت دین زوج کے ذمہ واجب الادا تھا۔ ترکہ یعنی جائیداد وغیرہ خود عین مہر نہیں اس لئے زوجہ کا اپنے حق مہر میں جائیداد پر قبضہ کرلینا خود بخود موجب ملک نہیں ہے بلکہ یا تو تراضی طرفین سے یا حکم قاضی سے جائیداد مہر میں محسوب ہو سکتی ہے۔[2]
پس جائیداد جو زوجہ کے قبضے میں رہی اس کی حیثیت ترکہ مشترکہ ہی رہی اور اس کی آمدنی یقیناً زوجہ کے پاس بطور امانت رہی نہ کہ بصورت ملک پس یا تو زوجہ اس کو اپنے دین مہر میں محسوب کرے یا واپس کردے اور جائیداد حصہ رسدی مع منافعہ کے (بعد ادائے حق مہر) تقسیم ہو گی۔ واللہ اعلم

میراث کی ایک صورت

(سوال) مسمی امام الدین ایک زوجہ دو بیٹی پانچ اخیافی بھائی اور پانچ ابن ابن العم اور زر جنس نقود و عقار و سائمہ چھوڑ کر قضاء کر گیا پس ترکہ میت ہذا اس کے وارثوں پر کیونکر تقسیم ہو گا اور اکثر علمائے زماں بیٹی کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کو مطلقاً محروم کر کے ایسے عصبہ جو میت کے اصول و فروع میں سے نہیں ہیں ولاتے ہیں آیا یہ حق ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا

(جواب ۴۰۹) ۱۳۵

مـ ۲۴ تصـ ۲۷

میت ـــــــــــ امام الدین

زوجہ	بنت	بنت	اخ الام	اخ الام	اخ الام	اخ الام	اخ الام	ابناء ابن العم
فصل النساء ماجدہ		حلیمہ	مسلم میاں	عبداللہ	احمد اللہ	عبدالغنی	عبدالمجید	
۱۵ ۳	۴۰ ۸	۴۰ ۸	۸	۸	۸	۸	۸	محروم

بتقدیر صدق مرقومۃ الذکر وانحصار ورثہ فیما ذکر بعد نفاذ حکم ماتقدم علی الارث کے جملہ ترکہ امام الدین ایک سو پینتیس سے تصحیح ہو کر زوجہ کو ثمن کے پندرہ اور ثلثان کے اسی سے دونوں بیٹیوں میں ہر ایک کو

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق حاشیہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)
(۲) اب تو مہر حقدار اپنے حق پر جیسے چاہے قبضہ کر سکتا ہے في الشامية : تحت قول الدر (يعني لا امره) لان للدائن ان ياخذ بيده اذا ظفر بجنس حقه بغير رضي المدين فكان للقاضي ان يعينه (ردالمحتار ۱۵/۶ ط سعيد)

چالیس چالیس اور ثلث کے چالیس سے پانچوں اخیافی بھائیوں کو فی کس آٹھ آٹھ سہام پہنچتے ہیں اور ذوالفرائض سے نہ بچنے کے سبب پانچوں ابن ابن العم محروم ہو گئے ہیں۔

اس ملک کے بعض عالموں نے بنات کے مقابل توریث اولادام میں یوں حکم لگایا ہے کہ بنات کے مقابل اولادام کو کچھ نہ ملے گا اور بعضوں کا خیال ہے کہ سراجی و شریفی کی عبارت کے موافق ام کی موجودگی میں اس کی اولاد کو بسبب انعدام استحقاق جمیع ترکہ من جہتہ واحدہ کمافی العصبہ کے میراث ملتی ہے یہاں بھی بسبب انعدام اولاد ذکور واستحقاق جمیع ترکہ من جہتہ واحدہ کے میراث مل سکتی ہے اور فتاویٰ سراجیہ میں ذوی الارحام کے باب میں جو عبارت ہے **وان اجتمعت قرابة الاب وقرابة الام فالثلثان لقرابة الاب والثلث لقرابة الام**[1] اور فتاویٰ خیریہ میں بقول امام محمدؒ بنت الاخت لاب کی معیت میں اولاد الاخ لام کو میراث دلاتے ہیں اور علامہ شامی اپنی تنقیح میں فرماتے ہیں **قال فی الملتقی وبقول محمدؒ یفتی و فی التتار خانية قول محمدؒ اشهر روايتين عن ابی حنيفةؒ فی جميع ذوی الارحام و عليه الفتوی**[2] یہاں ان علاموں کی عبارت سے امام محمدؒ کے نزدیک اخیافی قرابت کی ترجیح مفہوم ہوتی ہے مگر اس اطراف میں امام محمدؒ کی مثل محیط و بسائط وغیرہ کے دستیاب نہیں لہذا اس کی تتبع کما حقہ دشوار ہے جناب مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کے جلد اول ص ۳۴۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

استفتاء : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید نے وارث ذیل چھوڑ کر انتقال کیا پس ترکہ زید کس طرح تقسیم ہوگا زوجہ ایک' دختر دو' بھائی اخیافی ایک' ماں ایک۔

ہوالمصوب : صورت مسئولہ میں بعد ادائے ماتقدم علی الارث و رفع موانع ارث کل ترکہ ستائیس سہم پر منقسم ہوگا منجملہ اس کے تین سہم زوجہ کو اور آٹھ آٹھ سہام ہر ایک دختر کو اور چار سہم ماں کو اور اسی قدر بھائی اخیافی کو ملے گا واللہ اعلم حررہ' الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحیؒ تجاوز اللہ عن ذنبہ الخفی والجلی۔

حضرت مولانا کے اس فتویٰ دینے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک امام محمدؒ کا قول مرجح ہے بعض کوتاہ بین یہ تاویل کرتے ہیں کہ مولانا مرحوم نے اخ لام کو بمقابلہ بنات وارثی حیثیت سے ترکہ نہیں دیتے ہیں بلکہ دراصل وہ مسئلہ ردیہ ہے مولانا مرحوم ماباقیہ ذوی الفروض پر رد نہ کر کے ترحماً اخ لام کو دلاتے ہیں سو ظاہر ہے کہ اگر ترکہ دلانا ایسے حیثیت سے ہوتی تو تئیس زوجہ اور دو دختر و ماں کو دے کر باقی ایک اخ لام کو دیتے حاجت عول اصلاً نہ پڑتا عول کرنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اخ لام کو سدس کا وارث بنا کر عول کئے ہیں۔

فائدہ : شاید کہ بعض ظاہر بین اس فتویٰ کو اپنے جمہور کی مخالف پانے کی وجہ سے اس کے مفتی مولانا عبدالحیؒ مرحوم پر کہیں اعتراض نہ کر بیٹھیں کیونکہ بنات کے مقابلے میں اولاد ام کو کس رو سے دلایا استفتائے مذکور میں اس کی کوئی تصریح نہیں پائی جاتی اگرچہ یہ کم بضاعت اس تبحر کے ماخذ اور مستخرج عنہ کے

---

(۱) (فتاوی سراجیه ص ۱۵۳ طبع جدید)

(۲) لكن قول محمد اشهر الروايتين عن ابی حنيفه فی جميع ذوی الارحام و عليه الفتوی وفی الملتقی و بقول محمد يفتی تتارخانية (الدرالمختار' كتاب الفرائض' باب توريث ذوی الارحام ٦/ ٧٩٢ ط سعيد)

استقصاے قاصر ہے تاہم اپنے فہم ناقص کے موافق اس مبہم کی توجیہ کے واسطے چند توجیہوں کو تحریر میں لاتا ہے۔

اولاً بیشک بنت کے ساتھ اولاد ام محجوب ہوتی ہے جیسا کہ کنز الدقائق میں ہے والبنت تحجب ولد الام انتہی[1] چونکہ بنات میں عصوبت بنفسہ معدوم ہے جس کے سبب تمام ترکہ کے احراز کی مستحق ہوویں پس ثلثان سے جو کچھ فاضل رہا ہو از روئے استناد سبب آخر کے ان ذوی الفروضوں کا استحقاق ہو سکتا ہے جیسا کہ سراجی میں بسبب نہ ہونے یک جہتی قرابت کے ام کے ساتھ اولاد ام کی میراث پانے کے بارے میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے۔ وھو ھذا۔ ان کل من یدلی ای ینتھی الی المیت بشخص لایرث مع وجود ذلک الشخص کابن الابن فانہ لا یرث مع الابن سوی اولاد الام فانھم یرثون معھا مع انھم یدلون الی المیت بھا وذلک لانعدام استحقاقھا جمیع الترکہ[2] اور شریفی میں ہے۔[3] وتحقیق ھذا الاصل ان شخص المدلی بہ ان استحق جمیع الترکۃ لم یرث المدلی مع وجودہ سواء اتحدا فی سبب الارث کما فی الاب والجد والا بن وابنہ او لم یتحدا کما فی الاب والاخوۃ والاخوات فان المدلی بہ لما احرز جمیع المال لم یبق للمدلی شئ اصلا وان لم یستحق المدلی بہ الجمیع فان اتحد ا فی السبب کان الا مرکذلک کما فی الام وام الام لان المدلی بہ لما اخذ نصیبہ بذلک السبب لم یبق للمدلیٰ من النصیب الذی یستحق بذلک السبب شئ ولیس لہ نصیب اخر فصار محروما وان لم یتحدا فی السبب کما فی الام واولاد ھا فان المدلی بہ حینئذٍ یا خذ نصیبہ المستند الی سببہ والمدلی یا خذ نصیباً اخرمستندا الی سبب اخر فلا حرمان ۔اور علامہ احمد نگری اس کے حاشیے میں فرماتے ہیں۔ فان السبب فی ارث الام الامومۃ و سبب ارث اولادھا الاخوۃ و الاختیۃ ایضاً شریفی میں ہے۔ قلنا لیس ذلک الاستحقاق من جھۃ واحدۃ فانھا تستحق بعض الترکۃ بالفرض و بعضھا بالرد الخ[4]

ثانیاً یہ کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے وان اجتمعت قرابۃ الاب وقرابۃ الام فالثلثان لقرابۃ الاب والثلث لقرابۃ الام[5] پس اگر بنو الاخیاف مرۃ بسبب انعدام قرابت اب کے محروم ہو گئے ہیں۔ پس تارۃ اخری بہ سبب بقائے قرابت ام کے ردا بقدر حقوقہم مستحق ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً۔ جب کسی صورت میں بنات ثلثان سے زیادہ کے مستحق نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس ایسے عصبہ کو جو میت کے اصول و فروع میں سے نہیں اور نہ ان چھ شخصوں میں سے ہیں جن کی موجودگی کی حالت میں یہ لوگ ساقط ہو سکتے ہیں در مختار اور شامی نے جن پر انحصار اور اقتصار کیا ہے۔

---

(۱) (کنز الدقائق' کتاب الفرائض ۲: ۴۹۹ ط امدادیہ)
(۲) (سراجی' باب الحجب ص ۱۷)
(۳) (سراجی' باب الحجب ص ۴۸ ط سعید)
(۴) (شریفیہ شرح سراجیۃ' باب الحجب ص ۴۸ ط سعید)
(۵) (فتاوی سراجیہ ص ۱۵۳ ط جدید)

و یسقط بنو الا خیاف وھم الاخوۃ والا خوات لام بالولد وولد الا بن وان سفل و بالا ب والجد بالا جماع لانھم من قبیل الکلالۃ کما بسطہ السید اور شامی میں ہے قولہ بالولد الخ ای ولو انثی فیسقطون بستۃ بالا بن والبنت وابن الا بن و بنت الابن والاب والجد و یجمعھم قولک الفروع الوارث والا صول الذکور و قد نظمت ذلک بقولی و یحجب ابن الام اصل ذکر کذلک فرع وارث قد ذکروا اور ابن ابن العم ان منحصرین میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہو سکتے پس ایسے عصبہ کو تقدیم ان ساتوں میں داخل ہونے والے ذوی الفروع پر جن پر رد کیا جاتا ہے کیسے ہو سکتی ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ واعلم ان جمیع من یرد علیہ سبعۃ الام والجدۃ والبنت و بنت الابن والاخوات من الابوین والا خوات لاب واولاد الام الخ [1] پس ابن ابن العم کی تقدیم ضرور ناحق اور باطل ہے شریفی میں ہے وایضا تقدیم العصبۃ یوجب حرمان اصحاب الفرائض وھو باطل قطعا بالقرآن المجید اور علامہ احمد نگری اس کے حاشیے میں لکھتے ہیں ان تقدیم العصبۃ یوجب حرمان اصحاب الفرائض لان العصبۃ اذا کان مقدماً علی اصحاب الفروض کانت مفردۃ من غیرہ فی الورثۃ والعصبۃ عند الانفراد و یحرز جمیع المال فیکون تقدیمہ علی اصحاب الفرائض موجبا لا مر باطل بالاجماع والموجب للباطل باطل انتھی کلامہ [2]

رابعاً اگرچہ ناظرین کو مولانا کے فتویٰ کے موافق ان وارثین محجوبین کو ترکہ دلانے پر تعجب آتا ہے آیا اس سے بڑھ کر تعجب خیز اور خلاف اجماع نہیں ہے جو شامی نے زوجات پر رد کرنے کو نقل کیا ہے اور اس سے بڑھ کر بھی حیرت انگیز نہیں ہے جو اشباہ میں بنت معتق اور رضاعی بیٹی پر رد کرنے کو لکھا ہے وھو ہذا ذکرہ الزیلعی من آخر کتاب الولاء ان بنت المعتق ترث المعتق فی زماننا وکذا اما فضل بعد فرض احد الزوجین یرد علیہ وکذ المال یکون للبنت رضاعا و عزاہ الی النھایۃ بناء علی انہ لیس فی زماننا بیت مال لانھم لا یضعونہ موضعہ [3] تم کلامہ۔

پس ایسے استاد زماں جنکی عمدۃ الرعایۃ شرح ہدایہ اور حواشی شریفی اور تمام علوم وفنون کی کتابوں کے حواشی اور شروح کے مؤلف ہوں اور زمانہ بھر کے طلبہ وعلما اس سے استمداد و استفادہ لیتے ہیں حتی کہ علمائے مصر و استنبول کا اقتصار بھی ان کی تصانیف اور تالیفات کی طرف ظاہر ہے پس ایسے مؤلف بزرگ کی شان میں قدح کرنا اور ان کی معلومات کو سراجی کی عبارت ویسقطون بالولد وولد الابن الخ سے قاصر سمجھنا تنگ حوصلگی اور جوہر ناشناسی ہے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین (مجیب کا نام نہیں ہے)

(جواب ۴۰۹) از مفتی اعظمؒ ان الحکم الا للہ صورت مسئولہ میں ابناء الام یعنی اخیافی بھائی قطعاً محروم

---

(۱) (عالمگیریۃ' الباب الرابع عشر فی الرد ۶۔۴۶۹ ط بیروت مصری)

(۲-۳ حاشیہ بمع حوالہ غائب ہیں)

ہیں اور اصحاب فروض سے بچے ہوئے ترکہ کے مستحق ابناء ابن العم ہیں اولاد ام کا ولد میت سے ساقط ہو جانا حنفیہ کے یہاں متفق علیہ ہے اور بصورت سقوط وہ اس صورت واقعہ میں صاحب فرض نہیں ہیں علامہ لکھنوی کا یہ فتویٰ بھی جو سائل نے ان کے مجموعۃ الفتاویٰ سے نقل کیا ہے صحیح نہیں ہے جو لغزش قلم یا ذہول علامہ لکھنوی پر محمول ہوگا مجیب نے اس کی تائید میں جو وجوہ اربعہ ذکر کی ہیں ان سے ہرگز اس کی تائید نہیں ہوتی پہلی وجہ اس لئے کہ اس مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ وہ ان واسطوں اور ذی الواسطہ کے متعلق ہے جن کی وراثت باہم ایک دوسرے کے وجود وعدم پر مبنی ہے[1] اولاد ام کی توریث میں بنات میت واسطہ نہیں ہے کہ ان کے عدم استحقاق جمیع ترکہ سے اولاد الام کو کچھ دیا جا سکے وجہ ثانی ذوی الارحام سے متعلق ہے اور یہاں ذوی الفروض حاجب موجود ہیں وجہ ثالث بالکل نا قابل التفات ہے کیونکہ سقوط اولاد ام کا بنات سے ہے جو خود عبارت[2] منقولہ مجیب سے بصراحت ثابت ہے نیز عصبات کی توریث رد سے مقدم ہے پھر عصبہ کے ہوتے ہوئے رد کرنے کے کوئی معنی نہیں چوتھی وجہ نا قابل التفات ہے کیونکہ حکم رد علی الزوجین کا جب دیا جاتا ہے کہ کوئی مستحق رد ان کے علاوہ موجود نہ ہو[3] اور صورت مسئولہ میں تو وارث عصبہ موجود ہے پس اس کا حق چھین کر غیر وارث یعنی محجوب کو دینا صریح ظلم ہے واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

میراث کی ایک صورت

(سوال) زید نے انتقال کیا اور حسب ذیل وارث چھوڑے پسران نابالغ دو، دختران نابالغ دو، والدہ حقیقی ایک، پھوپھی حقیقی رشتہ دار قریبی ایک، ماموں حقیقی رشتہ دار قریبی دو۔ مرحوم کا ترکہ کس کس کو کتنا کتنا بروئے شرع محمدی پہنچتا ہے اور نابالغان کا ولی بروئے شرع کون قرار دیا جا سکتا ہے واضح رہے کہ مرحوم کی والدہ نے نکاح ثانی کر رکھا ہے ایسی صورت میں نابالغان کی ولی ماں ہو سکتی ہے یا دوسرا کوئی قریبی رشتہ دار؟

(جواب ۴۱۰) مـ ٦ تصـ ٣٦

والدہ	ابن	ابن	بنت	بنت
۱/۶	۱۰	۱۰	۵	۵

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چھتیس سہام پر تقسیم ہوگا اس میں سے چھ سہام

---

(۱) ان الشخص المدلي به : حاصله ان المدلي به اما ان يستحق جميع التركة اولا ' و على الاول لا يرث المدلي مع وجود المدلي به سواء اتحد اوفي السبب للارث و على الثاني ان اتحدافي السبب كما في الام واولادها فالمدلي حينئذ يرث مع وجود المدلي به (حاشية الشريفيه' باب الحجب ص ٤٨ ط سعيد)

(۲) و يسقط بنو الاخياف وهم الاخوة والاخوات لام بالولدو ولد الابن (الى قوله) لانهم من قبيل الكلالة' وفي الشامية قوله بالولد اى ولد انثى فيسقطون بستة (الى قوله) ويحجب ابن الام اصل ذكر كذالك فرع وارث قد ذكروا(الدرالمختار' كتاب الفرائض ٧٨٢/٦ ط سعيد) '

(۳) في الشامية تحت قول الدر (وفي الاشباه) وفي المستصفى والفتوى اليوم على الرد على الزوجين عند عدم المستحق الخ(ردالمحتار' باب العول ٥٠٢/٥ ط سعيد)

والدہ کو اور دس دس سہام دونوں لڑکوں کو اور پانچ پانچ سہام دونوں لڑکیوں کو ملیں گے[1] بچوں کی پرورش کا حق ان کی دادی کو ہے وہ لڑکوں کو سات سال کی عمر تک اور لڑکیوں کو بالغ ہونے تک اپنی پرورش میں رکھ سکتی ہے[2] بشرطیکہ اس کا خاوند بچوں کا غیر محرم نہ ہو[3] بچوں کے مال کی نگرانی اور قبضے کا حق اسے نہیں ہے مال کی نگرانی خاندان کے اہل الرائے کے مشورے یا عدالت کے ذریعے سے کسی امین شخص کے سپرد کردینی ہوگی[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ دہلی

بیوہ اپنے مہر کا مطالبہ مرحوم شوہر کی والدہ سے نہیں کر سکتی

(سوال) زید نے بوقت وفات مندرجہ ذیل وارث چھوڑے والدہ ٗ ہمشیرہ ٗ زوجہ ٗ مرحوم کی والدہ صاحب جائیداد ہے جو اس نے اپنی والدہ کی وراثت سے پائی ہے اور اب بھی وہ اس پر مالک و قابض ہے مرحوم کے ذمہ اپنی بیوی کا دین مہر واجب تھا۔ پس کیا متوفی کی بیوہ اس کی والدہ کی جائیداد سے اپنا مہر پا سکتی ہے ؟

(جواب ۴۱۱) مرحوم کی بیوہ اپنے شوہر کے ترکہ سے مہر لینے کی مستحق ہے[5] شوہر کی والدہ سے مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہاں اگر مرحوم کی والدہ نے مہر کی ضمانت کی ہو تو ضمانت کی بنا پر اس سے مہر کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور ضمانت نہ ہو تو نہیں[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ٗ

مطلقہ بیٹی کے ترکہ سے باپ کو حصہ ملنے کی صورت

(سوال) زید کی لڑکی کو طلاق ہوئی اور اس لڑکی کے تین بچے ہیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا مطلقہ لڑکی کا زید کے گھر میں انتقال ہو گیا اور اس نے ایک مکان چھوڑا ہے جو اس کی ملکیت تھا اس مکان سے زید کو کتنا حق پہنچتا

---

(۱) وللام السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة اوالا خوات الخ(الدرالمختار ٗ کتاب الفرائض ٦/ ۷۷۲ ط سعید) وفی العالمگیریة واذا ختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة ٗ کتاب الفرائض ٦/ ٤٤٨ ط ماجدیه)

(۲) والحاضنة اما او غیر ها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء و قدر بسبع و به یفتی لانه الغالب (الیٰ قوله) والام والجدة لام اولاب احق بها بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ فی ظاهر الروایة (الدرالمختار ٗ باب الحضانة ۳/٥٦٦ ط سعید)

(۳) والحاضنة یسقط حقها بنکاح غیر محرمه ای الصغیر (الدرالمختار ٗ باب الحضانة ۳/٥٦٥ ط س)

(٤) وولیه ابوه ثم وصیه ثم جده ثم وصیه ثم القاضی او وصیه دون الام او وصیها ٗ وفی الشامیة:تحت قول الدر(دون الام) قال الزیلعی واما ما عدالا صول من العصبة کالعم والاخ او غیر هم کالام ووصیها وصاحب الشرط لا یصح اذنهم له لانهم لیس لهم ان یتصر فوافی ماله تجارة فکذا لا یملکون الاذن له فیها (الدرالمختار ٗ کتاب الماذون ٥/ ۱۱۰ ط بیروت)

(٥) والمهر یتاکد باحد معان ثلث ٗ الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین لخ (عالمگیریة ۱/ ۳۰۳ ط ماجدیه)

(٦) و حکمها الزوم المطالبة علی الکفیل بما هو علی الا صیل نفسا اومالاً فی الشامیة ای ثبوت حق المطالبة متی شاء الطالب(الدرالمختار ٤/ ۲۸٤ ط س)

ہے ؟

(جواب ۴۱۲) زید کی لڑکی جس کو طلاق ہوئی تھی اگر عدت طلاق گزر جانے کے بعد اس کا انتقال ہوا اور اس کے تین بچے بھی ہیں تو مرحومہ کے ترکہ میں سے اس کے باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی کے چار حصے ہوں گے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور دو حصے لڑکے کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ 'دہلی

(۱) کیا بیٹی کے علاج پر کیا ہوا خرچ اس کے ترکہ میں سے لیا جا سکتا ہے ؟

(۲) جہیز میں دیا ہوا سامان لڑکی کے ترکہ میں شمار ہو گا

(۳) داماد کو بیٹی کے ترکہ سے محروم کرنے کے لئے حیلہ جائز نہیں

(۴) نابالغ لڑکی کا حصہ نانی کے بجائے باپ کے پاس رکھا جائے

(سوال) (۱) زید نے اپنی دختر صاحب شوہر کی علالت کے زمانے میں غذاء یا دواء جو کچھ خرچ کیا وہ دختر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے یا اس کے شوہر سے وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں ؟
(۲) زید نے اپنی دختر کو بوقت شادی زیورات اور کپڑے اور بطور جہیز اسباب وغیرہ دیئے ہوں وہ ترکہ میں داخل ہے یا نہیں ؟
(۳) زید محض اس خیال سے کہ داماد میری لڑکی کے ترکہ سے محروم رہے حیلہ بہانہ تلاش کرے تو وہ شرعاً گناہ گار ہے یا نہیں ؟
(۴) ہندہ ایک لڑکی صغیرہ اور والد اور خاوند چھوڑ کر مر گئی تو لڑکی صغیرہ کا حصہ رکھنے کا حقدار اس کا والد ہے یا نانا ؟ المستفتی نمبر ۱۴ مولوی سید عبدالرحیم راندیر ضلع سورت' ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۳۰ جولائی ۱۹۳۳ء

(جواب ۴۱۳) (۱) باپ نے اپنی شادی شدہ لڑکی کے علاج یا خوراک میں بزمانہ علالت دختر جو کچھ خرچ کیا ہے اگر خرچ کرنے کے وقت لڑکی سے یہ کہہ دیا ہو کہ میں بطور قرض خرچ کرتا ہوں جو تمہارے مال سے وصول کر لوں گا تو اب لڑکی کے ترکہ سے لے سکتا ہے اور اگر بغیر اطلاع اس امر کے خرچ کیا ہے تو اب نہیں لے سکتا نہ مرحومہ کے شوہر سے نہ اس کے ترکہ سے ۔ اگر اس نے لڑکی کے شوہر سے کہہ دیا ہو کہ میں اپنا خرچ تم سے وصول کر لوں گا اور اس نے اقرار کر لیا ہو تو اس سے وصول کر سکتا ہے اور نہیں کہا تھا تو اب نہیں لے سکتا ۔[2]

---

(۱) وللاب والجد السدس وذالك مع ولد او ولد ابن الخ (الدر ۶/ ۷۷۰) وفی العالمگیریۃ' واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ ۶/ ۴۴۸ ط مصری)
(۲) وفی المحیط عن محمد اذا نوی الاب الرجوع و نقد الثمن علی ھذہ النیۃ و سعہ الرجوع فیما بینہ و بین اللہ تعالی واما فی القضاء فلا یرجع مالم یشھد مثلہ فی المنتقی (الی قولہ) ان اشھد علیہ والا فلا (رد المحتار' کتاب الفرائض' باب الوصی ۶/ ۷۱۷ ط سعید)

(۲) لڑکی کو شادی کے وقت جو مال واسباب بطور جہیز دیا تھا وہ سب لڑکی کی ملک ہے اور اس کے ترکہ میں شامل ہے۔[۱]

(۳) زید یعنی مرحومہ کے والد کا کوئی ایسا حیلہ بتانا کہ داماد مرحومہ کے ترکہ سے محروم ہو جائے سخت گناہ اور ظلم ہے۔[۲]

(۴) جب کہ مرحومہ نے ایک شوہر اور ایک لڑکی اور ایک والد چھوڑا ہے تو شوہر کو ترکہ کا ایک چوتھائی اور والد کو ایک چوتھائی دیا جائے گا اور باقی آدھا لڑکی کو ملے گا۔[۳]

مسئلہ ۴	زوج	اب	بنت
	۱	۱	۲

اور لڑکی کا حصہ لڑکی کے باپ یعنی مرحومہ کے شوہر کی تحویل میں رہے گا۔ نانا کو مال کی ولایت حاصل نہیں ہے۔[۴] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ' دہلی الجواب صحیح۔ حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

زندگی میں میراث تقسیم کرنے کا حکم

(سوال) ہندہ مورث اعلیٰ جو بن القائم ہے اپنی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے ورثا میں حسب سہام شرعی تقسیم کرنا چاہتی ہے اس کے اس وقت پانچ وارث ہیں تین لڑکیاں ایک پوتا بڑے لڑکے کا بیٹا اور ایک پوتی چھوٹے لڑکے کی بیٹی براہ کرم ارقام فرمائیں کہ کس وارث کو کس قدر حصہ شرعاً ملنا چاہئے۔

مورث اعلیٰ ہندہ' ورثا محمود بن عمرو' زبیدہ بنت بکر' سعیدہ' شریفہ' جمیلہ۔ المستفتی نمبر ۲۲۱ وجیہ احمد صاحب پنجورہ ضلع گیا۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ م یکم مارچ ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۴) ہندہ کے موجودہ ورثا اس حساب سے حقدار ہیں۔[۵]

م ۳ تصـ ۹	دختر	دختر	دختر	پسر پسر	دختر پسر
	۲	۲	۲	۲	۱

(۱) اگر عرف میں جہیز لڑکی کے ملک میں دیدیا جاتا ہے تو پھر یہ ترکہ میں شمار ہوگا ورنہ نہیں فی الشامیة : والمعتمد البناء علی العرف کما علمت (رد المحتار' باب الوصایا ۳/ ۱۵۷ ط سعید)

(۲) قال علیه الصلوٰة والسلام : من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة الحدیث (مشکوٰة شریف' باب الوصایا ۱/ ۲۶۶ ط سعید)

(۳) والربع للزوج مع احدهما للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن والفرض والتعصیب مع البنت او بنت الابن و فیه ایضاً والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید)

مسئلہ ۱۲	باپ	خاوند	بیٹی
	۲/۱/۳	۳	۶

(٤) والولایة في مال الصغیر الی الاب ثم وصیه ثم وصی وصیه (تنویرالابصار' ۵/ ۵۲۸ ط سعید)

(۵) والثلثان للاثنین فصاعدة و فیه ایضاً الا ان یکون بحذائهن او اسفل منهن غلام فیعصبهنّ والباقی بینهم للذکر مثل حظ الانثیین (سراجی' باب مصرفة الفروض و مستحقیها ص ۷ ط سعید)

یعنی ۹ سہام کر کے دو دو سہام ہر لڑکی کو اور دو سہام پوتے کو اور ایک سہام پوتی کو ملے گا یہ سہام اگرچہ میراث کے ہیں اور میراث کا اعتبار ہندہ کی وفات کے بعد ہوگا کہ کون وارث اس وقت موجود ہے اور کون نہیں تاہم اگر وہ اپنی زندگی میں تقسیم کر دے تو اس حساب سے کر سکتی ہے اور اسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہے تو پانچوں وارثوں میں برابر تقسیم کر دے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

بھائی اور دو بہنوں میں تقسیم میراث

(سوال) ایک مکان کے حصے میں دو ہمشیرہ ہیں اور ایک بھائی ہے حصہ شرعی کیا ہے؟ المستفتی نمبر ۲۶۶ محمد طاہر صاحب (ضلع گورداسپور) ۱۴ محرم ۱۳۵۳ھ ۲۹ اپریل ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۵) اگر کسی مکان میں دو بہنیں اور ایک بھائی وارث ہونے کی جہت سے حقدار ہیں تو اس کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ نصف مکان بھائی اور نصف میں دونوں بہنیں بحصہ مساوی حقدار ہوں گی۔ (۱) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

میراث مشترکہ کی تقسیم

(سوال) ایک جائیداد زید و عمرو کی ملک ہے اول زید گزرتا ہے اور حسب ذیل ورثا چھوڑتا ہے ایک لڑکی بالغ پہلی بی بی متوفیہ سے ایک لڑکی بالغہ دوسری بی بی مطلقہ و متوفیہ سے ایک بی بی تیسری اور اس کے بطن سے ایک لڑکی بالغہ جو زید کے چھ مہینے کے بعد گزر چکی ہے اور ایک لڑکا نابالغ حیات ہے موجودہ بی بی نے زر مہر معاف نہیں کیا اور نکاح ثانی کر لیا ہے اور لڑکا اس کی پرورش میں ہے۔ تقسیم ترکہ اور لڑکے کی ولایت کا کیا حکم ہے نیز زید کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین میں کچھ روپیہ عمرو کی اہلیہ نے خرچ کیا ہے جس کا کوئی حساب نہیں مگر اہلیہ عمرو علی الحساب کچھ رقم معین کر کے طلب کرتی ہے اس صورت میں اہلیہ عمرو کو شرعی حیثیت سے کیا مل سکتا ہے؟

بعد ازاں عمرو گزرتا ہے اس کی بی بی جس نے مہر معاف کر دیا ہے اور ایک لڑکا موجود ہے ان کی تقسیم کیا ہوگی؟ المستفتی نمبر ۳۳۷ محمد حسین حامد حسین دہلی ۷ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۴ء

(جواب ۴۱۶) زید اور عمرو جس جائیداد میں شریک ہیں اس جائیداد کو ان کے حصہ شرکت کے موافق علیحدہ علیحدہ کر لیا جائے اگر برابر کے شریک تھے تو نصف جائیداد زید کی اور نصف عمرو کی ہوگی زید کی جائیداد زید کے وارثوں میں اور عمرو کی عمرو کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، تقسیم اس طرح ہوگی کہ زید کی بیوی کو مہر دینے اور دوسرے قرضے ادا کرنے کے بعد زید کی جائیداد یوں تقسیم کی جائے۔

---

(۱) قال تعالیٰ وللذکر مثل حظ الانثیین (النساء ۱۱)

۴۰ / ۲۴۰

مسئلہ ۸

زید

زوجہ ثالثہ موجودہ	دختر	دختر	دختر	دختر	پسر
	۴۲ / ۷	۴۲ / ۷	۷	۷	۱۴/۸۴

مسئلہ ۶

ام	حقیقی بھائی	علاتی بہنیں
۷ / ۱	۳۵ / ۵	محروم

زوجہ موجودہ کو ۳۷ سہام اور لڑکے کو ۱۱۹۔ اور ایک لڑکی کو ۴۲ دوسری کو ۴۲ سہام دیئے جائیں گے۔[1] کل سہام ۲۴۰ ہوں گے عمرو کی بیوی نے زید کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین میں جو روپیہ خرچ کیا ہے اس کا حساب اور ثبوت پیش کرنے پر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔[2]

عمرو کی بیوی نے اگر مہر معاف کر دیا ہے تو عمرو کے ترکے میں سے بیوی کو آٹھواں حصہ میراث ملے گا اور باقی ۸ / ۷ عمرو کے لڑکے کو ملے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

فوت شدہ لڑکے کی میراث میں صرف ماں 'باپ ہی حق دار ہوں گے

(سوال) زید کے تین فرزند اور دو دختر زید نے اپنے حین حیات میں ایک جائیداد خرید کر تینوں فرزندوں میں تقسیم کر دی ان میں سے سب سے چھوٹا فرزند رحلت کر گیا اس مرحوم لڑکے کی ملکیت میں ماں باپ کا کتنا حصہ ہو سکتا ہے ؟ المستفتی نمبر ۵۵۵ عبدالرحیم (بنگلور) ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ ۲۸ جولائی ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۴۱۷) مرحوم لڑکے کی ملکیت صرف باپ اور ماں کو ملے گی یعنی ۶ / ۱ اماں کو اور ۶ / ۵ باپ کو[4] بھائیوں اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

---

(۱) فیفرض للزوجة فصا عدا الثمن مع ولد او ولد ابن الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید) وفی العالمگیریة: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة' کتاب الفرائض ۴۴۸/۶ ط ماجدیه)

(۲) عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعوا هم لادعی اناس دماء رجال واموالهم لکن الیمین علی المدعی علیه وفی شرحه للنووی انه قال وجاء فی روایة (الی قوله) لکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر (مشکوة ص ۳۲۶ ط سعید)

(۳) (ایضاً بحواله بالا نمبر ۱)

(٤) وللام السدس مع احدهما او مع اثنین من الاخوة او من الاخوات (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲ ط سعید)

(۵) وللاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن والتعصیب المطلق عند عدمهما(الدر ۶/ ۷۷۰ ط س)

دو بیویوں کی تین لڑکیوں کو باپ کی میراث کس طرح ملے گی ؟

(سوال) زید کی دو عورتیں تھیں پہلی عورت سے ایک لڑکی دوسری عورت سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں اب یہ تینوں لڑکیاں عاقل بالغ ہیں ماں باپ فوت ہو چکے ہیں اب زید کی ملکیت ان لڑکیوں میں کس طرح تقسیم کی جائے مثلاً زید کی ملکیت تین ہزار روپے تھے تو ہر لڑکی کو کتنی رقم ملے گی المستفتی نمبر ۸۵۶ حکیم قاضی محمد نور الحق (چامراج نگر) ۲۱ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۴ اپریل ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۱۸) زید کی تینوں لڑکیاں حق میراث میں برابر ہیں[1] اگر ان دونوں عورتوں (یعنی لڑکیوں کی ماؤں) کے مہر ادا یا معاف ہو چکے ہیں تو ہر لڑکی کو ایک ایک ہزار روپیہ دیدیا جائے یہ جب کہ اور کوئی وارث نہ ہو۔ محمد کفایت اللہ

کمپنی سے وصول شدہ اور ضائع ہونے والی میراث کا حساب کر کے تقسیم کیا جائے

(سوال) محمد صالح میاں کا انتقال ہوا انہوں نے حسب ذیل وارث چھوڑے زوجہ (فاطمہ) ابن (یوسف) ابن (غلام محمد) بنت (خدیجہ)۔ اس کے بعد یوسف کا انتقال ہوا اس نے حسب ذیل وارث چھوڑے ام فاطمہ 'اخت لاب وام خدیجہ اخ لاب غلام محمد۔ ماسٹر آف سپریم کورٹ کے یہاں جو کاغذات داخل کئے گئے تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد صالح میاں کی وفات کے وقت حسب ذیل ترکہ موجود تھا۔

	پنس	شلنگ	پاؤنڈ
بقایا بذمہ اے ایم سلیمان میاں اینڈ کمپنی	۸	۵	۹۹۰۲
وصول شدہ رقم قرض	۱۰	۲	۳
حصص کمپنی میاں لمیٹڈ دو ہزار حصص قیمت فی حصہ ا پاؤنڈ	۵	۵	۲۰۰۰
	۱۱	۱۷	۱۱۹۰۵
فیس حکومت واجرت تعمیل اس رقم سے منہا	۷	۶	۱۰۷۳
	۴	۱۱	۱۰۸۳۲

زاں بعد جو یوسف کا انتقال ہوا تو ماسٹر آف سپریم کورٹ نے حسب قانون منتظمین ترکہ محمود میاں سے یوسف کا حصہ طلب کیا تاکہ گارڈین فنڈ میں ان کے ورثا کے لئے محفوظ رکھا جائے تو اے ای سلیمان میاں اینڈ کمپنی نے (جن پر محمود میاں کی ایک بڑی رقم باقی تھی) یوسف کے حصہ کو گارڈین فنڈ میں داخل کرنے کو اپنے ذمہ لے لیا یوسف کا محمود میاں کے ترکہ میں حسب شرع یہ حصہ ہے۔

۱۴/۲۰ پنس	شلنگ	پاؤنڈ
۲	۷	۳۷۹۱

---

(۱) پہلے تینوں کو ثلثان ملے گا پھر رد ہوگا پھر تصحیح چھ سے ہوگی

مسئلہ ۳ تص ۲ تص ٦
بنت ۳ ۲/٦/۲

اب مذکور کمپنی نے یوسف کے حصہ کی رقم میں سے	پنس	شلنگ	پاؤنڈ
	۲	۱۶	۲۶۹۷

کی رقم گارڈین فنڈ میں داخل کردی اور بقیہ رقم ادا نہ کرسکے اور کمپنی دیوالیہ ہوگئی جب کمپنی دیوالیہ ہوگئی تو ماسٹر آف سپریم کورٹ نے دیوالیہ کمپنی میں حصہ یوسف کی بقایا رقم ۴-۱۱-۱۰۹۳ مع سود ۸-۱۳-۵۹ کا مطالبہ داخل کیا تو کمپنی کے دیگر قرض خواہوں کی طرح حصہ یوسف کو بھی بقدر حصہ رسد کچھ رقم وصول ہوئی اب یوسف کے حصہ کی کل رقم ماسٹر آف سپریم کورٹ نے ان ورثاء میں تقسیم کردی اے ایم سلیمان میاں اینڈ کمپنی کے دیوالیہ ہونے سے قبل ۲۰۰۰ دو ہزار حصص میاں لمیٹڈ جو احمد صالح میاں حصہ دار کمپنی کے پاس تھے وہ ترکہ محمود میاں کی طرف منتقل کردیئے جس سے اب میاں لمیٹڈ میں ۴۰۰۰ چار ہزار حصص آگئے بظاہر اب بھی ترکہ محمود میاں کا باقی ہے اس کے علاوہ دیوالیہ کمپنی میں سے ماسٹر آف سپریم کورٹ کے مطالبہ کے عوض میں بقدر حصہ رسد ایک چھوٹی سی رقم وصول ہوئی ہے وہ بھی شامل ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب یوسف کا حصہ ترکہ محمود میاں سے ماسٹر آف سپریم کورٹ نے وصول کرکے گارڈین فنڈ میں جمع کردیا تو اب یوسف ان موجودہ چار ہزار حصص کمپنی لمیٹڈ میں وراثت کا مستحق ہے کہ نہیں اگر ہے تو کتنے کا اور اگر نہیں تو پھر بقیہ ورثا میں ان حصص کو شرعاً کس طرح تقسیم کیا جائے فقط۔ المستفتی نمبر ۱۰۷۷ جناب مولوی اسماعیل کاچوی صاحب جنوبی افریقہ ۹ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۲۹ جولائی ۱۹۳۶ء۔

(جواب ۴۱۹) سوال میں بعض امور تشریح طلب مبہم رہ گئے مثلاً یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یوسف کا حصہ جو محمود میاں کے ترکہ میں سے بقدر ۴۰/۱۴ ادا کیا گیا ہوگا اس میں ماسٹر آف سپریم کورٹ کو کتنی رقم وصول ہوئی اور کتنی دیوالیہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوئی دوسری بات یہ کہ یوسف کے ورثاء کو خود رقم یوسف کے ترکہ میں سے ملی وہ کس کو کتنی ملی اور اس کی مقدار بہ نسبت اصل حق کے کیا ہے بہر حال اب حکم یہ ہے کہ فاطمہ اور غلام محمد اور خدیجہ ان میں سے جسکو ترکہ یوسف میں سے بذریعہ ماسٹر آف سپریم کورٹ جس قدر رقم ملی ہے اس کو علیحدہ علیحدہ حساب میں لیا جائے اور اس کے مجموعہ کو باقی رقم (چار ہزار حصص میاں لمیٹڈ اور دیوالیہ کمپنی سے جو مقدار وصول ہوئی ہو) کے ساتھ ملایا جائے اور جس قدر مجموعی رقم حاصل ہو اس کو ۱۲۰ سہام پر تقسیم کیا جائے اس میں سے ۲۲ سہام فاطمہ کو دیئے جائیں اور غلام محمد کو ۶۳ اور خدیجہ کو ۳۵ اس طرح ہر وارث کو اپنا حصہ مل جائے گا[1] اور جس قدر رقم کہ دیوالیہ کمپنی میں ضائع ہوئی اور جس قدر رقم کہ

---

(۱) مسئلہ اس طرح بنے گا

مسئلہ ۱۲۴

زوجہ فاطمہ	ابن یوسف	ابن غلام	۲۱ بنت خدیجہ
۳	۴۲	۴۲	۱۰۵ ۲۱

مسئلہ ۶

ام فاطمہ	اخت خدیجہ	اخ لاب غلام
۱/۷	۳/۲۱	۲/۱۴

سپریم کورٹ نے اپنی فیس وغیرہ میں وصول کرلی ہوگی یا غیر وارث کو دیدی ہوگی وہ حصہ رسدی سب کے حصوں میں سے کم ہو جائے گی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

دو بھائیوں کا اتفاق رائے سے قرعہ اندازی کے ذریعے میراث تقسیم کرنا صحیح ہے

(سوال) (۱) مسمی حافظ محمد حسین برادر کلاں اور مسمی حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد میں بوجہ تنازعات شدید تقسیم جائیداد میں جھگڑا واقع ہوا اور طرفین نے برضامندی ذریعہ اقرارنامہ اسٹامپ قیمتی ایک روپیہ پر پنچان کو مجاز فیصلہ ٹھیرایا چنانچہ سب سے پہلے فیصلہ مکان تجویز ہوا چونکہ دو بھائی ہیں اور جائیداد بھی دو ہیں ایک دوکان پختہ بازار میں ہے اور مکان بازار سے علیحدہ ہے اگر مکان اور دوکان دونوں کا نصف نصف حصہ کیا جاتا تو صرفہ بھی زیادہ ہوتا اور مکان کی حیثیت بھی خراب ہو جاتی اور رفع نزاع بھی نہ ہوتا دونوں کو بوجہ تنگ ہو جانے جگہ کے تکلیف ہوتی اس لئے پنچان نے حیثیت مکان پندرہ سو روپیہ کی اور دوکان پچیس سو روپیہ کی ٹھیرائی یعنی دوکان جس کے حصہ میں آئے وہ پانچ سو روپے نقد مکان والے حصہ میں شامل کرے یہ رائے بالاتفاق پاس ہوئی پنچوں نے دونوں سے دریافت کیا دونوں نے مکان ہی پر رضامندی ظاہر کی دوکان کو دونوں نے ناپسند کیا اس لئے پنچوں نے یہ تجویز کیا کہ چٹھی ڈالی جاوے جس کے نام سے وہ نکلے وہ لے لیوے دونوں نے یہ بات منظور کی اس منظوری کے بعد دو چٹھیاں دونوں کے نام سے پوشیدہ طور پر ایک چھوٹا لڑکا جس کی عمر تخمیناً دس سال کی ہوگی اس کے ہاتھوں یہ دونوں چٹھیاں ڈلوائی گئیں لہذا مکان حافظ محمد حسین کے نام سے نکلا اور دوکان حافظ عبدالخالق برادر حقیقی خورد کے نام سے نکلی اب اس فیصلہ سے حافظ عبدالخالق نے سخت مخالفت کی اور کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہم کو منظور نہیں یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے یعنی جوا ہے میں اس کو ہرگز منظور نہ کروں گا۔ اب امیدوار ہوں کہ آگاہ فرمایا جاؤں کہ کیا یہ طریقہ خلاف شریعت ہے اگر خلاف شریعت ہو تو یہ فیصلہ رد کر دیا جائے اور جو طریقہ تقسیم جائیداد کا مطابق شریعت محمدیہ ﷺ ہو مطلع فرمائیں اسی طریقہ پر عمل کیا جاوے۔

(۲) یہ کہ یہاں کا رواج ہے کہ بڑے بھائی کا حصہ چھوٹے بھائی کے حصے سے کچھ زیادہ لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز اس کی تصریح فرمائی جاوے۔ المستفتی نمبر ۱۲۶۷ حافظ محمد حسین صاحب (ضلع بہرائچ) ۱۳ شوال ۱۳۵۵ھ م ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۲۰) (۱) یہ فیصلہ شریعت کے خلاف نہیں اور نہ جوا ہے بلکہ جائز ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ اسے تسلیم کریں۔[1] (۲) میراث کے حصہ میں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) اذا قسم القاضی او نائبہ بالقرعۃ فلیس لبعضھم الاباء بعد خروج بعض السھام کما لا یلتفت الی ابائہ قبل خروج القرعۃ (رد المحتار کتاب القسمۃ ۶/ ۲۶۳ ط سعید)

(۲) للذکر مثل حظ الانثیین ذکر عام ہے صغیر ہو یا کبیر ہو

ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ ضروری ہے

(سوال) (۱) مسمی زید جسکے کوئی پسری یا دختری اولاد نہیں تھی بقضائے الٰہی فوت ہوگیا ہے۔ لیکن متوفی نے اپنی حیات میں ایک لاوارث لڑکی بوجہ نہ ہونے اولاد صلبی کے لیکر پرورش کرلی متوفی نے اس کی شادی بھی کردی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ ربیبہ لڑکی دو پسران نابالغ کو چھوڑ کر متوفی کی حیات ہی میں فوت ہوگئی متوفی نے کچھ جائیداد کا ہبہ نام ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام بولایت و سرپرستی ان کے والد کے کردیا ہے زید کے مرنے پر زید کی جائیداد کی تقسیم میں نزاع پیدا ہوا متوفی کی ایک بیوہ اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس صورت میں زید کی جائیداد کے سہام کس قدر اور کس کس کو مل سکتے ہیں۔؟ (۲) زید نے جو ہبہ نامہ ربیبہ کے ہر دو پسران نابالغ کے نام کیا ہے آیا وہ بروئے شرع محمدی جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۳۱۲ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ) ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۱) ربیبہ کے نابالغ لڑکوں کے نام جو ہبہ نامہ لکھا ہے اس کی صحت و نفاذ کے لئے یہ لازم تھا کہ نابالغوں کے ولی کو شئی موہوب کا قبضہ دیدیا جاتا اور وہ نابالغوں کی طرف سے نابالغوں کے لئے موہوب کا قبضہ کرلیتا اگر صورت مسئولہ میں ولی نابالغان کو قبضہ کرادیا گیا تھا تو ہبہ صحیح و نافذ ہے اور اگر قبضہ نہیں دیا گیا تھا تو ہبہ ناجائز ہے[1] ہبہ ناجائز ہونے کی صورت میں اگر نابالغوں کے لئے کوئی وصیت بھی نہ ہو تو ترکہ کے مستحق صرف دو وارث ہوں گے یعنی بیوہ اور بھائی بیوہ کو ۱/۴ ملے گا اور بھائی کو ۳/۴[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صرف بیوہ اور بھائی وارث ہوں میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟

(سوال) مسمی زید جو مذہب شیعہ رکھتا تھا بقضائے الٰہی فوت ہوگیا ہے متوفی نے اپنے بعد کوئی اولاد پسری دختری نہیں چھوڑی متوفی کے ورثاء میں سوائے ایک بیوہ کے اور ایک حقیقی بھائی کے اور کوئی نہیں ہے متوفی کی بیوہ اور بھائی ہر دو مذہب سنت والجماعت رکھتے ہیں متوفی کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ہر دو وارثان مذکور میں بروئے شرع محمدی کس طرح تقسیم کی جائے گی؟ المستفتی نمبر ۱۳۱۳ محمد ابرار علی صاحب (انبالہ)

(جواب ۴۲۲) اس صورت میں متوفی کا ترکہ اس کی بیوہ اور بھائی کو ملے گا (بشرطیکہ اور کوئی وارث ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہ ہو) کل ترکہ چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہام بیوہ کو اور تین سہام بھائی کو دیئے جائیں گے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) وان وھب له اجنبی یتم بقبض ولیه وھو احد اربعة الاب ثم وصیه الخ (الدرالمختار' باب الهبة ۵/ ۶۹۵ ط سعید)

(۲) والربع لها عند عدمهما الخ وفیه ایضا و عند الانفراد یحوز جمیع المال و یقدم الاقرب فالاقرب (الی قوله) ثم جزء ابیه ای الاخ لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰' ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

(۳) ایضاً بحواله بالا

مـ ۴ بیوہ ۱ بھائی ۳

پوتے کی عدم موجودگی میں دادی اس کے مکان کو فروخت نہیں کر سکتی

(سوال) ایک شخص اپنی والدہ اور ایک لڑکا اور لڑکی چھوڑ کر مر جاتا ہے اور ایک مکان پختہ چھوڑتا ہے لڑکا اور لڑکی نابالغ تھے ماں بھی موجود تھی دو ماہ کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا کچھ عرصہ بعد لڑکے کی شادی ان کی دادی کرتی ہے مگر لڑکے کی عورت کچھ عرصہ بعد مر جاتی ہے اور لڑکا باہر کسی جگہ چلا جاتا ہے لڑکے کی عدم موجودگی میں اس کی دادی اپنی پوتی کا نکاح کر دیتی ہے کچھ عرصہ بعد لڑکا واپس آتا ہے اور اس کی دادی کا انتقال ہو جاتا ہے بعد انتقال دادی لڑکی اور اس کا خاوند کہتا ہے کہ تمہارا باپ جو ایک مکان چھوڑ گیا تھا وہ تمہاری دادی سے ہم نے خرید لیا ہے از روئے شرع کیا دادی کو لڑکے کی عدم موجودگی میں مکان فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا کہ نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۳۰ چھنگا علی گڑھ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۲۳) مکان اس شخص متوفی کی ملک تھا تو اس میں سے اس کی والدہ کا حصہ ۱/۶ تھا اور اسی چھٹے میں اس کو تصرف کرنے کا حق تھا[۱] اگر دادی نے سارا مکان بیچ دیا تو یہ بیع صحیح نہیں ہوئی لڑکا اپنا حق مشتری سے واپس لے سکتا ہے۔[۲] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ذوی الارحام میں میراث تقسیم کرنے کی صورت

(سوال) زید کے وارثوں میں یہ لوگ زندہ اور موجود ہیں ایک زید کے حقیقی ماموں کا لڑکا' ایک حقیقی ماموں کی لڑکی' ایک حقیقی ماموں کے دوسرے لڑکے کی عورت جواب دوسرے کے نکاح میں ہے بعدہ لڑکے نے انتقال کیا اس کے تین لڑکیاں ہیں زید کے ۳۰۰ روپیہ نقد محلہ مسلم جماعت کے قبضہ میں ہیں یہ روپیہ ان وارثوں میں کس طرح تقسیم کریں؟ المستفتی نمبر ۱۷۴۱ ۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۴) زید کا ترکہ تین حصے کر کے دو حصے ماموں کے لڑکے کو اور ایک حصہ ماموں کی لڑکی کو دیا جائے[۳] پھر لڑکے کا حصہ اس کی موت کے بعد اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس کے حصے کے نو حصے کر کے دو دو حصے تینوں لڑکیوں کو اور تین حصے اس کی بہن کو دیئے جائیں۔[۴] مگر یہ تقسیم جب ہے کہ یہ بہن متوفی لڑکے کی حقیقی یا علاتی بہن ہو۔[۵] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) و للام السدس مع احد هما او مع اثنین من الاخوة او من الاخوات الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶ ۷۷۲ ط سعید)

(۲) وقف بیع مال الغیر ای علی اجازته علی ما بیناه (الدرالمختار ۵/ ۱۰۷ ط سعید)

(۳) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة' کتاب الفرائض ۶/۴۴۸ ط مصری)

(۴) ولهن الباقی مع البنات او بنات الابن لقوله علیه السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة(سراجی' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

(۵) اگر اخیافی بہن ہو گی تو لڑکیوں کے وجود سے محروم ہو گی : و یسقطون بالولد وولدالابن وان سفل(سراجی' باب معرفة الفروض و مستحقیها ص ۶ ط سعید)

میراث کی ایک صورت

(سوال) ہمارے خاندان میں ایک لڑکا مسمی فضل الرحمن کنوارا لاولد فوت ہو گیا اس کی وراثت کو قانون شریعت کے بموجب تقسیم کرنے کا مسئلہ درپیش ہے۔
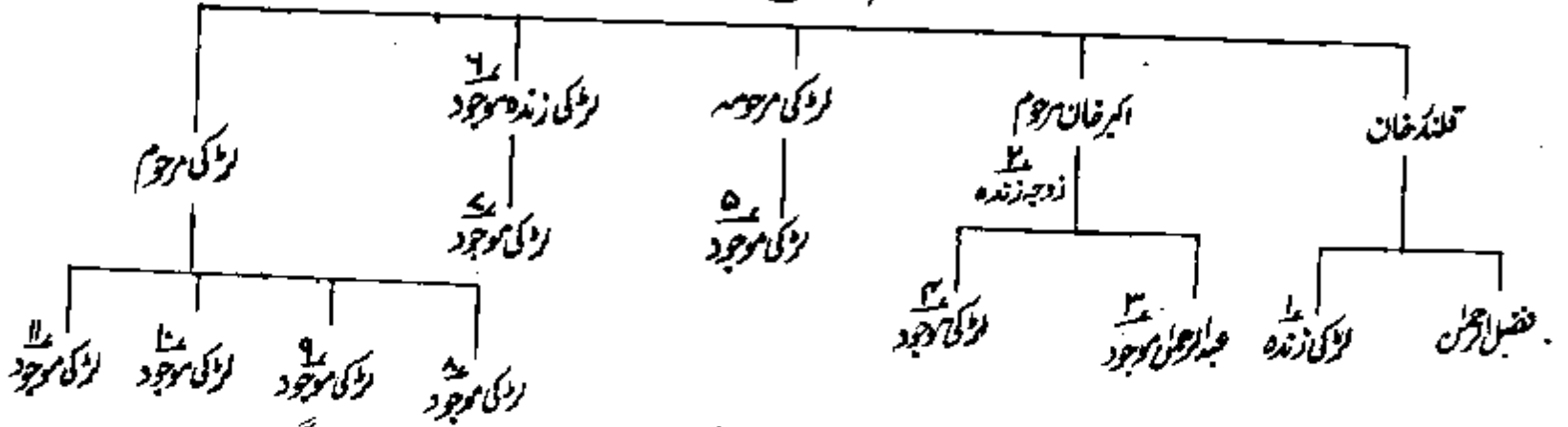
نیز یہ بھی تشریح فرمائیں کہ فضل الرحمن کی ہمشیرہ کو یا دیگر عورتوں جو کہ وارث ہوں گی بوقت شادی جہیز میں پارچہ جات زیورات اور برتن وغیرہ سامان دیا گیا ہے اس کی قیمت بھی شمار کر کے ہر ایک حصے سے وضع کی جائے گی یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۵۷ محمد افضل خان (ضلع ہزارہ) ۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۵) فضل الرحمن کے وارث اس کی بہن اور چچازاد بھائی عبدالرحمن ہے نصف اس کی بہن[1] کو اور نصف عبدالرحمن[2] کو ملے گا فضل الرحمن کی پھوپھی اور پھوپھی زاد بہن اور چچازاد بہن سب محروم ہیں۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

خاوند کے ہوتے ہوئے صرف والدین تمام ترکہ کے مستحق نہیں

(سوال) ایک شخص نے بالعوض دین مہر مبلغ پانچ سو روپیہ اپنی زوجہ کو اپنا ایک مکان دیکر سبکدوشی حاصل کر لی کچھ عرصہ کے بعد مسماۃ مذکورہ کا انتقال ہو گیا اور جائیداد مذکورہ پر مسماۃ کے والدین نے قبضہ جما لیا تصفیہ طلب یہ ہے کہ کیا واقعی بعد وفات مسماۃ اس کے مال و جائیداد مذکورہ کے وارث اس کے والدین ہی ہو سکتے ہیں۔
المستفتی نمبر ۱۷۶۴ اسکریٹری اسلامی بورڈ (ریاست گوالیار) ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۸ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۶) مسماۃ مرحومہ نے اگر اولاد نہ چھوڑی ہو تو اس کے ترکہ میں سے نصف ترکہ شوہر کو اور نصف والدین کو ملتا ہے اگر اولاد بھی چھوڑی ہو تو خاوند کو ۱/۴ ملتا ہے اور باقی اس کی اولاد اور والدین میں تقسیم

---

(۱) والثلثان لكل اثنين ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوين الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعيد)
(۲) يحوز العصبة بنفسه وهو كل ذكر لم يدخل في نسبته الى الميت انثى و عند الانفراد يحوز جميع المال (تنوير الابصار' كتاب الفرائض ۶/۷۷۳ ط سعيد)
(۳) یہ سب ذوی الارحام ہیں

ہوتا ہے۔ یعنی خاوند کو زوجہ کے ترکہ میں سے ترکہ کا حصہ ضرور ملتا ہے[1] صرف والدین ہی سارے ترکہ کے مستحق نہیں ہو جاتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

لڑکوں کو سوتیلی ماں کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا

(سوال) زید نے دو نکاح کئے ایک بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک سے تین لڑکے تولد ہوئے زید کی وفات کے بعد اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کردی گئی اس کے بعد وہ عورت جس سے تین لڑکیاں ہیں انتقال کر گئی کیا کوئی حق ان لڑکوں کا اس سوتیلی ماں کے حصہ میں لگتا ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۷۶۸ اسلیمان بن عمر صاحب (بمبئی ۳) ۱۲ رجب ۱۳۵۶ھ ۱۹ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۷) سوتیلی ماں کے ترکہ میں ان لڑکوں کا کوئی حق نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ

تین عورتوں والے شوہر کی میراث کیسے تقسیم ہو گی؟

(سوال) ایک شخص فوت ہو گیا اس کی تین عورتیں تھیں جس میں سے ایک عورت بحال حیات فوت ہو گئی باقی دو عورتیں موجود ہیں اب صرف دو عورت چھ لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ ایک عورت موجودہ کو اولاد نہیں باقی متوفی عورت کو بھی اولاد ہے اور زندہ عورت کو بھی اب اس عورت کو جس کو اولاد نہیں ہے اس کو بھی اور عورتوں کے مانند میراث ملے گا یا زیادہ؟ المستفتی نمبر ۱۷۷۵ الٰہی بخش ضلع اٹک ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۸) مسئلہ ۱۶

زوجہ	زوجہ	پسران	دختران
۱	۱	۱۲	۲

اس صورت میں متوفی کے ترکہ میں سے ایک ایک آنہ ہر ایک زوجہ کو اور دو دو آنے ہر ایک پسر کو اور ایک ایک آنہ ہر ایک دختر کو ملے گا۔[3] یعنی فی روپیہ اس حساب سے ترکہ میں تقسیم ہو گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

---

(۱) فریق لا یحجبون بحال البتة وهم ستة الابن والاب والزوج والبنت والام والزوجة (سراجی باب الحجب ص ۱۶ ط سعید)

(۲) میت کے ساتھ ان کا رشتہ اولاد الزوج کا ہے اور اولاد الزوج نہ ذوی الفروض میں سے ہے اور نہ عصبات میں سے نہ ہی ذوی الارحام میں داخل ہے۔

(۳) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع الولد او ولد ابن الخ (درمختار ۶/ ۷۷۰ ط سعید) وفی العالمگیریة واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریة کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیه)

مسئلہ ۸ تصح ۱۱۲

زوجہ	۱ ۱۴ زوجہ	۶ لڑکے	۷/۹۸	۲ لڑکیاں
۷	۷	۱۴/۸۴		۷/۱۴ = ۱۱۲

بیوی سے اولاد کا نہ ہونا اسے وراثت سے محروم نہیں کرتا اور نہ ہی ربع سے زیادہ کا مستحق بناتا ہے۔

بیوی کی ذاتی جائیداد اور مرحوم پر قرض کے علاوہ باقی میراث تقسیم ہو گی!

(سوال) میرا شوہر دریا میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی تجہیز و تکفین میں نے قرض لے کر کی اور میرے شوہر کی والدہ اور بھائی جب اپنے وطن سے آئے میرا ذاتی سامان جو کہ میرے والدین نے جہیز میں دیا تھا وہ اور میرے شوہر کا ذاتی سامان موجود تھا وہ سب اپنے ہمراہ لیکر اپنے وطن چلے گئے مجھ کو میرے والدین کے پاس چھوڑ گئے صرف ان کپڑوں سے جو کہ میرے تن پر تھے اب میرے شوہر کا پیسہ ملنے والا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل اشخاص ہیں ان کے کیا کیا حقوق ہیں (۱) بیوہ متوفی اور جو بچہ کہ عنقریب ہونے والا ہے اس کا کیا حق ہے۔ (۲) والدہ شوہر من جو کہ بیوہ ہے۔ (۳) بھائی شوہر من جس کی عمر ۲۵۔ ۲۶ سال ہے۔ (۴) ہمشیرہ شوہر من شادی شدہ۔ (۵) جو روپیہ قرض کے تجہیز و تکفین کی اس کو کس طرح ادا کروں۔ **المستفتی** نمبر ۱۷۷۲ لطیفا بیوہ مسیح اللہ خاں دہلی۔ ۴ ارجب ۱۳۵۶ھ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۲۹) شوہر کا جو روپیہ ملنے والا ہے اس میں سے اس کی زوجہ کا مہر مصارف تجہیز و تکفین اور عورت کے سامان جہیز کی قیمت جو مرحوم شوہر کے بھائی اور والدہ لے گئے ہیں۔ سب زوجہ کو ملے گی اس رقم کے بعد جو بچے اس میں حسب ذیل طریق پر حصہ ہوں گے۔

مسلہ ۲۴

زوجہ	والدہ	اخ	اخت	حمل
۳	۴	محروم	محروم	۱۷

یعنی ۲۴ سہام میں سے تین سہام زوجہ کو ملیں گے اور چار سہام والدہ کو ملیں گے اور سترہ سہام حمل کے لئے محفوظ رہیں گے اگر لڑکا ہوا تو پورے سترہ سہام اس کو ملیں گے اگر لڑکی ہوئی تو بارہ سہام لڑکی کو اور پانچ سہام بھائی بہن کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا خاوند کی بیوی کے نام کی ہوئی جائیداد صرف بیوی کی سمجھی جائے گی؟

(سوال) زید کا انتقال ہو گیا اس نے سوائے اپنی بیوی، چچا، سوتیلی ماں، علاتی بھائی اور علاتی بہن کے کوئی اور وارث نہیں چھوڑا زید نے اپنی زندگی میں بحالت صحت اپنے تمام فنڈ اور بیمہ حسب رواج و قانون اپنی بیوی کے نام کر دیئے ریفنڈوں اور بیمہ کا تمام روپیہ مرحوم کے مرنے پر مرحوم کی بیوی نے وصول کر لیا کیا شرعاً وہی حق دار ہے یا دوسرے رشتہ دار بھی حق دار ہیں دوسرے وہ مکان مرحوم کے باپ کا ہے کس طرح تقسیم ہو گا؟ **المستفتی** نمبر ۱۷۸۵ مظہر الدین (شملہ) ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۰) زید مرحوم کا تمام ترکہ اور مکان حسب ذیل طریقہ سے تقسیم ہو گا صرف بیوی مستحق نہیں ہے۔

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)

مسئلہ ۴

زوجہ	علاتی بھائی	علاتی بہن	چچا	سوتیلی ماں
۱	۲	۱	محروم	محروم

یعنی بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کی ایک چوتھائی بیوی کو اور نصف علاتی بھائی (باپ شریک) کو اور ایک چوتھائی علاتی بہن کو ملے گی۔(۱) بیوی کا مہر تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔(۲) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

بیٹوں کے نام کی ہوئی جائیداد سے بیٹی بھی حصہ لے سکتی ہے

(سوال) مسمی کریم صاحب کو فوت ہوئے عرصہ تقریباً بیس سال ہوتا ہے کریم کے دو لڑکے عثمان و علی اور ایک دختر خدیجہ تھے کریم نے اپنی حیات میں بڑے لڑکے عثمان کو آدھی ملک دیکر علیحدہ کیا باقی آدھی ملک چھوٹے بیٹے کو دے کر خود بھی چھوٹے بیٹے علی کے پاس رہتا رہا۔ بعد چند روز کریم فوت ہوا چھوٹا لڑکا علی ایک زمانہ تک اپنی بہن خدیجہ کے یہاں رہ کر بعد شادی ہونے کے اپنی ملک کے ساتھ علیحدہ ہوا اسکی زوجہ مریم موجود اس کے بطن سے دو لڑکیاں حلیم اور کریم موجود ہیں علی کا تقریباً پندرہ سال ہوئے انتقال ہو گیا علی کی ملک میں اس کی بہن خاص خدیجہ کو کیا حق پہنچتا ہے باپ نے ہر دو بیٹوں کو جو دیا تھا خدیجہ اس میں حق دار ہے یا نہیں اب علی کی ملک سے کتنے حصہ کی مستحق ہے؟ المستفتی نمبر ۱۷۹۷ محبوب صاحب ضلع بلہاری ۱۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۳۱) خدیجہ اپنے باپ کے ترکہ میں بھی حقدار تھی مگر باپ نے اس کو حصہ نہیں دیا تو اس کا گناہ باپ کے اوپر رہا(۳) اب اس کے بھائی علی کا انتقال ہوا تو علی کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا :

مسئلہ ۲۴

زوجہ (مریم)	دختر (علیم)	دختر (کریم)	اخت (خدیجہ)
۳	۸	۸	۵

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے چوبیس سہام کر کے تین سہام زوجہ کو اور آٹھ آٹھ سہام دونوں لڑکیوں کو اور پانچ سہام بہن خدیجہ کو ملیں گے۔(۴) فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی۔

---

(۱) والربع لہا عند عدمہما و فیہ ایضا و یقدم الاقرب فالا قرب منہم کالابن ثم ابنہ (الی قولہ) ثم جزء ابیہ الاخ لابوین ثم لاب (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶ / ۷۷۰' ۷۷۳ ط سعید) (۲) ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۰ ط سعید) (۳) قال علیہ الصلوۃ والسلام: من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ (مشکوۃ کتاب الوصایا ۱ / ۲۶۶ ط سعید) (٤) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن و فیہ ایضا والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضہ النصف وہو خمسۃ البنت و بنت الابن والاخت لابوین (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۹' ۷۷۳ ط سعید) وفی السراجیۃ و لہن الباقی مع البنات اوبنات الابن لقولہ علیہ السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۰ ط سعید)

نکاح کے پانچ ماہ بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں نکاح اور میراث کے احکام

(سوال) (۱) زید نے ایک بیوہ سے جس کے دو لڑکے پہلے شوہر سے موجود ہیں عدت گزر جانے کے بعد نکاح کیا اس وقت حمل کا کوئی اثر معلوم نہ ہوا مگر پانچ ماہ کے بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی وضع حمل کے بعد بھی طرفین ایک ہی مکان میں مع بچوں کے زن و شوہر کی طرح زندگی گزارتے رہے تقریباً دو برس کے بعد زید ایک کافی جائیداد چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا زید نے اپنے پیچھے یہی بیوی بچہ اور بھانجہ چھوڑا بھانجہ کی والدہ یعنی زید کی بہن زید کی زندگی ہی میں فوت ہو چکی تھی لہذا زید کا نکاح باقی رہا یا نہیں ؟

(۲) زید کا تجدید نکاح لازمی ٹھہرایا نہیں ؟ (۳) طرفین کا بلا تجدید نکاح ایک ساتھ زن و شوہر کی زندگی گزرنا کیسا ٹھہرا ؟ (۴) تقسیم جائیداد کا کیا حل ہے ؟ **المستفتی نمبر ۱۸۳۹** محمد ابراہیم صاحب مدرسہ فیض الغربا (آرہ) ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۳۱) بیوہ کی عدت گزر جانے سے کیا مراد ہے یعنی خاوند کی موت پر چار ماہ دس روز گزرنے کے بعد نکاح کر لیا تھا تو گویا شوہر اول کی وفات کے نو سوا نو مہینے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ شوہر اول کا بچہ قرار پائے گا[1] اور نکاح کا عدت کے اندر منعقد ہونا قرار دیا جائے گا اور یہ نکاح ناجائز ہوگا[2] اور اگر شوہر اول کی موت پر زیادہ مدت گزر چکی تھی یعنی دو سال ہو چکے تھے تو یہ حمل زنا کا ہوگا[3] اور نکاح جائز قرار دیا جائیگا[4] مگر بچہ کا نسب شوہر دوم سے اس صورت میں بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ تاریخ نکاح سے چھ مہینے سے پہلے بچہ ہو گیا تو اس شوہر کا بچہ نہیں ہے[5] بہر حال پہلی صورت میں تو نہ تو عورت وارث ہوگی نہ بچہ اور دوسری صورت میں عورت کو میراث ملے گی بچے کو نہ ملے گی اور پہلی صورت میں تجدید نکاح لازم تھی دوسری صورت میں تجدید لازم نہ تھی پہلی صورت میں زید کی میراث بھانجے[6] کو ملے گی دوسری صورت میں جائیداد کا ربع بیوی کو[7] اور ۳/۴ بھانجے کو ملے گا۔[8] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) و یثبت نسب ولد المتوفی عنها زوجها ما بین الوفاة و بین السنتین (هدایه اولین ۲ / ۴۳۱ ط شرکة علمیه)

(۲) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره و کذالك المعتدة سواء کانت العدة من طلاق او وفاة الخ (عالمگیریة باب ثالث فی بیان المحرمات ۱ / ۲۸۰ ط ماجدیه)

(۳) وان ولدته لا کثر منهما من وقته لا یثبت بدائع ولو لهما فکا الا کثر (الدر المختار باب ثبوت النسب ۳ / ۵٤٤ ط سعید)

(٤) وصح نکاح حبلی من زنا (الدر المختار فصل فی المحرمات ۳ / ٤۸ ط سعید)

(۵) واقله ستة اشهر لقوله تعالی و حمله و فصاله ثلثون شهرا ثم قال و فصاله عامین فبقی للحمل ستة اشهر (هدایة کتاب الطلاق ۲ / ٤۳۳ ط شرکة علمیه)

(٦) والصنف الثالث ینتمی الی ابوی المیت وهم اولاد الاخوات و بنو الاخوة و بنو الاخوة لام (سراجی باب ذوی الارحام ص ۳۸ ط سعید)

(۷) الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد (سراجی فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

(۸) ایضا بحواله بالا نمبر ٦)

میراث کی ایک صورت

(سوال)

زوجہ اول — زوجہ ثانی

زوجہ اول:
عمر — بکر — مساۃ ہندہ — خالد

بکر: مطلوب، طالب، مریم، خادم، مخدوم، شاہد
مساۃ ہندہ: لاولد
خالد: لاولد

عمر: حامد، وحید، مساۃ کلو، مساۃ بین، مہندی
لڑکی

زوجہ ثانی:
ولید، باپ کی زندگی میں مقتول ہوگیا اور ماں کا انتقال بھی ہوگیا۔
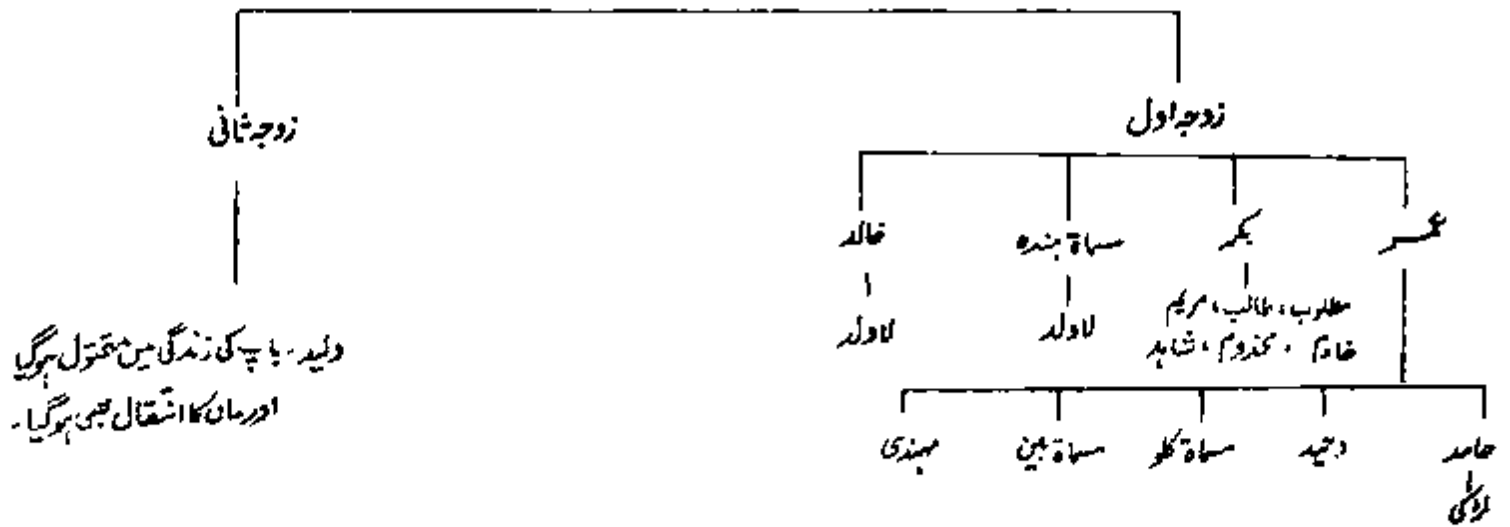
(۱) زید کے انتقال کے وقت زوجہ اول سے چاروں اولادیں موجود تھیں اوران کی ماں بھی زندہ تھی۔
(۲) عمر باپ کے انتقال کے بعد کل جائیداد کا وارث ہوا اور بلا تقسیم جائیداد کو اپنے تصرف میں لاتا رہا اور فروخت کرتا رہا باپ کی سکونتی جائیداد میں سے ایک مکان فروخت کردیا اور دو مکان اپنی زوجہ کے مہر میں لکھ دیئے ایک مکان کو برباد کردیا اب کوئی جائیداد نہیں رہی صرف ایک مکان بازار میں ہے جس پر بھی قبضہ کر رکھا ہے البتہ برباد شدہ مکان کی زمین پڑی ہوئی ہے کیا عمر کا یہ فعل کہ بغیر تقسیم جائیداد اس کا خرد برد کرنا جائز تھا؟ کیا مکانات کو اپنی بیوی کے مہر میں لکھ دینا جائز تھا؟ (۳) اگر اس کے ہر دو فعل جائز نہ تھے تو تقسیم جائیداد کس طرح ہونا چاہئیے؟ (۴) موجودہ صورت میں جائیداد کو کس طرح تقسیم کریں؟ المستفتی نمبر ۱۸۴۸ مسٹر قربان بیگ صاحب پوسٹل ریل ہوشنگ آباد۔ ۲۸ رجب ۱۳۵۶ھ م ۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۳۳) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ اور اس کا لڑکا زید کی زندگی میں مر چکے تھے اور زید کے انتقال کے وقت زوجہ اولیٰ اور اس کی اولاد موجود تھی تو اس صورت میں تقسیم ترکہ کی صورت یہ ہے:

مسئلہ ۸

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
۱	۲	۲	۲	۱

یعنی ۲ زوجہ کو اور ۴ ہر ایک لڑکے کو اور ۲ لڑکی کو ملتے ہیں۔[1] عمر نے بلا تقسیم تصرف کیا وہ سب ناجائز تھا[2] اور ہر شخص اپنا حصہ اس سے طلب کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن الخ (درمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفی العالمگیریۃ : واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیہ)
(۲) لا یجوز لاحدان یتصرف فی ملک الغیر بغیر اذن (قواعد الفقہ ص ۱۱۰ ط صدف پبلشرز)

چچازاد بھائیوں کے ہوتے ہوئے نواسوں کو حصہ نہیں ملے گا

(سوال) زید کا ایسی حالت میں انتقال ہوا کہ اس کی بیوی لڑکی اور بہنیں جن کے سوا اس کا اور کوئی نہ تھا کئی سال پیشتر انتقال کر گئیں اس کے متعلقین میں سے لڑکی کی بطن سے ایک لڑکا اور لڑکی یعنی اس کا نواسہ اور نواسی موجود ہیں اور بہنوں کے بطن سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں۔ اب اس کا ترکہ ان کے درمیان کیسے تقسیم ہو گا۔ اس کے چچا و تائے کے لڑکے بھی اس کے سامنے مر چکے ہیں اور ان کی اولاد ہو تو ان کو بھی حق پہنچتا ہے یا نہیں اگر پہنچتا ہے تو کتنا؟ المستفتی نمبر ۱۸۵۲ سید محمد علی آزاد صاحب (بجنور) ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۴) اگر مرحوم کے چچا تایا کی اولاد ذکور ہو تو وہ عصبات ہیں اور ترکہ انکو ملے گا ہاں اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو مرحوم کے نواسے نواسی کو ترکہ ملے گا۔[1] چونکہ سوال میں عصبات یعنی چچا تایا کی اولاد کی تفصیل نہیں ہے اس لئے حصہ کشی نہیں کی جاسکتی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تقسیم شرعی کے بغیر میراث پر قابض ہو کر مسجد میں دینا

(سوال) اس علاقہ میں مسلم راجپوت حق وراثت میں پابند شرع نہیں ہیں انکے ہاں رواج ہے کہ بیوی اور دختر کو کوئی حق نہیں پہنچتا اس صورت میں ایک شخص مسمی روشن جو اپنے والد اسماعیل کے نصف حصے کا مالک ہے اور ۱۲ بیگہ زمین کا مالک ہے اور زندہ ہے وہ اس میں سے سات بیگہ زمین رکھ کر اس کی قیمت خرچ کر چکا ہے اور چھڑانے کا مقدور نہیں ہے باقی ماندہ پانچ بیگہ زمین رہتی ہے وہ زمین اپنے چھوٹے بھائی کے لڑکوں مسمی خوشی محمد و شیر محمد کے ہاتھ مبلغ دو صد روپے کے عوض بیع کرتا ہے اور ایک رہائشی مکان بالعوض بھی ان کے ہاتھ بیع کرتا ہے اور عالم روپیہ وہ مسجد میں دینا چاہتا ہے کیا مسجد میں یہ روپیہ لگ سکتا ہے اس میں اس کی بہن امینہ کا حق تو بروئے شرع کہیں تلف نہیں ہوتا۔
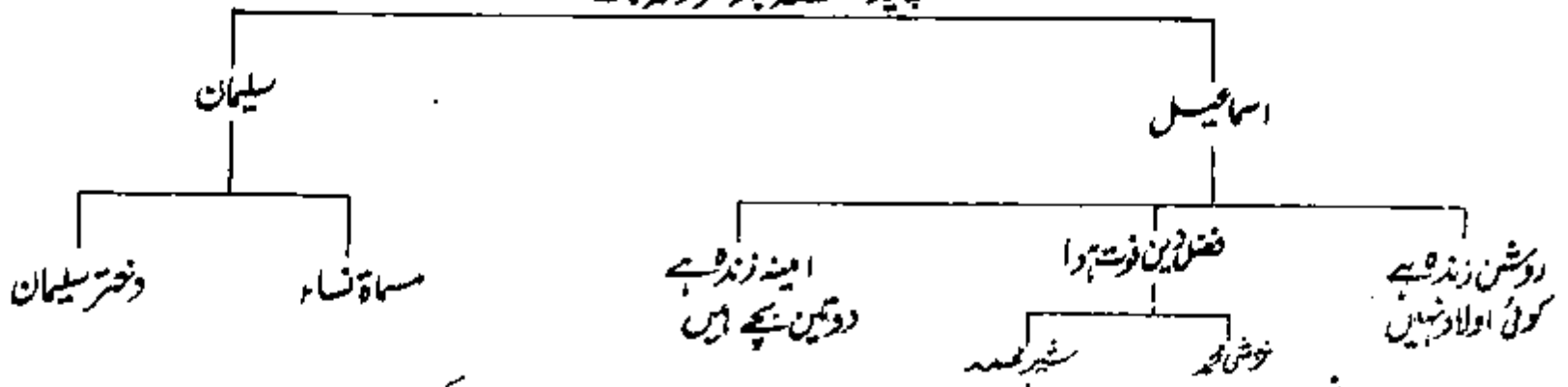
المستفتی نمبر ۱۸۵۴ حافظ جلال الدین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۵۶ھ م ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۵) اول تو سلیمان مرحوم کا حصہ جو اسماعیل کو مل گیا یہ بھی خلاف شرع ہے اس میں سلیمان کی لڑکی نساء کا حق ہے[2] پھر اسماعیل کے ترکہ میں اس کی لڑکی امینہ کا حق ہے اس لئے اس مشترک زمین کی قیمت

---

(۱) ثم یقسم الباقی بعد ذالک بین ورثته ثم بالعصبات ثم ذوی الارحام (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۱ ط سعید)

(۲) وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون (النساء)

بلا اجازت مستحقین کے مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بھتیجوں کی موجودگی میں بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) (۱) زید لاولد تھا اور اس کی بہنیں تھیں اور وہ دونوں اس کی زندگی میں فوت ہو گئیں اب زید نے پانچ سو روپیہ اور کتابیں وغیرہ ترکہ چھوڑا ہے آیا اس میں اس کی بہنوں کی اولاد کا حق ہے یا نہیں؟ (۲) زید کے حقیقی بھائی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں اور زید کے بھائی کا انتقال بھی زید کے روبرو ہو گیا تھا۔ المستفتی نمبر ۱۸۷۴ محمد قاسم دوکاندار کرتپور (بجنور) ۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۶) زید کے بھتیجے موجود ہیں تو زید کی بہنوں کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا صرف بھتیجوں کو بحصہ مساوی زید کا ترکہ مل جائے گا۔[2] بھتیجیاں بھی حق دار نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

بیٹے، بیٹی اور بیوی کے لئے تقسیم میراث کی مثال

(سوال) تین بھائی حاجی رحیم اللہ، محمد اسحاق، عظیم اللہ تھے جن میں سے دو بھائی عظیم اللہ و محمد اسحاق ایک ہی میں رہتے تھے اور حاجی رحیم اللہ صاحب الگ رہتے تھے اور کاروبار بھی جدا کرتے تھے عظیم اللہ و محمد اسحاق کی ایک ایک اولاد یعنی عبدالحمید و عبدالعظیم ہوئیں عظیم اللہ و محمد اسحاق کی وفات کے بعد دونوں کی پرورش اور شادی بیاہ حاجی رحیم اللہ صاحب نے کیا اور حاجی رحیم اللہ صاحب نے عبدالعظیم کے نام ایک مکان خرید اور ایک کپڑے کی دوکان اپنے لڑکے محمد شفیع اور بھتیجے عبدالعظیم کے نام سے جاری کی جو ابھی قائم ہے ازاں بعد حاجی رحیم اللہ صاحب نے ایک لڑکا ایک لڑکی اور بیوی نیز کافی جائیداد چھوڑ کر انتقال کیا براہ مہربانی از روئے شریعت تحریر فرمائیے کہ حاجی رحیم اللہ صاحب مرحوم کے پسماندہ یعنی لڑکے، لڑکی اور بیوی کا کیا حق نکلتا ہے۔ المستفتی نمبر ۱۸۹۳ شیخ احمد صاحب (نواکھالی) ۷ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۷) حاجی رحیم اللہ کے اپنے ترکہ میں ان کے بھتیجوں کا کوئی حق میراث نہیں ہے رحیم اللہ کا ترکہ صرف اس کی بیوی لڑکی اور لڑکے کو ملے گا۔ بیوی کو ۱/۸ اور باقی کے تین حصے کئے جائیں گے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

---

(۱) لا یجوز لاحد ان یتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنه (قواعد الفقه ص ۱۱۰ صدف پبلشرز)

(۲) ثم جزء جده العم لابوین ثم لاب ثم ابنه لابوین (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۵ ط سعید) فیبدأ باصحاب الفرائض وهم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب الله تعالیٰ ثم بالعصبات من جهة النسب الخ (سراجی ص ۳ ط سعید)

(۳) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفی العالمگیرية واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیرية' کتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدیه)

تقسیم میراث کی مثال

(سوال)
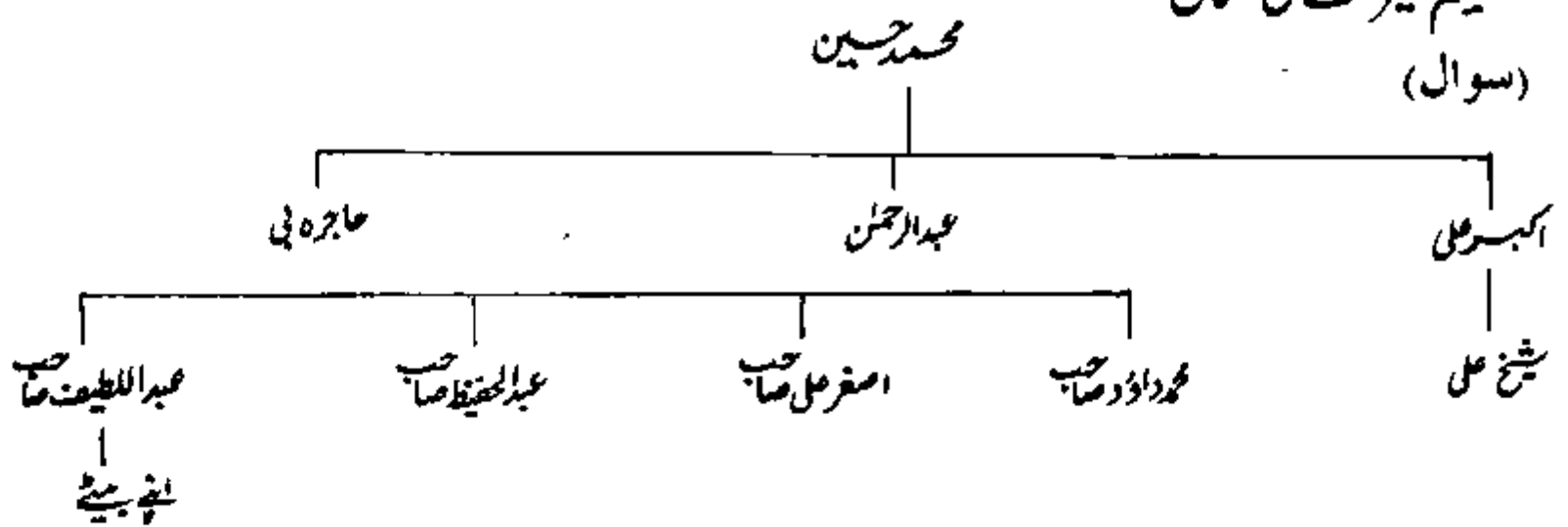
محمد حسین صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دونوں بیٹے اکبر علی صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب مل کر رہتے تھے اکبر علی اپنے بیٹے شیخ علی صاحب کی کمسنی ہی میں انتقال کر گئے اس کے بعد ان کے حقیقی چچا عبدالرحمٰن صاحب ان کے کفیل ہو کر شیخ علی صاحب کے جوان ہونے کے بعد ان کی شادی کر کے انکا حصہ شرع کے بموجب دیکر انہیں الگ رکھے اب جب کہ شیخ علی صاحب کی شادی ہو کر تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوا ہوگا انہوں نے انتقال فرمایا اور اپنے پیچھے اپنی بیوی اور چار لڑکیاں اور کچھ ملک چھوڑ گئے اب شیخ علی صاحب کی بیوی اور چار لڑکیاں اور انکے حقیقی چچا عبدالرحمٰن صاحب اور عبدالرحمٰن صاحب کے چاروں لڑکے زندہ ہیں لہذا التماس ہے کہ شیخ علی صاحب کی ملکیت کے حقدار کون کون ہیں اور کس قدر حصہ کس کس کو ملنا چاہئے ؟

المستفتی نمبر ۱۹۲۹ حاجی عبداللطیف صاحب (میسور) ۲۰ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۸) مسئلہ ۲۴

شیخ علی متوفی

زوجہ	بنات	چچا	پھوپھی	ابناء العم
۳	۱۶	۵	محروم	محروم

شیخ علی مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چوبیس سہام پر تقسیم ہوگا۔ تین سہام زوجہ کو اور چار چار سہام ہر لڑکی کو اور پانچ سہام چچا کو ملیں گے پھوپھی اور چچا کی اولاد محروم ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

وراثت میں شرعاً متبنی بیٹے کا حق نہیں

(سوال) زید کی کچھ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی پیدا کی ہوئی موجود ہے۔ جس کے چار بھائی تھے جو علیحدہ علیحدہ رہتے تھے اور اب بھی علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں مگر دو بھائیوں کا انتقال زید کی موجودگی میں ہو چکا تھا اب صرف دو بھائی زندہ ہیں ان میں سے ایک بھائی کے لڑکے کو زید نے متبنی بنا رکھا تھا جو ہنوز زندہ ہے اب زید بھی دو لڑکیوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا ہے۔ پس از روئے شرع شریف دریافت طلب یہ امر ہے کہ متبنی کا اسلام میں حق ہے یا نہیں اگر پہنچتا ہے تو تفصیل تحریر کی جائے شجرہ درج ذیل ہے :

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابقہ ... گزشتہ)

لڑکی محمودہ   لڑکی مسعودہ   بھائی عمر   بھائی خالد   بھائی کالڑکا متبنی حامد

المستفتی نمبر ۲۰۴۰ الیس کے دین آرٹسٹ (دہرہ دون) ۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۳۹) متبنی کا کوئی حق میراث نہیں ہے[1] زید کے ترکہ کے چھ حصے کئے جائیں دو حصے زید کی ہر لڑکی کو اور ایک ایک حصہ دو بھائیوں کو ملے گا۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

پھوپھی کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو وراثت نہیں ملے گی

(سوال) شفاعت احمد خاں متوفی نے اپنے وارث جو چھوڑے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس کی تین پھوپھیوں کی اولاد کا سلسلہ موجود ہے اس طرح کہ ایک پھوپھی کی ایک پوتی موجود ہے جس کے نام مسماۃ سلطان بیگم ہے اور دوسری پھوپھی کے دو پوتے اور ایک پوتی موجود ہے ان کے نام یہ ہیں احمد شاہ خان محمد، سعید خاں و مسماۃ شرافت اور تیسری پھوپھی کے تین لڑکے اور دو لڑکی موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں حبیب احمد خاں و خلیل احمد

---
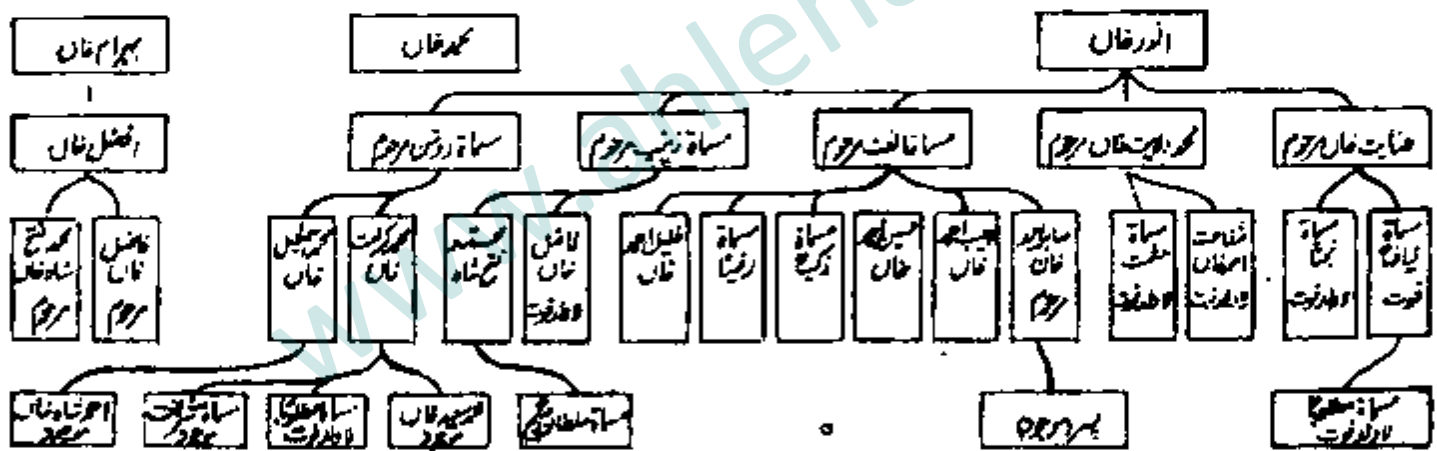
(۱) اس لئے کہ متبنی نہ ذوی الفروض میں سے ہے نہ عصبات میں سے اور نہ ہی ذوی الارحام میں سے ہے

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید) وفیه ایضا ثم جزء ابیه الاخ لابوین(الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۴ ط سعید)

خاں و حسین احمد و مسماۃ رضیا و مسماۃ ذکیا یہ کل وارث موجود ہیں اور کوئی وارث زندہ نہیں ہے اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ محمد شفاعت احمد خاں متوفی کے ترکہ کے کون کون مالک ہوتے ہیں ان ورثاء میں سے جن کے نام اوپر درج ہیں اور متوفی کی پھوپھی وغیرہ کا سب کا انتقال ہو چکا ہے نہ کوئی بھائی ہے نہ بھتیجا اور نہ کوئی اولاد ہے۔ المستفتی نمبر ۱۹۴۴ خلیل احمد (آگرہ) ۲۱ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٠) مسمی شفاعت احمد خاںؒ کے ترکے کے مستحق صرف حبیب احمد خاں و خلیل احمد خاں و حسین احمد خاں و ذکیہ و رضیہ ہیں کیونکہ ذوی الارحام میں یہی اقرب ہیں ترکہ کے آٹھ حصے کر کے دو دو حصے لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

پوتوں کی خاطر بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں

(سوال) زید نے انتقال کیا اور اپنے بعد تین بیٹے و یک دختر چھوڑی جو کہ چاروں نابالغ ہیں زید مرحوم کے والد حیات ہیں اور ان کی تین بیٹیاں حیات ہیں جو شادی شدہ ہیں بیٹا صرف زید تھا جو انتقال کر گیا زید کے والد کے پاس اپنے دو مکان اور کچھ نقد روپیہ موجود ہے جس کے وہ خود مالک ہیں بیٹیاں اپنے والد سے یہ دریافت کرتی ہیں کہ ہمارے بھائی نے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں تو وہ کچھ نہیں بتلاتے اب زید کے والد یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مکان اور تمام نقد روپیہ اپنے پوتوں کو دیدیں اور اپنی بیٹیوں کو کچھ نہ دیں از روئے شرع شریف کیا یہ جائز ہے اگر بیٹیاں حقدار ہیں تو بموجب شرع کس قدر حصہ کے مالک ہیں۔ المستفتی نمبر ۱۹۷۰ سلطان احمد لال کنواں دہلی' ۷ ۲ شعبان ۱۳۵۶ھ ۲ نومبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ٤٤١) زید کے باپ کی بیٹیاں حقدار ہیں باپ کی جائیداد میں بیٹوں کا حق ۳ / ۲ ہے[2] اور ۳ / ۱ میں پوتے اور پوتی حقدار ہیں۔[3] اور زید یعنی مرحوم بیٹے کا ترکہ باپ کو اور مرحوم کی اولاد کو پہنچتا ہے اس میں سے بہنوں کا کوئی حق نہیں ہے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بیٹیوں کا حق پوتوں کو دینا جائز نہیں

(سوال) زید کی تین بیٹی اور ایک بیٹا تھا زید کے سامنے زید کا بیٹا مر گیا اپنی اولاد چھوڑ کر اب زید یہ چاہتا ہے

---

(۱) ثم جزء جدیه او جدتیه وهم الاخوال والخالات' والا عمام للام والعمات' وبنات الاعمام واولاد هو لاء (فی الشامیة) قوله وبنات الاعمام فان تفاوتوا درجة قدم اقربهم علی غیره ولو من غیر جهة فاولاد العمة اولی من اولاد اولاد العمة الخ (الدرالمختار' مع رد المحتار ' باب توریث ذوی الارحام ٦/ ٧٩٥ ط سعید)

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٧٣ ط سعید)

(۳) اعنی اولهم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوهم وان سفلوا (سراجی ص ١٣ ط س)

(٤) ویسقط بنو الاعیان وهم الاخوة والا خوات لاب وام بثلاثه بالابن وابنه وان سفل الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/٧٨١ ط سعید)

کہ میں اپنا سارا مال پوتے پوتیوں کے نام لکھ دوں اور زید کی تینوں بیٹیاں اپنے باپ زید سے کہتی ہیں کہ ہم کو جو کچھ حصہ پہنچتا ہے ہم بھی اپنے بھائی مرحوم کی اولاد کے نام کرتے ہیں ہم نہیں لیتے خدا اور رسول کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) زید کے بھتیجے بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بھی حصہ ہے ہم کو دو کیا زید کی اولاد ہوتے ہوئے زید کے بھتیجوں کو بھی حصہ پہنچتا ہے ؟ **المستفتی نمبر ۱۹۷۸** محمد نذیر لال کنواں دہلی' ۲۸ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۳ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۲) پوتوں اور پوتیوں کی موجودگی میں بھتیجوں کو حصہ نہیں پہنچتا[1] اور زید کو یہ مناسب نہیں ہے کہ بیٹیوں کا حق پوتوں کو دے دے[2] بیٹیاں زید کے انتقال کے بعد اگر اپنا حصہ اپنے بھتیجے بھتیجیوں کو دینا پسند کریں تو دیدیں گی اس وقت ان کا یہ کہنا کہ ہمارا حصہ بھی دیدو معتبر نہیں ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

بہن اور بھتیجوں میں تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) زید اور بکر نامی دو حقیقی بھائی ہیں اور مریم ان دونوں کی حقیقی بہن ہے زید بڑا بھائی ہے اور بکر چھوٹا ' مریم سب سے چھوٹی ہے' زید زندہ تھا اور بکر اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑ کر مر گیا کچھ عرصہ کے بعد زید مر گیا اس کے کوئی اولاد یا بیوی نہیں تو اب زید کی ملکیت کی وارث اکیلی مریم ہو سکتی ہے یا نہیں یا بکر کے لڑکے بھی حصہ مانگ سکتے ہیں مریم کہتی ہے کہ زید کی حیات میں بکر مر گیا تو اب زید کی ملکیت میں بکر کی اولاد کا کوئی حصہ نہیں۔(۲) بکر کی ملکیت میں سے بھی مریم حصہ مانگ سکتی ہے تو کتنا ؟ **المستفتی نمبر ۱۹۸۶** عبدالعزیز میاں (کاٹھیاواڑ) یکم رمضان ۱۳۵۶ھ م ۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۴۳) بکر کی ملکیت سے مریم کو کچھ حق نہیں پہنچتا[4] ہاں زید کی ملکیت میں سے مریم کو نصف حصہ ملے گا اور نصف بکر کے لڑکوں یعنی زید کے بھتیجوں کو ملے گا۔[5] بشرطیکہ زید نے سوائے اپنی بہن مریم اور اپنے بھتیجوں کے اور کوئی وارث مثل اپنی بیوی والدین یا اولاد کے نہ چھوڑا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

ماں' شوہر اور سوتیلے بھائیوں میں تقسیم میراث

(سوال) ایک عورت فوت ہو گئی ہے جسکے پاس ایک جائیداد قیمتی چار ہزار روپیہ تھی اور اس نے حقیقی ماں اور سوتیلے والد اور دو سوتیلے بھائی جو ایک ہی ماں سے ہیں اور عورت متوفیہ بھی مگر دونوں بھائی دوسرے والد

---

(۱) عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو نہیں ملتا ثم بالعصبات ثم ذوی الارحام (الدرالمختار' ۶/ ۷۶۳ ط سعید)

(۲) ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز واثم (الدرالمختار' باب الهبة ۵/ ۶۹۶ ط س)

(۳) لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو وهبه لشريكه اولا جنبي لعدم تصور القبض الكامل (الى قوله) فان قسمه و سلمه صح لزوال المانع (الدرالمختار' باب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعيد)

(۴) (ایضاً بحوالہ نمبر ۴ صفحہ ۳۲۳)

(۵) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ ۳۲۳)

سے ہیں یعنی عورت متوفیہ کے سوتیلے والد سے ہیں اور ایک شوہر چھوڑا عورت کے انتقال کے پونے دو سال بعد عورت متوفیہ کی حقیقی ماں کا بھی انتقال ہو گیا عورت کی متروکہ جائیداد میں سے اب ان ورثاء میں سے ہر ایک کو کیا ملنا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۰۰۸ عبدالسمیع اجمل روڈ (دہلی) ۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۱۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٤) م ۶ تصـ ۴۸ ٤

شوہر	ام	اخ لام	اخ لام	زوج الام
۳/۲۴	۱	۱/۸	۱/۸	محروم

مسئلہ ۴ ام

زوج	ابن	ابن
۲	۳	۳

متوفیہ کا ترکہ اڑتالیس سہام پر تقسیم ہوگا اس میں سے شوہر کو چوبیس سہام اور سوتیلے بھائیوں کو گیارہ گیارہ سہام اور سوتیلے باپ کو دو سہام دیئے جائیں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

چچا، بہن اور بیوی میں تقسیم میراث

(سوال) زید کو اپنے چچا سے جائیداد ملا تھا زید کے انتقال کے بعد اولاد وغیرہ کوئی نہیں ہے صرف زید کا چچا اور بہن بیوی ہے بیوی نے زید کے انتقال کے بعد دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے تو یہ بیوی اپنے مہر کی مستحق ہے یا نہیں۔ اور جائیداد کا حصہ بھی دینا چاہئے یا نہیں۔ اگر دینا چاہئے تو کس قدر اور زید کے چچا و بہن کا حق جائیداد میں کس قدر ہے؟ المستفتی نمبر ۲۰۲۵ محمد ابراہیم صاحب (برما) ۱۱ رمضان ۱۳۵۶ھ م ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٥) زید کے انتقال کے وقت اس کے وارث چچا، بہن بیوی تھے ان وارثوں کو اس طرح ملے گا کہ نصف ترکہ بہن کو اور چوتھائی بیوی کو اور چوتھائی چچا کو ملے گا۔[1] بیوی نے اگر دین بدل لیا تو اس کا حصہ اس کے قبضے میں نہ دیا جائے۔ پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا حصہ اسے دیدیا جائے مہر بھی اس کو ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

بھتیجوں کے ہوتے ہوئے نواسے اور بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) مجھ محمد یعقوب علی کے کوئی اولاد پسری نہیں ہے چار حقیقی برادر زادے اور دو حقیقی برادر زادیاں اور ایک نواسہ اور ایک ہمشیر زادہ ہیں ان میں سے کون کون میرے مکان کے حصے کا مستحق ہے اور جو جو ہیں تو بروئے شریعت کس قدر وہ اپنے اپنے حصہ کا مستحق ہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰۶۱ یعقوب علی صاحب (گوز

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ ۳۳۲)

گانوں) ۱٦رمضان ١٣٥٦ھ ۲۱ نومبر ١٩٣٧ء

(جواب ٤٤٦) اگر رشتہ دار صرف یہی موجود ہوں گے تو ان میں سے میراث کے مستحق صرف برادرزادے ہوں گے۔[1] برادرزادیاں' نواسہ' بھانجہ سب محروم ہوں گے۔ آپ ان میں سے کسی کو کچھ دینا چاہیں تو بطور وصیت اپنے ترکہ کے ایک ثلث تک دے سکتے ہیں مثلاً نواسہ یا بھانجے کو بطور وصیت ایک ثلث تک دلوا سکتے ہیں۔[2] اور زندگی میں نہ دیا اور وصیت بھی نہ کی تو پھر بھتیجوں کے سامنے نواسہ اور بھانجہ محروم رہے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تقسیم میراث کی ایک صورت

(سوال) مسماۃ محمودہ کا انتقال ہوا اور یہ ورثا چھوڑے والد' دادی' نانا' نانی' اور شوہر اس کا ترکہ ورثا میں کس کس کو ملے گا اور کس قدر؟ نیز ارشاد ہو کہ شوہر نے وداع کے دوسرے دن اپنے گھر پر لا کر محمودہ کو جو زیور پہنایا تھا آیا اس میں بھی وراثت جاری ہو گی یا نہیں؟ محمودہ نے اسپتال میں انتقال کیا اس کی شادی نانا نانی نے کی اور پرورش بھی' مرنے والی کے پاس اقارب میں سے کوئی بھی نہ جا سکا انتقال کے بعد نانی نے اجر آخرت کے خیال سے مہر معاف کر دیا آیا یہ معاف کرنا درست ہو گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۰٦۵ شہاب الدین صاحب دہلی ۱۹ رمضان ١٣٥٦ھ م ۲۴ نومبر ١٩٣٧ء

(جواب ٤٤٧) مسئلہ ٦

شوہر	والد	دادی	نانا	نانی
۳	۲	محروم	محروم	۱

متوفیہ کا ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہو گا ان میں سے تین سہام شوہر کو اور دو سہام والد کو اور ایک سہام نانی کو ملے گا۔[3] مہر نانی کے معاف کرنے سے صرف نانی کا حصہ معاف ہوا مرحومہ کے باپ کا حصہ معاف نہیں ہوا شادی کے بعد گھر لا کر جو زیور پہنایا گیا اس میں شوہر کا قول مع حلف معتبر ہو گا کہ ملک کر دیا تھا یا عاریۃً دیا تھا جب کہ مرحومہ کے ورثا کے پاس تملیک کے گواہ نہ ہوں۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

ماں اور اس کی اولاد میں تقسیم ترکہ

(سوال) ایک شخص قاسم صاحب نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کا انتقال شوہر کی زندگی میں ہو گیا اس کے مہر ادا نہیں ہوئے اور دو لڑکیاں ایک لڑکا چھوڑے دوسری بیوی موجود ہے اس کا مہر بھی ادا کر دیا تھا اس کے دو

---

(۱) ثم جزء ابیہ الاخ لابوین ثم لاب ثم ابنہ لابوین ثم لاب الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦/٧٧٤ ط سعید)
(۲) ولا تجوز الوصیة بمازاد علی الثلث
(۳) والنصف لہ عند عدمہما وایضا فیہ : والتعصیب المطلق عند عدمہما وایضاً فیہ والسدس للجدة مطلقا کام ام وام اب (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦ ' ٧٧٠ ' ٧٧٢ ط سعید)
(٤) البینة علی المدعی والیمین علی من انکر (مشکوة شریف' کتاب الاقضیة ص ٣٢٦ ط سعید)

لڑکے اور ایک لڑکی نابالغ ہیں اب قاسم صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اس نے کچھ جائیداد چھوڑی ہے اور بجز زوجہ ثانیہ اور ہر دو بیوی کی اولاد کے اور کوئی وارث نہیں ہے ایسی صورت میں متوفی کی جائیداد ازروئے شریعت مطہرہ کس طرح تقسیم ہو گی اور اس جائیداد سے پہلی بیوی کا مہر ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۶۷ جناب غضنفر علی صاحب زیدی رائچور (حیدر آباد دکن) ۱۹ رمضان ۱۳۵۶ھ ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٨) زوجہ ثانیہ موجودہ کا مہر ادا ہو چکا ہے پہلی بیوی کا مہر ادا نہیں ہوا مگر چونکہ اس کا انتقال شوہر کی زندگی میں ہو گیا تھا اس لئے مہر کا ۴/۱ حصہ شوہر کے ذمے سے بحق میراث ساقط ہو گیا۔[1] باقی ۴/۳ مہر اس کی اولاد کو اور اگر اور کوئی اس کا وارث ہو تو اس کو ملے گا۔ اس کے بعد قاسم صاحب کا ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا۔ کہ ۸/۱ زوجہ موجودہ کو دیا جائے گا اور باقی ۸/۷ کے نو حصے کر کے دو دو حصے محمد صاحب و محمد عثمان صاحب و عبدالرحمن صاحب فرزندان کو اور ایک ایک حصہ حسینی بی و رسول بی اور تیسری نابالغ لڑکی کو دیا جائے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

والدہ اور میت کے اخیافی بھائیوں کے درمیان تقسیم میراث

(سوال) مسمی با عقلی فوت ہو گیا اس نے والدہ، علاتی بھائی کی بیٹی، اولاد الام چار مذکر تین مؤنث چھوڑے ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ **المستفتی** نمبر ۲۰۸۰ ابوالحسن صاحب (ریاست بھاولپور) ۲۵ رمضان ۱۳۵۶ھ ۳۰ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ٤٤٩) مسئلہ ۳(۲۱)

ام	اولاد ام	بنت الاخ لاب
۷	۱۴	محروم

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے اکیس سہام کر کے سات سہام والدہ کو اور چودہ سہام اخیافی بھائی بہنوں کو فی نفر دو سہام کے حساب سے دیئے جائیں گے علاتی بھائی کی بیٹی محروم ہے۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

تقسیم میراث کی ایک صورت!

(سوال) مال متروکہ پردادا چودھری غلام محمد صاحب کا ہے اس مال کی تقسیم درمیان آباء واجداد نہیں

---

(۱) المسمی دین فی ذمته وقد تاكد بالموت فيقضي من تركته الا اذا علم انها ماتت اولاً فيسقط نصيبه من ذالك (هداية، باب المهر ۲ / ۳۳۷ ط شركة علمية)

(۲) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ۶ / ۷۶۹ ط سعيد) وفي العالمگيرية واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية ۶/۴۴۸ ط ماجديه)

(۳) وللام ثلاثة احوال: السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة او من الاخوات و فيه ايضا والثلث لاثنين فصاعدا من ولد الام ذكورهم كاناثهم (الدر المختار، كتاب الفرائض ۶/۷۷۲ ط سعيد)

ہوئی بعد فوت ہو جانے تمام نسل درمیانی کے وہ تمام مال مجلسہ چودھری ننھے صاحب کے ہاتھ لگا چونکہ پرداداچودھری غلام محمد صاحب کے پوتے ہوتے ہیں کچھ عرصہ ہوا کہ چودھری ننھے صاحب بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے انہوں نے سوائے ایک حقیقی بھتیجے (کلو) اور دو سوتیلے بھتیجے ایک سوتیلی بھتیجی (عبدالرحیم' محبوب بخش بفاتن) کے کوئی وارث نہیں چھوڑا بریں بنا ملتجی ہوں کہ ازروئے شریعت درمیان ورثائے موجودہ تقسیم فرما کر شاکر و ممنون فرمائیں۔

المستفتی نمبر ۲۰۸۷ مولانا عبدالرحیم صاحب ڈابھیلی چھاؤنی نیچ ۲۶ رمضان ۱۳۵۶ھ م یکم دسمبر ۱۹۳۷ء
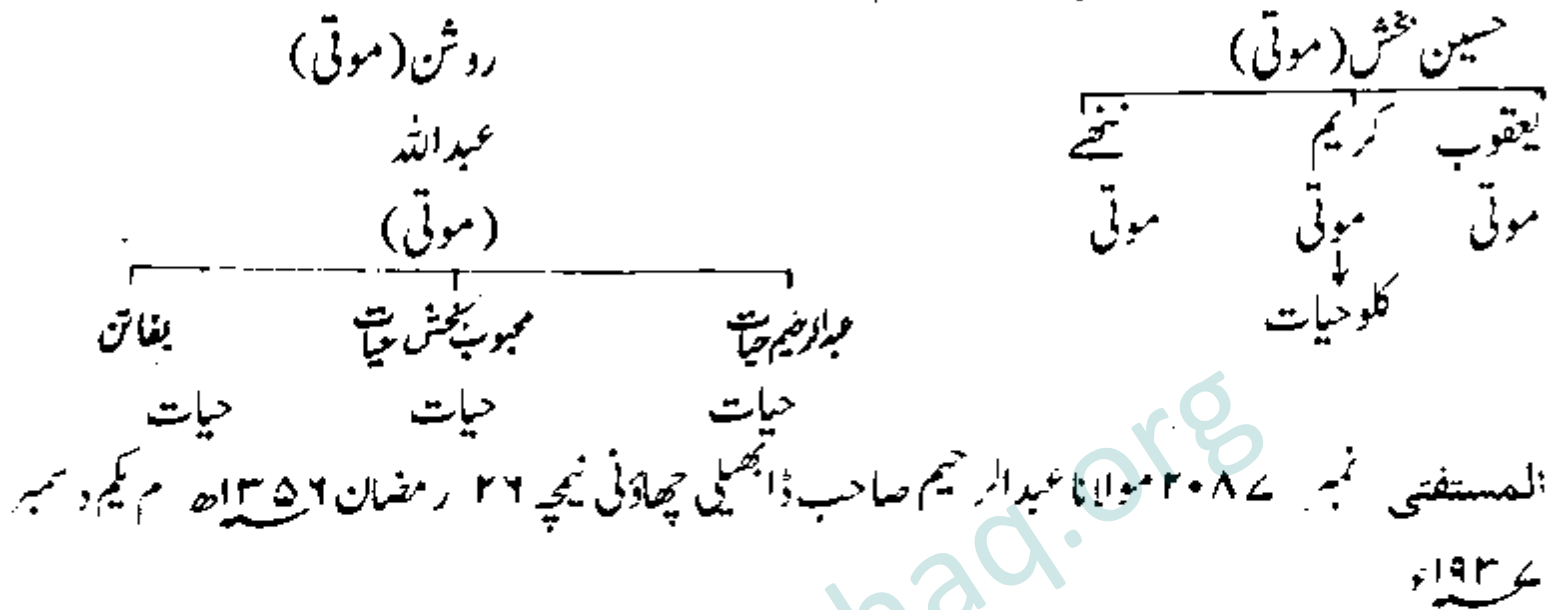
(جواب ۴۵۰) اگر یہ جائیداد ابتداء سے تقسیم نہیں ہوئی اور مورث اعلیٰ چودھری غلام محمد کا ترکہ ہے اور انہوں نے اپنے بعد دو بیٹے چھوڑے تھے تو نصف جائیداد کلو کو ملے گی اور نصف کے پانچ حصے کر کے دو دو حصے محبوب بخش اور عبدالرحیم کو اور ایک حصہ بفاتن کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی' بہن اور بھتیجیاں وارث ہوں تو تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟

(سوال) زید صرف ایک بیوی اور ایک بہن چھوڑ کر مرا متوفی کی دو بھتیجیاں ہیں اور ایک چچا غیر حقیقی جو دادا کی اولاد سے ہے موجود ہیں صورت مسئولہ میں تقسیم جائیداد کی کیا صورت ہوگی؟ المستفتی نمبر ۱۲۰۱ مولا بخش صاحب (گوجرانوالہ) ۷ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۱ دسمبر ۱۹۳۶ء

(جواب ۴۵۱) مسئلہ ۴	زوجہ	اخت	عم
	۱	۲	۱

صورت مرقومہ میں متوفی کا ترکہ چار سہام پر منقسم ہوگا ان میں سے ایک سہام زوجہ کو اور دو سہام بہن کو اور ایک سہام چچا کو ملے گا بشرطیکہ چچا صحیح عصبہ ہو[2] اور بیوی کا مہر تقسیم میراث سے پہلے دیا جائے گا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

---

(۱) ثم جزء جدہ العم لا بوین ثم لاب ثم ابنہ للا بوین ثم للاب (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶ ۷۷۵ ط سعید)
(۲) والربع لها عند عدمهما وایضا فیہ : والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضہ النصف وهو خمسة البنت الخ وایضا فیہ' ثم جزء جدہ العم لا بوین (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰' ۷۷۳' ۷۷۵ ط سعید)

اولاد نہ ہونے کی صورت میں مہر کے علاوہ بیوی کا چوتھا حصہ ہے

(سوال) زید کی جائیداد میں زید کی بیوی کا کیا حق ہوگا جب کہ زید کی بیوی کا دین مہر بھی باقی ہے اور کوئی اولاد بھی نہیں ہے صرف والدہ اور کئی ہمشیرہ ہیں زید کے ذمے دین مہر کے علاوہ قرض بھی ہے چونکہ زید کے ورثاء زید کی بیوی کو نکالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا کوئی حق نہیں ہے اور زید کا قرض اور دین مہر بھی نہیں ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ازروئے شرع شریف زید کی بیوی کا حق مفصل تحریر فرمائیں؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۰۳ محمد جلال الدین صاحب (مونگیر) ۸ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۲) زید کے ترکہ میں سے پہلے قرض اور دین مہر ادا کیا جائے گا اس کے بعد کچھ بچے تو وارثوں کو ملے گا میراث کے طور پر بیوی کو ۱۳ / ۳ ملے گا اور والدہ کو ۱۳ / ۲ اور بہنوں کو ۱۳ / ۸ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بیوی اور اولاد میں تقسیم ترکہ

(سوال) ایک شخص نے ترکہ چھوڑا اور اس کی بیوہ اور تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں ہر ایک کو ان میں سے کیا حصہ ملے گا؟ **المستفتی** نمبر ۲۱۱۶ جناب پریزیڈنٹ صاحب انجمن اسلامیہ (بیتا) ۱۱ شوال ۱۳۵۶ھ م ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۳) مسئلہ ۸ (۷۲)

بیوہ	پسران ۳	دختران ۳
۹	۴۲	۲۱

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث ترکہ کے بہتر سہام کئے جائیں گے ان میں سے ۹ سہام بیوہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر پسر کو اور سات سات سہام لڑکیوں کو ملیں گے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بیوی' بیٹی اور بھائی کو کس طرح میراث ملے گی؟

(سوال) زید مورث اعلیٰ یعنی دادا ہے عمرو بکر زید کے دو بیٹے ہیں عمر کے دو لڑکے دو لڑکیاں ہیں اور اب عمر کا انتقال ہو گیا ہے بکر کی اولاد بقید حیات صرف ایک لڑکی اور ایک بیوہ ہے سوال طلب یہ بات ہے کہ آیا بکر کی کل میراث کے مالک اس کی بیوہ اور ایک لڑکی ہوگی یا کوئی اور بھی' عمر جو کہ بکر کا حقیقی بھائی ہے کیا وہ بھی بکر کے مال میں کچھ حق رکھتا ہے اور عمر کی لڑکیوں اور لڑکوں کو بھی کچھ حق پہنچتا ہے یا بکر کے مال میں صرف اس کی لڑکی اور بیوہ کا ہی حق ہے اگر ازروئے شرع شریف یہی دو مستحق وراثت ہیں تو لکھئے کہ لڑکی کو کتنا ملے گا اور بیوہ کو

---

(۱) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد' وفي التنوير' والربع لها عند عدمهما وفي الدر' وللام السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة او من الاخوات' و فيه ايضا : والثلثان لكل اثنين ممن فرضه النصف البنت (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠' ٧٧٠' ٧٧٢ ط سعيد)

(۲) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولدابن (درمختار ٦/ ٧٦٩ ط سعيد) وفي العالمگيرية : واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية' كتاب الفرائض ٦/ ٤٤٨ ط سعيد)

کتنا؟ المستفتی نمبر ۲۱۱۸ بابو روح اللہ صاحب (جبل پور) ۱۲ شوال ۱۳۵۶ھ ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٤٥٤) بکر کے ترکہ میں اس کی بیوہ ۸/ ا کی مستحق ہے اور لڑکی ۲/ ا کی (یعنی بیوہ کو فی روپیہ دو آنہ اور لڑکی کو فی روپیہ آٹھ آنہ ملیں گے اور باقی ۸/ ۳ یعنی چھ آنہ) عمر کو اگر وہ بکر کے انتقال کے وقت زندہ ہو اور اگر بکر سے پہلے وہ مر چکا تھا تو یہ ٦ (چھ آنے) عمر کے دونوں لڑکوں یعنی بکر کے بھتیجوں کو ملیں گے[1] بکر کی بیوی کا مہر تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا اسکے بعد ترکہ کی تقسیم مذکورہ بالا طریق سے ہوگی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

چچا کی اولاد اور بھائی نہ ہو تو بھتیجوں کو حصہ مل سکتا ہے!

(سوال) کریم الدین خاں صاحب کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد دین خاں سراج الدین خاں عام الدین خاں ضیاء الدین خاں صدر الدین خاں کریم الدین خاں کی حیات میں محمد دین خاں کا انتقال ہو گیا محمد دین خاں کی اولاد میں ایک لڑکا شبیر الدین خاں ہوئے کریم الدین خاں نے اپنی حیات میں اپنے لڑکوں کا حصہ اپنی جائیداد سے کیا مگر شبیر الدین خاں چونکہ پوتے تھے اس لئے دادا کی جائیداد سے اس کو حصہ ملنا شریعت سے ناجائز تھا اس لئے دادا نے وصیت کر کے اس کو حصہ دیا۔
شبیر الدین خاں کی اولاد میں سے دو لڑکیاں ہوئیں ان کی شادی کر دی گئی اور ان کی بھی اولادیں جوان ہیں ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کا انتقال ہو گیا اس کی اولاد میں سے ایک لڑکی ہے دوسری لڑکی حیات ہے اور بیوہ ہو گئی اس کا ایک لڑکا جوان عمر ۲۰ سال ہے۔
شبیر الدین خاں کو انتقال کئے ہوئے دس بارہ سال ہو گئے ہیں اور ان کی بی بی کو انتقال کئے ہوئے تین ماہ ہوئے ہیں ان کی خدمات اور تیمار داری شبیر الدین خاں کے چچازاد بھائی اور بھتیجوں نے کی اور یہ ان دونوں میاں بیوی کی وصیت تھی کہ ہمارے بعد ہماری جائیداد کے وارث ہمارے بھتیجے ہیں مگر بوجہ نہ ہونے شہادت کے اب شبیر الدین خاں کی لڑکیوں کا حق کیا پہنچتا ہے اور شبیر الدین خاں کی نواسی کا حق بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۲۱۳۷ نصیر الدین خاں (کوروائی اسٹیٹ) ۱۷ شوال ۱۳۵٦ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۷ء
(جواب ٤٥٥) چچا کے مال میں جب کہ اس کی اولاد ذکور نہ ہو بھتیجوں کو حصہ مل سکتا ہے بشرطیکہ متوفی کا بھائی بھی نہ ہو ورنہ بھتیجوں کا کوئی حق نہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا وصیت کیا ہوا مال بھی ترکہ میں شامل ہوگا؟

(سوال) زید کے صرف ایک لڑکی تھی جس کا زید کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا اور جس نے دو بچے ایک لڑکا اور لڑکی چھوڑے تھے جن کو زید اور اس کی بیوی نے روز پیدائش سے تادم آخر اولاد کی طرح پرورش کیا اور

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)
(۲) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)
(۳) ثم جزء جدہ العم لابوین ثم لاب ثم ابنہ لابوین ثم لاب (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦/ ۷۷۵ ط سعید)

اپنے پاس ہی رکھا جب زید حج کو گیا تو اس کی دو بہنیں ایک نواسہ ایک نواسی اور بیوی موجود تھے چنانچہ اس نے اپنے ترکہ کی تقسیم بذریعہ وصیت نامہ اس طرح کی کہ دو حصے نواسی کو اور ایک حصہ نواسہ کو اور دونوں بہنوں کو سوا حصہ ملے۔

زید کی زندگی ہی میں اس کی دونوں بہنوں اور بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اب زید کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے حصہ کا کون حق دار ہو گا اور بہنوں کے حصے کا کون ؟۔ نوٹ : بہنوں کی اولاد موجود ہے۔

المستفتی نمبر ۲۱۴۱ سید محمد علی صاحب (بجنور) ۲ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء۔

(جواب ۴۵۶) زید کی پہلی وصیت بطور تقسیم ہو گی وہ بہنوں اور بیوی کے انتقال سے خود بخود ختم ہو گئی[1] اب تو زید کے انتقال کے وقت جو رشتہ دار موجود ہوں گے ان کو بقاعدہ میراث زید کا ترکہ ملے گا تو زید کے رشتہ دار اگر صرف ذوی الارحام میں کوئی عصبہ نہیں ہے تو نواسہ نواسی حقدار ہیں بہنوں کی اولاد حق دار نہیں ہے۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی

چچا زاد بھائیوں کی اولاد کی وجہ سے نواسے اور بھانجے محروم ہوں گے

(سوال) بکر کے صرف ایک لڑکی ہی تھی جس کا بکر کے سامنے ہی انتقال ہو گیا تھا اور جس کی اولاد سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی جس کو بکر اور اس کی بیوی نے روز پیدائش سے اپنے آخری سانس تک اولاد کی طرح پالا اور ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھا بکر کے متعلقین میں سے اس کے چچا زاد بھائی اور بہن بھی انتقال کر گئی اور بیوی بھی بکر کے مرنے کے بعد اس کے متعلقین میں سے صرف اس کے چچا زاد بھائیوں کی اولاد بہنوں کی اولاد اور وہی نواسہ اور نواسی کہ جن کی انہوں نے پرورش کی تھی موجود ہیں اب بکر کے ترکہ کا کون حق دار ہو گا ؟ فقط۔ المستفتی نمبر ۲۱۴۲ سید محمد علی صاحب آزاد (بجنور) ۲ شوال ۱۳۵۶ھ م ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۴۵۷) چچا زاد بھائیوں کی اولاد ذکور موجود ہے تو وہ وارث ہے اس کے سامنے بہنوں اور لڑکی کی اولاد حق دار نہیں ہے[3] اور اگر چچا زاد بھائیوں کی اولاد ذکور نہ ہو تو نواسہ نواسی وارث ہوں گے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ، دہلی۔

---

(۱) دبر عبدہ ثم ذهب عقله فالتدبير على حاله لما مر انه تعليق وهو لا يبطل بجنون ولا رجوع بخلاف الوصية برقبته لانسان ثم جن ثم مات بطلت (الدر المختار باب التدبير ۳ : ۶۸۳ ط سعيد)

(۲) و يحجب اقربهم الابعد كترتيب العصبات وحينئذ يقدم جزء الميت وهم اولاد البنات (الدر المختار كتاب الفرائض ۶ : ۷۹۲ ط سعيد)

(۳) ثم جزء جده العم لابوين ثم لاب ثم ابنه لابوين ثم لاب (الدر المختار كتاب الفرائض ۶ : ۷۷۵ ط سعيد)

(۴) ثم بالعصبات من جهة النسب (الى قوله) ثم ذوى الارحام الخ (سراجي ص ۳ ط سعيد)

میراث کی ایک مثال

(سوال) عبدالحفیظ خاں ولد عبدالعزیز خاں لاولد فوت ہو گئے وارثان حسب ذیل چھوڑے ایک ہمشیرہ حقیقی ایک بیوہ، عبدالحلیم خاں، عبدالمجید خاں، عبدالرحیم خاں، حقیقی تایا زاد بھائی، عبدالمجید خاں تایا زاد بھائی عبدالحفیظ خاں متوفی سے دو ماہ پیشتر فوت ہو گیا اور حسب ذیل وارثان چھوڑے ہیں عبدالحمید خاں، عبد الرشید خاں، منظور فاطمہ، سراج فاطمہ دختران، مسماۃ رفیق فاطمہ منکوحہ بیوہ عبدالمجید خاں جملہ وارثان کو ترکہ عبدالحفیظ خاں متوفی سے کس طرح حصص پہنچیں گے؟ المستفتی نمبر ۲۱۶۰ افضل خاں (علی گڑھ) ۲۸ شوال ۱۳۵۶ھ یکم جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۵۸) مسئلہ ۴ ۱۲

زوجہ	اخت حقیقی	ابن العم عبدالحلیم	ابن العم عبدالرحیم	ابن العم عبدالحکیم
۳/۱	۶/۲	۱	۱	۱

بعد تقدیم مایقدم علی الارث کے ترکہ عبدالحفیظ خاں کا بارہ سہام پر تقسیم کیا جائے گا بارہ سہام میں سے تین سہام بیوہ کو چھ سہام حقیقی ہمشیرہ کو ملیں گے اور ایک ایک سہام (حصہ) ہر ایک تایا زاد بھائی کو ملے گا اور عبدالمجید خاں کی بیوہ اور اولاد ذکور و اناث عبدالحفیظ خاں کے ترکہ سے محروم رہیں گے۔[1] فقط الحرج حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ، دہلی الجواب صحیح۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

میت کے بھائی اور بیوی میں تقسیم میراث

(سوال) محمد ابراہیم خاں فوت ہو گئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل وارثان شرعی چھوڑے ان کے برادر حقیقی محمد اسماعیل خاں اور مسماۃ عائشہ بیگم بیوہ متوفی مذکورہ موجود ہیں عائشہ بیگم سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی متوفی کی لڑکی آمنہ بیگم کا لڑکا فضل احمد صاحب موجود ہے۔ آمنہ بیگم متوفی کی زندگی میں مر چکی تھی متوفی نے اپنے محروم الارث نواسہ فضل احمد کے حق میں ایک تہائی ترکہ کی وصیت کی ہے متوفی کی ایک غیر منکوحہ پیشہ ور داشتہ عورت ہے جو اس کی زندگی میں اس کے گھر سے فرار ہو گئی تھی داشتہ عورت سے مسماۃ بشیر النساء موجود ہے وہ بھی ان کی زندگی میں اپنی والدہ کے ہمراہ فرار ہو گئی تھی مندرجہ بالا صورت میں متوفی کا ترکہ کس کس شخص کو کس قدر بموجب شریعت محمدی ملے گا؟ المستفتی نمبر ۲۱۷۵ شفیق احمد خاں (کرنال) ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۰ جنوری ۱۹۳۸ء

---

(۱) واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں تایا زاد بھائی عبدالمجید کا جب عبدالحفیظ کی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا تو اسے عبدالحفیظ کی وراثت میں سے حصہ نہیں ملے گا لہذا صورت مسئولہ میں کل مال کے آٹھ حصے کئے جائیں گے دو حصے بیوہ کو، چار حصے بہن کو اور ایک ایک دو تایا زاد بھائیوں کو ملے گا مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق

مسئلہ ۸/۴

بیوی	حقیقی بھن	۲ تایازاد بھائی
۱/۲	۲/۴	۱/۲

(جواب ۴۵۹) متوفی کے ترکہ میں سے ایک ثلث ان کے نواسہ کو اور باقی کا ۱/۴ عائشہ بیگم کو اور باقی کی ۴/۳ تین چوتھائی اسماعیل خاں کو ملے گی[1] داشتہ عورت اور اس کی لڑکی وارث نہیں ہے۔ محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی۔

دوسرا خاوند کرنے والی والدہ پہلے خاوند سے ہونے والے بیٹے کی میراث سے حصہ لے گی

(سوال) ہم تین بھائی ہیں ہماری دو بہن باولاد ہیں میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے پہلے میری والدہ قضا کر گئی۔ ۱۹۳۷ء میں میرے والد صاحب بھی انتقال کر گئے ہیں۔ عرصہ دس سال سے والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد ہمشیرہ کے یہاں رہتا ہوں مختصر یہ کہ میرے والد مرحوم کی والدہ یعنی میری دادی نے پہلے شوہر میرے دادا کے انتقال کے بعد جس کو تیس سال کے قریب ہوتا ہے نکاح کیا نکاح ثانی کے بعد میرے والد مرحوم ان سے علیحدہ ہو گئے کہ مکان تک چھوڑ کر دوسری جگہ مکان بنا کر رہنے لگے اور میری دادی سے کوئی تعلق نہیں رکھا میری دادی کے تین شوہروں سے تین اولادیں ہوئیں۔ مگر سب انتقال کر گئیں صرف ایک لڑکی زندہ ہے ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں میرے والد صاحب کچھ روپیہ چھوڑ گئے ہیں اب میری دادی حصہ مانگتی ہے بہت گڑبڑی ہو رہی ہے اس کے متعلق بہت جلد شرعی فتوے سے ممنون فرمایا جاوے میری دادی کا حصہ مانگنا جائز ہے یا نہیں اور میری اپنی بہنوں کا کس طرح حصہ ہوگا؟ المستفتی نمبر ۲۱۹۲ محمد انیس خاں (بریلی) ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۴۶۰) تمہارے والد کے ترکہ میں سے ان کی والدہ کا حصہ بھی ہے اور تم کو اور تمہاری بہنوں کو بھی ملے گا[2] تمہارے والد کے سوتیلے بھائیوں اور بہنوں کا تمہارے والد کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہے۔[3] محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی

ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے دین ادا کیا جائے

کیا بیٹے کے نام جائیداد ہبہ کرنے سے بیٹیاں میراث سے محروم ہوں گی؟

(سوال) (۱) زید مر گیا اور اس کے ذمے مہاجن کا دین ہے مگر اس دین کے لئے کوئی کاغذی ثبوت مثلاً رقعہ یا تمسک وغیرہ موجود نہیں ہے۔ رقعہ موجود ہے مگر وہ تمادی ہو گیا زید کا لڑکا بکر کہتا ہے کہ میرے والد کے ذمے مہاجن کا دین ہے اور مہاجن بھی زید کے مقروض ہونے کا مقر ہے زید کے داماد کہتے ہیں کہ اگر قرض ہے تو کاغذی ثبوت پیش کرو ایسی صورت میں زید کا قرضہ اس کے مرنے کے بعد اس کی متروکہ جائیداد سے

---

(۱) ثم تقدم وصیته من ثلث ما بقي و فیه ایضاً والربع لها عند عدمهما ' وایضاً فیه ثم جزء ابیه الاخ لابوین (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۶۱، ۷۷۰، ۷۷۳ ط سعید)

مسئلہ ٤	بیوی	بھائی
	۱	۳

(۲) ثم یقسم الباقي بین ورثته (الی قوله) فیبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات النسبیة الخ (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/۷۶۱ ط سعید)

(۳) وبنو الاعیان والعلات کلهم یسقطون بالابن وابن الابن وان سفل الخ (سراجیه' فصل في النساء ص ۱۱۰ ط سعید)

ادا کیا جائے گا یا نہیں یا کل متروکہ جائیداد اس کے ورثاء پر تقسیم کر دی جائے گی۔

(۲) اگر زید نے اپنی حیات میں کوئی جائیداد اپنے لڑکے بکر کے نام سے خریدی اور اس جائیداد کو بکر کے نام سے پختہ کرنے کے لئے قبالہ لکھا اور رجسٹری بھی کرادیا تو اب بعد مرنے زید کے بکر کی جائیداد سے زید کی لڑکیوں کو بھی حصہ مل سکتا ہے یا نہیں یا اس کا حق دار صرف بکر ہوگا اور شرعی حیثیت سے زید کا قرض بکر ہی اپنی جائیداد سے ادا کرے گا یا صرف اپنے والد کی جائیداد متروکہ سے ادا کرے گا؟ **المستفتی نمبر ۲۲۰۲** احمد خاں ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۴۶۱) (۱) اگر قرضہ کا ہونا متعین ہے اور رقعہ موجود ہے تو اس کی ادائیگی کل ترکہ میں سے ضروری ہے۔[1] (شرعاً تمادی کا عذر قابل قبول نہیں)

(۲) اگر زید نے بکر کے نام جائیداد ہبہ کر کے قبضہ کرادیا تھا تو اس میں زید کی لڑکیوں کا حصہ نہیں رہا اور اگر قبضہ نہیں کرادیا تھا تو وہ جائیداد زید کے ترکہ میں شامل ہو کر محسوب ہوگی[2] اور بکر کے نام بیع نامہ ہے تو بکر اس کا مالک قرار پائے گا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

بھائی مشترکہ جائیداد سے حصہ بیچ دے تو بہن کو حق شفعہ حاصل ہے

(سوال) (۱) شفعہ میں حق کس کا فائق ہے جب حسب ذیل اندراج ہو؟

(۲) ان ہر دو مسماۃ محبتہ و عبدالرؤف میں حصہ وراثت کا کیا ہو سکتا ہے اگر حامد مر جائے؟

(۳) اگر حامد مر جائے اور حامد کا لڑکا باقی زندہ رہے اور عورت بھی باقی ہو تو پھر ان کو کیا حصہ ہوگا؟

محمد منیر

(۱) احمد	(۱) غلام محمد
(۲) عبدالصمد	(۲) عبدالقیوم
(۳) محمود	(۳) عبدالرؤف مشتری

(۴) حامد بائع و ہمشیرہ محبتہ شفعہ کنندہ

(۱) آپ نے پہلے سوال کے جواب میں حکم ارسال کیا تھا کہ عبدالرؤف کس طرح خلیط تھا؟ نہری اول اراضیات، بنجر جدید، بنجر قدیم و جندرات و کلہ جات وراستہ شارع عام دیہہ و آبادی دیہہ کل سات عدد ۳۱ قطعہ ہوتے ہیں اور اس کا رقبہ عامہ ۱۱۸ کنال ہے اور اس میں اندراج کاغذات مال میں ۳/۱ حصہ حامد

---

[1] ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد (الدرالمختار ' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)

[2] و تتم الہبۃ بالقبض الکامل' و فیہ ایضاً لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وہبہ لشریکہ اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل (الیٰ قولہ) فان قسمہ و سلمہ صح لزوال المانع (الدرالمختار' باب الہبۃ ۵/ ۶۹۰' ۶۹۲ ط سعید)

[3] و حکمہ ثبوت الملک (درمختار' کتاب البیوع ۴/ ۵۰۶ ط سعید)

بائع ہے اور ۳/۱ حصہ عبدالرؤف مشتری ہے اور یہ ساڑھے ۳۷۵ کنال جو اراضی ہے یہ سب اس کے اندر مخلوط واقع ہیں مثلاً اعراب وکٹہ و جندرور استہ آبادی و بجر قدیم وغیرہ یہ رگوں اور پٹھوں کے طور پر اس میں مخلوط ہیں۔

(۲) اب یہ معلوم کرانا ہے کہ بحکم شرع شریف حامد کی وراثت میں مسماۃ محبتہ کیا حصہ لے سکتی ہے اور عبدالرؤف کیا حصہ لے سکتا ہے اور بحکم شرع شفعہ میں کس کا حق فائق ہو سکتا ہے۔؟

مکرر التماس ہے کہ کل جائیداد مبیعہ ۳۷۵ کنال ہے اور اس میں ۳۳۵ کنال واحد حصہ حامد ہے اور ۴۰ کنال حصہ حامد میں ہے اور ۸۰ کنال اس میں عبدالرؤف کا ہے **المستفتی** نمبر ۲۲۶۷ مولوی عبدالوہاب صاحب (صوبہ سرحد) ۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۲۶ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٢) حامد کی جائیداد میں اسکی ہمشیرہ مسماۃ محبتہ کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ حامد کا لڑکا شاہجہاں موجود ہے[1] مگر محبت کا حصہ اپنے باپ محمود خاں کی جائیداد متروکہ میں تھا خواہ وہ تحریری نہ ہو مگر وہ شرعی وارث تھی اس لئے وہ حامد کے ساتھ خلیط تھی اور اس کو حق شفعہ حامد کی جائیداد مبیعہ میں حاصل تھا۔[2] محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی۔

زندگی میں تقسیم میراث کی ایک مثال!

(سوال) زید متبع کتاب و سنت ہے حیات و ممات میں سب کام مطابق شریعت مطہرہ چاہتا ہے کہ اپنے حین حیات میں فتوی شرعی حاصل کرے۔ مثلاً زید فوت ہو جائے اور حسب ذیل افراد کو چھوڑے تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہو گی۔ زوجہ 'ابن الابن' ابن الابن' پوتی' بنت' اخت' بھتیجا۔ **المستفتی** نمبر ۲۲۹۰ عبدالحیٰ صاحب (چودھپور) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ٤٦٣) مسئلہ ۸ / ۴۰

زوجہ	بنت	پوتا	پوتا	پوتی	بہن	بھتیجا
۵/۱	۲۰/۴	۶	۶	۳	محروم	محروم

چالیس سہام ہوں گے پانچ سہام زوجہ کو (اور پورا مہر پہلے دیا جائے گا) اور بیس سہام لڑکی کو اور چھ چھ سہام پوتوں کو اور تین سہام پوتی کو ملیں گے۔[3] زندگی میں بہن اور بھتیجے کو بھی دینا چاہے تو ایک ثلث کے اندر اندر دے سکتا ہے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) و یسقط بنو الاعیان وهم الاخوة والاخوات لاب وام بثلاثة بالابن وابنه وان سفل الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۸۱ ط سعید) (۲) و یملك بالاخذ بالتراضي' او بقضاء القاضي بقدر رؤس الشفعاء لا الملك للخليط في نفس المبيع الخ (الدرالمختار' باب الشفعة ۶/ ۲۱۹ ط سعید)

(۳) فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ۶/ ۷۶۹) وايضاً والثلثان لكل اثنين فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت الخ (۶/ ۷۷۰) وفي السراجي ولد برثن مع الصلبيين الا ان يكون لحدائهن او اسفل منهن غلام فيعصبهن والباقي بينهم للذكر مثل حظ الانثيين (سراجي' فصل في النساء ص ۷ ط سعيد)

(٤) في اللباب: ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث الخ (اللباب للميداني ۲/ ۳۶۷)

(۱) بھائیوں کے ہوتے ہوئے نواسوں کو حصہ نہیں ملے گا
(۲) کیا نواسہ کو زندگی میں حصہ دیا جاسکتا ہے؟

(سوال) (۱) مسمی زید کے کوئی اولاد فی الحال نہیں ہے ایک لڑکی تھی وہ بھی ایک لڑکا چھوڑ کر مرگئی اب زید شریعت حقہ سے دریافت کرتا ہے کہ میرے مال میں سے لڑکی کے لڑکے (نواسہ کو) میرے بعد کچھ ورثہ ملے گا یا نہیں زید کے چند بھائی بھتیجے بیوی بھی موجود ہیں نیز اگر نواسہ کو بھی ورثہ ملتا ہو تو کس قدر ملے گا نیز اپنی زندگی میں ہی ورثہ تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟
(۲) مذکورہ بالا سوال کے موافق اگر نواسہ کو حصہ نہ ملنے کی صورت میں یا حصہ ملنے کی صورت میں زید نابالغ نواسہ کو کچھ بخشش دے سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) اگر نواسہ کو بخشش دے سکتا ہو تو بوجہ ولی جائز باپ وغیرہ کے خرچ کر ڈالنے کے بہ مدامانت بینک وغیرہ میں وہ مال لڑکے کے بالغ ہونے کے زمانہ تک کے لئے جمع کر سکتا ہے یا نہیں یا ولی جائز کے ہی سپرد کرنا لازم ہوگا؟ المستفتی نمبر ۲۲۹۴ علی محمد طاہر محمد (کاٹھیاواڑ) ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۶ جون ۱۹۳۸ء
(جواب ٤٦٤) زید کے بھائی موجود ہوں گے یا بھتیجے موجود ہوں گے تو نواسہ کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔[۱] زید کو یہ حق ہے کہ اپنی زندگی میں نواسہ کو اپنی جائیداد میں سے کچھ دیدے اور بہتر یہ ہے کہ ثلث سے زیادہ نہ دے۔[۲] نواسہ نابالغ ہے تو اس کے لئے اس کا ولی قبضہ کر سکتا ہے۔[۳] اور یہ بھی جائز ہے کہ ولی سے کسی محفوظ جگہ وہ شے موہوب جمع کرادی جائے اور اگر خود کسی بینک میں نواسہ کے نام پر جمع کرادے تو یہ بطور وصیت کے جائز ہوگا یعنی اس پر وصیت کے احکام جاری ہوں گے اس میں یہ تصریح کردینی ہوگی کہ یہ رقم میرے بعد میرے نواسہ کو اس کے بلوغ کے وقت ادا کردی جائے اور ایک ثلث ترکہ کے اندر اس رقم کا ہونا لازم ہوگا۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لڑکیوں اور تایازاد بھائیوں میں تقسیم ترکہ کی مثال

(سوال) (۱) والد کی ملکیت کی مالک ہر دونوں لڑکیاں ہیں یا تایازاد بھائی؟
(۲) تایازاد بھائی ورثہ میں سے کتنا حصہ پاسکتا ہے اور حقیقی لڑکیوں کو کس قدر حق شرعاً مل سکتا ہے؟
المستفتی نمبر ۲۲۹۸ عباس خاں صاحب (راجپوتانہ) ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۷ جون ۱۹۳۸ء

---

(۱) فیبدأ بذوی الفروض ثم بالعصبات النسبیة ثم بالمعتق ثم عصبة الذکور ثم الرد ثم ذوی الارحام الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/٧٦٣ ط سعید)
(۲) و یستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سواء کان الورثة اغنیاء او فقراء (الجوهرة النیرة ٢/٣٧٠ ط میر محمد)
(۳) وان وهب له اجنبی یتم بقبض ولیه وهو احد اربعة الاب ثم وصیه الخ (الدرالمختار' باب الهبة ٥/٦٩٥ ط سعید)
(٤) و تجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز للوارث ذالك لا الزیادة الا ان یجیز ورثته بعد موته (الدرالمختار' کتاب الوصایا ٦/٦٥٠ ط سعید)

(جواب ٤٦٥) متوفی کی دو لڑکیاں اور تایازاد بھائی ہے تو ترکہ کے تین حصے ہوں گے ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو اور ایک حصہ تایازاد بھائی کو ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

کیا سوتیلی ماں کو ترکہ میں سے حصہ دیا جا سکتا ہے؟

(سوال) محمد اکبر خاں کے وارث انکی بیوہ روشنہ اور ان کے پسر پوردل خاں تھے اب چونکہ پوردل خاں کی وراثت کا تقسیم کرنا زیر تجویز ہے پوردل خاں کے وارث حسب ذیل ہیں۔
(۱) مسماۃ بی بی روشنہ، سوتیلی والدہ پوردل خاں، (۲) مسماۃ قریشیہ بیوہ پوردل خاں (۳) مسماۃ گلریشہ و ماقوشہ وزرینہ دختران پوردل خاں (۴) مہردل خاں و خوش دل خاں، زوئیدل خاں، عمدہ دل خاں پسران پوردل خاں۔
المستفتی نمبر ۲۳۰۰ محمد افضل خاں صاحب (مردان) ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۸ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٦) مـ۸ تصـ۱۰٤

زوجہ	سوتیلی ماں	پسران ۵	دختران ۳
۱/۱۳	محروم	۷۰	۲۱

پوردل خاں مرحوم کا ترکہ ایک سو چار سہام پر منقسم ہوگا ان میں سے تیرہ سہام زوجہ مسماۃ قریشیہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر پسر کو اور سات سات سہام ہر دختر کو ملیں گے۔ سوتیلی ماں کا پوردل خاں کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(۱) تقسیم ترکہ کی ایک صورت
(۲) ترکہ کی تقسیم سے پہلے بیوی کو مہر دیا جائے

(سوال) (۱) ایک شخص متوفی نے بعد انتقال چار وارث چھوڑے ہیں اور ایک مکان ملکیت اپنی سے چھوڑا ہے جس کی قیمت مبلغ دو سو پچاس روپے ہوتی ہے شرع شریف ہر وارث کو کتنا حصہ دلانا چاہتی ہے اور کتنا حصہ پانے کے مستحق ہیں (۱) بیوہ، دو لڑکے، ایک لڑکی نابالغہ شادی شدہ
(۲) متوفی کے انتقال کو عرصہ دس سال ہو گیا اور اس کی بیوی بیوہ کا مہر مبلغ پچاس روپے ہوتا ہے۔ مکان متوفی کا اب فروخت ہوتا ہے بیوہ مہر مذکور کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور اس روپے میں مہر کے لینے کا اس کو حق ہے یا نہیں کیونکہ متوفی کی بیوہ اتنے عرصہ تک مکان متوفی میں سکونت پذیر تھی۔

---

(۱) والثلثان لکل اثنین فصاعداً ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت و فیہ ایضاً ثم جزء جدہ العم لابوین ثم ابنہ لا بوین (الدرالمختار، کتاب الفرائض ٦/ ۷۷۳، ۷۷۵ ط سعید)

(۲) فیفرض للزوجۃ فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن (درمختار ٦/ ٦٦٩ ط سعید) فی السراجیۃ: والثلثان للاثنین فصاعدۃ و مع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وھو یعصبھن (سراجی، فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

المستفتی نمبر ۲۳۲۶ سید آرام حسین آگرہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۱۹ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ٤٦٧) مـ۸تصـ۴۰

بنت	ابن	ابن	بیوہ
۷	۱۴	۱۴	۵

مرحوم کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چالیس سہام ہو کر پانچ سہام بیوہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر لڑکے کو اور سات سہام لڑکی کو ملیں گے۔[۱]

(۲) ہاں بیوہ اپنا پورا مہر پانے کی حق دار ہے اول اس کا مہر ادا کیا جائے پھر جو بچے اس کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے[۲] جس طرح کہ اس پرچے کے دوسرے صفحہ پر مرقوم ہے۔ فقط محمد کفایت کان اللہ لہ، دہلی

تقسیم میراث کی ایک صورت!

(سوال) زید نے آٹھ اولادیں چھوڑیں جس میں دو پہلی بیوی سے اور چھ دوسری بیوی سے اور اس میں چار شادی شدہ اور نابالغ ہیں گویا ایک لڑکا اور ایک لڑکی پہلی بیوی سے تھی جس کی شادی کی گئی اور دو لڑکیاں دوسری بیوی سے جن کی شادی ہوئی اب تین لڑکے اور ایک لڑکی جو نابالغ ہیں اب ان بچوں کی پرورش اور بیوہ کے گزارہ کا انتظام کیوں کر ہونا چاہیئے کیونکہ زید نے ایک مکان رہنے کا چھوڑا ہے اور تخمیناً آٹھ سات سو روپے کا زیور طلائی اور نقرئی چھوڑا ہے اور کوئی پونے تین سو روپے کا زید مقروض تھا اس کی تقسیم کے لئے تحریر فرمائیے؟ المستفتی نمبر ۲۳۲۹ محمد صدیق صاحب (دہلی) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ٤٦٨) زید کے ترکہ میں سے اول اس کا قرض ادا کیا جائے پھر جو بچے اس کو (بشرطیکہ کوئی وصیت نہ ہو) وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔[۳] بیوی کو ۱/۸ حصہ ملے گا اور باقی ۷/۸ اولاد کو ملے گا ہر لڑکے کو دوہرا حصہ اور لڑکی کو اکہرا۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا حصہ برابر ہوگا۔[۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

مہر اور غیر وارث کے لئے وصیت کے علاوہ باقی مال تقسیم کیا جائے!

(سوال) زید کی سات اولادیں ہیں جن میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں لیکن زید کے پاس کوئی جائیداد کسی قسم کی نہیں ہے اور زید کا انتقال ہو گیا بڑے لڑکے کا نام وفاتی منجھلے کا نام غلام نبی اور چھوٹے کا نام قربان علی ہے وفاتی کے کوئی اولاد نرینہ یا دختری نہیں ہے۔ غلام نبی کے ایک پسر ہے جس کا نام محمد فاروق ہے یہ دو سال کا

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

(۲) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد ثم یقسم الباقی بین ورثته (الدر المختار' کتاب الفرائض ٦/٧٦٠ ط سعید)

(۳) (ایضاً بحوالہ بالا حاشیہ ۲)

(٤) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

بچہ تھا تب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور چار سال کی عمر میں غلام نبی اس کے والد کا انتقال ہو گیا بچہ کو وفاتی و قربان علی دونوں بھائیوں نے پالا اور پرورش کی اور ہنوز کر رہے ہیں اور اس وقت اس کی عمر تخمیناً ۱۵ سال ہے قربان علی کے چھ بچے ہیں وفاتی حج کرنے کو جا رہے تھے اس وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ بحق قربان علی برادر خورد و بھتیجہ محمد فاروق مذکور کو تحریر کر کے ان کے حوالے کر دیا جو کہ ہمراہ استفتاء ہے بعدہ وہ حج کرنے گئے اور وہاں سے بخیریت واپس آئے اور چار سال حیات رہے لیکن وصیت نامہ مذکور نہ انہوں نے منسوخ کیا اور نہ کوئی ردوبدل کیا بلکہ وہ اب تک عملدر آمد ہے۔ اب وفاتی مذکورہ بالا نے بقضاء الٰہی وفات پائی اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی اب ان کی بیوہ جو حیات ہیں وہ اپنا مہر و حقوق زوجیت ہم سے طلب کرتی ہیں کہ میرا مہر سلطعےروپے کا ہے لیکن نہ تحریری کوئی نکاح نامہ ہے اور نہ کوئی شہادت ہے صرف زبانی کہتی ہیں اور نہ کسی دیگر شخص کو معلوم ہے بلکہ وفاتی نے مہر وغیرہ کے متعلق وصیت نامہ میں صاف صاف تحریر کر دیا ہے جو کہ واضح رائے جناب والا ہو گا اور بیوہ صاحبہ یہ بھی کہتی ہیں کہ مجھ کو چار ماہ دس یوم کی کھلائی عدت بھی دو اور چار بہنیں جو ہنوز حیات ہیں وہ بھی اپنا حق طلب کرتی ہیں لہذا آپ کیا فرماتے ہیں کہ مجملہ جائیداد مندرجہ وصیت نامہ ہر فریقین پانے کے مستحق ہیں اگر کسی وجہ سے ہوں بھی تو ان کا درجہ بدرجہ حصہ تحریر فرمائیے اور پھر بموجب شرع محمدی کیا ہونا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۳۳۶ قربان علی (لکھنؤ) ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲۳ جون ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۴۶۹) چونکہ یہ وصیت نامہ بحق قربان علی و زوجہ وفاتی و فاروق ہے اور اس میں سے قربان علی و زوجہ دونوں وارث ہیں اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت ناجائز ہے۔[1] صرف فاروق کے حصہ میں وصیت معتبر ہو گی اور اس کو کل ترکہ وفاتی کے ۱/۳ ثلث میں سے نصف ملے گا۔ یعنی ۱/۶ حصہ اس کو بحق وصیت دیا جائے گا۔[2] اور باقی ۵/۶ کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا مہر کی مقدار شہادت سے ثابت کی جائے یا ثابت نہ ہو سکے تو عورت کی بہنوں' پھوپھیوں' چچازاد بہنوں کے مہروں سے ملا کر دیکھا جائے گا اور مہر مثل دلوایا جائے گا۔[3] اس کے بعد ترکہ کے آٹھ حصے کئے جائیں گے دو حصے بیوی کو اور دو حصے قربان علی کو اور ایک ایک حصہ چاروں بہنوں کو دیا جائے گا۔[4] عدت کا نفقہ بیوی کو نہیں ملے گا۔[5] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ولا لوارثه و قاتله مباشرة الا باجازة ورثته لقوله عليه السلام: لا وصية لوارث الا ان يجيزها الورثة (الدر المختار' كتاب الوصايا ۶/۶۵۵ ط سعيد)

(۲) ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي (الدر المختار' كتاب الفرائض ۶/۷۶۱ ط سعيد)

(۳) و مهر مثلها الشرعي و مهر مثلها اللغوى اى مهر امراء ة تماثلها من قوم ابيها (الدر المختار' مطلب في بيان مهر المثل ۳/۱۳۷ ط سعيد)

(۴) والربع لها عند عدمهما (الدر المختار' كتاب الفرائض ۶/۷۷۰ ط سعيد) وفي السراجية: والثلثان للاثنين فصاعدة و مع الابن للذكر مثل حظ الانثيين و هو يعصبهن (سراجي ص ۷ ط سعيد)

(۵) وفي العالمگيرية: لا نفقة للمتوفى عنها زوجها سواء كانت حاملاً او حائلاً الا اذا كانت ام ولد الخ (عالمگيرية: الفصل الثالث في نفقة المعتدة ۱/۵۵۷ ط' ماجديه كوئٹه)

تقسیم ترکہ کی مثال

(سوال) مرحوم محمد کا انتقال ہو گیا حسب ذیل ورثا موجود ہیں ایک زوجہ اور ایک بھائی کی لڑکی ایک بہن کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں دوسری بہن کے دو لڑکے تیسری بہن کی صرف ایک لڑکی از روئے شرع شریف تقسیم کس طرح ہو گی المستفتی جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت ۳۰ رجب ۱۳۵۹ھ ۱۸ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۴۷۰) ۶۱۶ / ۴۴۴ / مسئلہ ۴

بعد تقدیم ما یتقدم علی الارث محمد مرحوم کا ترکہ چھ سو سولہ سہام پر منقسم ہو کر ایک سو چون سہام زوجہ کو اور چوراسی سہام بھتیجی کو اور چون چون سہام ہر بھانجے کو اور ستائیس ستائیس سہام ہر بھانجی کو دیئے جائیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

حقیقی بھائیوں کے ہوتے ہوئے علاتی بہن بھائی محروم ہوں گے

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس کے کوئی اولاد نہیں ہے ہندہ کو کچھ جائیداد اپنے باپ سے ترکہ میں ملی تھی شوہر اس کا بقید حیات ہے۔ شوہر نے متوفیہ سے مہر معاف کرا لیا تھا اور خود اپنا حصہ اس جائیداد کا ترک کر دیا تھا اب متوفیہ کے دو بھائی اور تین ہمشیرگان ایک والدہ سے تھیں جن میں سے ایک بہن متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکی ہے اس کا ایک پسر و دختر موجود ہیں اور دو بھائی ایک بہن دوسری والدہ سے تھیں جن میں سے ایک بھائی متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکا ہے۔ اس کے دو لڑکیاں موجود ہیں۔ تیسری والدہ سے ایک بہن تھی وہ متوفیہ کی حیات میں فوت ہو چکی ہے اس کے چار پسر اور ایک دختر تھی ان میں سے ایک پسر کا انتقال ہو چکا ہے تین پسر اور ایک دختر موجود ہیں اس پسر کی اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی موجود ہیں ان تمام میں سے کس کس کو کتنا حصہ ملنا چاہئے ؟

(جواب ۴۷۱) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندہ کے انتقال کے وقت اس کے دو بھائی اور دو بہنیں حقیقی موجود ہیں اور باقی اس کے علاتی بہن بھائی یا علاتیوں کی اولاد یا حقیقی بہن کی اولاد موجود ہے اس صورت میں ہندہ کا ترکہ (جب کہ اس کا شوہر حصہ نہ لے) صرف اس کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں کو ملے گا چھ سہام کر کے دو دو سہام دونوں بھائیوں کو اور ایک ایک سہام دونوں بہنوں کو دیئے جائیں گے[1] اور باقی سب

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ کتاب الفرائض ۶ / ۴۴۸ ط ماجدیۃ)

محروم ہیں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیوی اور بھائی وارث ہوں تو میراث کیسے تقسیم ہو گی؟

(سوال) ہم چار بھائی اور ایک بہن حقیقی ایک ماں سے تھے اور سوتیلی ماں سے ایک بھائی اور ایک بہن۔ اب ہم میں سے دو بھائی اور ایک بہن تو پہلے ہی مر چکے اور ایک بھائی کا اب انتقال ہوا ہے اور متوفی کا کچھ روپیہ ڈاکخانہ میں جمع ہے بیوی متوفی مذکور کی زندہ ہے اولاد کوئی موجود نہیں ہے زر مہر بیوی متوفی مذکور نے معاف کر دیا ہے اب روپیہ ڈاکخانہ میں جو جمع شدہ ہے وہ کن کن حقداروں کو اور کس حصے سے پہنچتا ہے نیز سوتیلی ماں سے جو بھائی اور بہن ہے وہ زندہ ہیں آیا ان کو موجب شرع شریف حق پہنچتا ہے؟ المرقوم ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء

(جواب ۴۷۲) صورت مذکورہ میں جب کہ متوفی کی اولاد نہیں ہے تو اس کے ترکہ میں سے ۱/۴ بیوی کو اور باقی ۳/۴ حقیقی بھائی کو ملے گا۔[2] سوتیلے بھائی اور بہن کا حق نہیں۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بھتیجوں کا حق بیٹیوں کے نام کروانے کا حکم

(سوال) ریاست پٹودی ضلع گوڑگانوہ میں ایک سرائے زمینداران کی طرف سے بھٹیاروں کو دی گئی تھی جس کی زمین کا کرایہ معاف کر رکھا ہے ایک عرصہ دراز سے یہ سرائے اسی طرح بھٹیاروں کے پاس چلی آرہی ہے بھٹیاروں کے آخری وارث کا نام گدگد تھا اس کے دو لڑکے تھے ایک نور بخش دوسرا کلو۔ نور بخش کے دو لڑکے ہوئے ایک کا نام خاجو دوسرے کا نام چھوٹا۔ نور بخش اور کلو کے انتقال کے بعد دونوں کی بیویاں اور اولاد موجود ہے نور بخش کی ایک بیوی اور دو لڑکے ہیں اور کلو کی ایک بیوی اور دو لڑکیاں ہیں اب صورت حال یہ پیش آئی کہ کلو کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کے نام سرائے کا وہ حصہ جو کلو کے حصے میں تھا کل کا کل کر دیا اور بھتیجوں کو چچا کے حق سے محروم کر دیا آیا یہ فعل کلو کی زوجہ کا شرعاً درست ہے؟

(جواب ۴۷۳) کلو کے ترکہ میں سے ۱/۸ اس کی بیوی کا حق ہے اور ۲/۳ لڑکیوں کا حق ہے اور باقی ۵/۲۴ دونوں بھتیجوں کا حق ہے۔[4] کلو کی بیوی نے لڑکیوں کے نام جو کل ملکیت کر دی ہے یہ صحیح نہیں ہوا وہ صرف اپنا حق دے سکتی ہے بھتیجوں کا حق نہیں دے سکتی۔[5] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

---

(۱) ویسقط بنو العلات ایضا بالاخ لاب وام اذا صارت عصبة (سراجی' فصل فی النساء ص ۱۱ ط س)
(۲) والربع لها عند عدمهما و فیه ایضا: ثم جزء ابیه الاخ لابوین (الدرالمختار' ۶/ ۷۷۰' ۷۷۳ ط سعید)
(۳) ویسقط بنو الاخیاف وهم الاخوة والاخوات لام بالولد وولد الابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۸۲ ط سعید)
(۴) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید) وفیه ایضا والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت' وایضاً فیه ثم جزء جده العم لابوین ثم لاب ثم ابنه لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۱' ۶/ ۷۷۲ ط سعید)
(۵) لا یجوز لاحد ان یتصرف فی ملك الغیر بغیر اذن (قواعد الفقه ص ۱۱۰ ط صدف پبلشرز)

ترکہ کی شرعی تقسیم کی صورت

(سوال) شیخ مینڈو کے دو لڑکے (چودھری بودی اور اللہ دیا) اور ایک لڑکی (مسماۃ قمراً)

چودھری بودی کے دو لڑکے (عبد الکریم اور عبد الحمید) اللہ دیا کے دو لڑکی (مسماۃ غفورن اور مسماۃ مجیدن) اور ایک بیوہ (مسماۃ بسم اللہ) چودھری مینڈو کے کوئی جائیداد نہ تھی اور چودھری بودی اور اللہ دیا علیحدہ علیحدہ رہتے تھے اللہ دیا نے جائیداد اپنی قوت بازو سے پیدا کی اللہ دیا نے وفات پائی اس متروکہ جائیداد کے کون کون حصہ دار ہیں۔

(جواب ٤٧٤) اللہ دیا کی وفات کے وقت اس کی دو لڑکیاں ایک بیوہ اور ایک بھائی دو بھتیجے غالباً اور ایک بہن وارث تھے سوال میں تصریح نہیں ہے لیکن اگر صورت یہی ہو جو میں نے لکھی تو اللہ دیا کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ۲۴

بسم اللہ	دختر غفورن	دختر مجیدن	برادر بودی	ہمشیرہ قمرن	برادر زادگان
۹ . ۳	۸/۲۴	۸/۲۴	۱۰	۵	محروم

یعنی اللہ دیا کے ترکہ کے بہتر حصہ کرکے نو حصے بیوہ کو اور چوبیس چوبیس حصے غفورن و مجیدن کو اور دس حصے بودی کو اور پانچ حصے قمرن کو دیئے جائیں گے۔ اگر بودی اللہ دیا کی وفات کے وقت زندہ نہ تھا قمرن زندہ تھی تو بودی کا حصہ بھی قمرن کو ملے گا اور قمرن بھی اگر زندہ نہ تھی اللہ دیا کے بھتیجے زندہ تھے تو بودی و قمرن کا حصہ دونوں بھتیجوں کو حصہ مساوی ملے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

مناسخہ کی ایک صورت!

(اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء)

(سوال) مسمی نصیر علی ولد امراؤ علی ساکن اٹارسی ضلع ہوشنگ آباد ریلوے میں ملازم تھا عرصہ تیرہ ماہ کا ہوا کہ ریل گاڑی میں کٹ کر انتقال ہو گیا مرحوم نے ایک بیوہ ایک یتیم بچہ اور والد ضعیف العمر کو اپنے وارثوں میں چھوڑا دو ماہ بعد لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا ابھی عرصہ ایک ماہ کا ہوا کہ مسماۃ نے اپنا نکاح ثانی پڑھوا لیا نصیر علی مرحوم کے معاوضہ میں کمپنی ریلوے نے مبلغ چھ سو روپے وارثان کی پرورش کے واسطے بذریعہ عدالت روانہ کیا ہے اب اس روپے میں کون حق دار ہے اور مسماۃ نے مہر معاف کر دیا تھا؟

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن و فیہ ایضاً والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت و بنت الابن والاخت لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۱ ط سعید) وفی السراجیۃ : والثلثان للاثنین فصاعدۃ مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین یصرن بہ عصبۃ' وایضا فیہ' ولھن الباقی مع البنات او بنات الابن لقولہ علیہ السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ (سراجی' فصل فی النساء ص ۹۔۱۰ ط سعید) وفی الدر ثم جزء جدہ العم لابوین ثم لاب ثم ابنہ لا بوین الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۵ ط سعید)

(جواب ٤٧٥) ۲۷ مسئلہ ۲۴ نصیر علی

زوجہ	والد	ابن
۹ / ۳	۱۲ / ۴	۱۷

مسئلہ ۳ ابن معاً ۱۷

ام	جد
۱۷ / ۱	۲۴ / ۲

سرکار نے جو روپیہ دیا ہے اس میں مرحوم کے سب وارث علی قدر حصہ شریک ہیں اگر لڑکے کے انتقال سے پہلے روپیہ مل گیا ہو تو اس کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ اس کے ۳۶ حصے کر کے ۱۳ حصے مرحوم کی زوجہ کو اور ۲۳ حصے اس کے باپ کو دیئے جائیں اور اگر لڑکے کے انتقال کے بعد روپیہ ملا ہے تو اس میں عدالت کو اختیار ہے جتنا چاہے عورت کو دے اور جتنا چاہے باپ کو دے دوسرا نکاح کر لینے سے اس کا حق ساقط نہیں ہوا۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

لڑکا اور دو لڑکیاں وارث ہوں تو ترکہ کیسے تقسیم ہو گا؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۶ء)

(سوال) سید عبداللہ مرحوم کی دو بیاں تھیں پہلی سے ایک لڑکا اور دوسری سے دو لڑکیاں' علاوہ ان دونوں کے اور کوئی وارث نہیں چھوڑا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ٤٧٦) سید عبداللہ مرحوم کی وفات کے وقت اگر انکے والدین اور بیویاں زندہ نہ تھیں صرف اولاد وارث تھی تو ان کا ترکہ چار سہام پر تقسیم ہو کر دو سہام لڑکے کو اور ایک ایک سہام دونوں لڑکیوں کو دیدیا جائے[1] یہ واضح رہے کہ تقسیم ترکہ سے پہلے بیویوں کا مہر (اگر ادا نہ ہوا ہو تو) ادا کیا جائے اسی طرح اور کوئی قرضہ اگر مرحوم کے ذمہ ہو تو وہ بھی پہلے ادا کیا جائے گا۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۶ء)

(سوال) (۱) مسماۃ ہندہ اپنی ماں و بھائی حقیقی و شوہر و ایک لڑکی خورد سال شیر خوار کو چھوڑ کر انتقال کیا متوفیہ کے نام جو جائیداد اور زمینداری ہے اس کے پانے کا جائز شرعی حق دار کون ہے؟ جو جائیداد متوفیہ کے نام ہے وہ اس کو اپنے باپ کے ترکہ میں ملی تھی۔ (۲) مسماۃ متوفیہ کا بھائی مہر کا دعویدار ہے لہذا اس کے متعلق

---

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ٦/٤٤٨ ط ماجدیہ)

(۲) ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٦٠ ط سعید)

بھی فرمایئے۔ (۳) متوفیہ کے جو زیور وغیرہ ہیں کچھ زیور وغیرہ وہ ہے جو جہیز میں متوفیہ کو ملا تھا اور کچھ شوہر نے بنوایا۔ اس کا کون حق دار ہے۔

(جواب ۴۷۷) مسماۃ متوفیہ کا ترکہ اس کے وارثوں میں اس طرح تقسیم ہو گا۔

مسئلہ ۱۲

شوہر	والدہ	بنت	اخ
۳	۲	۶	۱

یعنی ترکہ کے بارہ حصے کر کے تین حصے خاوند کو دو حصے والدہ کو اور چھ حصے دختر شیر خوار کو اور ایک حصہ بھائی کو دیا جائے گا[۱] (۲) مہر بھی مسماۃ متوفیہ کے ترکہ میں شامل ہو کر حسب تحریر بالا تقسیم ہو گا[۲] (۳) متوفیہ کا جہیز اور چڑھاوا وغیرہ بھی ترکہ میں شامل ہو کر حسب تقسیم بالا تقسیم ہو گا۔[۳] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

خاوند' بیٹی اور والد وارث ہوں تو میراث کیسے تقسیم ہو گی؟

(الجمعیۃ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک شخص کی لڑکی کی شادی ہوئی بوقت نکاح مبلغ ایک ہزار روپیہ مہر مؤجل مقرر ہوا تھا نوشہ کے والد نے مبلغ تین سو روپے کا زیور دلہن کے لئے جس کو یہاں چڑھاوا کہتے ہیں ادا کر دیا اور دلہن کے والد نے زیورات اور برتن وغیرہ جس کی قیمت مبلغ پانچ سو روپے تھی جہیز میں دیا تھا یہ مذکورہ بالا زیورات اور برتن وغیرہ لڑکی حسب دستور اپنے خسر کے یہاں لے کر چلی گئی تھی اس کا خاوند اپنے باپ کے ساتھ شامل میں رہتا ہے۔ لڑکی کے ہاں دو سال کے عرصے میں ایک بچی پیدا ہوئی بچی کی عمر نو ماہ تھی کہ ماں کا انتقال ہو گیا اور ایک ہفتہ بعد بچی بھی گزر گئی لڑکی مرحومہ کا والد اور بھائی زندہ ہیں ماں انتقال کر چکی ہے خاوند اور خسر بھی زندہ ہیں مگر خاوند کی کوئی ملکیت نہیں ہے اب مرحومہ لڑکی کے والد کا مطالبہ ہے کہ مہر زیورات اور برتن وغیرہ جو کچھ بھی لڑکی کو دیا گیا تھا وہ واپس ملے اس وقت یہ سب چیزیں لڑکی کے خسر کے قبضے میں ہیں؟

(جواب ۴۷۸) لڑکی کو جو زیور کہ نوشہ یا خسر کی طرف سے شادی کے وقت بطور چڑھاوے کے دیا جاتا ہے اور جو زیور اسباب برتن وغیرہ لڑکی کے باپ کی جانب سے جہیز میں ملتا ہے یہ سب لڑکی کی ملک ہو جاتا

---

(۱) والربع للزوج مع احدهما و فيه ايضا وللام السدس مع احد هما او مع الاثنين من الاخوة او من الاخوات والثلثان لكل اثنين فصاعدة ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و عند الانفراد يحوز جميع المال الى قوله ثم جزء ابيه الاخ لابوين (الدرالمختار ۶ / ۷۷۰، ۷۷۲، ۷۷۳ ط سعيد)

(۲) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة و موت احد الزوجين (عالمگيرية ۱ / ۳۰۳ ط مصري)

(۳) جهز ابنته بجهاز وسلمها ذالك ليس له الاسترداد منها و به يفتي' وفي الشامية . فان كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة اذا طلقها تاخذه كله واذا ماتت يورث عنها (تنوير الابصار مع الرد ۳ / ۱۵۵، ۵۸۵ ط سعيد)

ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے[۱] اسی طرح مہر بھی اس کی ملک ہے[۲] پس اس صورت میں لڑکی کے تمام ترکہ میں سے (جو مہر چڑھاوا جہیز وغیرہ پر مشتمل ہے) اس کے والد کو ایک چوتھائی ملے گا اور باقی تین چوتھائی اس کے خاوند کو ملے گا[۳] (۴/۱ خود اس کا حق اور ۲/۱ لڑکی پیدا شدہ کا حق جو اس کے مرنے پر اس کے باپ کو مل گیا) اور متوفیہ کے بھائی کا کوئی حق نہیں ہے۔[۴] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

تقسیم میراث

(الجمعیۃ مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء)

(سوال) ایک نابالغ نے بعمر گیارہ سال انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک والدہ' ایک بھائی نابالغ' چار بہنیں نابالغ اور ایک نانا۔ ان کو کیا کیا حصہ ملے گا؟

(جواب ۴۷۹) مسئلہ ۶ ۳۶

والدہ	بھائی	بہنیں
۶	۱۰	۲۰

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرکے ترکہ متوفی کے چھتیس سہام کئے جائیں ان میں سے چھ سہام والدہ[۵] اور دس سہام بھائی کو اور پانچ پانچ سہام چاروں بہنوں کو دیئے جائیں۔[۶] نانا کا کوئی حق نہیں ہے۔
محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

خالہ اور ماموں کی اولاد میں تقسیم ترکہ کی مثال

(الجمعیۃ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء)

(سوال) ہندہ مری۔ اس نے ایک ماموں کے چار لڑکے اور ایک ماموں کی ایک لڑکی ایک خالہ کا ایک لڑکا ایک لڑکی وارث چھوڑے تو ان کو ہندہ کے ترکہ میں سے کیا ملے گا؟

(جواب ۴۸۰) مسئلہ ۶/ ۱۸

خال				خال	خالہ	
ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	ابن	بنت
۳	۳	۳	۳	۳	۲	۱

---

(۱) ایضاً بحوالہ سابقہ حاشیہ آخری صفحہ گزشتہ۔
(۲) وان حطت عنہ من مہرھا صح الحط لان المہر حقہا (ہدایۃ' کتاب النکاح ۲/ ۳۲۵ ط شرکۃ علمیۃ)
(۳) والربع للزوج مع احد ہما ای الولد او ولد الابن وایضاً فیہ. والتعصیب المطلق عند عدمہما (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید) (۴) ویسقط بنو الاعیان وہم الاخوۃ والاخوات لاب وام بثلاثۃ بالابن و ابنہ وان سفل و بالاب اتفاقا (الدرالمختار' فصل فی العصبات ۶/ ۷۸۱ ط سعید) (۵) وللام السدس مع احدہما الخ (تنویر الابصار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط شرکۃ سعید) وفی السراجیۃ: والثلثان للاثنین فصاعدۃ ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وہو یعصبہن (سراجی' فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث حضرت امام محمدؒ کے قول مفتی بہ کے موافق ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر ان میں سے تین تین سہام ماموں کے لڑکوں اور ماموں کی لڑکی کو اور دو سہام خالہ کے لڑکے کو اور ایک سہام خالہ کی لڑکی کو ملے گا۔ [1] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

تقسیم میراث کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۲۸ء)

(سوال) عائشہ بائی نے انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک حقیقی نواسی مومن بائی' ایک حقیقی بھانجی حافظ بائی' دو حقیقی پھوپھی زاد بھائی' ایک حقیقی پھوپھی زاد بہن' مرحومہ کے والد کے حقیقی چچا کے دو لڑکے احمد اور غلام' مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۴۸۱) مسئلہ ۲

والد کے چچا کا لڑکا	والد کے چچا کا لڑکا	نواسی	بھانجی	پھوپھی کے لڑکے
احمد	غلام	محروم	محروم	محروم
۱	۱			

اس صورت میں مرحومہ کے ترکہ کے مستحق صرف احمد اور غلام ہیں۔ [2] محمد کفایت اللہ غفرلہ'

علاتی بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھتیجیاں محروم ہوں گی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء)

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس نے اپنا ایک علاتی (باپ شریک) بھائی اور دو بھتیجیاں جن کا باپ متوفیہ کا حقیقی بھائی تھا چھوڑیں اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۴۸۲) صورت مسئولہ میں اگر ہندہ متوفیہ کا سوائے ان لوگوں کے جن کا سوال میں ذکر ہے اور کوئی وارث نہیں تو ہندہ کا تمام ترکہ اس کے علاتی بھائی کو ملے گا۔ [3] اور اس کی بھتیجیاں اگرچہ وہ حقیقی بھائی کی لڑکیاں ہیں محروم رہیں گی۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

---

(۱) وقول محمد اشهر الروايتين عن ابي حنيفة في جميع ذوى الارحام و عليه الفتوى (سراجي' فصل في الصنف الاول ص ٤٤ ط سعيد)

(۲) وكذالك الحكم في اعمام الميت ثم في اعمام ابيه ثم في اعمام جده وفي الحاشية : وكذا الحال في ابناء هؤلاء الاصناف (سراجي ص ١٤ ط سعيد)

(۳) ثم جزء ابيه الاخ لابوين ثم لاب اى ثم الاخ لاب (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦/ ٧٧٥ ط سعيد)

بیوہ، پوتوں اور پوتیوں میں تقسیم میراث

(الجمعیۃ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۹ء)

(سوال) ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک بیوہ ایک بھتیجا جو سوتیلے بھائی سے پیدا ہوا ہے اور دو پوتے اور تین پوتیاں چھوڑیں اس کے ترکے کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

(جواب ۴۸۳) حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے متوفی کے ترکہ کے آٹھ سہام ہوں گے ان میں سے ایک سہام بیوہ کو اور دو دو سہام پوتوں کو اور ایک ایک سہام تینوں پوتیوں کو ملے گا۔ بھتیجا محروم ہے۔[1]

محمد کفایت اللہ غفر لہ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء)

(سوال) ایک مسماۃ مرحومہ کے مندرجہ ذیل ورثاء میں ہر ایک کا حصہ شرعی کس قدر ہے؟ اور تمام مال مرحومہ کے پاس والدین اور خاوند کا دیا ہوا تھا اور اب مہر خاوند کی طرف باقی ہے۔ باپ، ماں، خاوند، لڑکا نابالغ، لڑکی تین نابالغ، لڑکی بالغ جس کی شادی مرحومہ کی زندگی میں ہو چکی تھی؟

(جواب ۴۸۴) صورت مرقومہ میں متوفیہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث اس طرح تقسیم ہو گا: مسئلہ ۱۲ / ۷۲

زوج	اب	ام	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
۳/ ۱۸	۲/ ۱۲	۲/ ۱۲	۱۰	۵	۵	۵	۵

بیوہ، ہمشیرہ اور بھتیجوں کا ترکہ میں کتنا حصہ بنتا ہے؟

(الجمعیۃ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۱ء)

(سوال) قادر بخش مورث اعلیٰ فوت ہو گئے اور انہوں نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے مسماۃ لاڈو زوجہ، مسماۃ امامن ہمشیرہ حقیقی، ظہور الدین، محمد صدیق، گلاب الدین، محمد حنیف، بھتیجے حقیقی، اور تین بھتیجیاں

(جواب ۴۸۵) مسئلہ ۴ / ۱۶ قادر بخش

زوجہ	ہمشیرہ	ابناء الاخ
۱ ۴	۲ ۸	۴

---

(۱) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن (الدر المختار، كتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعيد) وفي السراجية الا ان يكون لحذائهن او اسفل منهن غلام فيعصبهن والباقي بينهم للذكر مثل حظ الانثيين (سراجي، فصل في النساء ص ۷ ط سعيد)

(۲) والربع للزوج مع احدهما وفيه ايضا وللاب السدس مع ولد او ولد ابن وللام السدس مع احدهما (الدر المختار، كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲ ط سعيد) وفي العالمگيرية: واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية، كتاب الفرائض ۶/ ۴۴۸ ط ماجدية كوئته)

قادر بخش کے ترکہ کے سولہ سہام کر کے چار سہام زوجہ کو اور آٹھ سہام ہمشیرہ کو اور ایک ایک سہام چاروں بھتیجوں کو دیا جائے۔[1] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

بیوی بیٹی اور علاتی بھائی وارث ہوں تو میراث کی تقسیم شرعی

(الجمعیۃ مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے وقت انتقال ایک دختر زوجہ اولی سے جسکے انتقال کو چودہ سال گزر گئے اور ایک زوجہ ثانی اور بھائی سوتیلی ماں سے چھوڑا زید مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ۴۸۶) مسئلہ ۸

زوجہ	دختر	برادر علاتی
۱	۴	۳

زید متوفی کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث آٹھ سہام پر تقسیم ہوگا ان میں سے ایک سہام زوجہ ثانیہ موجودہ کو اور چار سہام دختر کو اور تین سہام علاتی بھائی کو ملیں گے۔[2] محمد کفایت اللہ غفرلہ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

(سوال) زید نے انتقال کیا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ایک لڑکی نابالغہ ایک بیوہ ہمشیرہ حقیقی اور بڑے بھائی مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ زید نے اپنی حیات میں اپنی زوجہ کو طلاق شرعاً روبرو قاضی شہر کے دیکر مہر ادا کر دیا تھا اب زید کی کچھ موروثی اور کچھ اپنی پیدا کردہ اور بڑے بھائی مرحوم کی پیدا کردہ جائیداد موجود ہے؟

(جواب ۴۸۷) مسئلہ ۲

بنت	اخت
۱	۱

زید کا ترکہ نصف اس کی دختر کو اور نصف اسکی بہن کو ملے گا[3] بھتیجے اور بھتیجی محروم ہیں[4] اور زید

---

(۱) والربع لها عند عدمهما و فيه ايضا والثلثان لكل اثنين فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوين ثم جزء جده العم لابوين ثم ابنه لا بوين (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶ / ۷۷۰ ' ۷۷۳ ط سعيد)

(۲) فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن' والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت ثم جزء ابيه الاخ لابوين ثم لاب ثم ابنه لا بوين ثم لاب الخ (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹' ۷۷۳' ۷۷۵ ط سعيد)

(۳) ولهن الباقي مع البنات او بنات الابن لقوله عليه السلام : اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة (سراجي ص ۱۰ ط سعيد)

(۴) فيبدأ باصحاب الفرائض ثم بالعصبات (الى قوله) ثم ذوى الارحام (سراجي ص ۳ ط سعيد)

کے بھائی مرحوم کا ترکہ ان کی اولاد کو ملے گا اس میں زید کی لڑکی اور بہن حق دار نہیں ہے۔ [1] فقط محمد کفایت اللہ عفا عنہ ربہ

تقسیم ترکہ کی ایک صورت!

(الجمعیۃ مورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء)

(سوال) ایک شخص مسمی فلالہ فوت ہو گیا ہے ماں باپ بیٹا بیٹی زوجہ نہیں ہے ایک ہمشیرہ زندہ ہے اور ایک وفات پا چکی ہے اس کے تین فرزند ہیں اور ایک بھائی فلالہ سے پیشتر فوت ہو چکا ہے اس کی ایک دختر ہے اور ایک چچا کا بیٹا ہے دوسرے چچا کے دو پوتے ہیں ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۴۸۸) مسئلہ ۲

اخت	ابن العم	اولاد الاخت	ابن الاخ	ابن ابن العم
۱	۱	محروم	محروم	محروم

اس صورت میں نصف ترکہ بہن کو اور نصف چچا کے بیٹے کو ملے گا۔ [2] بہن متوفیہ کی اولاد اور متوفی بھائی کی اولاد اور چچا کے پوتے محروم ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت!

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء)

(سوال) بڑے صاحب کے انتقال کے بعد ان کے دو لڑکے سرست صاحب اور رمول صاحب اپنے باپ کے ترکہ سے مساوی حصہ پا کر قابض و متصرف رہے ابھی کچھ دن ہوئے سرست صاحب کا انتقال ہوا انہوں نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے۔ چار بیٹیاں ایک بھائی (رمول صاحب) اور دو بہنیں چار بیٹیوں میں سے دو نابالغ ہیں ان کو رمول صاحب جو بچیوں کے حقیقی چچا ہیں اپنی تربیت میں رکھنا چاہتے ہیں اور بچیوں کی نانی اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں یہ دونوں لڑکیاں دوسری بیوی سے ہیں اور پہلی بیوی کی دو لڑکیاں کتخدا ہیں۔ پہلی بیوی سرست صاحب کی زندگی میں فوت ہوئی اور دوسری کا سرست صاحب کے بعد انتقال ہو چکا ہے۔؟

(جواب ۴۸۹) اول دونوں بیویوں کے مہر (بصورت عدم ثبوت ادائیگی یا معافی) اور کوئی قرض اگر مرحوم کے ذمہ ہوں ادا کئے جائیں [3] اس کے بعد باقی ترکہ کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ بارہ حصے کر کے

---

(۱) وبنو الاعیان والعلات کلهم یسقطون بالا بن و ابن الا بن وان سفل الخ (سراجی باب العصبات فصل فی النسآء ص ۱۰ ط سعید)

(۲) والثلثان لکل اثنین فصاعدة ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن والاخت لابوین (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید) وفی العصبات و یقدم الاقرب فالا قرب (الی قوله) ثم جزء جده العم ثم ابنه (الدر المختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۵ ط سعید)

(۳) ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد (الدرالمختار کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)

دو دو حصے چاروں لڑکیوں کو اور دو دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر بہن کو دیا جائے [۱] اور نابالغ لڑکیوں کی پرورش کا حق ان کی نانی کو ہے [۲] اور نکاح کی ولایت چچا کو ہے [۳] اور نابالغوں کے حصے کی نگرانی کا حق نہ نانی کو ہے نہ چچا کو بلکہ حاکم یا خاندان کے لوگ جس کو امین سمجھیں اسے نگرانی سپرد کریں۔ [۴] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

استدراک جواب مرقومہ بالا

(الجمعیۃ مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۴ء)

اخبار الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۴ء نمبر ۱۳ جلد ۲۰ کے صفحہ ۴ کالم ۳ و ۴ کے عنوان "حوادث و احکام" میں فرائض کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں میت کی چار لڑکیاں ایک بھائی اور دو بہنوں کا حصہ تقسیم کیا گیا ہے اس میں یہ فروگذاشت ہو گئی ہے کہ متوفی سرست صاحب مرحوم کی دو بیویاں جنکا سوال میں ذکر ہے ان میں سے ایک بیوی سرست صاحب مرحوم کے انتقال کے وقت زندہ تھی تقسیم میں اس کا حصہ بھی لگنا چاہئے تھا۔ جو غلطی سے نہیں لگایا گیا مسئلے کی صحیح صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ / ۹۶

زوجہ	چار دختران	ایک برادر	دو ہمشیرگان
۳ / ۱۲	۱۶ / ۶۴	۱۰	۱۰

اس کے بعد جب زوجہ کا انتقال ہوا تو اگر دو بیٹیوں کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث بھی ہو تو اس کا حصہ $\frac{۱۲}{۹۶}$ = ۱ / ۸ اس کے سب وارثوں پر تقسیم ہوگا اور اگر لڑکیوں کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو تو اس کا حصہ اس کی دونوں لڑکیوں کو بحصہ مساوی ملے گا اس غلطی کے شائع ہونے کا مجھے افسوس ہے اور مستفتی سے گزارش ہے کہ وہ تقسیم میراث اس صحیح شدہ جواب کے موافق کرلیں نیز بنگلور اور برما سے جن مخلص دوستوں نے اس غلطی پر متنبہ کیا ہے خاکسار ان کا شکر گزار ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

عاق کئے ہوئے لڑکے کے ترکہ میں باپ، بیوی اور لڑکیوں کا حصہ

(الجمعیۃ مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) زید متوفی کو اس کے باپ نے زندگی میں چند وجوہ عاق کیا ہوا تھا اگرچہ تحریر میں نہ تھا زید کی وفات کے چند روز بعد اس کا باپ بھی فوت ہو گیا زید کی ایک بیوی اور تین نابالغ لڑکیاں ہیں دو سوتیلے بھائی اور ایک

---

(۱) (بحوالہ سابق نمبر ۲ صفحہ گزشتہ)

(۲) فام الام اولی من کل واحدة (عالمگیریة ۱/ ۵٤۱ ط مصری)

(۳) فی العالمگیریة فی بیان ترتیب الاولیاء ثم العم لاب وام الخ (عالمگیریة ۱/ ٤٥۱ ط مصری)

(٤) والولایة فی مال الصغیر الی الاب (الی قوله) ثم الی القاضی ثم الی من نصبه القاضی الخ (الدرالمختار ٥/ ٥۲۹ ط سعید)

سوتیلی ماں ہے۔ زید کے والد کے ذمہ بوقت وفات کچھ قرضہ نکلا جو کہ اس (یعنی زید کے والد) کی خود پیدا کردہ جائیداد سے بآسانی ادا ہو سکتا ہے زید نے اپنی پیدا کردہ جائیداد بصورت نقدی زیور اور مکان ترکہ چھوڑی ہے۔ زید کی بیوہ اس کے حق میں رہ کر گزار دینا چاہتی ہے اور نکاح ثانی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اس بیوہ کے پاس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اور وہ اپنی نقدی اور زیور وغیرہ کسی کے پاس امانت رکھنا چاہتی ہے۔

(۱) کیا بیوہ مذکور متوفی کے حق نکاح میں رہتے ہوئے اس ترکہ کی واحد مالک متصور ہوگی ؟ جب کہ لڑکیوں کی پرورش تا سن بلوغ بھی اس کے ذمہ ہے۔ (۲) کیا بیوہ مذکورہ شرعاً اس امر کی مجاز ہے کہ جس شخص کے پاس جو چیز وہ مناسب سمجھے امانت رکھے ؟ (۳) کیا متوفی کے لواحقین مرد اسے مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ کل ترکہ کی تفصیل ان کو دے اور ان کی مرضی کے بغیر کسی کے پاس امانت نہ رکھے یا صرف انہیں کے پاس رکھے۔ (۴) بیوہ مذکورہ کو یہ شک ہے کہ متوفی کے لواحقین ترکہ نقدی میں سے لیکر متوفی کے والد کا قرضہ ادا کرنا چاہتے ہیں اس حالت میں کیا وہ اپنی نقدی کو پردہ اخفا میں رکھ سکتی ہے ؟ (۵) کیا متوفی کے لواحقین اس بات کے مجاز ہیں کہ وہ کچھ حصہ امانت جو ان کے پاس رکھا گیا ہے اس میں سے اپنے اختیار سے متوفی کے والد کا قرضہ ادا کرنے کے لئے خرچ کریں ؟

(جواب ۴۹۰) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کا انتقال اپنے باپ کی حیات میں ہو گیا تھا اور اس کے وارث اس کی زوجہ اور تین لڑکیاں اور باپ اور بھائی تھے تو زید کے ترکہ میں سے بعد ادائے حقوق متقدمہ وارثوں کو ان کا حق ملے گا۔ زید کی زوجہ کا دین مہر پہلے بسلسلہ حقوق متقدمہ ادا کیا جائے اور بعد ادائیگی حقوق جو بچے اس میں سے زوجہ کو ۱/۸ حق میراث دیا جائے اور ۲/۳ تینوں لڑکیوں کو دیا جائے اور باقی ۵/۲۴ باپ کا حق ہے وہ باپ کو دیا جائے۔[1] زید کی زوجہ دوسرے نکاح کا ارادہ کرے یا نہ کرے اس کو اپنے مہر اور حصہ میراث سے زیادہ نہیں ملے گا اور نہ اس کو خاوند کے ترکہ میں سے کچھ چھپانے کا حق ہے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

بیوی بیٹا اور بیٹیوں میں تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

(سوال) شیر علی خاں واکبر علی خاں دونوں حقیقی بھائی تھے اور اجمال خاندان تھے اور جائیداد منقولہ وغیر منقولہ حاصل کردگی دونوں بھائی کی ہے بعد وفات ہر دو برادران کے دونوں بھائی کی اولادوں نے باخود

---

(۱) ثم تقدم ديونه التى لها مطالب من جهة العباد ثم يقسم بين ورثته' وفى التنوير : فيفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد او ولد ابن و فيه ايضا والثلثان لكل اثنين فصاعداً ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت وايضا فيه . وللاب السدس مع ولد او ولد ابن والتعصيب المطلق والفرض والتعصيب مع البنت او بنت الابن (الدرالمختار' كتاب الفرائض ٦ / ٧٦٠ ' ٧٧٠ ط سعيد)

(۲) ورنہ غاصب الناس ہوگا۔

تصفیہ کر کے نصفا نصف جائیداد پر نام اپنا اپنا درج کرالیا اور اپنے اپنے حصے پر قابض و دخیل ہو گئے شیر علی خاں کی دو بیویاں تھیں۔ محل اولیٰ سے دو لڑکے اور تین لڑکی' اور محل ثانی سے فقط دو لڑکی' محل اولیٰ کا بڑا لڑکا اور خاوند فوت ہوا شیر علی کی حیات میں اور محل ثانی بعد وفات شیر علی خاں کے فوت کر گئیں کرسی نامہ یہ ہے۔

مہر علی خاں

شیر علی خاں — عبدالرحیم خاں' محمد ابراہیم خاں' بی بی حلیم النساء' بی بی ام النساء' بی بی لیتا' بی بی عزیزن' بی بی شہیدن

اکبر علی خاں — عبدالحق خاں' عبداللطیف خاں

(جواب ۴۹۱) جب کہ شیر علی خاں کے سامنے ان کا بڑا لڑکا فوت ہو گیا تو شیر علی خاں کا ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا۔

مسئلہ ۸	زوجہ ثانیہ	ابن	دختران
	۱	۲	۵

یعنی ترکہ کے آٹھ سہام کر کے ایک سہام زوجہ ثانی کو اور دو سہام لڑکے کو اور پانچ سہام پانچوں لڑکیوں کو ملیں گے۔[1] اور جب ثانیہ کا انتقال ہوا تو اس کے حصے میں سے زوجہ اولیٰ کی اولاد کو کچھ نہ ملے گا[2] اس کی دونوں لڑکیاں اور اگر کوئی اور وارث ہوا تو وہی حق دار ہوں گے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۶ء)

(سوال) مسماۃ زینب لاولد فوت ہو گئی ہے اس کے رشتہ داران میں حسب ذیل موجود ہیں نمبر ۱ خاوند متوفیہ' خالد ماموں حقیقی، سعید پھوپھی زاد بھائی' سعیدہ پھوپھی زاد بہن' ترکہ جو کہ مسماۃ زینب چھوڑ گئی ہے دراصل جائیداد مسماۃ ہندہ پھوپھی زینب مرحومہ و خالہ مسمیان سعید و سعیدہ کا ہے۔ چونکہ ہندہ کو فوت ہوئے بارہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس لئے بموجب قانون انگریزی مسماۃ زینب مرحومہ قابض مخالف کی حیثیت سے مالک تصور کی جاوے گی۔

(جواب ۴۹۲) اگر یہ ترکہ مسماۃ زینب کی جائز ملکیت نہیں ہے بلکہ صرف قبضہ مخالفانہ کی حیثیت سے وہ مالک سمجھی جاتی ہے اور اصل جائیداد اس کی پھوپھی کی تھی اور اس کی پھوپھی کے وارثوں میں زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی تھے تو اس جائیداد میں زینب کا حصہ ۳/۲ تھا اور سعید و سعیدہ کا حصہ ۳/۱ تھا اب زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۳/۲ حصہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ اس میں سے نصف اس کے خاوند کو ملے گا اور نصف اس کے ماموں کو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن وایضا فیہ: قال والثلثان لکل اثنین فصاعدۃ ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت الخ (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۹ ط سعید)

(۲) کیونکہ تینوں قسموں (یعنی ذوی الفروض' عصبات اور ذوی الارحام) میں سے نہیں ہے۔

استدراک جواب مذکورہ

(الجمعیۃ مورخہ یکم جون ۱۹۳۶ء)

الجمعیۃ مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۶ء میں میراث کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے اس میں زینب کا ۳ / ۲ حصہ لکھا گیا تھا مولانا نورالحق صاحب خطیب مسجد ٹانگو نے توجہ دلائی کہ یہ حصہ غلط ہے ان کے شکریہ کے ساتھ تصحیح کی جاتی ہے صحیح جواب مندرجہ ذیل ہے :

جب کہ ہندہ نے اپنے وارثوں میں صرف زینب بھتیجی اور سعید و سعیدہ بھانجا اور بھانجی چھوڑے تھے تو اس کے ترکہ میں سے زینب کو نصف ملے گا اور نصف میں سعید و سعیدہ دوہرے اور اکہرے حصے کے مستحق ہوں گے۔ [1] زینب کے انتقال کے بعد اس کا ۲ / ۱ حصہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ اس میں سے نصف اس کے شوہر کو اور نصف اس کے ماموں کو ملے گا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تقسیم ترکہ مناسخہ کی صورت

(الجمعیۃ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۲۷ء)

(سوال) زید کی بی بی کا انتقال ہوگیا اس وقت اس بی بی سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں اس کے بعد زید نے نکاح ثانی کیا اس بی بی سے بھی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوئیں اس کے بعد زید کا انتقال ہوا زید کے انتقال کے وقت ایک بی بی دو لڑکے چار لڑکیاں تھیں وزاں پس دوسری بی بی کی ایک لڑکی اور اس کے بعد زید کی دوسری بی بی بھی انتقال کر گئی اب دوسری بی بی کی اولاد سے صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی باقی ہے ازروئے شرع دوسری بی بی کی گزری ہوئی لڑکی اور موجودہ دونوں بقیہ اولاد کو ماں اور باپ کی متروکہ ملک سے کتنا کتنا حصہ پہنچتا ہے ؟

(جواب ۴۹۳) مسئلہ ۸　۶۴　۱۱۵۲

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۴۴ ۸ ۱.	۲۵۲ / ۱۴	۲۵۲ / ۱۴	۱۲۶ / ۷	۱۲۶ / ۷	۱۲۶ / ۷	۷

مسئلہ ۶　۱۸　　　　بنت صفر ۷

والدہ	حقیقی بھائی	حقیقی بہن	سوتیلے بھائی بہن
۲۱ / ۳ / ۱	۷۰ / ۱۰	۳۵ / ۵	محروم

---

(۱) قال تعالیٰ : و لكل جعلنا موالي مما ترك الوالدان والا قربون والذين عقدت ايمانكم فاتو هم نصيبهم ان الله كان على كل شئ شهيدا (النسا:۳۳) وقال تعالیٰ : وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله ان يكون لهم الخيرة من امرهم (الاحزاب:۳۶) و في السراجية: وان استووا في القرب و ليس فيهم ولد عصبة او كان كلهم اولاد العصبات او كان بعضهم اولاد العصبات و بعضهم اولاد اصحاب الفرائض فابو يوسف يعتبر الاقوى و محمد يقسم المال على الاخوة والاخوات مع اعتبار عدد الفروع والجهات في الاصول فاصاب كل فريق يقسم بين فروعهم (سراجي فصل في الصنف الثالث ص ۴۸ ط سعيد)

مسئلہ ۳ — زوجہ ثانیہ مت ۱۶۵

ابن	بنت
۲	۱
۱۱۰	۵۵

مجموعہا ۶۴ — المبلغ ۱۱۵۲

الاحیاء

پسر زوجہ اولی	دختر زوجہ اولی	دختر زوجہ اولی	پسر زوجہ ثانیہ	دختر زوجہ ثانیہ
۱۴	۷	۷	۲۴	۱۲

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے زید متوفی کا ترکہ چونسٹھ سہام پر تقسیم ہو کر اس میں سے چودہ سہام پسر زوجہ اولیٰ کو اور سات سات سہام دختران زوجہ اولیٰ کو اور چوبیس سہام پسر زوجہ ثانیہ کو اور بارہ سہام دختر زوجہ ثانیہ کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ غفر لہ'

شوہر بہنوں اور دادی میں تقسیم

(سوال) علیم النساء نے انتقال کے وقت اپنے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے 'شوہر' دو بہنیں' دادی' چچا' اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(جواب ٤٩٤) مسئلہ ۸

شوہر	دادی	بہن	بہن	عم
۳	۱	۲	۲	محروم

ترکہ کے آٹھ سہام کر کے تین حصے شوہر کو ایک حصہ دادی کو اور دو دو حصے دونوں بہنوں کو ملیں گے۔[2] چچا کا کوئی حق نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹی اور بیٹے کو ملنے والی جائیداد کے تین حصے ہوں گے

(سوال) حفیظ اللہ خاں کا انتقال ہوا مرحوم نے اپنی زوجہ مسماۃ مریم بی بی و ایک پسر بنام محمد عبدالرؤف خاں و ایک دختر مسماۃ بتول بی بی کو چھوڑا اس کے بعد مریم بی بی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب موجودہ وارث صرف عبدالرؤف خاں و بتول بی بی ہیں حفیظ اللہ خاں کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ **المستفتی** مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور ضلع فیض آباد

---

(۱) واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین (عالمگیریۃ' کتاب الفرائض ٦/ ٤٤٨ ط ماجدیہ)

(۲) والسدس لہ عند عدمہما وایضا: والسدس للجدۃ مطلقا کام ام وام اب الخ وایضا فیہ والثلثان لکل اثنین فصاعدا ممن فرضہ النصف وہو خمسۃ البنت و بنت الابن والاخت لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ٦/ ٧٧٠ ط سعید)

(جواب ۴۹۵) مسئلہ ۳

زوجہ	ابن	بنت
کان لم تکن	عبدالرؤف خاں	بتول بی بی
	۲	۱

حفیظ اللہ خاں مرحوم کا کل ترکہ تین سہام پر تقسیم کر کے دو سہام عبدالرؤف خاں کو اور ایک سہام بتول بی بی کو دیا جائے گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

بیٹے کے ہوتے ہوئے بھائی محروم ہوگا

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا اس نے اپنا شوہر اور ایک لڑکا اور دو حقیقی بھائی اور تین حقیقی بہنیں وارث چھوڑے اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور۔

(جواب ۴۹۶) مسئلہ ۱۲

شوہر	اب	ام	ابن	بھائی بہن
۳	۲	۲	۵	محروم

ہندہ مرحومہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث بارہ سہام پر منقسم ہوگا تین سہام شوہر کو اور دو دو سہام باپ اور ماں کو اور پانچ سہام لڑکے کو ملیں گے بھائی بہن محروم ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

صرف شوہر اور بھائی وارث ہوں تو میراث نصف نصف تقسیم ہوگی

(سوال) ایک عورت کا انتقال ہوا اس کا وارث اس کا شوہر اور ایک حقیقی بھائی موجود ہے اس کا ترکہ اور مہر کس طرح تقسیم ہوگا؟ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں جگن پور

(جواب ۴۹۷) نصف ترکہ شوہر کو اور نصف بھائی کو ملے گا مہر بھی ترکہ میں شامل ہے۔[3] محمد کفایت اللہ

بہن کے معاف کردہ حصہ اس کا شوہر دوبارہ طلب نہیں کر سکتا

(سوال) ہمارے والد مرحوم کا انتقال ہو گیا تو مرحوم کی کل جائیداد کو جناب والدہ صاحبہ نے بلا لحاظ شرع رواج عام کے مطابق ہمارے نام کرا دیا اور جب تک زندہ رہیں اپنے قبضے میں رکھا اور سرکاری مالگذاری ادا

---

(۱) (ایضا بحوالہ سابقہ نمبر ۱ صفحہ گزشتہ)

(۲) واضح ہو کہ سوال میں ماں اور باپ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے لہذا اگر فی الحقیقت بھی ماں اور باپ نہ ہوں تو صورت مسئولہ میں کل ترکہ میں سے چوتھائی خاوند کو اور باقی لڑکے کو مل جائے گا فی التنویر : والربع له عند احد هما وایضاً و یقدم الاقرب فالا قرب کالا بن ثم ابنه (الدر المختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰ ط سعید)

(۳) والنصف له عد مهما و فیه ایضاً : و یقدم الاقرب فالا قرب (الیٰ قوله) ثم جزء ابیه الاخ لابوین (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

کرنے کے بعد جو کچھ نفع چتار باپنے صرف میں لاتی رہیں اور ہم اپنی کمائی سے بھی جناب والدہ صاحبہ مرحومہ کی مزید خدمت کرتے رہے اور جائیداد کی حفاظت میں جو موقعہ خرچ کا ہوتا خرچ کرتے رہے اور ہمشیرہ عزیزہ کو مفتی صاحب سے دریافت کر کے بعوض منافعہ ان کے حصے کے اپنی کمائی سے دس روپے سال دیتے رہتے اگرچہ وہ لینے سے ہمیشہ انکار کرتی رہی اور یہ کہتی رہیں کہ ہم نے خوشی سے تمہیں معاف کیا مگر ہم مجبور کر کے دیتے رہے جناب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تو ہم نے بہن سے کہا کہ اب والدہ صاحبہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم پر کسی کا دباؤ نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ جائیداد میں جو تمہارا ایک تہائی حصہ ہے وہ تمہارے نام کرا دیں انہوں نے کہا کہ میں نے بخوشی معاف کیا میں نے ہر چند چاہا کہ وہ کسی طرح آمادہ ہو جائیں مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ میں جائیداد کس کے لئے لوں (واضح ہو کہ وہ لاولد تھیں) میں بخوشی معاف کرتی ہوں اب ہمشیرہ موصوفہ کا بھی انتقال ہو گیا اس کے شوہر صاحب مجھ سے اپنا حق طلب کرتے ہیں۔ المستفتی مولوی عبدالرؤف خاں' جگن پور۔

(جواب ۴۹۸) جب بہن نے اپنے حصے کو آپ کے حق میں معاف کر دیا تو اب ان کے کسی وارث کو اس کے مطالبے کا حق نہیں رہا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) کلثوم کا انتقال ہوا اس نے شوہر' باپ' ماں' ایک بھائی اور ایک بہن وارث چھوڑے اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟

(جواب ۴۹۹) مسئلہ ٦

زوج	ام	اب	اخ	اخت
۳	۱	۲	محروم	محروم

متوفیہ کا ترکہ بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث چھ سہام پر تقسیم ہو گا ان میں سے تین سہام زوج کو اور ایک سہام والدہ کو اور دو سہام باپ کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت؟

(سوال) زید متوفی نے دو بیویاں چھوڑیں ایک بیوی کے چار لڑکے' بعدہ ایک لڑکا فوت ہو گیا اور دوسری بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اب زید کے تین لڑکے اور ایک لڑکی اور دو بیویاں موجود ہیں ترکہ کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

---

(۱) (ایضاً بحوالہ سابقہ نمبر ۳ صفحہ گزشتہ)

(جواب ۵۰۰) مسئلہ ۸ / ۴۴ / ۱۲۹۶

زید						
زوجہ	زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
۹ / ۸۱	۹ / ۸۱	۲۸ / ۲۵۲	۲۸ / ۲۵۲	۲۸ / ۲۵۲	۲۸	۱۴ / ۱۲۶

مسئلہ ۶ ۱۸ • ابن مط ۲۸

والدہ	اخ	اخ	اخ	اخت علاتیہ
۱ / ۳ / ۴۲	۵ / ۷۰	۵ / ۷۰	۵ / ۷۰	محروم

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کر کے باقی ترکہ کے بارہ سو چھیانوے سہام کئے جائیں ان میں سے اس زوجہ کو جس کی ایک لڑکی ہے اکیاسی سہام اور دوسری زوجہ کو جس کا ایک لڑکا فوت ہو گیا ہے ایک سو تئیس سہام ا؛ لڑکوں میں سے ہر ایک کو تین سو بائیس سہام اور لڑکی کو ایک سو چھبیس سہام دیئے جائیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرسہ امینیہ دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ہندہ کا انتقال ہوا جو لاولد تھی اس کے مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں شوہر' والدہ' دو بھائی' ایک بہن' ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ المستفتی شمس النساء بیگم معرفت حاجی محمد داؤد (دہلی)

(جواب ۵۰۱) مسئلہ ۶ ۳۰

شوہر	والدہ	اخ	اخ	اخت
۳ ۱۵	۱ ۵	۴	۴	۲

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث متوفیہ کا ترکہ تیس سہام پر تقسیم ہو گا ان میں سے پندرہ سہام شوہر کو اور پانچ سہام والدہ کو' چار چار سہام دونوں بھائیوں کو اور دو سہام بہن کو ملیں گے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ہندہ بحالت زچگی فوت ہو گئی اس کا مہر دیگر سامان' جہیز زیورات پارچہ جات کے ساتھ ترکہ میں شامل کیا جائے گا یا نہیں؟ مندرجہ ذیل وارث موجود ہیں شوہر' لڑکا' بعمر $1\frac{1}{2}$ (ڈیڑھ) سال' لڑکی بعمر ۱۲ یوم' والدین ہندہ نیز مرحومہ ہندہ کے بھائی بہنیں اور خالائیں بھی ہیں بچوں کی پرورش خدمت کس کے ذمہ ہے اور کفالت کس کے ذمہ؟ بچوں کے حصے کا ولی کون قرار دیا جائے گا؟ دیگر اخراجات بیماری' تجہیز و تکفین' قل چالیسواں وغیرہ کے مصارف کس کے ذمہ ہیں؟

(۱) والنصف له عد مهما وايضا قال : وللام السدس مع احدهما او مع اثنين من الاخوة او من الاخوات (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۰' ۷۷۲ ط سعيد)

(جواب ۵۰۲) مسئلہ ۱۲ ۳۶

شوہر	اب	ام	ابن	بنت
۹/۳	۲/۶	۲/۶	۱۰	۵

مرحومہ کا ترکہ جس میں مہر بھی شامل ہے چھتیس سہام پر منقسم ہوگا اس میں سے نو سہام شوہر کو اور چھ چھ سہام والدین کو دس سہام لڑکے کو اور پانچ سہام لڑکی کو ملیں گے[1] بچوں کے حصے بچوں کے باپ کی تحویل میں رہیں گے لیکن اگر اندیشہ ہو کہ باپ ان کے حصے ضائع کردے گا تو کسی معتمد امین کے سپرد کردیئے جائیں۔[2] ترکہ میں سے صرف کفن دفن کے مصارف لئے جاسکتے ہیں[3] قل' چالیسواں وغیرہ کے مصارف اسی طرح رسوم فاتحہ وغیرہ کے مصارف نہیں لئے جاسکتے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی
الجواب صحیح محمد مظہر اللہ غفر لہ' امام مسجد جامع فتح پوری دہلی۔ الجواب حق محمد شفیع عفی عنہ مدرسہ عبدالرب دہلی۔

تیسرا باب
متفرقات

خاوند کی میراث تقسیم سے پہلے نواسہ کو ہبہ کرنا

(سوال) ایک عورت نے اپنے چند خاوند جو یکے بعد دیگرے بغیر دوسرے ورثا شرعی کو ترکہ دیئے کل ملکیت اپنے نواسہ کو رجسٹری ہبہ کردی یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ ورثاء سے مراد اس کے خاوند کے وارث ان کو وہ خاوندوں کا ترکہ نہیں دیا اور پھر ان وارثوں کے بھی وارث ہیں یعنی جو وارث تھے وہ اب گزر چکے ہیں اب ورثائے ورثہ ہیں۔ اب ترکہ کا سوال ہوا ہے تو وہ ملکیت مشترکہ اس عورت نے اپنے ایک نواسہ کو ہبہ کردی ہے تو یہ ہبہ جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۵۰۸ محمد طاہر محمودی صاحب (قصبہ کتری) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ م ۲۰ جون ۱۹۳۷ء۔

---

(۱) والربع للزوج مع احدهما وفيه - و للأب السدس مع ولد او ولد ابن وايضا وللام السدس مع احدهما (درمختار ۶ / ۷۷۰ ط سعيد) وفي العالمگيرية واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين (عالمگيرية ۶ / ۴۴۸ ط ماجديه)

(۲) ولو اوصى الى صبي و عبد غيره و كافر و فاسق بدل اى بدلهم القاضي بغير هم (في الشامية) اى مخوف منه على المال (الدرالمختار ۵ / ۴۴۸ ط بيروت)

(۳) يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بتجهيزه فيعم التكفين من غير تقتير ولا تبذير (الدرالمختار كتاب الفرائض ۶ / ۷۵۹ ط سعيد)

(۴) اوصى بان يطين قبره او يضرب عليه قبة فهي باطلة كما في الخانية (الدرالمختار ۶ / ۶۹۰ ط سعيد)

(جواب ۵۰۳) عورت کو صرف اپنے حصے کے ہبہ کرنے کا حق تھا لیکن اگر موہوب میں دوسروں کے غیر منقسم حصے بھی شامل ہیں تو یہ ہبہ مطلقاً ناجائز ہوا نہ عورت کے حصوں میں صحیح ہوا نہ تمام حصوں میں۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

تقسیم ترکہ کی ایک صورت

(سوال) ایک شخص کے پانچ لڑکے تھے ان میں سے بڑا لڑکا علیحدہ ہو گیا تھا ان کے مکان بٹے نہیں تھے اور وہ ویسے ہی رہنے لگے تھے جس میں ایک رہتا تھا وہ ڈھیا نہیں اور سب کے گر گئے اور وہ پھر چنوائے گئے ان میں سے جس کا گرا نہیں ایک پیسہ نہیں دیا اور وہ چوتھائی بانٹنا چاہتا ہے کیونکہ اس میں سے ایک گزر گیا ہے اگر وہ چوتھائی بانٹنا چاہتا ہے تو وہ ان کی چنوائی میں جو لاگت لگی ہے وہ اس کو دینی واجب ہو گی یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۰۵ ملا امام الدین تیوڑہ (مظفر نگر) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۲ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۴) ہاں اس کو مکانوں کی لاگت میں سے چوتھائی دینی ہو گی۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

کیا زندگی میں علیحدہ حصہ وصول کرنے والا وفات کے بعد ترکہ میں سے حصہ لے سکتا ہے؟

(سوال) ایک شخص کے پانچ لڑکے تھے دو بالغ اور تین نابالغ اور جو سب میں بڑا تھا وہ علیحدہ ہو گیا تھا اس کا باپ اس کو منع کرتا تھا کیوں کہ اس کی ماں اندھی تھی۔ اور دوسرا جو بالغ تھا جب تک اس کی بیوی گھر نہیں آئی تھی جب اس نے اپنے باپ کا کہنا مانا تب اس نے تمام سامان میں سے اس کو چھٹا حصہ تقسیم کر کے دیدیا اور جو تین نابالغ تھے وہ جب تک بے ہوش تھے اور جو چار لڑکے تھے ان کے حصے کا مالک ان کا باپ ہے اگر ان کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو ان کا باپ ان کو لیکر دیتا ہے پھر ان میں سے جو چھوٹا لڑکا تھا وہ گزر گیا وہ تینوں اس وقت بالغ ہیں ان کے علیحدہ ہونے کے بعد ان کے باپ نے کچھ زمین بیع کرائی تھی اور اس میں کچھ روپیہ اس نے بھی دیا تھا جو بڑا لڑکا تھا اور علیحدہ ہو گیا تھا۔

بڑے لڑکے نے جو روپیہ زمین کی بیع میں دیا تھا کیا وہ اس روپیہ کا حقدار ہو گا یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۲۲۰۶ ملا امام الدین صاحب تیوڑہ (مظفر نگر) ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۵) باپ کی وفات کے بعد جو ترکہ باپ نے چھوڑا ہے اس میں چاروں لڑکوں کا حق برابر ہے وہ روپیہ جو بڑے لڑکے نے دیا تھا علیحدہ نہیں ملے گا۔ جس مکان میں وہ رہتا ہے وہ بھی ترکہ میں محسوب

---

(۱) لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وهبه لشریکه او لا جنبی لعدم تصور القبض الکامل (الی قوله) ولو سلمه شائعا لا یملکه فلا ینعقد تصرفه فیه (الدر المختار' کتاب الهبة ۵/ ۶۹۲ ط سعید)

(۲) وما حصله احدهما فله وما حصلاه معا فلهما فی تحت (قوله حصلاه معا) یوخذ من هذا ما افتی به فی الخیریة فی زوج وامراة وابنها اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما (الی قوله) فاجاب بانه بینهما سویة (الدر المختار' فصل فی الشرکة الفاسدة ۴/ ۳۲۵ ط سعید)

ہو گا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

نکاح کے ثبوت کے بغیر بیوی اور اس کی اولاد ترکہ کی مستحق نہیں

(سوال) (۱) زید نے چار شادیاں کیں دو بیبیاں اولد اس کی زندگی میں فوت ہو گئیں تیسری بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو زندہ ہے اور چوتھی بیوی کے متعلق موضع کے معتبر گواہان کا بیان ہے کہ اس کا پہلا شوہر نکاح کے پہلے زندہ تھا اور اس نے طلاق بھی نہیں دی تھی اور نہ طلاق دینے کا کوئی ثبوت ہے پہلا شوہر کہیں باہر شہر میں چلا گیا تھا اب معلوم نہیں زندہ ہے یا نہیں ؟ اب ایسی صورت میں چوتھی عورت کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز ؟(۲) زید کی چوتھی بیوی کے دو لڑکے پیدا ہوئے وہ عورت بھی زندہ ہے اور اس کے لڑکے بھی زندہ ہیں کیا زید جس کا اب انتقال ہو چکا ہے اس کے ترکہ میں چوتھی عورت اور دونوں لڑکوں کا کوئی حق ہے یا نہیں ؟

(۳) تیسری منکوحہ بیوی کا انتقال ہو چکا ہے لیکن زید سے اس بیوی کے ایک لڑکا ہے اور زندہ ہے اس کو باپ کے ترکہ سے شرعاً کیا ملنا چاہئے ؟ المستفتی نمبر ۲۲۷۴ حفاظت علی خاں صاحب 'کوٹ ضلع فتح پور ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ ۳۰ مئی ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۰۶) (۱) تیسری بیوی جس سے ایک لڑکا ہے اگر وہ زید کے انتقال کے بعد مری ہے تو اس بیوی کا حصہ زید کے ترکہ میں سے نکالا جائے گا اور اب اس کے لڑکے کو مل جائے گا اور اس کا لڑکا زید کے ترکہ میں سے اپنا حصہ پسری بھی لے گا اور اگر یہ تیسری بیوی زید سے پہلے مر چکی تھی تو صرف لڑکے کو اس کا اپنا حصہ ملے گا۔

رہی چوتھی بیوی اگر اس کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ منکوحہ غیر تھی اور اس کے شوہر نے نہ طلاق دی تھی اور نہ کسی اور طریق سے اس کا نکاح فسخ ہوا تھا اور زید نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو زید کا نکاح ناجائز قرار پائے گا اور اس کے بطن سے جو دو لڑکے ہیں..... وہ بھی زید کے ترکہ میں سے کوئی حصہ نہ لے سکیں گے۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

شرعی شہادت سے ثابت ہونے والی بیوی اور اس کی اولاد وراثت کی مستحق ہے

(سوال) خان بہادر ولی محمد صاحب مرحوم نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء کو اپنے انتقال کے وقت ایک بیوی ماسو عرف مریم بی بی اس کے بطن سے ایک لڑکی عائشہ بی بی اور دو لڑکے محمد صدیق اور محمد شریف چھوڑے اس کے علاوہ پہلی بیوی جو کہ انکی حیات میں ہی انتقال فرما چکی تھیں اس کے بطن سے ایک لڑکا عبدالرحمن نیب

---

(۱) لان التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الاموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الاموال (ردالمحتار كتاب الفرائض ۶/۷۵۹ ط سعيد)

(۲) الولد للفراش وللعاهر الحجر (ترمذی باب ماجاء ان الولد للفراش ۱/ ۲۱۹ ط سعيد)

لڑکی فاطمہ بی بی کو چھوڑا جیسا کہ پہلے دارالافتا سورتی سنی جامع مسجد رنگون سے مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۳۶ء اور مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۸ء خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کی شرعی تقسیم جائیداد کے فتوے جاری ہو چکے ہیں کہ کون کون وارث مرحوم نے چھوڑے ہیں اور کس کس کا کیا شرعی حصہ ہے؟

(۱) اس وقت خان بہادر ولی محمد صاحب مرحوم کا ایک چھوٹا لڑکا نامی محمد شریف نابالغ ہے ایک شخص اس کا سرپرست کھڑا ہو کر عدالت میں دعویٰ داخل کرتا ہے کہ خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی جائیداد کی تقسیم محمدی قانون کے مطابق ہونی چاہئیے اس کے علاوہ میں کسی دوسری تقسیم کا پابند نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے شرع محمدی کے علاوہ کوئی تقسیم منظور ہے۔ اس حالت میں شرعی حکم کیا ہے۔ کیا اس لڑکے کو شرعی حصہ سے کم پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

(۲) خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم نے ماسو عرف مریم بی بی سے تقریباً ۲۶ سال گذر چکے ہیں کہ ایک دیہات ہنیز داہ میں شادی کیا تھا جس کے بطن سے عائشہ بی بی عمر تیئیس سال محمد صدیق عمر اکیس سال محمد شریف عمر اٹھارہ سال تولد ہوئے۔ جو کہ اس وقت خدا کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم۔ بابو شیر محمد صاحب مرحوم۔ خان بہادر بابو ابراہیم صاحب حاجی محمد حیات صاحب چار بھائی تھے۔ بڑی لڑکی عائشہ بی بی کی شادی جو ماسو عرف مریم بی بی کے بطن سے ہے۔ حاجی محمد حیات صاحب کے بڑے صاحبزادہ نامی بابو عبدالکریم صاحب کے ساتھ عرصہ آٹھ سال ہوا ہے کہ بمقام ہنیز داہ ہوئی تھی جس میں خان بہادر بابو ابراہیم صاحب بابو شیر محمد صاحب مرحوم حاجی محمد حیات صاحب بابو عبدالعزیز صاحب ودیگر تمام افراد خاندان شامل تھے اس وقت لڑکی عائشہ بی بی صاحب اقبال ہے اور اس کے بطن سے بابو عبدالکریم صاحب کے چار بچے ہیں۔ خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کے چھوٹے لڑکے نامی محمد شریف نے اپنے باپ کی تقسیم جائیداد کا مطالبہ شرعی کیا ہے۔ تو اس حالت میں پہلی بیوی کا لڑکا یا لڑکی جن کی عمر اپنی دوسری سوتیلی ماں کی شادی کے وقت تقریباً آٹھ سال اور دوسرے کی پانچ تھی اس حالت میں وہ محض جائیداد کو ناجائز حاصل کرنے کے لئے کیا اپنی سوتیلی ماں کو غیر منکوحہ عورت کہہ سکتے ہیں اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے جبکہ خود خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم نے باضابطہ عدالت میں اپنے انتقال نامہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ماسو عرف مریم بی بی میری دوسری شادہ شدہ بیوی ہے اور اس کے بطن سے فلاں فلاں میرے بچے ہیں اس حالت میں کیا کسی خود غرض شخص کو مجاز ہے کہ وہ ماسو عرف مریم بی بی کو غیر منکوحہ عورت کہہ سکے اور پھر اس عورت اور بچوں کو ڈرانے دھمکانے سے کہ وہ اپنا شرعی حصہ کا مطالبہ چھوڑ دیں اس کے لئے یہ حربہ بھی استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ آج سے چھبیس سال پہلے کی شہادتیں اور نکاح نامہ پیش کریں اس حالت میں کہ اگر وہ کم حصہ لینے پر رضامند ہو جائیں تو پہلے لڑکے کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ماسو عرف مریم بی بی اور اس کے بچے عائشہ بی بی، محمد صدیق، محمد شریف شرعی حصہ طلب نہ کریں تو اس حالت میں وہ ان کی سوتیلی ماں سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہن ہو سکتے ہیں اگر پہلی بیوی کا لڑکا اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنی سوتیلی ماں کو کسی دام میں پھنسا کر ایسا کرنے کی کوشش کرے تو کیا اس حالت میں ان بچوں کو جو ماسو عرف مریم بی بی کے بطن سے ہیں

اپنے والد مرحوم خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کی جائیداد کے شرعی حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے اور کیا کم تقسیم پر ڈرا دھمکا کر ان کو راضی کرنا جائز ہے۔

(۳) خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کا چھوٹا بھائی خان بہادر بابو ابراہیم جو کہ اس وقت حیات ہے باضابطہ عدالت میں حلف نامہ اٹھاتا ہے کہ ماسو عرف مریم بی بی میرے بھائی کی منکوحہ ہے اور عائشہ بی بی محمد صدیق' محمد شریف اس کے بچے ہیں اور یہ اپنے والد مرحوم کی جائیداد کے پورے حق دار ہیں اس طرح خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کا داماد بابو عبدالکریم خاوند عائشہ بی بی جو کہ محمد حیات صاحب کا بڑا صاحبزادہ ہے وہ بھی خان بہادر بابو ابراہیم صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری ساس خان بہادر بابو ولی محمد صاحب کی منکوحہ عورت ہے تب بھی تو میرے والد حاجی محمد حیات صاحب اور دونوں چچا بابو شیر محمد صاحب مرحوم اور خان بہادر بابو ابراہیم صاحب نے میرا نکاح خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی صاحبزادی عائشہ بی بی کے ساتھ کر دیا تمام خاندان جو کہ برما میں ہے و دیگر تمام مسلمان جن سے اپنے تعلقات تھے میری شادی میں شریک تھے دنیا جانتی ہے یا جو لوگ اس خاندان کو جانتے ہیں کہ ماسو عرف مریم بی بی خان بہادر اور بابو ولی محمد صاحب کی دوسری عورت ہے اور عائشہ بی بی' محمد صدیق' محمد شریف اس کے بچے ہیں۔ اس حالت میں محمدی قانون اور شرعی حکم کیا ہے ؟

سوال نمبر ۱ و ۲ و ۳ کے مطابق علمائے دین اور مذہب اسلام ماسو عرف مریم بی بی اور اس کے بچے عائشہ بی بی' محمد صدیق' محمد شریف کے متعلق کیا حکم رکھتے ہیں جب کہ خود خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کے ایک تو انتقال نامہ کے سلسلہ میں رجسٹرڈ تحریر بھی موجود ہو کہ ماسو میری دوسری شادی شدہ عورت ہے اور فلاں فلاں اس کے بطن سے میرے بچے ہیں ماسو عرف مریم بی بی خود کو کہتی ہو کہ میں خان بہادر بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی شادی شدہ عورت ہوں کیا اس پر کوئی خود غرض انسان اس عورت اور بچوں کو شرعی حقوق سے محروم کر سکتا ہے کہ جس کو اسلام نے بخشا ہے ؟ المستفتی نمبر ۲۳۶۳ چودھری رمضان علی صاحب رنگون برما ۱۱ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۵۰۷) ان حالات میں کہ ماسو عرف مریم بی چھبیس سال سے خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کے گھر میں بطور بیوی کے رہتی تھی اور تمام خاندان کے افراد اس کو منکوحہ بی بی جانتے اور سمجھتے تھے اور اس کے بطن سے تولد شدہ لڑکی خان بہادر کے بھتیجے کے ساتھ منسوب تھی اور خود خان بہادر مرحوم کا تحریری رجسٹری شدہ بیان موجود ہے کہ ماسو ان کی دوسری شادی شدہ بیوی ہے اور عائشہ بی بیٹی اور محمد صدیق، محمد شریف ان کے بیٹے ہیں اور یہ کہ خان بہادر مرحوم کا بھائی بابو ابراہیم حلفیہ بیان کرتا ہے کہ ماسو عرف مریم بابو ولی محمد مرحوم کی منکوحہ بی بی ہے اور یہ کہ عبدالرحمن خود اس صورت میں کہ ماسو اور اس کے بچے اپنے شرعی حصوں سے کم لینے پر راضی ہو جائیں ان کو سوتیلی والدہ اور سوتیلے بھائی تسلیم کرنے کو تیار ہے ماسو عرف مریم بی بی بابو ولی محمد صاحب مرحوم کی منکوحہ بی بی اور عائشہ بی اور محمد صدیق و محمد شریف ان کی اولاد مستحق میراث شرعی قرار پائے گی اور عبدالرحمن کا یہ مطالبہ کہ چھبیس سال پہلے کے نکاح کے ثبوت میں

نکاح نامہ اور گواہ پیش کرو لغو اور مہمل ہوگا اور ماسوا اور عائشہ بی بی اور محمد صدیق اور محمد شریف میں سے ہر ایک کو شرعی حصہ دیا جائے گا۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی رضامندی اور خوشی سے اپنے شرعی حصہ سے کم پر رضامندی ظاہر کردے تو اپنے حق میں سے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس کا یہ فعل دوسرے وارث کے حق کو کم کرنے میں اثر انداز نہ ہوگا۔

فاذا سمع الرجل من الناس انه فلان بن فلان اور ای رجلاً یدخل علی امراۃ و سمع من الناس ان فلانۃ زوجۃ فلان (الی قولہ) و سعه ان یشهد وان لم یعاین الولادۃ علی فراشه او عقد النکاح هکذا فی الذخیرۃ (فتاوی عالمگیری جلد ۳ ص ۵۳۰ مطبوعه مصر)[1]

وکذا اذا رای رجلاً وامرأۃ لیسکنان بیتا و ینبسط کل واحدالی الاخر انبساط الازواج و سعه ان یشهد انها زوجته هکذا فی الهدایۃ (عالمگیری)[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

کیا وصیت کئے ہوئے مال کو موصی لہ کے وارث لے سکتے ہیں؟

(سوال) ایک شخص نے یہ وصیت کی ہے کہ میرے ترکہ کے جس وقت حصے کئے جائیں تب اتنا حصہ اللہ دیا جائے اور اس للہ حصے سے کچھ آمدنی کی جائے اس آمدنی میں سے ہندہ کو اتنی رقم دی جائے اب وارث لوگ مرحوم کے ترکہ کے حصے کرتے ہیں اور مرحوم کی وصیت بموجب للہ بھی نکالتے ہیں اس وقت ہندہ موجود نہیں ہے ہندہ کا انتقال ہوگیا تو ایسے وقت میں مرحوم ہندہ کے وارث میں اس کا خاوند اس رقم کا دعویٰ کر سکتا ہے یا نہیں وصیت کرنے والے کے وارث اس قدر رقم سے اس کے خاوند کو دینے سے انکار کرتے ہیں تو ایسے وقت میں ہندہ کی غیر موجودگی میں کیا کیا جائے؟ **المستفتی نمبر ۲۳۸۳** غلام حسین ابراہیم صاحب (سورت) ۷ ۲ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ م ۲۶ جولائی ۱۹۳۸ء۔

(**جواب ۵۰۸**) اگر وصیت کرنے والے نے ہندہ کو دینے کی وصیت کی ہے اور ہندہ کے وارثوں کو دینے کی وصیت نہیں کی تو ہندہ کے وارثوں اور اس کے خاوند کا حق نہیں ہے اور وہ مطالبہ نہیں کر سکتا۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ڈرا دھمکا کر وراثت سے محروم کرنا

(سوال) خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم نے یکم دسمبر ۱۹۳۳ء کو اپنے انتقال کے وقت ایک بیوی ماسومرف مریم بی بی اور اس کے بطن سے ایک بیٹی عائشہ بی بی اور دو بیٹے محمد صدیق و محمد شریف چھوڑے اور ان کے علاوہ پہلی بیوی سے جس کا مرحوم کی حیات میں انتقال ہو چکا ہے ایک بیٹا عبدالرحمن اور ایک دختر فاطمہ بی بی کو چھوڑا اس وقت مذکورہ ورثاء میں سے محمد شریف نابالغ ہے اس کے سرپرست نے عدالت میں دعویٰ داخل کیا ہے کہ مرحوم کی جائیداد شرعی طریقہ پر تقسیم ہو نامنظوری ہے اس کے علاوہ کوئی تقسیم منظور نہیں ہے اس وقت مرحوم کے ساتھ مریم بی بی مذکورہ کے نکاح کو چھبیس سال کا زمانہ گزر گیا ہے عائشہ بی بی بیٹی کی عمر

(۱ - ۲) عالمگیریۃ کتاب الشہادات ۳ / ۴۵۷ ط ماجدیہ کوئٹہ)

۱۸ سال ہے اور نہ نشہ بی بی کا نکاح خان بہادر بابو ولی محمد مرحوم کے بھتیجے بابو عبدالکریم کے ساتھ ہوا ہے جس میں خان بہادر بابو ولی محمد ان کے بھائی حاجی محمد حیات بابو پیر محمد مرحوم خان بہادر اور ابراہیم موجود تھے مذکورہ نکاح ایک ساتھ رہنے سہنے سے اس کے علاوہ خود مرحوم کی باضابطہ کورٹ کی تحریرات ثابت ہے پس ارشاد ہو کہ ایسی حالت میں آیا پہلی بیوی کے بیٹے یا بیٹی کو یہ جائز ہے کہ اپنی سوتیلی ماں اور اس کی اولاد کو ڈرا دھمکا کر اور ناجائز دباؤ ڈال کر اس بات کی کوشش کرے کہ وہ اپنے شرعی حصہ کا مطالبہ چھوڑ دے یا شرعی حصہ کم دینے کی غرض سے سوتیلی ماں کو مغالطہ یا دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کرے ؟ **المستفتی نمبر ۲۴۸۸** چودھری رمضان علی صاحب (برما) ۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۲۷ اپریل ۱۹۳۹ء

(جواب ۵۰۹) پہلی بیوی کے بیٹے یا بیٹی کو یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ وہ دوسری بیوی سے پہلوں دوسری بیوی کو ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے کوئی ناجائز کوشش کریں یا اس مدت کے بعد اور ان تمام شہادتوں کے بعد ان سے نکاح کے گواہ طلب کریں ایسا کوئی عمل جو جائز وارثوں کو ان کے حقوق میراث سے محروم کرنے کے لئے ہو حرام اور سخت گناہ ہے دوسری بی بی اور اس کی اولاد کو ان کا پورا پورا حصہ میراث کا دینا چاہئے انکو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی کوشش عمل میں نہ لانی چاہئے جو لوگ ایسا کریں گے وہ سب فاسق اور ظالم ہوں گے۔[۱] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

کیا مسلمان کے قادیانی وارث کو ترکہ میں سے حصہ ملے گا؟

(سوال) بی بی زینب حنفی المذہب نے انتقال کیا اور جائیداد منقولہ و غیر منقولہ و مندرجہ ذیل ورثاء کو چھوڑا (تین لڑکی و ایک شوہر قادیانی المذہب) اور تین بھائی جن میں سے ایک قادیانی اور دو حنفی المذہب کو چھوڑا واضح رہے مسماۃ بی بی زینب کے شوہر نے درمیان میں تبدیل مذہب کر لیا مگر بحیثیت زن و شوہر کے تادم آخر باوجود اختلاف مذہب کے رہے بیان کیا جائے کہ ان ورثا میں کس کو کتنا حصہ ملے گا کس کو نہیں ملے گا؟ **المستفتی نمبر ۲۵۳۵** عبدالرحمن عرف ناکو میاں (مونگیر) ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ م ۷ اگست ۱۹۳۹ء۔

(جواب ۵۱۰) چونکہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لئے ایک حنفی مسلمہ عورت کی میراث قادیانیوں کو نہیں ملے گی۔[۲] پس اس زینب بی بی کی میراث اس کے قادیانی شوہر اور قادیانی بھائی کو نہیں ملے گی اس کی لڑکیوں کو ۳/۲ حصہ دیکر باقی ۳/۱ دونوں سنی المذہب بھائیوں کو دیا جائے۔[۳] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) وفي الحديث : من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة (رواه ابن ماجة كذافي المشكوة ۱/ ۲۶۶ ط سعيد)

(۲) لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم (متفق عليه كذافي المشكوة ۱/ ۲۶۳ ط سعيد)

(۳) والثلثان لكل اثنين فصاعدا ممن فرضه النصف وهو خمسة البنت و بنت الابن وايضا فيه ثم جزء ابيه الاخ لابوين (الدر المختار، كتاب الفرائض ۶/ ۷۷۲، ۷۷۵ ط سعيد)

بیٹے کو عاق کر کے میراث سے محروم کرنا ناجائز ہے

(سوال) میں اپنے لڑکے مسمی عیدو عمر ش چہل و پنج کو اپنی فرزندیت سے عاق کرنا چاہتا ہوں مجھے کس طرح سے عاق کرنا چاہئے؟ المستفتی نمبر ۲۵۷۴ ملا شیخ داؤد میاں 'رائے پور' سی پی ۴ صفر ۱۳۵۹ھ م ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۵۱۱) جو لڑکا والدین کا نافرمان ہو انہیں ایذا پہنچائے وہ تو خود ہی عاق ہے یعنی نافرمان رہا یہ کہ عاق کر دینا یعنی اس کو میراث سے محروم کر دینا تو یہ کوئی شرعی بات نہیں ہے اور نہ شرعاً اس کی اجازت ہے اگرچہ عوام میں یہ بات مشہور ہے مگر بے اصل ہے۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کے لئے پیش کئے ہوئے بل کی ضمانت ناجائز ہے

(الجمعیۃ مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۳۱ء)

(سوال) عنقریب شیخ عبدالغنی وکیل سرگودھا و ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب کونسل مذکور میں بغرض منظوری ایک بل پیش کرنا چاہتے ہیں۔ جس کا نام کارہ بل ہے اس کی دفعات مندرجہ ذیل پر غور فرما کر شرعی رائے تحریر فرمائی جائے۔(۱) اس ایکٹ کا نام قانون ناقابل تقسیم جائیداد کا لرہ ہوگا۔(۲) یہ ایکٹ اس تاریخ سے نافذ ہوگا جو کہ لوکل گورنمنٹ تجویز کرے۔(۳) جائیداد ناقابل تقسیم سے مراد وہ جائیداد ہے جو واحد مرد وارث کو پہنچے اور تقسیم نہ ہو سکے۔(۴) قاعدہ وراثت' موجودہ مالک و قابض جائیداد کا لرہ کی وفات کے بعد اس جائیداد کی وراثت اگر اس کے وارثان اسفل ہوں تو جائز مرد وارثان کو پہنچے گی یعنی الف' اگر اکلوتا بیٹا ہو یا اسکا اکلوتا بیٹا ہو تو ایسا بیٹا یا ایسے بیٹے کا بیٹا جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح حتی کہ تمام وارثان ختم ہو جائیں۔ (ب) اگر ایک سے زیادہ لڑکے ہوں تو سب سے بڑا لڑکا یا وہ اگر فوت ہو چکا ہو تو اس کا بڑا لڑکا اگر کوئی ہو جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح حتی کہ بڑے لڑکے کے تمام وارثان ختم ہو جائیں۔ ج۔ اگر سب سے بڑے لڑکے کی اولاد نرینہ نہ ہو تو دوسرا لڑکا یا اگر دوسرا لڑکا مر چکا ہو تو اس کا بڑا لڑکا جیسی کہ صورت ہو اور اسی طرح پر حتی کہ دوسرے لڑکے کے تمام وارثان ختم ہو جائیں۔(۵) قابض کے وارثان اسفل کے گزارہ کی ادائیگی نواب سر عمر حیات خاں کے مرد وارثان اسفل اور ان کی بیوگان اگر کوئی ہوں اور پچھلے قابض کی بیوہ یا بیوگان یا کسی سابق قابض

---

(۱) واضح ہو کہ عاق کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنا تمام مال و جائیداد اس وارث کے علاوہ دوسرے وارثوں یا غیر وارثوں میں تقسیم کر کے مالک بنادے اور اس کے لئے کچھ نہ چھوڑے اس صورت میں اس کا یہ تصرف اس کی ملک میں نافذ ہے پھر اگر اس نے بلاوجہ وارث کو محروم کیا ہے تو سخت گناہ گار ہوگا حدیث میں ہے من قطع میراث وارثہ قطع الله میراثه من الجنة (رواه ابن ماجة ۲۶۶/۱ ط سعید) اور اگر وارث کی ایذاؤں اور تکالیف سے یا فسق و فجور سے عاجز ہو کر ایسا کیا ہے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔
دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی حیات میں کسی کو مالک نہیں بنایا بلکہ بطور وصیت زبانی یا تحریری یہ طے کر دیا کہ فلاں شخص کو میری میراث نہ ملے تو یہ کہنا اور لکھنا فضول ہے شرعاً اس کا کوئی اثر نہیں بعد وفات حسب حصہ شرعیہ تمام ورثا حصہ دار ہوں گے (والتفصیل فی امداد المفتین ۷۹۱/۲)

جائیداد کی بیوگان اس رقم گزارہ کی مستحق ہوں گی جو قابض جائیداد مقرر کرے گا۔ اگر ایسا شخص قابض جائیداد سے عناد رکھتا ہو تو بوجہ بد چلنی کے گزارہ کا مستحق نہ ہوگا اور قابض جائیداد کو اختیار ہوگا کہ رقم گزارہ روک لے یا مقرر کردہ رقم ضبط کرلے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا بل جس میں حسب ضابطہ (۴) لڑکیوں کو وراثت سے محروم کیا گیا ہے اس کی تائید و حمایت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۱۲) یہ بل قطعاً شریعت اسلام کے خلاف ہے کسی مسلمان کے لئے اسکو تسلیم کرنا یا پیش کرنا یا تائید کرنا حرام ہے بلکہ تسلیم کی صورت میں کفر کا اندیشہ غالب ہے۔[1] کونسل کے مسلمان ممبروں کا فرض ہے کہ وہ محرک کو اس کے پیش کرنے سے روکیں اور وہ نہ مانے تو متفقہ طور پر اس کی مخالفت کریں۔[2]

محمد کفایت اللہ غفرلہ

---

(۱) قال تعالیٰ : فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً (النساء ۶۵)

(۲) من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان

کتاب الوصیۃ

پہلا باب
صحت وجواز وصیت

وصیت کی نفاذ کی صورت اور اس پر اجرت کا حکم

(سوال) زید نے جو کہ جائیداد کثیرہ از قسم مکانات و نقدی وغیرہ کا مالک تھا اپنے مرنے کے قریب اس طرح وصیت نامہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد مسمی خالد میرا بیٹا میری جائیداد کا اس طرح انتظام کرے کہ میت سے ورثہ وغیرہ کی جانب جائیداد منتقل کرانے میں ازروئے قانون سرکاری طور پر جو کچھ صرفہ ہو وہ میرے کل ترکہ سے لیا جائے اس کے بعد مکانات و نقدی وغیرہ کل مجموعہ کا دسواں حصہ بطور حق المحنت خالد خود لے لے بعد ازاں بقیہ مجموعہ کے تین حصے کئے جائیں منجملہ ان کے دو حصے بیٹا بیٹی بیوی ورثہ کا حق ہے اور بقیہ تہائی کا اس طرح انتظام کیا جائے کہ نقد روپے سے فلاں مکان خریدا جائے اور متروکہ نیز خرید کردہ مکان سے جو کچھ آمدنی ہو اس سے ان بقیہ تہائی کے مکانات کی مرمت وغیرہ میں خرچ کیا جائے اور اصلاح و درستی مکانات سے جو کچھ بچے وہ میرے کنبے کے غربا فقرا اور دیگر امور خیر میں صرف ہو اور نیز اگر مناسب سمجھیں دیگر مکانات جدیدہ اس آمدنی سے خرید لیں جن کی آمدنی بھی نیک کاموں میں صرف ہو اور اس بقیہ تہائی کا منتظم و متولی میت نے اپنے بیٹے خالد اور اپنی بیوی دو شخصوں کو مقرر کیا ہے۔ پس اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کی وصیت کا نفاذ شرعاً کس طرح ہوگا؟ اور متولی انتقال و تقسیم جائیداد شرعاً دسواں حصہ مقررہ پاسکتا ہے یا کم وبیش یا کیا؟ اور مذکورہ تہائی کی وصیت شرعاً وقف قرار دی جائے گی یا کیا؟ یہ لحاظ رہے کہ وصیت نامہ میں میت کی جانب سے لفظ وقف کی صراحت کہیں نہیں ہے اور اگر متولی انتقال و تقسیم جائیداد علاوہ بیٹے کے کوئی اجنبی شخص ہوتا تو ازروئے وصیت دسواں حصہ شرعاً بھی اس کو دینا چاہیئے تھا یا کیا؟۔

(جواب ٥١٣) یہ وصیت اس طرح نافذ ہوگی کہ اول ثلث مال علیحدہ کرلیا جائے اس کے بعد دو ثلث میں ورثہ کے حقوق شرعیہ کی تقسیم جاری کی جائے اور مصارف تقسیم ورثہ سے لئے جائیں میت کے بیٹے خالد کو دسواں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اس کو یہ دسواں حصہ دینے کی دو صورتیں ہیں۔ یا یہ کہ قطع نظر محنت انجام دہی کار تقسیم سے دسویں حصے کی وصیت اس کے لئے قرار دی جائے اور یہ صورت اس لئے ناجائز ہے کہ وہ وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت ناجائز ہے ہاں اگر دیگر ورثا رضامندی سے اسے دسواں حصہ دیدیں تو جائز ہے۔ ولا تجوز الوصیۃ للوارث عندنا الا ان یجیز ھا الورثۃ [1] (عالمگیری) اور دوسری

---

(١) (عالمگیریۃ، کتاب الوصایا ٦/ ٩٠ ط ماجدیہ)

صورت یہ ہے کہ اس کو اس کی محنت کی اجرت سمجھا جائے یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ میت کو یہ حق نہیں کہ وارثوں کے مال مشترک میں کسی کام کی انجام دہی کے لئے عقد اجارہ خود منعقد کرے اور کسی کو اجیر بنائے ولو قال لرجل لك اجر مائة درهم على ان تكون وصيي الشرط باطل والمائة وصية به وهو وصي على المختار' كذافي خزانة المفتين انتهى[1] ثلث مال کی وصیت جس طرح کی گئی ہے اسی طرح واجب العمل ہے کہ اس تہائی کی آمدنی کنبہ کے فقرا اور محتاجوں اور امور خیر پر صرف کئے جائیں۔ ولو اوصى بثلث ماله لا عمال البر ذكر في فتاوى ابي الليث ان كل ما ليس فيه تمليك فهو من اعمال البر حتى يجوز صرفه الى عمارة المسجد و سراجه (عالمگیری) وفي الفتاوى الخلاصه ولو اوصى بالثلث في وجوه الخير يصرف الى القنطرة او بناء المسجد او طلبة العلم كذافي التتارخانية[2] (عالمگیری) واذا اوصى بغلة داره او بغلة عبده في المساكين جاز ذلك من ثلث ماله[3] (عالمگیری) قلت يعلم من هذه الروايات ان الوصية بغلة داره او بستانه جائزة سواء سمى قوما معلوما او لم يسم وقال للمساكين وسواء نص على الابداولم ينص بعد ان يخرج الموصى به من ثلث ماله وههنا كذلك پس صورت مسئولہ میں ثلث مال کی وصیت مذکورہ طریقے پر جائز ہے اور حکم وقف ہے ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اگر متولی تقسیم جائیداد کوئی اجنبی ہو تو اسے تقسیم کی اجرت لینا جائز ہے۔ سوال حصہ نہ ملے گا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرسہ امینیہ شہری مسجد دہلی۔

جائیداد کی ملکیت منتقل کرنے کی نسبت موت کے بعد کی طرف کرنا وصیت ہے

(سوال) مسمی زین العابدین جو شیعی مذہب رکھتا تھا اس کی سات اولادیں تھیں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے دونوں لڑکے اور ایک لڑکی تو بچپن میں مر گئے تھے اور تین لڑکیوں کا نکاح ہوا اور تینوں کی اولاد بھی ہوئی لیکن یہ تینوں لڑکیاں بھی زین العابدین کی زندگی میں فوت ہو گئیں اب صرف ایک لڑکی موجود ہے اور زین العابدین کی بیوی بھی موجود ہے چونکہ زین العابدین کا کوئی لڑکا نہیں اس نے سوچا کہ آئندہ اس موجودہ لڑکی میں اور فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد میں ضرور نزاع ہوگا اس لئے اس نے اپنی حیات میں قبل وفات کے پانچ سال پہلے بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایک ہبہ نامہ باقاعدہ لکھا اور عدالت ماتحت میں رجسٹری بھی کرا دی اس ہبہ نامہ میں جائیداد کی تقسیم اس طرح کی کہ موجودہ لڑکی کو ایک مکان اور بقیہ جائیداد کا نصف حصہ دیا جائے اور بقیہ نصف جائیداد کو فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد پر بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے اور اپنی بیوی کے نام پر کوئی جائیداد نہیں کی ہاں عورت کو یہ اختیار دیا ہے کہ کل بچوں کی سرپرستی بلوغ تک کرتی رہے یہ ہبہ نامہ لکھ کر زین العابدین پانچ سال تک زندہ رہا اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے حسب شرائط ہبہ نامہ سب بچوں کی

---

(۱) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦/ ٩٤ ط ماجديه)
(۲) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦/ ٩٧ ط ماجديه)
(۳) (عالمگیریة' كتاب الوصايا ٦/ ١٢٣ ط ماجديه)

جائیداد کی نگرانی کی بلوغ کے بعد لڑکی کا نکاح ہو گیا اب اس نے اپنے حق کا تقاضا کیا مگر اس کی ماں نے یعنی زین العابدین کی بیوی نے جو صرف محافظ تھی ڈیڑھ ہزار روپے کی جائیداد منتقل کر دی اور بلا ضرورت ایسا فریب کیا لڑکی نے نوٹس دیا' جواب نہیں دیا' پھر نوٹس دیا با ضابطہ عدالت' اب عدالت میں دعویٰ کر دیا ہے زین العابدین کی بیوی یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ یہ ہبہ صحیح نہیں۔ ہبہ ناجائز قرار دیا جائے لڑکی ہبہ کو ثابت رکھنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ ہبہ صحیح ہے سوال یہ ہے کہ آیا یہ ہبہ نامہ صحیح ہوا ہے یا نہیں اگر ہبہ غیر صحیح ہے تو مال کس طرح تقسیم کیا جائے اور ہبہ صحیح ہو تو زین العابدین کی بیوی کو کچھ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم دیا جائے؟

(جواب ۵۱۴) یہ ہبہ نامہ اگر ان الفاظ سے لکھا گیا ہے کہ میرے بعد فلاں فلاں کو اس قدر دیا جائے تو یہ ہبہ نہیں ہے بلکہ وصیت ہے۔ اور لڑکی چونکہ وارث ہے اس لئے اس کے لئے وصیت بدون رضامندی دوسرے وارثوں کے ناجائز ہے **ولا تجوز لوارثه الا ان يجيزها الورثة انتهى مختصراً كذافي الهداية**[1] فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد چونکہ وارث نہیں ہے اس لئے ان کے حق میں یہ وصیت معتبر ہے لیکن انکو بجائے نصف کے ثلث ملے گا۔ کیونکہ غیر وارث کے لئے بھی ثلث سے زیادہ کی وصیت بدون رضامندی ورثہ کے جائز نہیں **ولا تجوز بما زاد على الثلث الا ان يجيز ها الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر باجازتهم في حال حيوته (هدايه)**[2] پس ثلث مال فوت شدہ لڑکیوں کی اولاد کو بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے اور باقی دو ثلث میں سے آٹھواں حصہ زوجہ زین العابدین کو دیگر باقی موجودہ لڑکی کو ملے گا۔

اور اگر ہبہ نامہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ میں نے ہبہ کر دیا تاہم بوجہ مشاع ہونے کے ہبہ ناجائز ہے۔ **ولا تجوز الهبة فيما يقسم الا مجوزة مقسومة (هدايه)**[3] واللہ اعلم۔ کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ' مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔

فاحشہ عورت کے ترکہ سے خریدی ہوئی جنازہ گاہ میں نماز پڑھنے کا حکم

(سوال) منٹگمری شہر میں ایک طوائف فاحشہ عورت کے دو ملکیتی مکان ہیں۔ فوتیدگی سے کچھ عرصہ پہلے اس نے ایک مکان کی اپنے مرشد پیر اصغر علی کے نام وصیت کی چنانچہ پیر صاحب نے قبضہ کر لیا ہے دوسرے کی نسبت وصیت لکھائی کہ انجمن اسلامیہ منٹگمری فروخت کر کے اس کی قیمت سے قبرستان میں جنازہ گاہ بنا دے جہاں متوفی مسلمانوں کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے غرض یہ کہ اس جنازہ گاہ میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اگر شرعاً وہاں نماز جنازہ نہ ہو تو مکان مذکور کی فروخت کا روپیہ اور کسی اسلامی کام میں آسکتا ہے یا نہیں؟
المستفتی نمبر ۹ غلام علی معرفت داروغہ جیل دھرم سالہ ضلع کانگڑہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۵۱۵) اگر فاحشہ مذکورہ کا یہ مکان اس کا موروثی ہو (بشرطیکہ مورث کی کمائی خالص حرام نہ ہو)

(۱ - ۲) (هدايه اخيرين' كتاب الوصايا ٤/٦٥٧ ط شركة علميه)
(۳) (هداية أخيرين' كتاب الهبة ٣/٢٨٥ ط شركة علميه)

یا خود فاحشہ نے کسی جائز ذریعہ اور حلال کمائی سے حاصل کیا ہو تو اس مکان کی قیمت سے جنازہ گاہ بنانا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اگر یہ مکان حرام کمائی سے حاصل کیا گیا ہے تو اس میں خبث قائم ہے اور اس کو کسی نیک کام میں بامید ثواب لگانا ناجائز ہے اس کو انجمن اسلامیہ فروخت کر کے یتیموں بیوائوں اور دوسرے محتاجوں کے کھانے کپڑے میں اس نیت سے خرچ کر دے کہ ایک مال حرام اس کے قبضے میں آ گیا ہے جس کو وہ اصلی جائز مالک تک نہیں پہنچا سکتی اس لئے بہ نیت رفع وبال یا بہ نیت ایصال ثواب اصل مالک محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کر رہے ہیں۔

متبنی کے لئے اپنی جائیداد سے وقف کرنے کا حکم

(سوال) زید نے اپنے ایک بھائی عمرو کو بچپن سے اپنا بیٹا بنایا کیونکہ زید کے کوئی اولاد نہیں تھی ہاں زید کے بھائی بہن موجود ہیں زید چاہتا ہے کہ عمرو کو جو کہ اس کا متبنی ہے اپنی جائیداد کا کل یا جزو حصہ وقف کرے تو وہ ایسا کرنے میں عند اللہ گناہ گار تو نہ ہوگا؟ المستفتی نمبر ۵۴ ڈاکٹر حسین صاحب مراد آباد ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۱۶) زید کو چاہئے کہ اپنی جائیداد کا ۱/۳ حصہ عمرو کے لئے وقف کرے باقی ۲/۳ حصہ شرعی وارثوں کے لئے رہنے دے یہی اس کے لئے بہتر ہے۔ [1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(۱) مرض الموت میں مشترکہ جائیداد سے نابالغ بیٹے کے لئے وقف کرنے کا حکم
(۲) مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم

(سوال) (۱) زید نے ایک جائیداد وقف نذر اللہ کی ہے بروقت مرض الموت اس جائیداد کا عملہ زید کا تھا اور زمین محکمہ نزول کی ہے۔ چنانچہ عملہ ہی وقف کیا ہے۔ یہ وقف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے ایک جائیداد بوقت مرض الموت پسر نابالغ کے نام کی ہے یہ مشترکہ جائیداد ہے اس میں دوسرا شخص بھی شریک ہے اور اس جائیداد پر قبضہ موہوب الیہ کا حین حیات مالک میں نہیں ہوا واہب کے دیگر اولاد کثیرہ موجود ہے لیکن پسر نابالغ کو ہبہ کے ساتھ مخصوص کیا اور دیگر اولاد کو فراموش۔

(۳) زید کے پاس نقد روپیہ تھا زید نے بتفصیل ذیل بوقت وفات وصیت کی۔ دو ہزار روپے حج بدل میں اور دو ہزار روپے پسر نابالغ کی تعلیم پر خرچ کئے جائیں اور یہ وہی پسر نابالغ ہے جس کے نام پر جائیداد ہبہ کی ہے اور دو ہزار روپے تجہیز و تکفین پر خرچ کئے جائیں اور دو ہزار روپے تعمیر مسجد پر خرچ کئے جائیں۔

یہ تمام امور مرض الموت کی حالت میں انجام دیئے ہیں بقیہ اولاد ان سب امور کو تسلیم نہیں کرتی بینوا توجروا؟ المستفتی نمبر ۸۲ شیخ یقین الدین صاحب دہلی ۴ رجب ۱۳۵۲ھ م ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

---

(۱) لقولہ علیہ السلام: الثلث والثلث کثیر (ابو داؤد شریف کتاب الوصایا ۲/۳۹ ط امدادیہ)

(جواب ۵۱۷) (۱) وقف اگر مرض الموت میں ہو تو بحکم وصیت ہوتا ہے اور ثلث ترکہ میں جاری ہوتا ہے۔[۱] زمین کی طرف سے اگر یہ اطمینان ہو کہ وہ کسی وقت واپس نہ لی جائے گی تو ایسی زمین پر عملہ و جائیداد کا وقف صحیح ہوتا ہے لیکن اگر یہ اطمینان نہ ہو اور زمین کی واپسی کا خیال بھی ہو تو جائیداد اور عملہ کا وقف صحیح نہیں ہوتا۔[۲]

(۲) مرض الموت میں ہبہ بھی وصیت کا حکم رکھتا ہے اور چونکہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اس لئے یہ ہبہ بشر طیکہ مرض الموت میں ہونا ثابت ہو ناجائز ہوگا۔[۳]

(۳) تمام وصیتوں کا تعلق ایک ثلث مال میں سے ہوتا ہے اس لئے اگر حج بدل کے دو ہزار روپے اور تعمیر مسجد کے دو ہزار روپے (کل چار ہزار روپے اس لئے کہ تجہیز و تکفین کے لئے دو ہزار روپے کی وصیت غیر معقول ہے۔[۴] اور لڑکے کی تعلیم کے لئے دو ہزار کی وصیت وارث کے لئے وصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے)۔[۵] ثلث ترکہ میں سے نکل سکے اور بشر طیکہ وصیت کا ثبوت ہو تو یہ چار ہزار روپے حج بدل اور تعمیر مسجد کے لئے دیئے جائیں گے اور اگر وصیت کو تمام وارث تسلیم نہ کریں اور ثبوت بھی نہ ہو تو وصیت بھی غیر معتبر ہوگی۔[۶] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

بھائی' بھتیجی اور بھتیجے میں تقسیم میراث

(سوال) جس وقت محمد بخش کا انتقال ہوا تو ان کی جائیداد ہر سہ بھائیوں مخدوش بخش' بدر الدین' صدر الدین نے اپنے اپنے نام بحصہ مساوی عدالت سے کرالی اور بہنوں کو جائیداد سے کوئی حصہ نہیں دیا مخدوم بخش کے کوئی اولاد نہیں تھی چنانچہ اس نے صدر الدین کے لڑکے کمال الدین کو بطور لڑکے کے پالا اور بچپن سے مرتے وقت تک اس کے اخراجات کا کفیل رہا اس کی شادی کی، شادی کے لئے مخدوم بخش نے قرض تک لیا اور کمال الدین نے مخدوم بخش کی خدمت مثل بیٹے کے کی۔ مخدوم بخش نے مرتے وقت یہ وصیت کی اور اپنی زندگی میں بھی بڑے بڑے مجمعوں میں یہ کہہ چکا تھا کہ میری تمام اشیاء کمال الدین کے لئے ہیں اور میری ہر چیز کا مالک کمال الدین ہے مخدوم بخش کی وفات کے وقت بدر الدین اور اس کے ہر دو بالغ پسر کمال الدین بالغ انکی ہمشیر منظور النسا اور کوئی عورتیں موجود تھیں مگر غیر خاندان کا کوئی مرد موجود نہ تھا مرنے سے کچھ دنوں

---

(۱) وفي حاشية ابن عابدين (قوله الثلث من الدار وقف الخ) اى لان الوقف فى المرض وصية تنفذ من الثلث فقط (رد المحتار' مطلب في وقف المريض ۳/۴۴۵ ط سعيد)
(۲) في الشامية تحت (قوله و جزم في الخانية) لان الوقف لا يجوز الا مؤبداً فاذا كان التابيد شرطاً لا يجوز موقتا (ردالمحتار 'كتاب الوقف ۳/۴۰۲ ط سعيد)
(۳) و تبطل هبة المريض ووصيته لمن نكحها بعد هما الخ (الدرالمختار' كتاب الوصايا ۶/۶۵۹ ط س)
(۴) اوصى بان يصلي عليه فلان او حمل بعد موته الى بلد اخر او يكفن في ثوب كذا الى قوله فهي باطلة (الدر المختار'كتاب الوصايا ۶/ ۶۶۶ ط سعيد)
(۵) قال عليه الصلاة والسلام: لا وصية لوارث (رواه الترمذي' ابواب الوصايا ۲/۳۲ ط سعيد)
(۶) ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة (اللباب للميداني' كتاب الوصايا ۲/۳۶۷)

قبل صرف مکان اپنی ہمشیرہ کو دیدینے کو کہہ رکھا تھا چونکہ مخدوم بخش ابھی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں نہ ان کی بیوی نہ کوئی اولاد۔ اور ان کا حقیقی بھائی بدر الدین موجود ہے اور بہن منظور النساء موجود ہے اس کے علاوہ ان کے بھائی صدر الدین جن کا مخدوم بخش سے پہلے انتقال ہو چکا اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے اور اس کی بہن جہانگیر (جس کا انتقال بھی مخدوم بخش سے پیشتر ہوا) اس کی اولاد میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے مخدوم بخش اپنی حیات میں اپنے موجودہ بھائی بدر الدین سے ہمیشہ سخت ناراض رہے لہذا مخدوم بخش کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟ **المستفتی** نمبر ۱۰۴ شیخ کمال الدین ضلع متھرا ۲۱ رجب ۱۳۵۲ھ م ۱۱ نومبر ۱۹۳۳ء۔

(جواب ۵۱۸) چونکہ جائیداد موروثی میں بہنوں کا بھی شرعی حق ہے[1] اس لئے مخدوم بخش کی متروکہ جائیداد میں سے ان کی بہنوں کا نکال کر باقی جائیداد میں سے اول مخدوم بخش کے ذمہ کا قرضہ ادا کیا جائے اس کے بعد جو بچے اس میں سے ایک تہائی کمال الدین کو بحق وصیت دی جائے[2] اور دو تہائی کے تین حصے کئے جائیں دو حصے بدر الدین کو اور ایک حصہ منظور النساء کو۔[3] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مسجد کے لئے وصیت کئے ہوئے مکان میں دو ثلث تک ورثاء کا حق ہے؟

(سوال) گرامی صاحب مرحوم شاعر خاص اعلیٰ حضرت شہریار دکن خلد اللہ ملکہ اپنا زر خرید مکان اپنی اہلیہ کو بعوض مہر رجسٹری کر گئے بعد از وفات اہلیہ مرحوم اپنی موت سے کچھ دن قبل اپنا مملوکہ مکان بعوض مہر مسجد جامع ہوشیار پور کے نام وصیت کر کے رجسٹری کر گئیں اہلیہ مرحوم کی کوئی اولاد نہ کوئی برادر نہ بہن۔ اہلیہ گرامی مرحوم وصیت کے چند دن بعد انتقال کر گئیں اہلیہ مرحوم کے تین چچا جو وفات پا چکے ہیں انکی اولاد موجود ہے عند الشرع انکو حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور کتنا حق پہنچتا ہے؟ وصیت زائد از ثلث جائز ہے یا ناجائز؟ مرحوم کا قرض و تجہیز و تکفین زر متروکہ سے کیا گیا ہے مرض الموت کے متعلق مسئلہ شریعت کیا ہے؟ کتنے دن کی شرط ہے یا فقط بقائی ہوش و حواس ہونا ہی ضروری ہے؟ **المستفتی** نمبر ۱۳۴ شیخ شریف احمد بانس فروش کشمیری بازار ہوشیار پور ۸ شعبان ۱۳۵۲ھ ۲۹ نومبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۱۹) مرحومہ اہلیہ گرامی مرحوم نے اپنا مکان مملوکہ اگر بحق مسجد بطور وصیت لکھ دیا ہے تو وصیت ثلث ترکہ سے زائد میں جاری نہیں ہوتی۔ اور مرحومہ کے چچا زاد بھائی انکے ترکہ کے دو ثلث کے حق دار ہیں۔[4] اگر اس دستاویز کی نقل بھیج دی جاتی جس کے ذریعہ سے مکان مسجد کو دیا گیا ہے تو یہ بتلانا

---

(۱) قال تعالیٰ : وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والا قربون (النساء : ۷)
(۲) ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد الى قوله ثم يقسم الباقي بين ورثته (الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/۷۶۰ ط سعيد)
(۳) و مع الاخ لاب وام للذكر مثل حظ الانثيين يصرن به عصبة (سراجي' فصل في النساء ص ۹ ط سعيد)
(٤) ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بين ورثته الخ(الدرالمختار' كتاب الفرائض ۶/۷۶ ط سعيد)

ممکن تھا کہ اس پر مرض موت میں ہونے یا نہ ہونے اور کل یا ثلث میں مؤثر ہونے یا نہ ہونے کا حکم کیا ہے؟
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

زندگی میں وراثت نہ دینے کا اظہار کرنے سے وارث محروم نہ ہوگا

(سوال) منشی ارشاد الدین صاحب ساکن میرٹھ نے ۲۹ نومبر ۱۹۳۲ء کو ایک وقف نامہ لکھا ہے کہ من مقر کی اولاد پسری و دختری نہیں ہے ایک زوجہ مسماۃ معصوم النساء دختر دوست محمد خاں موجود ہے عرصہ قریب گیارہ سال کا ہوا کہ بوجہ نافرمانی میں نے اس کو طلاق دیدی تھی اور مبلغ چار سو روپے اس کا مہر ادا کر کے رسید رجسٹری کرادی تھی مگر بعد کو اس کے خواستگار معافی ہونے پر میں نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اب اس کا دین مہر صرف مبلغ عہ ہے میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ نہیں دینا چاہتا ہوں منشی صاحب موصوف نے ۱۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو انتقال کیا آیا تحریر وقف نامہ کے بعد مسماۃ معصوم النساء شرعی حصہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور عقد ثانی جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۶۰ سلیم الدین احمد چشتی میرٹھ ۳۰ رمضان ۱۳۵۲ھ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۲۰) اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم النساء بوقت تحریر وقف نامہ جائز طور سے ارشاد الدین کی زوجیت میں تھی اس لئے وہ حصہ میراث پانے کی مستحق ہے۔[1] دوبارہ نکاح کرنے کی کئی صورتیں جائز ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں میں سے کوئی صورت ہوگی[2] پس صرف ارشاد الدین صاحب کے اس ارادے سے کہ "میں اپنی جائیداد میں سے بالفعل اس کو کچھ دینا نہیں چاہتا" اس کا حصہ میراث باطل نہیں ہو سکتا۔[3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

وارث کے لئے کی ہوئی وصیت کب نافذ ہوگی؟

(سوال) زید نے اپنے مرنے کے وقت مندرجہ ذیل وارث چھوڑے چار لڑکیاں اور دو بھائی جن میں سے تین لڑکیوں کا نکاح زید نے اپنی زندگی میں کر دیا صرف ایک لڑکی ناکتخدا چھوڑی ہے جس کے نکاح کے لئے کچھ زیورات بھی ہوا چکا تھا جو اسی ناکتخدا لڑکی کے استعمال میں ہیں زید نے انتقال کے وقت یہ وصیت کردی ہے کہ اس ناکتخدا لڑکی کی شادی کے لئے اتنی ہی رقم دیدی جائے جتنی کہ کتخدا لڑکیوں میں سے ایک کی شادی کے لئے صرف کی گئی ہے اور زید نے اس لڑکی کا ولی اپنے بڑے بھائی کو قرار دیا ہے پس اس صورت میں میراث کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ المستفتی نمبر ۳۰۷ مسٹر عبدالقدوس ٹھیکیدار بنگلور ۲۱ صفر ۱۳۵۳ھ

---

(۱) ثم یقسم الباقی بعد ذلک بین ورثته ای الذین ثبت ارثهم بالکتاب او السنة (الدر المختار کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۱، ۷۶۲ ط سعید)

(۲) امور المسلمین علی السداد حتی یظهر غیره (قواعد الفقه ص ۶۳ صدف پبلشرز)

(۳) شریعت میں وارث کو عاق کرنا غیر معتبر ہے اور عاق کے بارے میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے

(جواب ۵۲۱) زید نے جو زیور اور کپڑے وغیرہ نا کتخدا لڑکی کو دیدیئے تھے وہ تو لڑکی کی ملک ہو گئی۔[1] اور ترکہ زید میں شامل نہ ہوں گے باقی اس قدر رقم کی وصیت کہ جتنی دوسری لڑکیوں کی شادی میں صرف ہوئی ہے تو اگر اس وصیت کو زید کی دوسری لڑکیاں اور زید کے بھائی جائز رکھیں تو جائز ہو گی یعنی اتنی رقم ترکہ سے علیحدہ کر کے اس لڑکی کو دیدی جائے گی اور اگر دیگر ورثا جائز نہ رکھیں تو ناجائز ہو گی اور بعض وارث جائز رکھیں اور بعض ناجائز تو جائز رکھنے والوں کے حصے میں جاری ہو گی اور ناجائز رکھنے والوں کے حصے میں جاری نہ ہو گی۔[2] اور اگر زید کے وارث صرف یہی ہیں تو اس کا ترکہ بعد منہائی اس رقم کے جو نا کتخدا لڑکی کو دی جائے گی بصورت اجازت جمیع ورثاء یا بعد منہائی اس حصہ رقم کے جو بعض ورثا کے حصے کی وضع کی جائے گی جو اجازت دیدیں حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہو گی کہ برابر کے چھ حصے کر کے چاروں لڑکیوں اور دونوں بھائیوں کو ایک ایک حصہ دیدیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

"میری وفات کے بعد میری متبنی لڑکی میری جائیداد کی وارث ہو گی" کہنا وصیت ہے

(سوال) ایک شخص نے اپنی وفات سے نو سال قبل ایک لڑکی بعمر یکسالہ کو زبانی اپنا متبنی بنایا اور اپنی وفات سے پیشتر چند معززین کو بلا کر وصیت کی کہ "میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہو گی" ارشاد فرمائیں کہ مذکورہ لڑکی کو از روئے شرع شریف کیا حصہ پہنچتا ہے؟ المستفتی نمبر ۹۱۲ حاجی محمد تقی (پانی پت) ۱۲ صفر ۱۳۵۵ھ ۴ مئی ۱۹۳۶ء۔

(جواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) شریعت میں متبنی بنانے سے مال پر کچھ اثر نہیں پڑتا لہذا لڑکی کو وراثت سے کچھ تعلق نہیں مال کے وارث اس کے وارث قریبی بعیدی جو ہوں گے ان کو حق پہنچے گا البتہ چونکہ مرنے والا وصیت کر گیا ہے کہ میرے مال کو میرے مرنے کے بعد لڑکی متبنی کو دیدینا لہذا وصیت کی رو سے لڑکی کو تہائی مال ملے گا جیسا کہ کسی غیر کو وصیت کر جاتا ہو تو تہائی اس کو ملتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حمد اللہ عفی عنہ۔

(جواب ۵۲۲) (از حضرت مفتی اعظمؒ) اگر الفاظ یہ تھے جو سوال میں مذکور ہیں کہ "میری وفات کے بعد لڑکی جائز وارث ہو گی" تو یہ لغو ہیں وصیت نہیں۔[3] ہاں اگر یہ کہا ہو کہ سب ترکہ اس کو دیدینا تو وصیت

---

(۱) جہزا بنته بجهاز سلمها ذالك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده ان سلمها ذالك في صحته بل تختص به و به يفتى وكذا لو اشتراه لها في صغرها (الدرالمختار كتاب النكاح باب المهر ۳/۱۵۵ ط سعيد)

(۲) ولو اوصى لوارثه ولا جنبي صح حصة الاجنبي و يتوقف في حصة الوارث على اجازة الورثة ان اجازوا جاز وان لم يجيزوا بطل و فيه ايضاً ولو اجاز البعض ورد البعض يجوز على المجيز بقدر حصته و بطل في حق غيره (عالمگيريه كتاب الوصايا ۶/۹۱ ط ماجديه)

(۳) کیونکہ متبنی جائز وارث ہرگز نہیں بن سکتا وارث صرف ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام ہیں

ہو گی اور ثلث میں جاری ہو گی۔[1] محمد کفایت اللہ

جواب الجواب (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) مولانا المکرم زاد الطافکم۔بعد سلام مؤدبانہ عرض ہے۔ مشکور ہوں کہ گرامی نامہ جلد موصول ہو گیا اور جناب نے اصلاح فرمادی اور مجھ سے بار ہلکا ہو گیا ایک سند حاصل ہو گئی۔ لیکن ابھی تک پوری تسکین و انشراح صدر حاصل نہیں ہوا جس کی مجھ کو خاص اپنے لئے ضرورت ہے جناب نے کوئی حوالہ یا دلیل تحریر نہیں فرمائی کہ کیوں الفاظ مذکورہ سوال لغو ہیں۔ وصیت میں تملیک مضاف الی مابعد الموت ہے۔ لفظ وصیت کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ اور الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ وصیت وراثت میں مشابہت بھی لکھتے ہیں کہ یا دونوں میں قائم مقام ہے۔ عاقل بالغ کے کلام کو حتی الامکان صحت پر محمول کرنا چاہئیے۔ حقیقت نہ ہو تو مجازی۔ وصیت بعض موقع پر غلط الفاظ سے بھی مان لی جاتی ہے۔ جیسے کوئی وارث کو وصیت کرے تو لغو نہ ہو گی بلکہ موقوف اجازت پر ہو گی تمام مال کی وصیت ہو گی تو ثلث میں رکھی جائے گی تو اگر یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں میرا جائز وارث ہے یا ہو گا اور میں یہ وصیت کرتا ہوں تو کیوں اس کو وصیت نہ رکھا جائے اور لفظ جائز کو لغو کر دیا جائے اور وارث کے لفظ کو موصی کے طورپر محمول کر کے وصیت کیطور پر ثلث دیا جائے۔ فقط
مکرر یہ بھی عرض ہے کہ مرنے والے کی غرض تو یہ ہے کہ اس کو تمام مال دیا جائے پھر بعض بھی نہ ملے تو غرض کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ بعض حضرات دیوبندی اپنا خیال وصیت کا ظاہر کرتے ہیں مگر دلیل اور حوالہ نہیں اور نہ دستخط ہیں۔ میں جناب کو تکلیف دوبارہ دیتا ہوں امید ہے کہ اس طرح تحریر فرمائیں کہ طبعیت یکسو ہو جائے۔ والسلام

(جواب ۵۲۳) (از حضرت مفتی اعظمؒ) سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ صرف یہ ہیں "میری وفات کے بعد مذکورہ لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہو گی" یہ ایک جملہ خبریہ ہے۔[2] انشاء پر اسے محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں۔ متوفی کے الفاظ میں وصیت کا لفظ بھی نہیں۔ سائل اپنے بیان میں یہ کہتا ہے "چند معززین کو بلا کر وصیت کی" تو لفظ وصیت اس نے استعمال کیا ہے متوفی کے الفاظ میں نہیں ہے متوفی کے الفاظ کا جملہ خبریہ چونکہ غلط اور شریعت کے خلاف ہے کہ ایک غیر وارث کو وہ جائز وارث بتارہا ہے اس لئے وہ غلط اور لغو ہی ہو گا۔ اس کے سوا اور کوئی اس کا محل نہیں اگر مرحوم کے الفاظ میں یہ ہوتا کہ "میں تمام جائیداد کی اس کے لئے وصیت کرتا ہوں یا اپنی تمام جائیداد اس کو دیتا ہوں یا میری تمام جائیداد اس کو دیدینا یا میری تمام جائیداد کا مستحق اس کو سمجھنا یا میں اپنی جائیداد کا مستحق اس کو قرار دیتا ہوں یا اپنی جائیداد کا وارث اس کو قرار دیتا ہوں" تو ان تمام صورتوں میں ہم اس کو وصیت قرار دیتے اور ایک ثلث اس کو

---

(۱) ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة (جوهرة النيرة كتاب الوصايا ۲/۳٦۷ ط مير محمد)
(۲) والاسناد نسبة احدى الكلمتين الى الاخرى بحيث تفيد المخاطب فائدة تامة يصح السكوت عليها نحو زيد قائم و قام زيد و يسمى جملة (هداية النحو ص ۷)

دلوا دیتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

(جواب) (از مولوی حمد اللہ پانی پتی) گرامی نامہ بعد انتظار باعث فرحت ہوا لیکن جناب والا ابھی الجھن باقی ہے اللہ تعالیٰ رفع فرمائے اب حضور کی یہ تحریر آئی ہے " سوال میں جو الفاظ مذکور ہیں صرف یہ ہیں کہ میری وفات کے بعد مذکورہ بالا لڑکی میری جائیداد کی جائز وارث ہوگی یہ ایک جملہ خبریہ ہے انشاء پر اس کو محمول کرنا اور اس سے انشائے وصیت نکالنا متصور نہیں "

جناب والا میری اس پر یہ عرض ہے کہ مجھے اسی میں کلام ہے کہ یہ یقیناً انشاء ہے بلکہ اس کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یہ کہ وہ خبر دے رہا ہو اور یہ بھی کہ وہ یہ کہہ رہا ہو کہ میرے بعد ایسا کرنا معززین کو آنے ہوتے وقت کرنا اور ایسا کہنا پھر اس کا سائل کا وصیت سمجھنا بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ سائل نے لفظ وصیت اس وجہ سے تحریر کیا ہو کہ مرنے والے نے یہ لفظ کہا ہو کہ میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد الخ اور سائل نے اسی کے موافق تعبیر کردیا ہو پھر سائل بالغ کا کلام حتی الامکان صحیح ہوتا یہ سب قرائن مرجح انشاء ہیں بعت اشتریت باوجود ماضی ہونے کے انشا قرار دیئے جاتے ہیں لہذا عبارت مذکورہ کو خبر ہی میں حصر کرلینا صحیح کیسے ہو سکتا ہے اور وجدان بھی یہی قبول کرتی ہے کہ ایسے وقت یا کوئی کام کرچکنے کی اطلاع دی جاتی ہے یا آئندہ کے عمل کو کہا جاتا ہے اور یہ کہ ایک خبر جھوٹی اپنے مرتے وقت دینا اور پھر لوگوں کو اس پر گواہ کرنا وجدان قبول نہیں کرتی میری طبعیت میں اس کے انشا ہونے میں تامل نہ تھا کہ یہ انشا نہیں بلکہ خلجان تھا تو یہ کہ یہ الفاظ انشاء کہ " جائز وارث ہوگی " باوجود انشا ہونے کے ہم اس پر عمل کیسے کر سکتے ہیں اور غیر وارث کو وارث کیسے بنا سکتے ہیں اب یا تو اس کو لغو قرار دیں یا وصیت پر محمول کریں کوئی خاص جزئی یا نظیر نہ ملنے پر جناب کو تکلیف دی گئی۔ حمد اللہ غفر لہ'

(جواب ۵۲۴) (از حضرت مفتی اعظمؒ) صورت مسئولہ میں جملہ خبریہ کے خبر ہونے کا قرینہ بینہ تو لڑکی کو متبنی بنانا ہے۔ چونکہ مرنے والے نے اس کو متبنی بنایا ہوا تھا تو اس نے یہ سمجھ کر کہ وہ میری لڑکی ہی ہوگئی اور اس لئے وہ جائز وارث بن گئی ہے۔ اسی خیال کے موافق لوگوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا کہ میرے مرنے کے بعد یہ لڑکی جو میری متبنی ہے میری جائز وارث ہوگی اس سے مقصد تبنیت کا استحکام اور اس کے مزعومہ نتیجے یعنی جائز وارث ہونے کی تصدیق تھی۔ اور چونکہ یہ سب غلط اور خلاف شریعت ہے۔[1] اس لئے مردود ہے اگر وصیت مراد ہوتی تو لفظ جائز وارث کا استعمال نہ کرتا بلکہ کہتا کہ میری تمام جائیداد کی یہ لڑکی تنہا مستحق یا تنہا مالک ہوگی میری رائے تو یہی ہے اور غور کے بعد بھی اس کے خلاف سمجھ میں نہیں آیا۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

---

(۱) متبنی تینں اقسام ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام میں سے نہیں ہے لہذ اوراثت کا حقدار بھی نہیں ہے

کیا وصیت کا نفاذ حقوق لازمہ ادا کرنے کے بعد ثلث مال تک ہو گا؟

(سوال) ایک مرحومہ جس نے بعد انتقال اپنا ترکہ قسم زیور اور نقد روپیہ جس کی مالیت تین سو روپے لگائی جاسکتی ہے چھوڑا ہے مرحومہ ایک ہفتہ بیمار رہی بیماری کی حالت میں حسب ذیل وصیت کی (۱) میرا علاج کافی غور کے ساتھ کیا جاوے۔ (۲) بعد انتقال کافی پیمانہ کے ساتھ بہترین کھانا فقرا اور مساکین کو کھلوایا جاوے فاتحہ سوئم سے لیکر فاتحہ چہلم اور آئندہ فاتحہ برسی تک اسی اہتمام کے ساتھ میری وصیت پر عمل ہو۔ (۳) فاتحہ کے خرچ کے بعد جو باقی رہے وہ تم کو خوشی دیتی ہوں وصیت کے موقع پر میں اور میری والدہ صاحبہ موجود تھیں جو دونوں کے حق میں وصیت مرحومہ نے کی۔ (۴) ہمیشہ خدمات مرحومہ کی والدہ صاحبہ نے کی نیز بیماری کی حالت میں جو کچھ خدمت مجھ سے ہو سکی اس کو انجام دیا خدمت کا صلہ کہا جائے یا مرحومہ کی خوشی۔ (۵) والدہ صاحبہ کا رشتہ مرحومہ سے یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر اور والدہ صاحبہ کے والد بزرگوار حقیقی تایا چچازاد بھائی ہوتے تھے۔ (۶) مرحومہ کا ایک حقیقی بھتیجا اور دو حقیقی بھتیجیاں ہیں جن سے مرحومہ ہمیشہ ناراض رہی اور ہمیشہ نقصان کے درپے رہے اور نقصان پہنچاتے رہے باوجودیکہ مرحومہ ضعیف العمر تھی مرحومہ کا بھتیجا اور دونوں بھتیجیاں باہر رہتے ہیں سالہا سال گزر گئے کبھی زندگی و موت کی بھی خبر نہیں لی۔ (۷) طمع یا نفسانیت کو چھوڑ کر جس قدر مال جو قبضہ میں تھا سب پر ظاہر کر دیا گیا اور دکھا دیا گیا۔
المستفتی نمبر ۱۰۰۳ عزیز محمد سکندر آباد ۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ م ۱۸ جون ۱۹۳۶ء

(جواب ۵۲۵) مرحومہ کے انتقال پر جو ترکہ مرحومہ کا رہا ہو اور اس کی تجہیز و تکفین مشروع میں خرچ ہو کر بچا ہو اور مرحومہ کے ذمہ کوئی قرض نہ ہو تو اس باقی ترکہ کے ایک تہائی میں اس کی وصیت اس طرح جاری ہو گی کہ نصف تو ایصال ثواب میں شرعی طریق پر خرچ کیا جائے گا اور نصف ان دونوں کو ملے گا جن کو کل مال دینے کی وصیت کی ہے اور دو تہائی مرحومہ کے بھتیجے کو ملے گا۔[1] بھتیجیاں محروم ہیں ان کا مرحومہ کے ترکہ میں کوئی حق اور حصہ نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب)(از نائب مفتی صاحب) اگر مرحومہ کا حقیقی بھتیجا نہیں ہے تو اس کے دادھیال میں سے قریب یا بعید کا کوئی مرد ایک یا زائد ہوں گے تو یہ مال ان کو ملے گا۔ اور اگر مرحومہ کے دادھیال میں سے کوئی بھی نہ ہو گا تو مرحومہ کے ننھیال میں سے کوئی شخص یا زائد ہوں گے تو یہ ۳/۲ ان کو ملے گا لیکن جب تک کہ مرحومہ کے قرابت نسبی والوں کا حال نہیں لکھا جائے گا تو اس ۳/۲ کو تقسیم نہیں کیا جائے گا سائل کو چاہیئے کہ مرحومہ کے دادھیال کے قرابت داروں کو یا ننھیال کے قرابت داروں کو تحریر کرے تاکہ یہ دو تہائی ان پر تقسیم کر دیئے جائیں موافق حقوق شرعیہ کے۔ فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ۔

---

(۱) یبدأ من ترکة المیت الخالیة عن تعلق حق الغیر ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد ثم وصیته من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثته و فیه ایضا ثم عصبة الذکور ثم ذوی الارحام (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶ / ۷۶۱ ۷۷۲ ط سعید)

وصیت کے بعد بیہوشی کی حالت میں انتقال ہو تو وصیت کا کیا حکم ہے ؟

(سوال) ایک شخص نے وصیت کی پھر کچھ دنوں کے بعد بیہوش اور غافل ہو گیا اور یہ غفلت اور بیہوشی تین دن تک رہ کر اسی غفلت و بیہوشی میں انتقال ہو گیا اب یہ وصیت باطل ہوئی یا نہ ؟ غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار جلد ۴ باب الوصیۃ کی اس عبارت (اگر وصیت کی پھر موصی کو وسواس نے لیا یہاں تک کہ بیہوش اور غافل ہو کر مر گیا تو وصیت باطل ہے) کا کیا مطلب ہے ؟ المستفتی نمبر ۱۵۸۶ حافظ سید محمد حسین صاحب (مانڈلے برما) ۳ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ م ۱۸ جولائی ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۶) اس صورت میں وصیت باطل نہیں غایۃ الاوطار سے جو عبارت نقل کی ہے یہ در مختار میں خانیہ سے منقول ہے اور شامی نے اس پر لکھا ہے کہ مخبوط الحواس بھی چھ ماہ تک رہے تو وصیت باطل ہو گی تو تین دن تک غفلت میں رہنے سے بطلان وصیت اس قول کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ [1] فقط (شامی جلد پنجم ص ۴۳۹) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

دوسرے ورثاء کے ہوتے ہوئے داماد اور بیٹی کو کل مال کا وارث بنانا

(سوال) ایک مسلمان بیوہ اولاد ذکور نہ ہونے کی حالت میں دیگر نزدیکی خاندان، رشتہ داران کے مقابلہ میں (جو بصورت دیگر بیوہ مذکورہ کے وارث مابعد ہوتے ہیں) حسب وصیت شوہر متوفی اپنی دختر اور داماد کو شرعاً اپنا وارث ہر قسم قرار دے سکتی ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۱۷۷۴ بھونراشاہ (ریاست کوٹہ) ۱۴ رجب ۱۳۵۶ھ م ۲۰ ستمبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۷) اگر دیگر وارث ایسے موجود ہیں جو اولاد اناث کے ساتھ مستحق ترکہ ہوتے ہیں تو بیوہ مذکور اپنی لڑکی اور داماد کو کل ترکہ کا وارث قرار نہیں دے سکتی۔ [2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،

بیوی کے حق میں وصیت کا حکم

(سوال) سلیمان بیگ لاولد فوت ہو گیا اس کی بیوہ کہتی ہے کہ میرا خاوند مجھ کو وصیت نامہ تحریر کر گیا ہے کہ تم کو میری کل جائیداد کا اختیار حاصل ہے کیا یہ وصیت بیوہ کے حق میں درست ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۲۰۶۲ یعقوب خاں (کلیانہ) ۷ ارمضان ۱۳۵۶ھ م ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۲۸) اول تو یہ تحقیق طلب ہے کہ آیا کوئی وصیت نامہ لکھا بھی گیا ہے یا نہیں پھر اگر وصیت نامہ ثابت ہو جائے تو وہ بھی چونکہ بیوی وارث ہے اس کے حق میں وصیت نامہ غیر معتبر ہے۔ [3] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) فی الشامیۃ: تحت قولہ الدر "فصار معتوھا" وانظر ھل نعتبر فیہ المدۃ المعتبرۃ فی الجنون الطاھر نعم ادلا فرق بینھما لان الزمان مسکرا ستۃ اشھر (الدر المختار' کتاب الوصایا ۶ / ۶۶۳ ط سعید)

(۲) بیوی کو تو کل نہیں کیونکہ وہ وارث ہے "لا وصیۃ لوارث" اور داماد کو صرف ثلث کی حد تک کیونکہ غیر وارث اجنبی ہے۔

(۳) لقولہ علیہ السلام "لا وصیۃ لوارث" (رواہ الترمذی' باب ماجاء لا وصیۃ لوارث ۲ / ۳۲ ط سعید)

عمرو کو ہبہ کی ہوئی جائیداد ان کی وفات کے بعد واپس نہیں لی جاسکتی

(سوال) خالد کی تین بیبیاں زینب' آمنہ' فاطمہ تھیں جن سے حسب ذیل اولاد نرینہ تولد ہوئی۔(۱) بی بی زینب سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا۔(۲) بی بی آمنہ سے دو لڑکے بکر اور زید پیدا ہوئے۔(۳) بی بی فاطمہ سے دو لڑکے یزید و خطاب پیدا ہوئے۔ خالد نے قانون وقت کے مطابق جو شرعی نہ تھا بلکہ رسم ورواج وقت تھا اپنی جائیداد کے تین حصے کئے اور اپنی حین حیات میں ہر ایک حصہ دار کو حصہ باقبضہ دیدیا اور برائے رفع فساد خالد نے مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو ایک وصیت نامہ تحریر کر کے حاکم وقت ڈپٹی کمشنر ضلع پشاور کے دفتر میں محفوظ رکھا اور چند معتبر ذی اقتدار اشخاص کے نام بطور گواہ دستخط درج فرمائے اور یہ خاص کر تحریر کردیا کہ میری تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں نے خود تقسیم کردی ہے اگر میری اولاد میری حیات یا بعد وفات کوئی جھگڑا کرے تو اس وصیت نامہ کی تحریر کے پابند ہوں گے اور نیز عمرو پسرم کو جو سب سے بڑا ہے میں نے سال ۱۸۹۶ء سے سوئم حصے کا قبضہ دیدیا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں عمرو نے خالد کی حیات میں انتقال کیا اور اس کے دو بیٹے پیچھے رہے جو کہ عمرو کے حصے پر قابض ہوگئے اب عمرو کے مرنے کے ۹ سال بعد ۱۹۳۸ء میں خالد نے انتقال کیا اور خالد نے مرنے سے پہلے چند یوم پھر اپنے چالیس سالہ وصیت نامہ کو دہرایا اور اپنے قبائل کے بزرگان کو طلب کر کے حرف بحرف پھر کہہ دیا اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کوئی فساد و تنازعہ نہ ہو اب خالد نے انتقال کیا اور اس کی اولاد متذکرہ بالا میں اس امر کا جھگڑا ہے کہ وہ عمرو کے بیٹوں کو تصرف مالکانہ سے محروم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمرو کے بیٹے اس کی وراثت کے مستحق نہیں ہیں اور خالد کے وصیت نامہ کو کالعدم تصور کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ از سر نو تقسیم اس طرح ہو کہ عمرو کا حصہ خالد کے ترکہ میں ملا کر عمرو کے بیٹوں کو حصے سے محروم کیا جائے اس لئے کہ عمرو نے خالد کی حیات میں انتقال کیا تھا کیا خالد کے عمرو سے بعد میں وفات ہونے پر عمرو کے بیٹے عمرو کے حصے کے حق دار ہیں یا کہ عمرو کا حصہ بھی خالد کے ترکہ کے ساتھ ملا کر عمرو کے باقی بھائی آپس میں تقسیم کریں گے کیا شریعت میں اس وصیت نامہ کا اعتبار ہے یا نہیں اور کیا شریعت قبضے واپس لیتی ہے؟ **المستفتی نمبر ۲۲۱۶** مرزا عبدالمجید صاحب (مردان) ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ م ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء۔

(جواب ۵۲۹) خالد کا وصیت نامہ وارثوں کے حق میں غیر معتبر ہے۔[۲] عمرو کے بیٹے جس جائیداد پر قابض ہیں وہ ان کے باپ عمرو کو ہبہ کردی گئی تھی اور قبضہ دیدیا گیا تھا اور تیس سال وہ قابض رہا اس کے بعد اس کے بیٹے نو سال تک قابض رہے اس لئے وہ جائیداد اب خالد کے ترکہ میں شامل نہیں ہوسکتی بلکہ وہ عمرو کے بیٹوں کی ملکیت ہے۔[۳] وصیت نامہ میں خالد نے پوتوں کے لئے کیا وصیت کی ہے اس کی تفصیل سوال

---

(۱) لقوله عليه السلام : لا وصية لوارث (رواه الترمذي باب ماجاء لاوصية لوارث ۲ / ۳۲ ط سعيد)
(۲) لقوله عليه السلام : لا وصية لوارث (رواه الترمذي ۲ / ۳۲ ط سعيد)
(۳) و تتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلا لملك الواهب لا مشغولا به (الدر المختار كتاب الهبة ۵ / ۶۹۰ ط سعيد)

میں مندرج نہیں ہیں اس کی تفصیل معلوم ہوتی تو بقیہ جائیداد میں سے بھی ممکن ہے کہ پوتوں کو کچھ ملتا ہو۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

بیٹی کے لئے کل ترکہ کی وصیت بیٹوں کی رضامندی کے بغیر کرنا

(سوال) مرض الموت میں انتقال سے چار یوم قبل متوفیہ نے ایک وارث کے حق میں وصیت نامہ مکمل تحریر کرادیا کہ بعد وفات میرے کل ترکہ کی مالک میری دختر ہو گی کیا بلا رضامندی دیگر ورثا کے یہ وصیت نامہ جائز ہو گیا یا ناجائز؟ اگر وصیت نامہ جائز ہے تو موصی لہ ایک ثلث پانے کا مستحق ہو گا یا نہیں۔ متوفیہ کے وارث ایک دختر اور تین بھائی حقیقی ہیں اور ہر ایک وارث کو کس قدر سہام پہنچتے ہیں۔ المستفتی نمبر ۲۲۹۰ محمد عبدالغفور صاحب (بلند شہر) ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ ۲ جون ۱۹۳۸ء

(جواب ۵۲۰) وارث کے حق میں وصیت بلا رضامندی دیگر ورثا کے غیر معتبر ہے لہذا یہ وصیت جب کہ متوفیہ کے بھائی اس کو منظور نہ کریں نافذ نہ ہو گی۔[1] اور متوفیہ کی لڑکی نصف ترکہ کی مستحق ہے اور نصف میں تینوں حقیقی بھائی حصہ مساوی شریک ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

کیا خاص مدرسہ کے لئے وصیت کی صورت میں دوسرے مدرسہ میں کتابیں دی جا سکتی ہیں؟

(سوال) زید کی وصیت تھی کہ میری کتابیں فلاں مدرسہ میں (جہاں عرصہ دراز تک مدرس و مہتمم کی حیثیت سے کام کیا تھا) دیدینا تو کیا اسی مدرسہ میں دینا لازم ہے یا کل یا بعض کتابیں مدرسہ میں یا کسی عالم کو جو اس کا اہل اور ضرورت مند ہو دے سکتے ہیں اور بعض کتابیں جو مدرسہ میں زید نے اپنے مطالعہ کے لئے رکھی تھیں مہتمم مدرسہ سے واپس لے سکتے ہیں یا نہیں زید کے گھر والوں نے تین سال بعد مذکورہ کتابیں اپنی مسجد کے امام کو جو دور کا رشتہ دار ہونے کے علاوہ اہل و ضرورت مند ہے دے چکے ہیں اب وصیت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے واپس طلب کرنا ضروری ہے یا اسی کے پاس رہنے دی جائیں؟ المستفتی نمبر ۲۶۲۱ سید عبدالرحیم راندیر (سورت) ۱۹ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ ۲۶ جون ۱۹۴۰ء۔

(جواب ۵۲۱) اگر زید نے یہ وصیت کی تھی تو در حقیقت یہ وصیت بالوقف تھی کیونکہ کسی مدرسہ میں کتابیں دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس مدرسہ کے طلبہ کو تقسیم کردینے کے لئے دوسری یہ کہ مدرسہ کے کتب خانہ وقفیہ میں داخل کرنے اور طلبہ کی تعلیم میں کام آنے کے لئے ظاہر یہ ہے کہ وصیت دوسری قسم کی ہو گی پس ورثا پر لازم تھا کہ وصیت کو اس کی اصل شکل میں پورا کریں اور اسی مدرسہ میں کتابیں

---

(۱) ولا لوارثه وقاتله مباشرة الا باجازة ورثته لقوله علیه السلام لا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة وهم کبار عقلاء الخ (الدر المختار کتاب الوصایا ۶ / ۶۵۶ ط سعید)

(۲) ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وهو یعصبهن (سراجی فصل فی النساء ص ۷ ط سعید)

داخل کریں[1] الا یہ کہ کتابوں کی قیمت ثلث ترکہ سے زائد ہو اور زائد ثلث میں ورثا نے وصیت جائز نہ رکھی ہو تو اتنی مقدار زائد ثلث کو وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں دے سکتے ہیں۔[2] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

مختلف وصیتوں کا حکم

(سوال) زید مرحوم نے یکے بعد دیگرے تین عورتوں سے شادی کی پہلی عورت متوفیہ کے بطن سے دو لڑکے ہیں جو زید کے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں دوسری عورت متوفیہ کے بطن سے تین لڑکیاں ہیں تیسری عورت حیات کے بطن سے چار لڑکے دو لڑکیاں ہیں یہ عورت اور سب اولاد حیات ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں زید نے ایک وصیت نامہ لکھا ہے جس میں ذیل کے امور درج ذیل ہیں زید نے اپنی زندگی میں ایک مکان کا فی قیمت والا جس میں خود تا موت رہتا رہا اپنی تیسری عورت حیات کے چاروں لڑکوں کو بخشش اور ہبہ کر دیا جس کو چار پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن قبضہ میں زید ہی کے رہا اور عورت اور اس کی اولاد سب زید کے ساتھ اسی مکان میں رہتے ہیں اس مکان میں پہلی دوسری عورت کی اولاد کو اور تیسری عورت کی لڑکیوں کو کچھ حق نہیں دیا ان دونوں عورتوں کی اولاد کی شادی ہو چکی ہے اور شادی میں دونوں لڑکوں کا خرچ ہوا ہے زید نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ اس مکان میں ایک ہزار روپیہ کا سامان حیات عورت کا ہے اس سامان کی کوئی تفصیل نہیں کہ کیا کیا چیز عورت نے اپنے روپے سے خریدی ہے عورت کے پاس کسی اور طریق سے کوئی آمدنی کی صورت نہیں ہے جس سے ایک ہزار کا اسباب خریدے جس کی کوئی تعیین نہیں ہے کیا شرعاً اس وصیت نامہ کے اقرار پر عمل ہوگا جب کہ دوسرے وارث راضی نہ ہوں۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیات عورت کے پاس جو زیور ہے وہ میں نے اس عورت کو بخشش کر دیا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے کیا یہ ہبہ صحیح ہے۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حیات عورت کے لڑکوں کی عورتوں کو جو زیور کپڑے وغیرہ میں نے چڑھائے ہیں وہ میں نے ان کے خاوندوں کو بخشش کر دیا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے کیا زیور ہے کتنی قیمت کا ہے کوئی تفصیل نہیں کیسے کپڑے ہیں کس قیمت کے ہیں کچھ بیان نہیں ہے۔

زید نے اپنے مرض موت میں جب اس سے اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا اور رات دن مرض بڑھتا جاتا تھا اس وقت اپنی حیات عورت کو دوسرا مکان بخشش کر دیا اور اس بخشش کے چار ماہ بعد زید فوت ہو گیا بخشش کے وقت اپنے دستخط کرنے میں بھی دشواری اور دقت ہو گئی تھی زبردستی دستخط ہوئے یہ مرض موت میں جو ہبہ عورت مذکورہ کو کیا ہے شرعاً صحیح ہوا ہے یا نہیں اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو ایک مکان بخشش کیا اور موت کے وقت اس عورت کو دوسرا مکان بخشش کیا اور اسی عورت کو اور اس کی اولاد کو زیور اور کپڑے چڑھاوے

---

(۱) فی الشامية تحت (قوله على المذهب) فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية (الدر المختار كتاب الوقف ۴/۳۴۳ ط سعيد)

(۲) کیونکہ زائد از ثلث وصیت کے وہ پابند ہیں ان کی ملک ہے جہاں چاہیں دیں۔

وغیرہ کے سب بخش کردیئے۔

زید نے اسی وصیت نامہ میں یہ لکھا ہے کہ میری موت کے بعد میری حیثیت کے مطابق کفن دفن کیا جائے اور چار سو روپے زیارت تیجا چوتھا میں خرچ کیا جائے اور دو ہزار روپے مجھ کو سال بھر تک ثواب پہنچانے کے لئے خرچ کیا جائے لیکن خرچ کرنے والے سے دوسرے وارث کوئی حساب کتاب نہ لیں اس کے بعد میں اپنی ملک میں سے ایک تہائی مال وقف کرتا ہوں اور دو تہائی مال وارث آپس میں شریعت کے مطابق تقسیم کرلیں جو تہائی وقف کیا ہے اس کی آمدنی سے ہر برس مولود کا کھانا کرنا جس میں چار سو سے پانچ سو روپے خرچ کئے جائیں اور ہر برس رمضان میں افطاری کے لئے ایک سو روپے خرچ کئے جائیں اور ہر ماہ پیران پیر کی گیارہویں کی نیاز میں سوا روپیہ صرف کیا جاوے اور میری ہر برسی پر ثواب کے لئے قرآن شریف پڑھوایا جائے اور پڑھنے والوں کو پندرہ سے بیس روپے کا کھانا پکا کر کھلانا چاہیئے۔

میری زندگی کے بعد میری اولاد میں جو بچے شادی سے رہ گئے ہیں ان کی شادی کے وقت ہر ایک بچے کو تین ہزار روپے اس میں سے دیئے جائیں اگر وقف کی آمدنی کم ہو تو اوپر سے خرچ موقوف کرکے شادی کرنے والوں کے لئے ہر ماہ روپیہ تھوڑا تھوڑا جمع کرکے شادی کے وقت تین ہزار روپیہ دینا چاہیئے اسی طرح اور کسی کام کاج میں میرے بچوں کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس میں سے مدد کی جائے نیز ٹرسٹی وغیرہ کو ضرورت ہو تو انہیں بھی امداد دینی چاہیئے۔

اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے جو بڑا مکان چاروں لڑکوں کو بخش کردیا ہے اس کا تمام خرچ ٹیکس روشنی پانی کے نل رنگ و روغن مرمت وغیرہ میں جو کچھ خرچ ہوتا رہے اسی تہائی میں سے صرف کیا جائے یہ وصیت نامہ ۱۹۳۵ء اگست میں لکھا گیا ہے اور زید کا انتقال جنوری ۱۹۴۲ء میں ہوا اس وصیت نامہ کی رو سے پہلی اور دوسری عورت کی اولاد کے حقوق میں بہت کمی ہوگئی ہے تیسری عورت زندہ کو ایک مکان اور زیور ایک ہزار روپیہ کا سامان بخش کیا ہے اور اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو بڑا مکان بھی بخش کرچکا ہے اور اسی عورت کے لڑکوں اور لڑکیوں کو چڑھاوے کے زیور اور کپڑے بخش کردینا لکھا ہے اور اسی عورت کے بچے جو شادی شدہ نہیں ہیں ان کو تین تین ہزار روپے بھی شادی کے لئے وقف سے دینے کے لئے لکھا ہے اور اسی عورت کے چاروں لڑکوں کو جو بڑا مکان بخش کیا ہے اس کا تمام خرچ مرمت وغیرہ اسی وقف سے دینے کو لکھا ہے کہ ان تمام باتوں اور شرطوں پر میرے مرنے کے بعد عمل ہو۔

شریعت مطہرہ اس کے لئے کیا حکم فرماتی ہے کیا یہ شریعت کے مطابق ہے اگر دوسرے وارث راضی نہ ہوں تو بھی اس پر عمل ہوگا وصیت نامہ کو دیکھتے ہوئے حیات عورت اور اس کی اولاد کو میراث کے حق کے علاوہ بہت کچھ دیدیا گیا ہے اور دوسروں کے حقوق کم کردیئے گئے ہیں؟ **المستفتی نمبر ۲۶۹۵** غلام حسین محمد یوسف (راندیر سورت) ۷ محرم ۱۳۶۱ھ م ۲۵ جنوری ۱۹۴۲ء۔

(جواب ۵۳۲) موت سے چار پانچ سال پہلے جو مکان اپنے چار لڑکوں کو ہبہ کیا گیا تھا اگر وہ ہبہ مشاع

اور مکان قابل تقسیم تھا تو یہ ہبہ نافذ نہ ہو گا اول تو بوجہ مشاع[1] ہونے کے دوم بوجہ قبضہ نہ دینے کے۔[2]

وصیت نامہ میں اس نے عورت کے لئے ایک ہزار روپے کے سامان کا اقرار کیا ہے لیکن مقربہ مجہول ہے کہ کیا کیا چیزیں عورت کی ملک ہیں لہذا یہ اقرار بھی غیر معتبر ہے[3] چونکہ درحقیقت یہ اقرار نہیں ہے بلکہ عورت کے لئے اس کی ملک کی شہادت ہے اور شہادت مجہولہ معتبر نہیں۔[4]

زیور کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ میں نے اسے بخش دیا ہے یہ اقرار ہبہ ہے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ کب بخش دیا ہے آیا صحت میں یا مرض میں پس ہبہ بھی غیر معتبر ہے۔[5] ان دونوں صورتوں میں عورت اگر ایک ہزار کے سامان اور زیور کی ملک کا دعویٰ کرے تو اس کو سامان کی ملکیت اور زیور کی ہبہ صحت ہونے کی شہادت پیش کرنی ہو گی۔

لڑکوں کی عورتوں کو زیور اور کپڑے جو دیئے ہیں دونوں کے خاوندوں (یعنی اپنے لڑکوں) کو بخش دیئے ہیں اس میں بھی زمانہ ہبہ معلوم نہیں ہوا کہ دیتے وقت بخش دیئے تھے یا اب مرض میں۔ اگر صحت میں بخشے تھے تو لڑکوں کے قبضہ میں دیئے تھے یا نہیں اگر دیئے زوجۃ الابن کو اور بخشے لڑکے کو تو ہبہ صحیح نہیں اور مرض میں بخشے تو وارث کے لئے ہبہ مرض صحیح نہیں غرضیکہ یہ بھی ناقابل اعتبار ہے اس میں بھی اگر لڑکے مدعی ہبہ ہوں تو ہبہ مقبوضہ فی الصحۃ کی شہادت ان کے ذمے ہو گی۔[6]

مرض میں جو مکان اپنی عورت کو ہبہ کیا وہ ہبہ بھی صحیح نہیں ہے۔[7]

کفن دفن کے معمولی مصارف تو ترکہ میں سے لئے جائیں گے اور وہ وصیت پر مقدم ہیں۔[8] لیکن چار سو روپے خیرات کے اور دو ہزار روپے سال بھر ایصال ثواب کے اسی ثلث میں شامل ہوں گے جو وصیت کے لحاظ سے وقف ہو گا اور وجہ مسنون مشروع کے موافق صدقہ کرنا ہو گا زیارت اور گیارھویں اور مولود کے کھانے میں خرچ نہ ہوں گے۔[9] ادائے دیون کے بعد ایک ثلث ترکہ کو وقف کرنے کی وصیت ہے یہ نافذ ہو گی اور اس کی آمدنی میں سے مصارف مشروعہ کئے جائیں گے غیر شادی شدہ لڑکوں کو اس وقف کی آمدنی

---

(۱) والمانع من تمام القبض شیوع مقارن للعقد (الدرالمختار' کتاب الهبة ٥/ ٦٩٣)

(۲) لا تتم بالقبض فیما یقسم ولو وهبه لشریکه اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل ' الیٰ قوله' فان قسمه و سلمه شائعاً لا ینفذ تصرفه فیه (الدرالمختار' کتاب الهبة ٥ /٦٩٢ ط سعید) .

(۳) اقر حر مکلف بحق معلوم او مجهول صح لان جهالة المقربه لا تضر الی قوله ولزمه بیان ما جهل الخ (الدرالمختار' کتاب الاقرار ٥/ ٥٩٠ ط سعید) واضح ہو کہ یہاں چونکہ مقر فوت ہو چکا ہے لہذا بیان متعذر ہے۔

(۴) عدم ہبہ تو یقینی ہے اور وجود ہبہ مشکوک ہے کیونکہ اگر صحت میں ہو تو ٹھیک اور اگر مرض میں ہو تو غلط وفی الدر: بخلاف الهبة لها فی مرضه (الدرالمختار' باب اقرار المرض ٥/ ٦١٥ ط س)

(٥) والهبة وان کانت منجزة صورة فهی کالمضاف الی ما بعد الموت حکماً لان حکمها یتقرر عند الموت (الدرالمختار' کتاب الوصایا ٦ /٦٥٩ ط سعید)

(٦) وجاء فی روایة البیهقی باسناد حسن او صحیح زیادة عن ابن عباس مرفوعاً لکن البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر (مشکوة ص ٣٢٦ ط سعید)

(٧) وبخلاف الهبة لها مرضه الخ (الدرالمختار ٤/ ٤٦٤ ط سعید)

(٨) ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله (سراجی ص ٣ ط سعید)

(٩) اوصی بان یطین قبره او یضرب علیه قبة فهی باطلة کما فی الخانیة وغیرها (الدرالمختار ٦/٦٦٦ ط سعید)

میں سے وہ رقم جو بتائی ہے بشرطا تنی رقم ہونے کے دی جائے گی اسی طرح اس وقف کی آمدنی میں سے جس بچے کو حاجت ہو اس کی امداد کی جا سکے گی۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

وصی صرف اجرت مثل لے سکتا ہے۔

(سوال) زید نے مرتے وقت ایک دکان اور کچھ جائیداد جس میں مکانات وغیرہ شامل ہیں چھوڑی مرحوم نے اپنی دکان اور جائیداد کے لئے محمد صالح اور غلام محی الدین کو وصی اور محافظ مقرر کیا مرحوم کی حیات میں یہ دونوں اشخاص مرحوم کے تنخواہ دار ملازم تھے غلام محی الدین دکان کا تمام انتظام اور کاروبار سنبھالتا تھا اور دکانداری میں کافی تجربہ کار تھا محمد صالح مکانات کا کرایہ وغیرہ وصول کرتا تھا اس کو دکان کا کوئی تجربہ نہ تھا اور نہ مرحوم کی حیات میں دکان سے کوئی تعلق تھا بدیں وجہ مرحوم نے محمد صالح کو صرف وصی اور محافظ بنایا اور دکان کا انتظام اسکے سپرد نہ کیا لیکن غلام محی الدین کو ایک تیسرے شخص اسماعیل ابراہیم کے ساتھ (جو نہ وصی ہے نہ محافظ) دکان کا مہتمم اور منتظم بھی مقرر کیا اس طرح غلام محی الدین وصی اور محافظ جائیداد ہونے کے علاوہ دکان کا ناظم بھی ہوا اب یہ چیزیں غور طلب ہیں :

(۱) غلام محی الدین دکان میں سیلز مین (مال فروخت کرنے والے ملازم) کے فرائض کے علاوہ نظامت بھی انجام دے رہا ہے۔

(۲) وصیت نامہ میں اس تنخواہ کا جو غلام محی الدین کو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

(۳) وصیت نامہ میں مرحوم نے غلام محی الدین کو دکان کے خالص منافع میں سے ایک چوتھائی کا حصہ دار مقرر کیا ہے۔

اب غلام محی الدین اپنی اس تنخواہ کے علاوہ (جو مرحوم کی حیات میں ملتی تھی) وہ منافع بھی لے رہا ہے جس کی مرحوم نے وصیت فرمائی ہے دریافت طلب یہ ہے کہ محی الدین کو شرعاً تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۲۶۴۹ غلام محی الدین رنگون (برما) ۱۶ رجب ۱۳۵۹ھ م ۲۱ اگست ۱۹۴۰ء

(جواب ۵۳۳) وصی کو تنخواہ اور منافع کا ۱/۴ دونوں چیزیں لینا حلال نہیں وہ صرف وصایت اور کاروبار کے عمل کی اجرت مثل لے سکتا ہے یعنی وہ دکان کا کام کرے اور وصایت کے سلسلے میں انتظام وغیرہ بھی کرے اور اس تمام عمل کے مقابلے میں اس کو تنخواہ دی جائے (خواہ تنخواہ کی مقدار وہی ہو جو پہلے ملتی تھی یا کسی قدر زیادہ) تو وہ اسے لینا حلال ہے۔ پھر نفع میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور یہ جائز نہیں کہ وہ تنخواہ نہ لے

---

(۱) قولهم شرط الواقف كنص الشارع اى في المفهوم والدلالة و وجوب العمل به في الشامية تحت (قوله شرط الواقف الخ) نحن لا نقول بالمفهوم في الوقف (الى قوله) فاذا قال وقفت علىٰ اولادى الذكور يصرف الى الذكور منهم بحكم المنطوق واما الاناث فلا يعطى لهن لعدم ما يدل على الاعطاء الخ (الدرالمختار' كتاب الوقف ٤/ ٤٣٣ ط سعيد)

اور صرف نفع کے ۱/۴ پر کفایت کرے کیونکہ یہ صورت مضاربت کی ہے اور وصی مال یتیم میں مضاربت نہیں کر سکتا الا یہ کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب رضامندی سے از سر نو یہ معاملہ کریں تو پھر ان کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا مرحوم کی وصیت کے ماتحت نہ ہوگا یہ بھی جائز ہے کہ وہ وصی بننے سے دستبردار ہو جائے پھر بحیثیت مضارب اس کو کام کرنے کا حق ہوگا۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ ' دہلی

مختلف چیزوں کے بارے میں وصیت کا حکم

(سوال) مسمی غلام محمد نے بعارضہ ہیضہ صرف ایک روز مبتلا رہ کر ۲۹ جون ۱۹۱۹ء کو انتقال کیا مرض موت سے دو روز پیشتر انہوں نے گجراتی زبان میں ایک وصیت نامہ لکھا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

میں غلام محمد احمد بھائی میاں نگدا قوم سنی بوہرہ راندیر کی جماعت کا عمر اندازاً ۲۴ سال ساکن راندیر محلہ تائی واڑہ ٹیکہ نمبر $\frac{245}{362}$ /4 ہوں میں بدرستی ہوش و حواس و ثبات عقل یہ آخری وصیت نامہ لکھتا ہوں۔ اس وصیت نامہ سے ٹرسٹی میری ماں عائشہ بی بی بنت محمد قاسم اور مولانا محمد ابراہیم حافظ اسمٰعیل اور ابراہیم ہاشم اسمٰعیل ہیں میں ان تینوں کو مقرر کرتا ہوں اور اختیار دیتا ہوں کہ میرے نیچے لکھے ہوئے کے مطابق یہ لوگ بذات خود یا بذریعہ اپنے قائم مقام کے میری وصیت کا کام بجا لائیں میرے اصلی حق دار دو وارث موجود ہیں جن کے نام یہ ہیں میری ماں عائشہ بی بی بنت محمد قاسم عمر ۴۴ سال میری بیوی خدیجہ بی بی بنت یوسف بو عمر اندازاً اٹھارہ سال میری جائیداد یہ ہے تائی واڑہ میں گھر ٹیکا نمبر $\frac{245}{362}$ /4 اور میرے باپ کی جائیداد میں جو مجھ کو وراثتہ پہنچا ہو اور جو زیورات میرے باپ کے تھے ان میں سے جو کچھ میں نے بیچا ان کا حساب میں نے نہیں رکھا لہذا اس کے متعلق جو کچھ میری ماں بتلائے اس کو درست سمجھا جائے میری ماں عائشہ بی بی کے پانچ ہزار روپے مجھ پر قرض ہیں ان کے عوض میں میرا مکان راندیر والا میری ماں کو دیدیا جائے اس میں ان کو ان کی زندگانی تک رہنے دیا جائے اگر ورثہ نہ رہنے دیں اور ایذا پہنچائیں تو میری والدہ کو اختیار ہے کہ پانچ ہزار روپے ورثہ سے وصول کر لے میرے مرنے کے بعد دو ہزار روپے میری ماں کو دیئے جائیں کہ اس میں کفن دفن اور سال بھر تک ایصال ثواب کرتی رہیں لیکن ان سے اس روپے کا حساب کتاب نہ لیا جائے میرا جو کچھ کپڑا لتا ہے اس کی بابت میری ماں کو اختیار ہے جس کو چاہیں دیں۔ کسی دوسرے کو اختیار نہیں ہے میری جائیداد کا ثلث حصہ چار جگھوں میں برابر برابر دلایا جائے وہ چار جگہیں یہ ہیں مدرسہ امینیہ دہلی' مدرسہ مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون' مدرسہ سہارنپور مولانا خلیل احمد صاحب مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند' یہ جملہ وصیت بحضور شاہدین ۷ ۲ جون ۱۹۱۹ء دن جمعہ راندیر میں ہوش کے ساتھ کرتا ہوں جو کچھ باتیں میں نے لکھی ہیں سب کو قبول کرتا ہوں گواہ شد اعظم ہاشم ٹیلی' گواہ شد محمد اسمٰعیل مودن۔

---

(۱) یہ سوال و جواب ص ۱۱۷، ۱۱۸ پر گزر چکے ہیں حوالہ جات وہیں ملاحظہ فرمائیں

پھر اس کے بعد متوفی نے بحالت مرض موت زبانی چار مدارس مذکورہ وصیت نامہ کے ساتھ پانچویں مدرسہ "بالا پیر" کو بھی شامل کیا نیز اسی حالت میں زبانی یہ بھی وصیت کی کہ میری طرف سے تین ہزار روپے خرچ کر کے حج کرایا جائے پس ارشاد ہو کہ :

(۱) تحریری وصیت نامہ میں متوفی نے دو ہزار روپے ایصال ثواب وغیرہ کے لئے اور جائیداد کا تہائی حصہ چار یا پانچ مدارس کے لئے اور کپڑا التادید ینے کے لئے اور زبانی وصیت میں تین ہزار روپے حج کے لئے بتائے ہیں پس جب کہ وصیت کا نفاذ کل مال کی تہائی میں ہوتا ہے تو ان جملہ وصایا کا نفاذ اس موجودہ صورت میں کس طرح ہوگا ؟

(۲) آیا متوفی کا اپنی ماں کے لئے پانچ ہزار روپے کا اقرار کرنا صحیح ہے ؟

(۳) اگر ورثہ مکان میں عمر بھر ماں کو رہنے دیں تو کیا یہ پانچ ہزار روپے جو کہ موصی کے ذمہ تھے عمر بھر سکونت کا معاوضہ قرار پائیں گے ۔ ؟

(۴) وصیت نامہ میں متوفی نے ایصال ثواب وغیرہ کے لئے دو ہزار روپے کی رقم متعین کردی تھی لیکن اس کی ماں نے دو ہزار سے زائد خرچ کر دیئے ہیں پس بحالت موجودہ دو ہزار روپے شرعاً بھی متعین ہو جانے کی صورت میں یہ زائد روپیہ میت کے مال سے لیا جائے گا یا ماں کے ذمہ عائد ہوگا ؟

(۵) زبانی وصیت میں پانچویں مدرسے کو بھی شامل کیا ہے تو آیا اس پانچویں مدرسے کو بھی دیا جائے گا یا نہیں ؟

(۶) وصیت نامہ میں تین ہزار روپے سے حج کرانے کا ذکر نہیں ہے پس یہ زبانی وصیت جاری کی جائے گی یا نہیں ؟ اگر جاری کی جائے گی تو پورے تین ہزار میں یا کم میں پھر اس مقدار معینہ عنداللہ شرع میں بحالت گنجائش کئی حج کرائے جائیں یا صرف ایک حج کرا دینا جس قدر روپے میں بھی ہو جائے کافی ہوگا کئی حج کرانے کی صورت میں اگر مقدار معینہ میں سے صرف کر کے اس قدر تھوڑی رقم باقی رہ جائے جس سے ایک حج کے مصارف پورے نہ ہوں تو اس بقیہ تھوڑی رقم کو کیا کیا جائے نیز یہ ایک حج یا کئی حج کس جگہ سے کرائے جائیں ۔

(۷) وصیت نامے میں پانچ ہزار روپے کا صراحۃً اقرار ہے کہ میری ماں کی اس قدر رقم میرے ذمہ ہے اور باپ کے زیورات بیچنے کا ذکر ہے لیکن متوفی کی ماں کل چودہ ہزار چار سو پچیس روپیہ اپنا باقی بتاتی ہیں جس کی تفصیل یہ ہے راندیر کے مکان کی تعمیر دو ہزار روپے ۱۹۱۶ء میں رنگون آنے کے وقت ایک ہزار روپے متوفی کی بیوی کا زیور تین ہزار روپے متوفی کی بیوی کے کپڑے دو ہزار روپے متوفی کے نکاح ثانی کا خرچ آٹھ سو روپے متوفی کی زوجہ اولیٰ مطلقہ کے مہر و عدت کا خرچ چھ سو پچیس روپے مطابق وصیت نامہ پانچ ہزار روپے پس ارشاد ہو کہ آیا ماں کا یہ بیان شرعاً معتبر سمجھا جائے گا یا نہیں ؟ بلحاظ مزید توضیح یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ متوفی کے بتلائے ہوئے وارثوں کے علاوہ ایک اس کی بہن بھی ہے نیز بیوی حاملہ ہے فقط بینوا توجروا ؟

(جواب ٥٣٤) زیورات کے متعلق یہ بیان کہ جو کچھ میری ماں بتلائے اس کو درست سمجھا جائے اور ماں کے لئے پانچ ہزار روپے کا اقرار یہ دونوں باتیں غیر معتبر ہیں۔[1] بلکہ بینہ شرعیہ سے جو چیز میت کے ذمہ ثابت کردی جائے گی وہ ثابت ہوگی ورنہ محض اس اقرار سے کچھ ثبوت نہ ہوگا پس مکان کے متعلق والدہ کو رہنے دینے کی وصیت جو اقرار قرض پر متفرع تھی وہ خود بخود غیر معتبر ہوگئی اسی طرح کپڑے لتے کے متعلق یہ وصیت کہ میری والدہ کو اختیار ہے جسے چاہیں دیں یہ بھی غیر معتبر ہے کیونکہ موصی لہم معین اور معلوم نہیں۔[2]

اب رہی یہ وصیت کہ ایصال ثواب کے لئے دو ہزار روپے والدہ کو دیئے جائیں اور وہ اپنے اختیار سے خرچ کریں یہ وصیت اگرچہ امام محمدؒ کے قول کے موافق صحیح ہے کہ وجوہ خیر میں یہ روپے صرف ہو سکتے تھے لیکن چونکہ آگے ثلث مال میں دوسری وصیت اور تیسری وصیت موجود ہے[3] اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ ثلث مال میں تین وصیتیں جمع ہوگئیں اول دو ہزار روپے مصارف تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کے لئے دوسرے ثلث مال میں پانچ مدرسے برابر کے شریک رہیں۔ تیسرے حج بدل کرایا جائے چونکہ میت کی وصیت صرف ثلث مال میں جاری ہوتی ہے اس لئے اگر کئی وصیتیں جمع ہو جائیں تو ثلث مال کو ان سب پر تقسیم کیا جاتا ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی وصیت ایسی ہو کہ اس کا کوئی مستحق متعین نہ ہو تو اس کو خارج کر دیا جاتا ہے یعنی اس کا حصہ نہیں لگتا۔[4] پس صورت مسئولہ میں ایصال ثواب والی وصیت بوجہ اس کے کہ اس کا کوئی خاص مستحق نہیں ساقط ہو جائے گی اب صرف دو وصیتیں رہ گئیں ایک حج بدل کی اور دوسری پانچ مدرسوں کی اور ان دونوں میں سے ایک فرض کی وصیت ہے یعنی حج بدل کی اور دوسری تطوع کی یعنی مدارس میں دینے کی اور فرض مقدم ہے اس لئے ثلث مال میں سے اول حج بدل کرایا جائے۔[5] اگر تمام ثلث اس میں خرچ ہو جائے تو مدارس کو کچھ نہ ملے گا اور اگر ثلث میں سے کچھ بچے تو پانچوں مدرسے بحصہ مساوی مستحق ہیں پانچواں مدرسہ اگرچہ بعد میں بڑھایا گیا ہے مگر وہ بھی پہلے چاروں کے ساتھ مل کر ان کے برابر حصے کا مستحق ہے۔[6] حج کے لئے جو مقدار مقرر کی ہے یعنی تین ہزار روپے وہ معتبر نہیں حج ہونا چاہئے خواہ کم میں

---

(۱) اقر حر مكلف اوغير ماذون بحق معلوم او مجهول صح ولزمه بيان ما جهل (الدرالمختار' كتاب الاقرار ٥/ ٥٩٠ ط سعيد) لیکن واضح ہو کہ یہاں اقرار کرنے والا فوت ہو چکا ہے اس لئے بیان ممکن نہیں لہذا اقرار بھی معتبر نہ ہوگا۔

(۲) قال اوصيتُ بثلثي لفلان او فلان بطلت عند ابي حنيفة لجهالة الموصى له (الدرالمختار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٩٦ ط سعيد)

(۳) اوصى بثلث ماله لله تعالىٰ فهي باطلة قال محمد تصرف لو جوه البر (الدرالمختار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٦٦ ط سعيد)

(٤) اذا اجتمع الوصايا الخ وما جمع فيه بين حقه تعالىٰ وحق العباد فانه يقسم الثلث علىٰ جميعها الىٰ قوله وان كان الادمي غير معين بان اوصى بالصدقة على الفقراء فلا يقسم (رد المحتار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٦١ ط سعيد)

(٥) في الشامية : تحت قول الدر قدم الفرض كالحج والزكاة والكفارات لان الفرض اهم من النفل والظاهر منه البداءة بالاهم (ردالمحتار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٦١ ط سعيد)

(٦) وبثلث ماله لرجل ثم قال لآخر اشر كتك اواد خلتك معه فالثلث بينهما (تنوير الابصار' كتاب الوصايا ٦/ ٦٧٥ ط سعيد)

ہو یا زیادہ میں حج مرحوم کے وطن سے ہونا چاہئیے۔[1] مال کا دعویٰ چودہ ہزار کا بغیر ثبوت شرعی کے معتبر نہ ہوگا جو مقدار بینہ سے ثابت ہو جائے گی وہ معتبر ہوگی۔ باقی غیر معتبر[2] والدہ نے اگر دو ہزار سے زیادہ روپیہ ایصال ثواب میں خرچ کر دیا ہو تو وہ خود ضامن ہوگی۔[3] اور دو ہزار کے اندر خرچ کیا ہو اور یہ مقدار ثلث سے زائد نہ ہو تو ضمان نہیں آئے گا۔

متوفی کے ورثا جو حسب بیان سائل مندرجہ ذیل ہیں زوجہ' والدہ' بیٹا' بہن ان میں متوفی کا ترکہ حسب ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا کہ کل مال کا (یعنی بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث) آٹھواں حصہ بیوی کو اور چھٹا حصہ والدہ کو اور باقی بیٹے کو دیا جائے گا بہن محروم ہے۔[4] فقط محمد کفایت اللہ غفر لہ' مدرس مدرسہ امینیہ' دہلی۔ جواب صحیح ہے' اشرف علی۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۹۳۸ء

وصیت کے لئے دوسری تحریر سے پہلی وصیت باطل ہو جائے گی

(الجمعیۃ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء)

(سوال) مسماۃ عائشہ بائی نے بعقل و ہوش روبرو گواہوں کے تندرستی کی حالت میں سادے کاغذ پر یہ مضمون تحریر کیا کہ میرے مرنے کے بعد میری تمام ملکیت روپیہ پیسہ مکان زمین گھر تمام سامان وغیرہ میں سے ایک روپے میں سے چار آنے مسجد مدات پھلیا و مسجد الٰہی و مدرسہ انجمن اسلام میں دے دیا جائے باقی بارہ آنے میرے وارثوں پر تقسیم کیا جاوے اور وہی دونوں گواہ وکیل ہیں ان میں سے ایک وکیل کے قبضے میں مرحومہ عائشہ نے اپنا مال و متاع سپرد کیا ہے جو کہ مرحومہ کے خاوند کی پھوپھی کا لڑکا ہے اور دوسرا گواہ مرحومہ کے باپ کی پھوپھی کا لڑکا ہے پھر پونے دو برس کے بعد عائشہ بائی مذکورہ نے بیماری کی حالت میں از سر نو دوسری تحریر سرکاری کاغذ پر بہ ہوش و حواس پلنگ پر بیٹھے بیٹھے روبرو تین گواہوں کے یہ لکھی کہ میں جو پیشتر تحریر کر چکی ہوں اس کو میں باطل کرتی ہوں اور اب یہ دوسری نئی تحریر کرتی ہوں جس کا مضمون یہ ہے کہ میں تمام ملکیت اور مال و اسباب روپیہ پیسہ مکان زمین وغیرہ تمام اشیاء اپنی نواسی مؤمن بائی کو دیتی ہوں اور اسی ایک کو وارث مقرر کرتی ہوں دوسری تحریر میں تین گواہ یہی تینوں کو وکیل بنایا اور اس نواسی کا

---

(۱) اوصی بحج احج عنہ راکبا من بلدہ' فی الشامیۃ لأن الواجب علیہ ان یحج من بلدہ والوصیۃ لاداء ماھو الواجب علیہ زیلعی (رد المحتار' کتاب الوصایا ۶:۶۶۳ ط س)

(۲) وجاء فی روایۃ البیہقی باسناد حسن او صحیح زیادۃ عن ابن عباسؓ مرفوعاً لکن البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (مشکوٰۃ ص ۳۲۶ ط سعید)

(۳) لا یجوز التصرف فی مال الغیر بلا اذنہ ولا ولایتہ الا فی مسائل مذکورۃ فی الاشباہ (وفی الشامیۃ) ذبح شاۃ القصاب ان بعد ما شد القصاب رجلھا لا یضمن والاضمن والاصل فی جنس ھذہ المسائل کل عمل لایتفاوت فیہ الناس یثبت الاستعانۃ من کل احد دلالۃ والا فلا' فلو علقھا بعد الذبح للسلخ فسلخھا آخر بلا اذنہ ضمن الخ (الدر ۴:۱۲۷ ط بیروت

(۴) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن' والسدس للام مع احدھما' و عند الانفراد یجوز جمیع المال و یقدم الاقرب فالا قرب کالابن (الدرالمختار' ۶/ ۷۷۵ ط سعید)

قبضہ مال وغیرہ پر جس کے نام اس نے تمام ملکیت کو لکھا ہے نہ اس وقت ہوا نہ اس وقت ہے بلکہ سامان اور روپیہ وغیرہ دوسروں کے قبضے میں ہے یعنی عائشہ بائی مرحومہ کے چچا کے بیٹے کا بیٹا اور دوسرے چچا کی بیٹی کا بیٹا اور تیسرا اجنبی شخص ہے ان تینوں کا قبضہ اس وقت سے اب تک ہے اب دریافت کرنا یہ ہے کہ عندالشرع وہ پہلی تحریر باطل ہے یا نہیں ؟

(جواب ۵۳۵) پہلی وصیت تو باطل ہو گئی[1] اب دوسری وصیت کے بموجب اس کی نواسی مومن بائی کو اس کے ترکہ کی ایک تہائی ملے گی اور باقی دو تہائی اس کے باپ کے چچا کے لڑکوں کا حق ہے۔[2] اگر ان دونوں سے اقرب کوئی اور عصبہ نہ ہو ورنہ جو عصبہ قریب ہوگا وہ مستحق ہوگا۔[3] محمد کفایت اللہ غفر لہ

کھانا کھلانے کنواں بنوانے اور مسجد کی تعمیر کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(الجمعیۃ مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۵ء)

(سوال) ایک فاحشہ عورت نے مرتے وقت چند آدمیوں کو وصیت کی ہے کہ میرے کچھ مال سے کھانا وغیرہ پکا کر کھلا دیا جائے اور باقی مال سے کنواں یا مسجد یا نیک کام پر صرف کر دیا جائے کنواں اور کھانا بعض آدمیوں نے اس کے مال متروکہ میں سے کر دیا باقی مال ایک نیک آدمی کے پاس امانت ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اب اس مال کو کہاں صرف کیا جائے ؟

(جواب ۵۳۶) اس مال کو محتاج مسلمانوں پر اس نیت سے خرچ کر دیا جائے کہ جو شخص اس مال کا اصل مستحق ہے اس کو ثواب پہنچے۔[4] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

مرض الوفات میں ورثاء اور غیر ورثاء کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(سوال) (۱) شخص بلا اولاد نرینہ ایک بیوہ ایک لڑکی اور ایک ہمشیرہ چھوڑ کر مر جاتا ہے اس کی تقسیم جائیداد کس طرح ہوگی ؟ جائیداد اسکی خود پیدا کردہ نہیں بلکہ جدی ہے۔ (۲) کیا متوفی کو اختیار ہے کہ اس جائیداد جدی کے لئے کوئی متبنی قرار دے ؟ (۳) کیا متوفی کسی نابالغ بچے عمر آٹھ سال کو جو اس کی خدمت گزاری کے لائق ابھی نہ تھا بعوض خدمت گزاری بلا رضامندی وارثان مذکورہ بالا کل جائیداد یا اس کا جزو دینے کا مجاز ہے یا نہیں ؟ (۴) کیا متوفی کو بلا رضامندی وارثان متذکرہ بالا وصیت کی رو سے بیوہ اور نام نہاد خدمت گزار نابالغ

---

(۱) وبخلاف قوله كل وصية اوصيتها فهي باطلة اوالذي اوصيت به لزيد فهو لعمرو او لفلان وارثي فكل ذالك رجوع عن الاول الخ (الدر المختار كتاب الوصايا ٦ / ٦٥٩ ط سعيد)

(۲) ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بين ورثته الذين ثبت ارثهم بالكتاب والسنة (الدرالمختار كتاب الفرائض ٦ / ٧٦١ ط سعيد)

(۳) ويقدم الاقرب فالا قرب الخ (الدر كتاب الفرائض ٦ / ٧٧٤ ط سعيد)

(٤) وفي القنية لو رجي وجود المالك وجب الايصاء فان جاء مالكها بعد التصدق خير بين اجازة فعله ولو بعد هلا كها وله ثوابها او تضمينه (الدرالمختار كتاب اللقطة ٤ / ٢٨٠ ط سعيد)

بچہ کو بحصہ مساوی سالم جائیداد کے دیدینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں ؟ (۵) وہ نابالغ بچہ جس کو متبنی بنایا گیا متوفی مسمی محمد کے چچا کا پڑپوتا ہے نام اس کا امام بخش ولد اللہ وسایا اور محمد متوفی کی بیوہ کا نام حیات بی بی ہے بہن کا نام خان بی بی اور لڑکی کا نام مسماۃ ست بھرائی ہے۔ (۶) کیا مرض الموت میں وصیت جائز ہو سکتی ہے ؟ (۷) بیوہ حیات بی بی اور امام بخش کو ثلث ثلث جائیداد ملے گی یا ہر ایک کو سدس ؟ یا نصف نصف ؟

المستفتی غلام سرور (ریاست بہاولپور) ۱۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

(جواب ۵۳۷) مرض الموت میں وصیت جائز ہے۔[۱] جائیداد جدی ہو یا اپنی پیدا کردہ ۔ وصیت سب میں ہو سکتی ہے ایک ثلث میں وصیت جاری ہوتی ہے اس کے جواز و نفاذ کے لئے وارثوں کی اجازت و رضامندی ضروری نہیں۔[۲] وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہوتی۔[۳] متبنی کا کوئی حصہ نہیں۔[۴] صورت مسئولہ میں بیوی کے لئے تو وصیت ناجائز ہے کیونکہ وہ وارث ہے امام بخش متبنی کے لئے وصیت جائز ہے کہ وہ غیر وارث ہے۔[۵] نصف ثلث۔[۶] اس کو ملے گا اس کے بعد ۶/۵ وارثوں کا حق ہے وارثوں کے حصے مندرجہ ذیل ہیں۔

مسئلہ ۸

بیوی	بنت	اخت
۱	۴	۳

یعنی بعد تنفیذ وصیت (۶/ امتبنی کو دیکر باقی کے) آٹھ سہام کر کے ایک سہام بیوی کو اور چار سہام بیٹی کو اور تین سہام بہن کو ملیں گے۔[۷] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ'

استفسار متعلقہ فتویٰ مذکورہ مرسلہ بنام حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی

(از طرف حضرت مولانا مولوی فاروق احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور)

مکرمی محترمی زید مجدہم۔ السلام علیکم۔ امید ہے کہ جناب مع الخیر دہلی پہنچ گئے ہوں گے۔ نقل فتویٰ ڈابھیل و دہلی و مولوی سراج احمد بہاولپوری بھیجتا ہوں۔ حضرت مفتی (کفایت اللہ) صاحب کو بھی دکھا دیجئے ان کا جواب اور ڈابھیل سے بھی علیحدہ کاغذ پر بھجوا دیجئے۔ بندہ فاروق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مسمی محمد نے فوت ہونے کے وقت وصیت کی کہ میری سالم جائیداد

---

(۱) والمضاف الی موتہ من الثلث وان کان فی الصحۃ و مرض صح منہ کالصحۃ الخ (الدرالمختار' باب العتق فی المرض ۶/ ۶۷۹ ط سعید)

(۲) وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز الوارث ذالک الخ (الدرالمختار' کتاب الوصایا ۶/ ۶۵۰ ط سعید

(۳) لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام: لا وصیۃ لوارث (رواہ الترمذی ۲/ ۳۲ ط سعید)

(۴) کیونکہ وہ نہ ذوی الفروض میں سے ہے نہ ذوی الارحام میں سے اور نہ ہی عصبات میں سے ہے

(۵) ثم تصح الوصیۃ لاجنبی من غیر اجازۃ الورثۃ (عالمگیریۃ' کتاب الوصایا ۶/ ۹۰ ط ماجدیہ)

(۶) نصف ثلث کا مطلب سدس ہے یعنی سدس ملے گا

(۷) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد ابن وفیہ ایضا: والثلثان لکل اثنین فصاعدۃ ممن فرضہ النصف (الدرالمختار' کتاب الفرائض ۶/ ۷۷۳ ط سعید)

نصفانصف کر کے میری زوجہ حیات بی بی اور متبنی امام بخش نابالغ پر تقسیم کردی جائے اس کی ایک لڑکی ست بھرائی اور ایک ہمشیرہ خان بی بی ہے مسئلہ میراث میں سب علما متفق ہیں لہذا مسئلہ ۸

زوجہ	بنت	اخت
۱	۴	۳

مسئلہ میں اختلاف بصورت عدم اجازت وارثان ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے متبنی کو ثلث دینا لکھا ہے بسند بدائع جلد ص ۳۳۲ ولو اوصی بالثلث لرجلین ومات الموصی الاخر الخ وجلد ۸ ص ۳۳۸ قلت ولا یخفی ان رد الشارع الوصیة الاخر الخ دوسرے علماء نے بھی ثلث لکھا مگر بسند عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۲۵ ولو ان امراۃ ماتت واوصت لزوجها وللاجنبی بجمیع مالها یاخذ الا جنبی اولا ثلث المال بلا منازعة و یبقی ثلثا المال نصفه للزوج والثلث الباقی بینهما اثلاثا کذافی قاضی خان اھ- اس بعض علما کی تردید۔

مولوی شبیر احمد ڈابھیل نے یوں لکھی مسئلہ ماتحن فیہ میں زوجہ کے سوا اور وارث رد کرنے والے وصیت کے ہیں۔ مسئلہ مشہود بہا قاضی خاں میں زوج موصی لہ کی سوا کوئی اور وارث نہیں لہذا قیاس مع الفارق ہے اور خود سدس للمتبنی کا فتوی دیا۔ بحوالے سند خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ ص ۲۲۸ رجل اوصی لوارثه و لاجنبی فللاجنبی نصف الوصیة وبطلت الوصیة للوارث الخ و بسند شامی ج ۵ ص ٤٧٢ وان اوصی لاحدهما بجمیع ماله ولاخر بثلث ماله ولم تجز الورثة فثلثه بینهما نصفا ن لان الوصیة باکثر من الثلث بطلت بعدم الاجازة فیجعل کانه اوصی لکل بالثلث فینصف الخ و بسند بدائع ج ۷ ص ۳۳۸ ولو اوصی بثلث ماله قال وان ردوا جازت فی حصة الاجنبی وبطلت فی حصة الوارث الخ یہی تردید سند فتوائے مولوی کفایت اللہ میں ہے اور ......

مولوی عبد اللطیف مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور بھی اسی سند بدائع کو ترجیح دے کر سدس کا قائل ہے سبد یں بیان کہ گویا مسئلہ بدائع ثلث میں مفروض ہے لیکن ثلث اور زائد از ثلث میں جو فرق ہے سمجھ نہیں آتا بحوالہ بدائع ۷ ص ۳۵ صورت واقع میں بھی اضافت صحیح ہے اس لئے کہ گو نصف کی وصیت اجنبی کے لئے ہے اور نصف زوجہ کے لئے مگر حسب قاعدہ وصیت اول اضافت ثلث کی طرف ہوگی اور اس میں بصورت صحت اضافت دونوں شریک ہوں گے۔ لیکن بصورت عدم اجازت ورثا اجنبی صرف نصف ثلث یعنی سدس کا مستحق ہوگا۔

مولوی محمد شفیع دیوبندی نے بھی فتوی سدس للمتبنی کا دیا۔ بسند عالمگیریہ ص ۵ ج ۴ ناقلا عن التبیین واذا اوصی لا جنبی ووارث کان للاجنبی نصف الوصیة و بطلت وصیة الوارث الخ

الجواب وهو اعلم بالصواب (از مولوی سراج احمد بہاولپور) امام بخش متبنی مستحق ثلث کا ہے نہ سدس کا تردید ورثہ سے سالم وصیت نصف مال متعلقہ زوجہ باطل ہوئی۔ اور حصہ اجنبی والے نصف مال سے وصیت ثلث بحال رہ کر صرف زائد عن الثلث الی النصف کی وصیت باطل ہوئی ہاں ثلث کی وصیت جو وارث

سے مقدم ہے اگر صرف ہر دو اجنبیوں کے لئے ہو (بالا نفراد اوالاشتراک) یا اجنبی اور وارث کے لئے بالاشتراک ہو تو اس میں ہر دو شریک ہو کر نصفا نصف مستحق ہوں گے کیونکہ ہر دو اجنبیوں کی وصیت قوی ہے اگرچہ ہر ایک کے لئے ثلث کی وصیت علیحدہ علیحدہ کی ہو تو بصورت عدم اجازت ایک ہی ثلث میں بالمنازعۃ ہر دو شریک ہو جاویں گے اور دوسری صورت اجنبی والوارث میں جب کہ ایک ہی ثلث سے وصیت بالاشتراک ہے تو گویا ابتداہی سے اجنبی کے لئے سدس کی وصیت ہے نہ ثلث بالمنازعۃ اگر علیحدہ علیحدہ ثلث کی وصیت ان کو ہوتی تو بوجہ عدم جواز مزاحمت ضعیف للقوی کے اجنبی مستحق ثلث ہوتا ہے نہ سدس۔ مانحن فیہ میں تو ہر دونوں کے لئے زائد عن الثلث کی وصیت ہے پس حسب روایت خلاصہ تبیین بدائع کے جو سب متون و شروح میں مصرح ہے اور مستند مدعیان سدس ہے نصف حصہ زوجہ والا باطل ہوگا نہ حصہ اجنبی والا نصف۔ اگر زائد عن الثلث الی النصف اس کا باطل ہوا ہے تو بروایۃ اخری عدم اجازۃ ورثہ کے نہ حسب روایۃ بدائع بالا جو مفروض بھی ثلث میں ہے نہ سالم مال میں جو واقعہ مسئولہ ہے پس مولوی شبیر احمد و مولوی عبداللطیف کا وصیت زائد عن الثلث کی وصیۃ ثلث والے مسئلہ پر قیاس کرنا ایسا مع الفارق ہے جیسا مدعیان ثلث نے کہا ہاں متون نے اس مسئلے کو اگر مطلق ذکر کیا تو فہم قضیہ پر اعتماد کر کے حسب عادۃ مستمرہ خود ترک قضیہ ثلث کیا مگر باب ثلث مال میں لکھ کر بعض شروح کا وہو نصف الثلث لکھنا اس قید کی تذکیر ہے کہ یہ مسئلہ ثلث میں مفروض ہے وقایہ اور ملتقی نے قید عین بڑھا کر وان اوصی بعین لوارثہ ولا جنبی فلہ نصفھا ولا شئی للوارث لکھا جس میں وصیت بالثلث سے بھی کمال اشتراک زائد ہے اگر مسئلہ بالا متون کو مخصوص بالثلث المشترک او العین المشترک کیا جاوے تو علاوہ مخالفۃ اس قاعدہ عامہ فقہا کے (لا یزاحم وصیۃ الوارث الضعیف الوصب الاجنبی القوی فی الثلث) اس مسئلہ متون و تخریجات مبسوط ذیل میں تطبیق ناممکن ہے کما لا یخفی علی الماہر المفتی وہ روایات مثبت دعویٰ ثلث للاجنبی یہ ہیں مبسوط جز ۲۹ صفحہ ۳ ولو ترك ابنین فاوصی لا جنبی بنصف مالہ ولا حد ابنیہ بکمال النصف معہ نصیبہ فلو اجاز الابن الذی لم یوصی لہ الاجنبی ولم یجز لاخیہ ولم یجزا خوہ للاجنبی اخذ الا جنبی ثلث المال بغیر اجازۃ منہ واخذمن الذی اجازلہ سہما واحدا لان المستحق لہ بالا جازۃ من نصیبہ ھذا المقدار ولا یاخذ بالنصیب الاٰخر شیئا لانہ لم یجز لہ الوصیۃ فیصیر فی یدہ خمسۃ و فی ید الابن المجیز ثلاثۃ وفی ید الابن الموصی لہ اربعۃ نصیبہ من المیراث دیکھو یہ مسئلہ مسئولہ کی نص صریح ہے کہ وصیت اجنبی اور غیر زوجین والے وارث کے لئے سالم مال کی ہے دوسرا ابن اس موصی لہ وارث کو اجازت نہیں دی جس سے وارث کا حصہ وصیت باطل ہوا اور اجنبی اپنا ثلث سالم بلا مزاحمۃ وارث یعنی کل مال ۱۲ سے چار لیا اور ایک سہم ابن مجیز سے بھی لے لی ابن موصی لہ صرف میراث والی چار سہم لے گیا۔ اور مجیز تین سہم لے گیا۔ شاید یہ خیال گزرے کہ بوجہ اجازت دینے بعض ورثہ للاجنبی کے وارث موصی لہ مزاحمت فی الثلث نہ کر سکا ہو اگرچہ یہ خیال مجنون ہی کر سکتا ہے کیونکہ منازعۃ وارث ہوتی بھی بوقت اجازت ہے لیکن مسئلہ ذیل اس سے بھی اصرح ہے کہ جب ثلث ثالث کی

وصیت ہر ایک اجنبی و وارث کے لئے علیحدہ علیحدہ ہو تو بوقت عدم اجازت دوسرے ورثہ کے وارث کی وصیت باطل ہو کر ثلث سالم اجنبی کو ملے گا جن میں وارث کی مزاحمت غیر معتبر ہے جب ثلث ثلث کی وصیت میں مزاحمت وارث نہیں ہوتی تو واقعہ مسئولہ والے نصف نصف کی وصیت میں کس طرح وارث مزاحم فی الثلث الا جنبی ہو جاتا ہے یہی تو وجہ ہے کہ مسئلہ متون مستند مدعیان سدس میں للاجنبی نصف الوصیۃ لکھتے ہیں نہ نصف الثلث گوایسی وصیت وارث و اجنبی ثلث میں کرنے سے وہ نصف الوصیۃ نصف الثلث ہو جایا کرتی ہے مگر نہ بالمنازعۃ بل بالا شتراك من الابتداء فی الثلث کانہ اوصی لہ بنصف الثلث فقط کما اذااوصی لہ بثلث باقی الثلث فلہ التسع اذا لم یوص قبلہ لاحد ذکر فی المبسوط جزء ۹ ولو اوصی لاحد ورثتہ بثلث مالہ ولا جنبی بما بقی من ثلثہ فاجازت الورثۃ اولم یجز واا خذ الا جنبی ثلث جمیع المال لان الوصیۃ للوارث غیر معتبرۃ فی مزاحمۃ الاجنبی فکانہ اوصی لاجنبی بما بقی من ثلثہ وھو لھذا اللفظ تستحق جمیع الثلث کما یستحق العصبۃ جمیع المال اذا لم یکن ھناك صاحب فرض ثم الباقی بینھم علی المیراث ان لم یجز وا فان اجاز وااخذ الوارث الموصی لہ ثلث جمیع المال من الباقی باعتبار اجازتھم والباقی منھم علی المیراث اھ دیکھو کہ بوقت اجازت بھی وارث موصی لہ ثلث اول اجنبی میں مزاحم نہیں ہوا بلکہ دو ثلث باقی میں سے وہ ایک ثلث بالا جازۃ لیا ہے اس عبارت سے پہلے وہ مسئلہ ہے کہ جب وصیت للاجنبی ثلث باقی من الثلث ہو اور دوسرا کوئی موصی لہ نہ ہو تو یہ وصیت ثلث الثلث ای التسع من الابتداء ہے اور عبارت اولیٰ سے پہلے مسئلہ اجازت میں یہ لکھا کہ اگر اجنبی کے لئے وصیت نصف المال ہو اور ابن کے لئے بھی نصف مال کی وصیت ہو ابن غیر موصی لہ جمیع وصیت جائز رکھے اور ابن موصی لہ اجنبی کی وصیت جائز نہ رکھے تو اجنبی ثلث مال بلا اجازت و مزاحمت اولیٰ لے گا۔ لان الثلث محل الوصیۃ ووصیۃ الاجنبی اقویٰ من الوصیۃ للوارث والضعیف لا یزاحم القوی اھ پس مولوی شبیر احمد صاحب کا اس کو وصیت اجنبی والے مسئلہ درمختار جلد ۵ ص ۴۷۲ ولو اوصی لاحدھما بجمیع مالہ ولآخر بثلث مالہ ولم یجز الورثۃ فیجعل کانہ اوصی لکل واحد بالثلث النصف اھ پر قیاس کرنا کیسا ظلم ہے ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب فقط حررہ خادم الشرع سراج احمد نورہ الاحد ۱۱ رمضان شریف ۱۳۵۵ھ

(جواب) (از مولانا حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ) جواب حضرت مفتی اعظمؒ (مولانا کفایت اللہ) کا صحیح ہے کہ متبنی کو ۱/۶ ہی ملے گا کیونکہ بوجہ رد کرنے دیگر ورثہ کے بیوہ کے لئے وصیت نصف میں باطل ہو گئی۔[1] اور اسی نصف میں ۱/۶ داخل ہونے کی وجہ سے باطل الوصیۃ ہو گیا ہے اور ۱/۶ ہی باقی رہتا ثلث میں سے لہذا اسی میں وصیت نافذ ہو گی اور یہی ۱/۶ متبنی کو ملے گا اور مخالفین کے جزئیات منقولہ

---

(۱) لا لوارثہ و قاتلہ مباشرۃ الا باجازہ ورثتہ لقولہ علیہ السلام : لا وصیۃ لوارث الا ان یجیز ھا الورثۃ الخ (الدر المختار کتاب الوصایا ۶/ ۶۵۶ ط سعید)

اس صورت مرقومہ کے لئے سند نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ جزئیات ان صورتوں کے بارے میں ہیں کہ جن میں موصی لہ وارث اور اجنبی کے ماسوا دیگر ورثہ کے رد کرنے والے نہیں ہوتے اور اس صورت میں دیگر ورثہ رد کرنے والے وصیت کو موجود ہیں اور ہماری سند بدائع میں موجود ہے۔ وان ردوا جازت فی حصۃ الاجنبی و بطلت فی حصۃ الوارث ص ۳۳۸ ج ۷ [1] فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین عفی عنہ

دوسرا باب
امانت میں وصیت

امانت رکھے ہوئے مال سے وصیت اور اقرار کرنا

(سوال) زید نے بحالت مرض مرنے سے پندرہ روز قبل امانتدار نے کہا کہ میرے پاس جو کچھ تمہاری امانت ہے اس کو لے لو زید نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس امانت ہے اگر میں فوت ہو جاؤں تو میرے مرنے کے بعد اگر بعد منہائی اخراجات جو وقتاً فوقتاً میں لے رہا ہوں یا میری تیمارداری کے خرچ سے بچ جائے وہ میری بیوی کو وقتاً فوقتاً دیتے رہنا تاکہ اس کی قوت بسری ہو زید حالت بیخودی میں نہ تھا نہ نزع کی حالت تھی اور زید نے یہ بھی کہا کہ مبلغ پانچ سو روپے اس رقم میں میری بہن کے ہیں جو اس کے میرے پاس امانت ہیں وہ اس کا مال ہے بقیہ جو کچھ ہے وہ میری بیوی کو مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق دینا زید نے یہ ہدایت اپنی بہن کے سامنے کی۔ زید کا ایک بھائی ہے وہ چاہتا ہے کہ اس رقم کو میں وصول کر لوں سو اس حالت میں امانت دار کو خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ کہ وہ رقم کس کو ادا کرے اور زید قرض دار بھی ہے اور رقم قرض رقم موجودہ سے بدرجہا زیادہ ہے زید کی قرضداروں کو دینے کی ہدایت بھی نہیں ہے؟

(جواب ۵۳۸) صورت مسئولہ میں سارے مال سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ ورثہ پر تقسیم ہوگا۔ [2] اور اگر قرض کے ادا کرنے میں سارا مال صرف ہو جائے تو ورثہ کو کچھ نہیں ملے گا بیوی کے لئے وصیت [3] اور بہن کے لئے اقرار امانت جب کہ معروف نہ ہو غیر معتبر ہے۔ واللہ اعلم

حج بدل کے لئے اپنے پاس رکھے ہوئے بہن کے مال کا حکم

(سوال) زید اپنی ہمشیرہ کا کچھ نقد جو حسب وصیت ہمشیرہ حسنات جاریہ اور حج بدل کی غرض سے اس کے

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الوصایا ۷/ ۳۳۸ ط سعید)
(۲) ثم تقدم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم وصیتہ من ثلث ما بقی ثم یقسم الباقی بین ورثتہ (الدر المختار، کتاب الفرائض ۶/ ۷۶۰ ط سعید)
(۳) لقولہ علیہ السلام: لا وصیۃ لوارث الخ (رواہ الترمذی، ابواب الوصایا ۲/ ۳۲ ط سعید)

پاس امانت تھا چھوڑ مرا بعد وفات زید اس کو کیا کیا جائے ؟ **المستفتی نمبر ۵۸** میگار عبدالرحمن (ضلع نارتھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ م ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۳۹) ہمشیرہ کا جو روپیہ مصارف خیر میں خرچ کرنے کے لئے زید کے پاس تھا وہ مصارف خیر میں ہی صرف کیا جائے۔[1] **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔**

نابالغہ لڑکی بالغ ہونے کے بعد امانت رکھے ہوئے زیور واپس لے سکتی ہے

(سوال) ہندہ کی کچھ چیزیں زیور کپڑا وغیرہ ہندہ کی نانی نے اپنی بھتیجی کے پاس رکھ دی تھیں کیونکہ نانی بھی ہندہ کے گھر میں رہتی تھی اور اس گھر میں چوری ہونے کا خوف تھا یہ چیزیں نانی کی ملکیت نہیں تھی بلکہ ہندہ ہی کی ملکیت تھیں اب ہندہ بالغہ ہو گئی ہے وہ اپنی چیزیں نانی کی بھتیجی سے مانگتی ہے بھتیجی یہ کہتی ہے کہ پھوپھی صاحبہ وصیت کر گئی ہیں کہ زیور وغیرہ ہندہ کی شادی پر دینا حالانکہ اس وصیت کا بھی کوئی ثبوت نہیں کیا بھتیجی کا یہ عذر صحیح ہے ؟ **المستفتی نمبر ۶۴۳** محمد احمد سادہ کار دہلی ۱۱ رجب ۱۳۵۴ھ م ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء۔

(جواب ۵۴۰) جب کہ وہ چیزیں نانی کی ملکیت نہیں تھیں تو نانی کی وصیت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوگا اور ہندہ اگر اس قابل ہو گئی کہ اپنی چیزوں کی نگہداشت اور حفاظت کر سکے تو بھتیجی کو لازم ہے کہ اس کی امانت اس کے حوالے کر دے اور اگر ہندہ ابھی اس قابل نہیں ہے تو ہندہ کے باپ کے حوالہ کر دے باپ کو لازم ہو گا کہ وہ بچی کے زیور وغیرہ کو محفوظ رکھے اور جب وہ شادی کے قابل ہو تو اس کے حوالہ کر دے۔ فقط **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔**

تیسرا باب
ثلث میں وصیت

مختلف وصیتیں جمع ہونے کی صورت میں ان کے نفاذ کی عملی صورت کیا ہو گی ؟

(سوال) میں مسماۃ حفصہ بی بی دختر مرحوم حاجی موسیٰ جی احمد صالح جی صاحب وصیت کرتی ہوں کہ انسان کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں میں اس وقت بیمار ہوں لیکن میرے ہوش و حواس بجا و درست ہیں میں بحالت مرض بہ ثبات عقل و درستی ہوش و حواس وصیت کرتی ہوں کہ میرے والد مرحوم کے ترکہ سے جو مال

---

(۱) ولو اوصی بثلث ماله لا عمال البر لا يصرف ثلثه لبناء السجن. و كل ما ليس فيه تمليك فهو من اعمال البر حتى يجوز صرفه الى عمارة الوقف و سراج المسجد دون تزيينه لانه اسراف (درمختار كتاب الوصايا ۶/ ۶۶۵ ط سعيد)

کہ مجھے میرے حصے کے موافق ملے گا اس مال کی بابت میں اپنے بہنوئی جناب حاجی اسماعیل احمد محمدی صاحب اور میرے بھانجے محمد اسمعیل محمدی کو ٹرسٹی اور ایکزیکیوٹر مقرر کرتی ہوں یہ ہر دو صاحبان حسب دفعات مندرجہ ذیل عملدرآمد کریں۔

(۱) والد مرحوم کے ترکہ سے جو حصہ مجھے ملے اس میں سے تیسرا حصہ للہ وقف کرنا۔ (۲) میری جانب سے حج بدل ادا کرایا جائے جس میں ایک ہزار روپیہ دیا جائے۔ (۳) میرے دو بیٹے مسمی قاسم و یوسف کی شادی کرائی جائے اس وقت فی دس دس ہزار روپیہ بابت زیورات وکپڑے وغیرہ میں دیئے جائیں۔ (۴) میری بھانجی مسماۃ خدیجہ بی بی کی شادی میں تین ہزار روپے کا زیور اسے بنا دیا جائے۔ (۵) مجھے مرحوم والد مرحوم کے ترکہ سے دو سو روپے ماہوار اور چار سو روپے ہر دو عید کو ملا کرتا ہے اس میں سے مجھی (والد مرحوم کا ترکہ ہم جملہ وارثوں میں تقسیم ہونے تک) ایک تہائی للہ نکال کر جو بچے وہ موافق شرعی حصہ داروں کو تقسیم کیا جائے۔ (۶) میرے زیورات کپڑے وغیرہ میری ہمشیرہ عائشہ بی بی کے پاس رکھتے ہیں یہ سب میرے دونوں بیٹوں کو برابر حصہ مساوی دیئے جائیں۔ (۷) موافق مسطورہ بالا عمل درآمد کرنے کے بعد جو کچھ بچے وہ میرے ورثہ میں موافق قانون شرع حصہ رسد دیا جائے۔

اس تحریر کے چند روز بعد حفصہ بی بی کا انتقال ہو گیا اب متوفیہ کا شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے بیٹوں کے لئے چوبیس ہزار روپیہ بابت اخراجات شادی دینے کی جو یہ وصیت ثلث موقوفہ میں سے نافذ کی جائے اور حج بدل اور تین ہزار روپیہ جو متوفیہ کی بھانجی کے لئے وصیت کئے ہیں وہ بھی اسی ثلث موقوفہ میں سے دیا جائے تو اس صورت میں جب ورثہ وصیت مازاد علی الثلث کو منظور نہیں کرتے یہ ساری وصیتیں اسی موقوفہ ثلث میں سے شرعاً نافذ ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مازاد علی الثلث میں وصیت علی الوارث بھی ہے جس کو دیگر ورثہ مازاد علی الثلث میں تو منظور نہیں رکھا تو گویا یہ وصیت علی الوارث باطل ہوئی مگر ورثہ اس موقوفہ ثلث میں سے نافذ ہونے پر رضامند ہیں تو اس میں سے شرعاً نافذ کرنا صحیح ہوگا؟ یا راضی ہوں تو باقی ثلثین سے دلایا جائے گا اور اگر ثلث موقوفہ میں سے جملہ وصیتیں نافذ ہوں تو پوری پوری نافذ ہوں گی یا کس انداز سے؟ ثلث چالیس ہزار روپیہ ہے بینوا توجروا؟

(جواب ۵۴۱) وصیت نمبر ۱ و ۲ و ۴ صحیح ہے نمبر ایک اس لئے کہ وہ وصیت امور خیر کے لئے ہے اور ایسی وصیت امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ وفی الظهيرية قال اوصيت بثلث مالی للہ تعالی فالوصية باطلة فی قول ابی حنيفةؒ وقال محمدؒ جائزة و يصرف الى وجوه البر وبه يفتی اه (ردالمحتار)[1] اوصی بثلث ماله للہ تعالى فهی باطلة وقال محمد تصرف لوجوه البر (درمختار)[2] قدمنا عن الظهيرية انه المفتی به ای لانه وان كان كل شئ للہ تعالى لكن المراد التصدق لوجه الله تعالى تصحيحاً لكلامه بقرينة الحال انتهى (ردالمحتار)[3] نمبر دوم و چہارم

(۱ - ۲ - ۳) الدر المختار' كتاب الوصايا ۶/ ۶۶۶ ط سعيد)

اس لئے کہ نمبر دوم حقوق واجبہ میں سے ہے۔ اور چہارم اجنبی یعنی غیر وارث کے لئے لیکن ان دونوں کا نفاذ جب کہ ورثہ نے مازاد علی الثلث کی اجازت نہ دی اسی ثلث موقوف میں سے ہوگا[1] اور متوفیہ کی بھانجی کو تین ہزار اور حج کے لئے ایک ہزار دیکر باقی مال یعنی ثلث موقوفہ کا بقیہ امور خیر مثل بنائے مسجد و مدارس دینیہ و طلبہ علوم دینیہ وغیرہ میں صرف کیا جائے[2] اور اگر ثلث مال چار ہزار یا اس سے کم ہو تو ثلث کے چار حصے کر کے ان میں سے تین حصے متوفیہ کی بھانجی کو اور ایک حصہ حج بدل کے لئے دیں گے پھر اگر وہ حصہ حج بدل کے لئے کافی ہو تو فبہا ورنہ وصیت باطل ہو جائے گی وما للہ تعالیٰ فان کان کله فرائض کالزکاۃ والحج او واجبات کالکفارات والنذور و صدقة الفطر او تطوعات کالحج والصدقة للفقراء یبدا بما بدا به المیت وان اختلطت یبدا بالفرائض قد مها الموصی اواخرها ثم بالواجبات وما جمع فیه بین حقه تعالیٰ و حق العباد فانه یقسم الثلث علی جمیعها و یجعل کل جهة من جهات القرب مفردة بالقرب الخ (ردالمحتار)[3] لیکن یہ واضح رہے کہ چونکہ نمبر اول میں تصریح یا وقف ہے اور موقوف علیہ متعین نہیں ہے اس لئے اس نمبر اول کے لئے کوئی حصہ جداگانہ مقرر نہ ہوگا۔ ولا یقدم الفرض علی حق الادمی لحاجة وان کان الادمی غیر معین بان اوصی بالصدقة علی الفقراء فلا یقسم بل یقدم الا قوی فالا قوی لان الکل یبقی حقاً للہ تعالیٰ اذا لم یکن ثم مستحق معین الخ[4] اور نمبر سوم چونکہ وصیت للوارث ہے اور اسی وجہ سے نمبر ششم دونوں باطل ہیں[5] اور لڑکوں کو وصیت نمبر ایک میں سے دینے کا کسی کو حق نہیں کیونکہ وہ وقف ہو یا وصیت بالوقف بہر صورت فقراء اور امور خیر کے لئے مختص ہے رہا نمبر ۵ وہ صحیح ہے اور اس پر عمل جائز ہے۔ واللہ اعلم

خاص مدرسہ کے لئے کی گئی وصیت شدہ کتابیں دوسرے مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(سوال) زید نے قبل از انتقال اپنے اقرباء کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا کتب خانہ دینیہ اگر کوئی شخص اہل خاندان سے اس قابل ہو کہ اس کو استعمال کر سکے تو اس کے پاس رہے ورنہ فلاں شہر کے اسلامیہ مدرسہ میں بھیج دیا جائے چونکہ متوفی کی وفات کے وقت کوئی اسلامیہ مدرسہ متوفی کے سکونتی شہر میں موجود نہ تھا جس میں وہ کتب خانہ دیدیا جاتا اور متوفی نے بباعث عدم موجودگی مدرسہ و اہل علم اپنے شہر کے دوسرے شہر کے مدرسہ

---

(۱) ولا تجوز بما زاد علی الثلث الا ان یجیزها الورثة یعنی بعد موته (الجوهرة النیرة' کتاب الوصایا ۶ ۳۶۷ ط میر محمد)
(۲) فی الشامیة (قوله لاعمال البر) قال فی الظهیریة: و کل ما لیس فیه تملیك فهو اعمال البر الخ (ردالمحتار' کتاب الوصایا ۶/ ٦٦٥ ط سعید)
(۳-۴) (رد المحتار' کتاب الوصایا ۶/ ٦٦١ ط سعید)
(۵) عن ابی امامة الباهلی' قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبة عام حجة الوداع ان اللہ تبارك و تعالیٰ اعطیٰ کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث (رواہ الترمذی' ابواب الوصایا ۲/ ۳۲ ط سعید)

میں دینا مناسب سمجھا تھا اور اتفاقات زمانہ سے متوفی کے خاندان میں بھی اب تک کوئی اہل و مستحق کتب خانہ مذکورہ کا نہیں ہے البتہ اب متوفی کے شہر میں مدرسہ اسلامیہ (جس میں تعلیم علوم عربیہ ونصاب نظامیہ جاری ہے) قائم ہوا ہے اور اس میں کتب دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور مدرسہ بوجہ کم مائگی کے خریداری کتب سے معذور ہے اور بوجہ عدم موجودگی کتب طلبہ کی تعلیم میں حرج ہو رہا ہے اس صورت میں متوفی مذکور کے ورثاء کو مدرسہ متذکرہ میں شرعاً کتب خانہ مرقوم الصدر دینے کا حق ہے یا نہیں؟

(جواب ۵۴۲) وصیت ثلث مال میں جاری ہوتی ہے پس اگر کتب خانہ مذکورہ ثلث مال سے کم یا برابر ہے تو وصیت صحیح ہوگئی اور اس حالت میں بھی چونکہ مریض کا مقصود دوسرے شہر کے مدرسے کے لئے وصیت کرنے سے اس مدرسے کی خصوصیت سے متعلق نہ تھا بلکہ اپنے خاندان میں کوئی لائق شخص موجود نہ ہونے کی صورت میں بوجہ اپنے شہر میں مدرسہ نہ ہونے کے دوسرے شہر کے مدرسے کے لئے وصیت کی تھی اس لئے وصی کو جائز ہے کہ وہ اسی شہر کے مدرسے کو کتب خانہ مذکورہ دیدے اتنی مخالفت جو مقصود موصی سے منافی نہ ہو مخالفت کے حکم میں نہیں ہے۔ اوصی الفقراء بلخ فاعطی غیر ھم جاز عند ابی یوسف و علیہ الفتویٰ (درمختار)[1] مگر بہتر یہی ہے کہ اسی مدرسے میں دیا جائے جس کا موصی نے نام بتایا ہے اور اگر کتب خانہ ثلث مال سے زائد ہے تو قدر زائد میں وصیت صحیح نہیں ہوئی[2] اگر وارث اپنی خوشی سے دیں تو ہر وارث بقدر اپنے حصے کے مختار ہے جہاں چاہے دے۔ واللہ اعلم

خیراتی فنڈ اور نواسے اور نواسیوں کے لئے کی گئی وصیت کا حکم

(سوال) ایک عورت مسماۃ فاطمہ بی نے بحالت صحت کامل ودرستی ہوش وحواس وثبات عقل بلاجبر واکراہ کسی کے ایک وصیت نامہ لکھوا کر اسے حسب قانون رجسٹر ڈ کرالیا جس کی دفعہ چار کا خلاصہ یہ ہے کہ "حسب مرقومہ بالا میرے جملہ مال ومتاع میں سے میری موت کے بعد تجہیز وتکفین ودیگر ضروری اخراجات کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس میں سے سورتی بازار کمپنی رنگون کے میرے دو حصے (تقریباً ے ہزار مالیت کے) فلاں خیراتی فنڈ میں دیئے جائیں اس کے بعد جو بچے اس میں بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے اس ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں ٹھہراتی ہوں اس ثلث سے مالک یہ جملہ نواسے نواسیاں ہیں اس میں کسی دوسرے کو میں حقدار نہیں ٹھہراتی اگر کوئی حق وار دعویٰ کرنے لگے یا اسے منظور نہ رکھنا چاہے تو ہر طرح باطل اور رد ہے۔ انتہی بلفظہ

اس وصیت کے بعد تقریباً پانچ برس مسماۃ فاطمہ بی زندہ رہیں اس کے بعد انتقال ہوگیا بروقت انتقال فاطمہ بی کے نواسوں میں ایک دختر کے تین بچے دوسری دختر کے چار بچے اور ایک حمل موجود تھا جو فاطمہ بی

---

(۱) الدرالمختار، باب الوصیة بثلث المال ٦/ ٦٧٥ ط سعید)
(۲) ولا تجوز الوصیة بما زاد علی الثلث الا ان یجیز ھا الورثة یعنی بعد موته وھم اصحآء بالغون (الجوھرة النیرة' کتاب الوصایا ۲/ ۳٦۷ ط میر محمد)

کے مرنے کے بعد پیدا ہوا لہذا سوال یہ ہے کہ ثلث سے زائد دو حصے دیئے جانے کے بعد موافق شرع شریف موصیہ کو پورے ثلث کی وصیت کا حق نہیں رہا اور موصیہ کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ وہ نواسوں کو اپنا حق ثلث دینا چاہتی ہے اور ثلث میں سے دو حصے کم ہو گئے ہیں اگرچہ ورثہ کو اس وصیت کے جاری اور نافذ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے جملہ ورثہ رضامند ہیں لیکن اس کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ وصیت کرنے والے کا جتنا حق مال میں بعد موت شرعاً باقی رہتا ہے وہ دینا چاہتی ہے گو اس نے دو حصے نکل جانے کے بعد بقیہ میں سے ناواقفیت کی بنا پر اپنا حق ثلث ہی سمجھا تو اب دو حصے ثلث مال میں سے نکالے جائیں یا ثلث سے زائد سے ؟ وصیت لکھنے کے وقت ہر دو لڑکیوں کی جس قدر اولاد تھی وہ اس کے وارث سمجھے جائیں گے یا مرتے دم تک جس قدر نواسے موجود ہوں وہ سب وارث ہوں گے اور موصیہ کے مرنے کے بعد اگر قبل از تقسیم وصیت دوسرے نواسے بھی پیدا ہوں خواہ موصیہ کی موت کے وقت یہ نواسے پیٹ میں ہوں یا موت کے بعد حمل قرار پایا ہو حصے تقسیم کرنے سے قبل قبل جس قدر نواسے نواسیاں پیدا ہوں وہ سب وارث ہوں گے یا وصیت کے وقت جس قدر موجود ہوں یا موت کے وقت جس قدر موجود ہوں وہ وارث ہوں گے موصیہ کے بعد کتنے عرصے میں اگر حمل پیدا ہو تو وارث ہو گا اگر حمل وارث ہو تو وصیت لکھنے کے وقت کا حمل مراد ہے یا موصیہ کی موت کے وقت کا حمل مراد ہے اور حمل کتنے مہینے کا ہو تو وارث ہوتا ہے ورنہ نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(جواب ٥٤٣) متوفیہ کی عبارت مذکورہ سوال کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو حصے دیئے جائیں اور جمیع مال کا ثلث نواسے نواسیوں کو دیا جائے دوم یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو شیئر دیئے جائیں اور دو شیئر نکلنے کے بعد بقیہ مال کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دیا جائے سوم یہ کہ خیراتی فنڈ کو دو شیئر دیئے جائیں اور نواسوں نواسیوں کو اس قدر مال دیا جائے کہ شیئروں کی قیمت کے ساتھ اسے ملایا جائے تو مجموعہ کل مال کا ثلث ہو جائے۔

خیراتی فنڈ کو دو حصے دیئے جانا تو متوفیہ کے کلام میں صراحۃً موجود ہے اس لئے یہ تو تینوں احتمالوں میں یکساں رہے گا اور نواسوں نواسیوں کو جمیع مال کا ثلث دیا جائے جو احتمال اول میں مذکور ہے وہ اس تقریر سے ثابت ہو سکتا ہے جو مستفتی نے خود ذکر کی ہے یعنی متوفیہ کے یہ الفاظ کہ ”بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے اس ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو ٹھہراتی ہوں“ اس امر کی دلیل ہیں کہ متوفیہ کو بموجب شرع محمدی جس قدر وصیت کرنے کا حق ہے وہ نواسوں اور نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہے اور وہ مقدار ثلث جمیع المال ہے لہذا ثلث جمیع المال کی وصیت نواسوں اور نواسیوں کے لئے ہو گئی لیکن یہ تقریر خاکسار کے نزدیک بچند وجہ مخدوش ہے اول یہ کہ یہ معنی اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے) کے صراحۃً مخالف ہیں دوم یہ کہ اس کے الفاظ (بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اسے یہ مسئلہ معلوم تھا کہ شرع محمدی نے مالک کو صرف ایک ثلث کی وصیت کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ بھی اس کے اندر کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کی نیت بھی نہیں رکھتی پس اگر اس کے کلام کے یہ معنی لئے جائیں جو احتمال اول میں مذکور ہیں کہ اس نے ثلث جمیع المال کی وصیت نواسوں اور نواسیوں

کے لئے کی اور دو شیئروں کی خیراتی فنڈ کے لئے تو صریح طور پر اس کی طرف یہ بات منسوب ہو گی کہ اس نے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی جو اس کے علم اور نیت کے خلاف ہے۔ سوم یہ کہ متوفیہ کا دو شیئروں کی وصیت کرنے کے بعد یہ لکھنا کہ (بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اب بھی پورے ثلث کو اپنا حق قرار دیکر نواسوں نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہے جیسا کہ مستفتی نے سمجھا ہے بلکہ شیئروں کی وصیت کے بعد یہ الفاظ لکھنے سے صرف دو ہی باتیں سمجھی جا سکتی ہیں کہ یا تو مابقی بعد الوصیۃ الاولیٰ کا ثلث مراد ہے یا شیئروں کی قیمت وضع کرنے کے بعد ثلث مال تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہے وہ مراد ہے کیونکہ ثلث مال کی وصیت کا اختیار ہونے کا علم تو اس کے اس جملہ سے ہی ثابت ہو گیا اور اگر شیئروں کی وصیت کے بعد کل مال کا ثلث مراد لیا جائے تو ثلث سے زیادہ کی وصیت یقیناً لازم آتی ہے جو اس کے علم اور اقرار کے صریح منافی ہے اور ایسی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس نے اپنے علم کے موافق ثلث ہی کی وصیت کی ہے پس یہ احتمال تو صراحۃً غلط ہے۔

اب احتمال دو کو لیجئے کہ خیراتی فنڈ کے لئے دو شیئروں کی وصیت کرنے کے بعد مابقی کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دلوانا چاہتی ہو تو بے شک ممکن ہے کہ اس کا یہ ارادہ اور نیت ہو اور اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے) اس پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اور اس کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے اس میں بموجب شرع محمدی ثلث کا حق مجھے پہنچتا ہے) یہ بتاتے ہیں کہ ثلث کی وصیت کے اختیار ہونے کا جو علم اسے تھا اس میں اس کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ بجائے ثلث جمیع المال کے اختیار ہونے کے وہ ثلث مابقی کا اختیار سمجھ گئی یعنی ثلث کی وصیت کے اختیار ہونے کا علم اور وصیت بثلث مابقی میں تو جمع ہو جانے کی گنجائش ہے جس کا مبنیٰ اس کی غلط فہمی ہو لیکن پہلے معنی لینے کی صورت میں یہ گنجائش بھی نہیں نکل سکتی۔

یہ احتمال بھی مرجوح ہے جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو گا لیکن اگر اسے معتبر سمجھا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ورثہ اجازت دیدیں تو دونوں شیئر خیراتی فنڈ کو اور مابقی کا ثلث نواسوں نواسیوں کو دیا جائے اوصی لرجل بربع مالہ والآخر بنصف مالہ ان اجازت الورثۃ فنصف المال للذی اوصی لہ بالنصف والربع للموصی لہ بالربع الخ (عالمگیری)[1] اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو دونوں وصیتیں ثلث کل مال میں جاری کی جائیں گی اور اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ دونوں شیئروں کی قیمت ثلث کل مال سے کم یا برابر ہو تو شیئروں کی قیمت علیحدہ علیحدہ دیکھ لی جائے کہ کتنی ہے اور مابقی کا ثلث علیحدہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر ہے اور پھر ان دونوں میں جو نسبت ہو اسی نسبت کے موافق ثلث جمیع المال کو خیراتی فنڈ اور نواسوں نواسیوں پر تقسیم کر دیا جائے مثلاً شیئروں کی قیمت سات ہزار ہو تو گویا سات ہزار کی وصیت خیراتی فنڈ کے لئے ہوئی اور کل مال اٹھائیس ہزار ہو تو شیئروں کی قیمت نکلنے کے بعد مابقی مال اکیس ہزار ہے اس کا ثلث بھی سات ہزار ہوا لہذا نواسوں نواسیوں کے لئے بھی اسی قدر مال کی وصیت ہوئی تو دونوں وصیتوں کی مقدار برابر ہو گئی اس

---

(۱) (عالمگیریۃ، کتاب الوصایا، ۶/ ۹۷ ط ماجدیۃ)

صورت میں ثلث مال کو نصف نصف تقسیم کردیا جائے نصف خیراتی فنڈ کو دیا جائے اور نصف نواسوں نواسیوں کو۔ دوسری مثال یہ ہے کہ شیئروں کی قیمت بارہ ہزار اور کل مال چھتیس ہزار اور مابقی کا ثلث آٹھ ہزار تو گویا بیس ہزار کی وصیت ہوئی بارہ ہزار کی خیراتی فنڈ کے لئے اور آٹھ ہزار نواسوں نواسیوں کے لئے تو اس صورت میں ثلث مال کو پانچ حصوں پر تقسیم کیا جائے تین حصے خیراتی فنڈ کو اور دو حصے نواسوں نواسیوں کو دیئے جائیں کیونکہ بارہ کو آٹھ سے وہی نسبت ہے جو تین کو دو کے ساتھ ہے۔ تیسری مثال کل مال چھتیس ہزار دو شیئروں کی قیمت چھ ہزار اور مابقی کا ثلث دس ہزار ہو تو گویا سولہ ہزار کی وصیت ہوئی جس میں سے دس ہزار کی نواسوں نواسیوں کے لئے اور چھ ہزار کی خیراتی فنڈ کے لئے تو اس صورت میں ثلث کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا جائے پانچ حصے نواسوں نواسیوں کو اور تین حصے خیراتی فنڈ کو دیئے جائیں کیونکہ پانچ کو تین سے وہی نسبت ہے جو دس کو چھ سے ہے۔ وقس علی ہذا۔ **ولو لم تجز الورثة تصح من الثلث فيكون بينهما على سبعة اسهم اربعة للموصىٰ له بالنصف وثلثة للموصى له بالربع كذافي خزانةالمفتيين (عالمگيری)**[1] **اجمعوا على ان الوصايا اذا كانت لا يزيد كل واحدة منها على الثلث بان يوصى لرجل بثلث ماله ولآخر بربع ماله ولم تجزالورثة ذلك كله ان كل واحد منهم يضرب في الثلث بجميع وصيته بالغا ما بلغ ولا يقسم الثلث بينهم بالسوية كذافي المحيط (هندية)**[2]

دوئم یہ کہ شیئروں کی قیمت ثلث کل مال سے زائد ہو تو اس صورت میں خیراتی فنڈ کے لئے صرف ثلث کی وصیت سمجھی جائے گی اور نواسوں نواسیوں کے لئے ثلث مابقی کی اور ثلث جمیع المال کو پانچ حصوں پر تقسیم کر کے تین حصے خیراتی فنڈ کو اور دو حصے نواسوں نواسیوں کو دیئے جائیں گے۔ شق اول کی دوسری مثال دیکھو اور اس شق کی وہی مثال سمجھو۔ **ولو ان رجلا اوصى بجميع ماله لرجل ولرجل آخر بثلث ماله ولم تجز الورثة جازت الوصية من الثلث فثلث المال يكون بينهما نصفين وانما يقسم عند ابي حنيفةؒ بينهما نصفين لا ن الموصى له باكثر من الثلث لايضرب الا بالثلث الخ(عالمگيری)**[3]

اب احتمال سوم کو لیجئے وہ یہ کہ خیراتی فنڈ کے لئے دو شیئروں کی وصیت ہو اس کے بعد ثلث جمیع مال تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہو اس کی وصیت نواسوں نواسیوں کے لئے سمجھی جائے خاکسار کے نزدیک یہ احتمال قوی اور راجح ہے کیونکہ موصیہ کے الفاظ اور اس کے علم و ارادہ کے ساتھ جس قدر اس کو مطابقت ہے اس قدر پہلے دونوں احتمالوں کو نہیں ہے اور اس تقدیر پر اس کی عبارت کے یہ معنی سمجھو "میرے جملہ مال و متاع میں سے میری موت کے بعد تجہیز و تکفین و دیگر ضروری اخراجات کے بعد جو کچھ مال باقی رہے اس میں سے سورتی بازار رنگون کے میرے دو حصے فلاں خیراتی فنڈ میں دیئے جائیں۔

---

(۱) (عالمگيرية' كتاب الوصايا' ٦/ ٩٧ ط ماجدية)
(۲) (عالمگيرية' كتاب الوصايا' ٦/ ٩٨ ط سعيد)
(۳) (عالمگيرية' كتاب الوصايا ٦/ ٩٨ ط ماجديه)

اس کے بعد جو بچے اس میں یعنی دو حصے نکلنے کے بعد بقیہ مال میں بموجب شرع محمدی ثلث تک پہنچنے کی مقدار کا حق مجھے پہنچتا ہے اس مابقی من ثلث کے ورثہ میں اپنے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں ان کو ٹھہراتی ہوں اس مابقی من ثلث کے مالک یہ جملہ نواسے نواسیاں ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ موصیہ کے ہیں اور درمیانی الفاظ ان کی توضیح کے لئے بڑھائے گئے ہیں۔

متوفیہ کے الفاظ (اس کے بعد جو بچے اس میں الخ) ثلث جمیع مال کے تو صریحی منافی ہیں اور اس کا یہ علم کہ بموجب شرع محمدی ثلث کی وصیت کا اختیار ہوتا ہے اس بات کی دلیل ہے کہ دو شیئروں کے بعد ثلث مابقی کی وصیت مقصود نہیں بلکہ مابقی من الثلث یعنی ثلث تک پہنچنے میں جو مقدار باقی ہو اس کی وصیت کرنی مقصود ہے تاکہ اس کا علم و عمل مطابق رہے اور اس صورت میں کسی غلط فہمی کی نسبت بھی متوفیہ کی طرف کرنی نہیں پڑتی۔

لیکن یہ احتمال اس صورت میں جاری ہو سکتا ہے کہ دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال سے کم ہو اور اگر دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال کے برابر یا زائد ہو تو عمل کے لئے احتمال ثانی متعین ہے پس اگر دونوں شیئروں کی قیمت ثلث جمیع المال سے کم ہو تو خاکسار کے نزدیک یہی احتمال راجح ہے اور اس صورت میں اجازت ورثہ کی ضرورت نہیں وصیت اپنی اسی بیان کردہ صورت سے جاری کر دی جائے۔ ولو قال ثلث مالي لفلان و فلان لفلان مائة و لفلان مائة و خمسون والثلث ثلثمائة فلكل واحدما سمى والباقي بينهما نصفان كذافي محيط السرخسي (عالمگیری)[1]

موصیہ کی موت کے وقت دونوں بیٹیوں کی جس قدر اولاد موجود ہوگی اور جو حمل ہو گا بشرطیکہ بعد موت موصیہ چھ ماہ کے اندر پیدا ہو جائے وہ سب وارث ہوں گے کیونکہ موصیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ (میرے نواسوں نواسیوں کو جو ہوں) اور یہ الفاظ موصی لہم کو معین نہیں کرتے پس وصیت غیر معین کے لئے ہوئی اور ایسی حالت میں صحت ایجاب کے لئے یوم موت موصی معتبر ہے۔ وكذا اذا اوصى لبني فلان و ليس له ابن يوم الوصية ثم حدث له بنون و مات الموصى فالثلث لهم وان كان له بنون يوم الوصية ولم يسمهم ولم يشر اليهم فالثلث للموجودين عند موته ولو كانواغير الموجودين وقت الوصية وان سماهم واشار اليهم فالوصية لهم حتى لو ماتوا بطلت لان الموصى له معين فتعتبر صحة الايجاب يوم الوصية اه ملخصا و به ظهران ما في الدر لمن اعتبار يوم الموت لصحة الايجاب انما هو لكون الموصى له غير معين لان قوله ولد بكراوفقراء ولده او من افتقر غير معين اذ لا تسمية ولا اشارة الخ (ردالمحتار)[2] موصیہ کی موت کے وقت سے جو بچہ چھ مہینے سے زائد میں پیدا ہوا ہو یا موصیہ کی موت کے بعد حمل قرار پایا ہو وہ وارث نہ ہوگا نواسے نواسیوں کو

---

(۱) (عالمگیرية' كتاب الوصايا ۶/ ۹۸ ط ماجديه)
(۲) (رد المحتار' باب الوصية بثلث المال ۶/ ۶۷۳ ط سعيد)

برابر سے حصہ دیا جائے گا مذکر و مؤنث کا کوئی فرق نہ ہوگا۔ **ولولد فلان فھی للذکر والانثی سواء کان اسم الولد یعم الکل حتی الحمل(درمختار)**[1]

(۱) واقف کے مقرر کردہ متولیوں کی وفات کے بعد کون متولی ہو سکتا ہے ؟
(۲) وقف کے متولی اپنی مرضی کے مطابق وصیت کی رعایت کرتے ہوئے خرچ کر سکتے ہیں !
(۳) متولیوں کی خیانت سے وصیت باطل نہیں ہوتی !
(۴) کیا وصیت کرنے والے کے کہنے کے خلاف وصیت کا نفاذ ہو سکتا ہے ؟
(۵) ثلث کی مقدار تک غیر منقولہ جائیداد میں وصیت نافذ ہو گی !
(۶) وصیت کے لئے مکان کی تقسیم پر وصیت شدہ مال سے خرچ کرنا !

(سوال) ایک شخص بعد از وصیت (جو وصیت نامہ ملحقہ کاغذ ہذا میں بالتصریح بیان کی گئی ہے)اور بعد از تقرر دو متولیان نقد روپیہ کی ایک معقول رقم چھوڑ کر مر گیا ہے متولیان مقرر شدہ از روئے وصیت نامہ نے حسب منشائے وصیت رقم متروکہ میں سے ایک ثلث الگ کر کے باقی دو ثلث اس کے ورثہ موجودین میں حسب قواعد شرعیہ تقسیم کر دیئے اور رقم ثلث علیحدہ کردہ سے ایک مکان خرید لیا جس کا کرایہ دس برس تک ایک متولی کے پاس جمع ہوتا رہا لیکن بموجب وصیت جن دو صیغوں میں وہ روپیہ آمدنی دینا چاہئے تھا ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیا گیا بلکہ یہ عذر پیش کرتے کہ مکان خرید شدہ کہنہ اور محتاج تعمیر و مرمت ہے اور اسی میں وہ رقم آمدنی صرف کرنا ضروری ہے وہ کل آمدنی دہ سالہ اس متولی نے اپنے ہی پاس رکھ لی پھر بعد از انتقال اس متولی کے چار سال تک متولی دوم اس مکان کا کرایہ وصول کرتے رہے اور انہوں نے بھی اپنے مصاحب پیش روکے مطابق عمل بر دو صیغہ ہائے مذکورہ کو کچھ نہیں دیا۔ بلکہ بعد ازاں مسموع ہوا کہ یہاں سے قریباً دو سو میل دور ایک مقام بنام شہر شمیو میں اس رقم جمع شدہ اور کسی دوسرے وقف کی رقم سے متولی دوم نے اپنی قوم کے مسافرین کی فرودگاہ کے لئے ایک مسافر خانہ خرید کر لیا ہے اور اس کے متعلق ایک وقف نامہ بھی مشعر مطالب ذیل تحریر کر دیا ہے۔

" مسافر خانہ چونکہ خرید کنندہ نے بذات خرید کیا ہے اس لئے اس کی اولاد میں نسلاً بعد نسل مسافر خانہ مذکور کے متولی ہو سکتے ہیں۔"

آخر ان ہر دو متولیان متذکرہ صدر کے انتقال کے بعد بغرض حساب فہمی روپیہ آمدنی مذکورہ بالا اور نیز بارادہ حصول تولیت موصی مرحوم کے تین وارثوں نے یہاں عدالت میں درخواست پیش کی جس کے برخلاف ہر دو صیغہ محولہ بوصیت نامہ یعنی راندیر کی انجمن حمایت اسلام اور رنگون کے سورتی مدرسے کی جانب سے ایک شخص نے یہ اعتراض اسی عدالت میں پیش کر دیا ہے کہ اس آمدنی ثلث کے مصرف حسب منشائے

---

(۱) الدر المختار، باب الوصیۃ للاقارب ۶ / ۶۸۷ ط سعید)

وصیت نامہ یہ دو صیغے ہیں اس لئے اس وقف شدہ مکان کی آمدنی کا انتظام مذکورہ بالا ہر دو صیغے کے ٹرسٹی کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے زائد بر اں تولیت مکان مذکور کا استحقاق بھی انہیں دو صیغوں کو حاصل ہونا چاہئیے۔
چونکہ موصی مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے ورثہ کو متولیان وقف نہیں بنایا ہے اور نیز بعد از انتقال ہر دو متولیان مقرر کردہ پھر کس کو متولی قرار دینا اس امر میں بھی اپنے ورثہ کے متعلق کچھ اشارہ تک نہیں کیا ہے بلکہ ابتداء سے ہی اغیار کو متولی بنایا ہے اس سے پلیا ۔ ہے کہ تولیت کے حصول کا کچھ حق ورثہ کو نہیں ہے وغیرہ ہیچوں اعتراضات شخص مذکور کی طرف سے عدالت میں داخل کر دیئے گئے ہیں جس پر حاکم مجاز نے یہ فیصلہ سنایا کہ وارثوں کی درخواست میں چونکہ پہلا مطالبہ حساب فنڈ کے متعلق ہے اور پھر حصول تولیت کا اس لئے بعد از انفصال معاملہ اولیٰ بروقت سماعت حقوق تولیت شخص مذکور کے پیش کردہ اعتراضات پر بھی غور کیا جائے گا فقط۔ موصی مرحوم کے دو وارث اور بھی ہیں جو مقدمہ بالا میں شریک نہیں ہیں اب ایک مقدمہ اپنی طرف سے قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ اس وقف ثلث کے متعلق ان کے اعتراضات حسب ذیل ہیں :

(۱) موصی مرحوم نے ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ نقد چھوڑا ہے اس لئے نقد مذکور میں سے بطور وقف ایک ثلث علیحدہ کیا ہوا خلاف قاعدہ یا خلاف دستور گنا جاتا ہے۔

(۲) تا ایندم حسب ہدایات مصرحہ وصیت نامہ کوئی فیض ثلث مذکور کی آمدنی سے جاری نہیں ہوا ہے۔

(۳) بنابر ہر دو بواعث رقم جمع شدہ متنازعہ فیہا وارثوں میں ہی تقسیم کر دی جائے اور مسبوق الذکر تین وارثوں نے جو درخواست داخل عدالت کی ہے اس میں حسب ذیل چار باتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱) ہر دو متولیان وفات یافتہ کے ورثہ کے پاس سے فنڈ مذکورہ بالا کا حساب طلب کیا جائے۔

(۲) متولی اول کے ورثہ حساب بتانا قبول کرتے ہیں پس ان کے پاس فنڈ کی جمع شدہ رقم بعد از حساب فہمی وصول کر کے مکان کہنہ محولہ بالا کی تعمیر میں صرف کر دی جائے۔

(۳) اب اس آمدنی وقف بالا کا انتظام عمدہ طور پر چلانے کے لئے ایک باقاعدہ اسکیم تیار کرنا چاہئیے

(۴) انتظام فنڈ وقف مذکورہ بالا کے لئے موصی مرحوم کے قبیلہ میں سے دو لائق اشخاص کے ساتھ راندیری سنی بوہرہ قوم میں سے ایک تیسرا وہ شخص بھی منتخب ہو جس کے حق میں داخلی خاندان یعنی قبیلہ مذکور سفارش کرے اور پھر اسی طور پر بروقت ضرورت ہمیشہ انتخاب ہوتا رہے۔

الحاصل ہر دو فریق نے اپنے اپنے مطالبہ اور خواہشات کے ساتھ دلائل ظاہر کر دیئے ہیں پس نظر بہ امور بیان شدہ بالا اب ہمارے خیال کے مطابق جو سوالات پیدا ہوئے ہیں وہ بھی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) چونکہ منجانب موصی مرحوم مقرر شدہ ہر دو متولیوں کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے اب وقف مذکورہ کی تولیت کا حق کس کو پہنچتا ہے آیا افراد قبیلہ موصی اس کے مستحق ہیں یا ان ہر دو صیغوں کے منتظمین جن پر آمدنی وقف مذکورہ صرف کرنا موصی مرحوم نے اپنے وصیت نامہ میں لازم کر دیا ہے۔

(۲) جب کہ موصی مرحوم نے اپنے وقف کردہ ثلث کی آمدنی کا مصرف انہیں دو صیغوں کو قرار دیا ہے

تو کیا ان کے منتظمین استحقاق حصول آمدنی مذکورہ بالا کے علاوہ اس وقف کی تولیت وانتظام میں شریک ہونے کے مجاز ہو سکتے ہیں؟

(۳) موصی مرحوم کی وصیت ہے کہ آمدنی وقف ہر دو صیغوں میں علی التساوی تقسیم کر دی جائے یا حسب ضرورت واحتیاج ایک کو اگر متولیان کچھ زیادہ دینا بہتر سمجھیں تو دوسرے کو اسی قدر کم کر دیں اور اب ہر دو صیغوں کے منتظمین اس آمدنی کو علی التساوی تقسیم کرانا چاہتے ہیں تو کیا ان کے حسب منشا نصیفا تقسیم ہونا چاہئے؟

(۴) موصی مرحوم نے چونکہ نقد روپیہ چھوڑا تھا اس لئے اس میں سے ایک ثلث نکال کر متولیوں نے اس رقم وقف سے ایک مکان خرید لیا' لیکن بارہ سال گزر گئے تاہم ابھی تک اس وقف کی آمدنی میں سے حسب منشائے موصی مرحوم ان ہر دو صیغوں میں سے ایک کو بھی کچھ فیض نہیں پہنچایا گیا تو کیا ایسے تساہل سے اس ملکیت پر اب وقف کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور اگر واقعی نہ ہو سکتا ہو تو پھر شرع شریف آیا یہ حکم بھی دے سکتی ہے کہ اس وصیت نامہ کو توڑ دیں اور ثلث مذکورہ بالا سے بر آمد شدہ ملکیت اور اس کی آمدنی کو ورثہ موصی مرحوم آپس میں تقسیم کرلیں اور وصیت کو کالعدم سمجھیں۔

(۵) متولی اول کے ورثہ کے پاس حساب رقم آمدنی وقف مذکورہ موجود ہے اور وہ حساب بتانے اور رقم مذکورہ حوالہ کر دینے پر رضا مند بھی ہیں۔ لیکن دوسرے متولی کے ورثہ اپنے پاس جمع شدہ رقم کا حساب دکھانا اور رقم حوالہ کر دینا قبول نہیں کرتے اور یہ امر قبل ازیں ذہن نشین ناظرین کر دیا گیا ہے کہ اس دوسرے متولی نے اپنی زندگی میں رقم آمدنی مذکورہ میں کچھ رقم دوسرے اوقاف کی ملا کر اس سے شہر ... میں اپنی قوم کے مسافروں کی فرودگاہ کے لئے ایک مکان خرید لیا ہے اور اس کو وقف قرار دیکر اس کی تولیت کا حق نسلاً بعد نسل اپنی ہی اولاد کے لئے محفوظ کر دیا ہے تو کیا وہ مسافر خانہ وقف گنا جا سکتا ہے اور اگر گنا جائے تو کیا ہر دو صیغہ ہائے مسبوق الذکر کے منتظمین یا داخلی قبیلے میں سے وہ شخص جو ثلث والے متنازعہ فیہا کی تولیت میں شریک ہو گیا ہو اس مسافر خانہ کی تولیت میں شریک ہونے کا حق رکھتے ہیں؟

(۶) موصی مرحوم نے علاوہ تجویز تقسیم آمدنی ثلث مذکورہ کے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اس کی ملکیت کے فلاں فلاں مکان انجمن حمایت اسلام راندیر فنڈ کو دیئے جائیں یہ تحریر یعنی وصیت نامہ باقاعدہ قابل پذیرائی و تعمیل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۷) متوفی متولی اول کے ورثہ کے پاس جس قدر رقم آمدنی وقف مذکورہ بالا جمع ہے اس کو بعد از وصول اس وقف کہنہ مکان کی تعمیر میں خرچ کر دینا چاہئے یا کہ ہر دو صیغہ محولہ بالا میں تقسیم کر دینا چاہئے ان دو امور میں سے کون عندالشرع افضل والزم ہے؟

وصیت نامہ مترجمہ از عبارت گجراتی بزبان اردو۔

اوصیکم بتقوی اللہ — میں المسمی بہ محمد ابراہیم جی داخلی بحالت ثبات عقل و درستی حواس اپنی جانب سے بذریعہ تحریر ہذا وصیت مشرحہ ذیل پیش کرتا ہوں جس پر بعد انقطاع رشتہ میری حیات کے آپ دو

حضرات مسمیان میاں ابراہیم علی مااور جناب حاجی محمد یوسف اسمٰعیل صاحبان عمل پیرا ہوں۔ میرا سرمایہ ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ہے۔بدین تفصیل مقیمان رنگون سی ٹی ایل سول ایاچٹی کے پاس جمع ہے۔ اسی ہزار روپیہ ایم، آر، اے، آر، کرپن چٹی کے پاس پچاس ہزار روپے۔ یہ دونوں رقمیں جڑ کر کل مبالغ ایک لاکھ تیس ہزار ہوتے ہیں اس رقم مجموعی میں سے ایک ثلث کا حق وصیت مجھ کو ازروئے شریعت محمدی حاصل ہے آپ ہر دو حضرات اپنے پاس رکھ لیں (اس کا مصرف ذیل میں بیان کیا جائے گا) اور باقی ماندہ دو ثلث ازروئے قانون وراثت شرع میرے ورثہ میں تقسیم فرمادیں دیگر آنکہ میری ملکیت کا ایک مکان ہے واقعہ ڈومری محلہ قصبہ راندیر اور ایک دوسرا مکان میرے نانا صاحب صالح بھائی دودھاکا ہے واقع محلہ پارسی بازہ قصبہ راندیر اس میں سے وہ حق جو میری والدہ کے حصے سے مجھ کو حاصل ہو سکتا ہے یہ دونوں راندیر کی حمایت اسلام کو عطا فرمائیں اور ثلث مذکورہ بالا کے متعلق حسب ہدایت ذیل عمل فرمائیں یعنی ایک جائیداد ثلث متذکرہ صدر سے خرید کرلی جائے اور اس جائیداد سے جو آمدنی سالانہ ہو اس کو صرف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رنگون میں راندیری سنی بوہرہ جماعت کا جو سورتی مدرسہ مشہور ہے اور قصبہ راندیر میں اسی قوم کی جو انجمن حمایت اسلام ہے ان ہر دو قومی صیغوں میں سے جس جگہ آپ ہر دو صاحبان بہتر سمجھیں وہاں رقم آمدنی محولہ بالا دیں یا دونوں میں علی التساوی تقسیم فرمائیں (میری اس وصیت پر عمل فرماتے رہنے سے) آپ ہر دو صاحبوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا بالآخر یہ بھی ظاہر کئے دیتا ہوں کہ قصبہ راندیر میں مسماۃ رسول بی بنت ہاشم قاضی کو میں نے بتاریخ ۲۸ مارچ ۱۸۸۹ء فارغ خطی دی ہوئی ہے اس لئے اس کا کچھ بھی حق اب باقی نہیں رہا۔ فقط محررہ بمقام کلکتہ ۳۱ ماہ اگست ۱۹۰۳ء العبد محمد ابراہیم جی داخلی گواہ شد موسیٰ جی احمد صالح جی گواہ شد قاسم اسمٰعیل جی مودن گواہ شد غلام اسمٰعیل یعقوب جی۔

(جواب ۵۴۱) (۱و۲) جب کہ واقف کے مقرر کردہ متولی انتقال کر چکے تو اب واقف کے خاندان کے لوگوں میں سے جو تولیت کی صلاحیت رکھتا ہو وہ متولی بنائے جانے کا مستحق ہے اور اجانب سے اقارب کا حق مقدم ہے ہاں اگر اقارب میں سے کوئی شخص تولیت کی صلاحیت رکھنے والا ہی نہ ملے تو اجنبی لوگوں میں سے کسی لائق شخص کو متولی بنایا جا سکتا ہے وہ دونوں صیغے جن پر واقف نے خرچ کرنے کی شرط کی ہے ان صیغوں کے منتظمین کا تولیت میں جب تک کہ واقف کی اولاد وا قارب میں سے کوئی شخص لائق تولیت پایا جائے کوئی خاص استحقاق نہیں وفی الاصل الحاکم لا یجعل القیم من الاجانب مادام من اھل بیت الواقف من یصلح لذلک وان لم یجد منھم من یصلح و نصب غیر ھم ثم وجد منھم من یصلح صرفہ عنہ الی اھل بیت الواقف کذافی الوجیز (عالمگیری)[1] وما دام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانہ اشفق (درمختار)[2]

---

(۱) (عالمگیریۃ، کتاب الوقف ۲ /۴۱۲ ط ماجدیہ)

(۲) (الدرالمختار باب الوقف ۴ /۴۲۴ ط سعید)

(۳) وصیت نامہ کے یہ الفاظ ہیں (ان ہر دو قومی صیغوں میں سے جس جگہ آپ ہر دو صاحبان بہتر سمجھیں وہاں رقم آمدنی محولہ بالا دیں یا دونوں میں علی التساوی تقسیم فرمادیں) اس عبارت میں متولیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ دونوں میں سے جہاں بہتر سمجھیں دیں یا دونوں میں برابر تقسیم کردیں پس اسی طرح متولیوں کو اختیار رہے گا دونوں صیغوں کے منتظمین کو برابر تقسیم کرنے کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور چونکہ مصرف معین کردیا گیا ہے اس لئے وصیوں کی موت مبطل وصیت نہیں ہوسکتی ان کی جگہ دوسرے متولی قائم مقام ہوسکتے ہیں مات احدھما اقام القاضی الاخر مقامه اوضم اليه اخر ولا تبطل الوصية (درمختار)[1] لو قال جعلت ثلث مالی للمساکین یضعه الوصیان حیث شاء امن المساکین فمات احدھما یجعل القاضی وصیا اخراہ (ردالمحتار)[2] یجب اتباع شرط الواقف (درمختار)[3] اذا مات المتولی المشروط له بعد الواقف فالقاضی ینصب غیرہ (ردالمحتار)[4]

(۴) موصی مرحوم کی یہ وصیت واجب النفاذ لازم العمل ہے اور اس کے ایک حصے پر متولیوں نے عمل بھی کرلیا ہے کہ ثلث کی مقدار روپے سے جائیداد (مکان) خرید لی ہے اس کے بعد اگر متولیوں نے موافق وصیت اس کی آمدنی کو خرچ نہ کیا تو اس سے صحت وصیت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا بلکہ خود متولی واجب العزل تھے کیونکہ ان کی خیانت یا تساہل یا عجز ظاہر ہوگیا تھا وصیت و وقف دونوں بحال خود صحیح ہیں وقف کی جو وصیت کہ مضاف الی مابعد الموت ہو وہ اگرچہ بحیثیت وقف نہ سہی لیکن بحیثیت وصیت لازم و نافذ ہو جاتی ہے پس یہ وصیت لازم و نافذ ہے او بالموت اذا علق به کاذا مت فقد وقفت داری علی کذا فالصحیح انه کوصیة تلزمه من الثلث بالموت لا قبله قلت ولو لوارثه وان ردہ (درمختار)[5] یعنی یہ وصیت لازم ہو جاتی ہے اور ثلث مال سے صحیح ہوتی ہے اگرچہ وارث رد کردیں۔

(۵) دوسرے متولی کا اس جمع شدہ رقم سے مکان خریدنا اس وقف کے لئے صحیح نہیں ہوا کیونکہ اسے اختیار نہیں دیا گیا پس اس مکان کی بیع خود اس کے حق میں لازم ہوئی اور اس مکان موقوف کی آمدنی کا روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا رہا جو اس کے اپنے مال سے وصول کیا جاسکتا ہے اور نیز دونوں متولیوں کے وفات پانے کے بعد ان کے وارثوں کو تولیت کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اولاد واقف یا اس کے اقارب مستحق تولیت ہیں دوسرے متولی نے اگرچہ خریدے ہوئے مسافر خانہ کی تولیت کا حق نسلاً بعد نسلٍ اپنی اولاد کے لئے محفوظ

---

(۱) الدرالمختار، باب الوصی ۶/ ۷۰۶ ط سعید)
(۲) (ایضاً بحوالہ بالا)
(۳) (ردالمحتار، باب الوقف ۴/ ۴۲۳ ط سعید)
(۴) (ایضاً)
(۵) (الدرالمختار، باب الوقف ۴/ ۳۴۴ ط سعید)

کیا ہے لیکن اول تو اس مسافر خانہ کا تعلق اس وقف اول سے نہیں ہے بلکہ خود متولی دوم کے ذمے اس کی قیمت ہے اور وقف اول کے روپے کا وہ خود ضامن ہے۔ دوم یہ کہ چونکہ متولی دوم کی خیانت صاف طور پر ظاہر ہو گئی اس لئے وہ خود بھی واجب العزل ہو گیا تھا اور اس کا اپنی اولاد کا متولی بنانا وقف اول کے حق میں صحیح نہیں ہوا سوم یہ کہ وہ خود وصی تھا اور اس نے اپنی اولاد کو بھی وصی بنایا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ حالت صحت میں بنایا ہے اور یہ غیر معتبر ہے وصی اپنے مرض موت میں دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے حالت صحت میں نہیں ۔اما عزل الخائن فواجب (درمختار)[1] والا ای وان لم یکن التفویض له عاما لا یصح وانما یصح اذا فوض فی مرض موته لا نه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الی غیره (ردالمحتار ملتقطا)[2]

(۶) اگر وہ دونوں مکان ثلث کی مقدار میں داخل ہوں تو وصیت صحیح ہو گی ورنہ مقدار زائد عن الثلث میں باطل ہو جائے گی۔[3]

(۷) اگر مکان موقوف بالوصیت میں تعمیر کی حاجت ہے تو جمع شدہ روپے کو اول اس کی تعمیر میں خرچ کرنا چاہئے اور اگر تعمیر کی حاجت نہیں تو موقوف علیہم کو دیدینا چاہئے۔ ویبدامن غلته بعمارته وان لم یشترط الواقف لثبوته اقتضاءً و تقطع الجهات للعمارة ان لم یخف ضرربین الخ(درمختار)[4]

حج بدل اور ماں کے لئے کی ہوئی وصیت کا حکم

(سوال) عابدہ اپنی زندگی میں اپنے کل مال (پانچ یا چھ ہزار) میں تیسرے حصہ کی اپنی ماں اور اپنے حج بدل کے لئے وصیت کر گئی کیا وہ وصیت جائز ہے یا نہیں ؟ المستفتی نمبر ۵۸ مبگار عبدالرحمن (نارتھ ارکاٹ) ۲۱ جمادی الاخر ۱۳۵۲ھ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۴۵) ماں کے لئے وصیت اس لئے جائز نہ ہو گی کہ ماں وارث ہے[5] ہاں حج بدل کی وصیت ثلث میں سے کرا دینے کی صحیح ہے ثلث ترکہ میں سے حج بدل کرا دیا جائے گا۔[6] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔

(۱) کیا وصیت کرنے والے کا مال اس کی بتائی ہوئی ترتیب سے خرچ ہو گا؟
(۲) نمازوں کا فدیہ کے طور پر دین معاف کرنا

(سوال) (۱) ہندہ نے اپنے مرض الموت میں وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری فلانی زمین

---

(۱) (الدرالمختار' باب الوصی ۶/ ۷۰۲ ط سعید)
(۲) (ردالمحتار' باب الوقف ۴/ ۴۲۵ ط سعید)
(۳) لا تجوز الوصیة بما زاد علی الثلث (اللباب للمیدانی ۲/۳۶۷)
(۴) (الدرالمختار' باب الوقف ۴/ ۳۶۸ ط سعید)
(۵) لقوله علیه السلام : لا وصیة لوارث (رواه الترمذی' ابواب الوصایا ۲/ ۳۲ ط سعید)
(۶) لقوله علیه السلام : الثلث والثلث کثیر (ابن ماجة' باب فی وصیة الثلث ص ۱۹۹ ط میر محمد)

فروخت کر کے جس کی قیمت تخمیناً ایک ہزار روپے کی ہے میری جانب سے حج کرانا اور میری فلانی زمین جس کی قیمت تخمیناً پانچ سو روپیہ کی ہے فروخت کر کے ایک عربی مدرس کو قرآن پاک کی تعلیم کے واسطے رکھنا اور میری فلانی زمین جس کی قیمت پانچ سو روپیہ ہے میرے ذوی الارحام میں سے فلاں فلاں اشخاص کو دینا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کی کل زمین کا اندازہ دو ہزار روپیہ تک کا ہے اور ہندہ کے ورثا بھی موجود ہیں ماں حقیقی بھائی، بہن ہندہ نے اپنی کل زمین کی وصیت تین نوع پر کر کے انتقال کر چکی۔ اب ایسی صورت میں ثلث مال سے فقط حج ہی کرایا جائے اور باقی نوع کو ایسا ہی چھوڑ دیا جائے یا تینوں نوع پر حصہ وار تقسیم کیا جائے اگر تینوں نوع پر حصہ وار تقسیم کیا جائے تو حج کے لئے وہ روپیہ کفایت نہیں کر سکتا تو ایسے وقت از روئے شرع شریف کیا صورت اختیار کی جائے آیا وہ روپیہ جو حج کے لئے ہے اس کو جہاں سے وہ روپیہ کفایت کر سکتا ہے وہاں سے آدمی روانہ کیا جائے یا مکہ معظمہ جو جانے والا ہو اس کے ہمراہ روپیہ بھیج کر کسی ملی سے حج کرایا جائے۔

(۲) ہندہ کا زید پر قرض آتا ہے مگر زید نادار ہونے کی وجہ سے قرض ادا کرنے سے مجبور ہے اس پر ہندہ نے کہا کہ میرے ذمہ جتنی نمازیں قضا ہو چکی ہیں ان کے فدیہ میں یہ مقروضہ روپیہ تم کو میں نے دیدیا زید نے تسلیم کر لیا تو کیا یہ ہندہ کی نماز کا فدیہ ہو جائے گا یا نہیں اور زید قرض سے سبکدوش ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی نمبر ۱۴۱۷ شمس الدین صاحب (مانڈلے برما) ۱۵ صفر ۱۳۵۲ھ م ۷ ۲ اپریل ۱۹۳۳ء

(جواب ۵۴۶) اس صورت میں مرحومہ کی وصیت چار چیزوں پر مشتمل ہے حج، عربی مدرس برائے تعلیم قرآن، خاص خاص ذوی الارحام کو دینے کی وصیت کفارات نماز و روزہ میں زید کو ہبہ دین لہذا اس کا ثلث ترکہ ان چاروں پر اس نسبت سے تقسیم ہوگا جو اس نے خود قائم کی ہے مثلاً حج کے لئے ایک ہزار روپیہ یعنی دو سہم تعلیم قرآن کے لئے پانچ سو روپیہ یعنی ایک سہم اور ذوی الارحام کے لئے پانچ سو روپیہ یعنی ایک سہم اور کفارہ یعنی فدیہ نماز و روزہ کے لئے (اگر رقم قرض پانچ سو روپیہ ہو) ایک سہم پھر ذوی الارحام کا سہم تو ان کو دیدیا جائے گا اور تعلیم قرآن و حج اور فدیہ کے سہام جمع کر کے اول حج کے مصارف لئے جائیں اگر کچھ بچے تو فدیہ نماز و روزہ میں دیدیا جائے اس سے بچے تو تعلیم قرآن کے لئے مدرس مقرر کیا جائے۔

(۲) اس کا جواب نمبر ا میں آ گیا زید قرض سے اسی مقدار میں سبکدوش ہوگا جو فدیہ نماز و روزہ کے حصہ میں آئے گی۔[1] محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

---

(۱) (اذا اجتمع الوصايا) اعلم ان الوصايا ... الى قوله ... وما لله تعالى فان كان كله فرائض كالزكاة والحج او واجبات كالكفارات والنذور و صدقة الفطر او تطوعات كالحج التطوع والصدقة للفقراء يبدا بما يبدأ به الميت وان اختلطت يبدا بالفرائض قدمها الموصي او اخرها ثم بالواجبات و ما جمع فيه بين حقه تعالى وحق العباد فانه يقسم الثلث على جميعها و يجعل كل جهة من جهات القرب مفردة بالضرب (الدر المختار' كتاب الوصايا ۶/ ۶۶۱ ط سعيد)

پوتی کے لئے باپ والا حصہ وصیت کرنا جائز ہے

(سوال) زید فوت ہو گیا ہے اور اس کے ورثا میں سے تین لڑکے ایک لڑکی اور ایک زوجہ حقدار ہیں اور ایک لڑکا باپ کی زندگی میں فوت ہو چکا ہے لیکن اس کی ایک لڑکی جس کی عمر دو سال ہے زندہ ہے اب زید چونکہ پڑھا لکھا مسائل سے واقف تھا لہذا اس نے اپنی پوتی کے حق میں جس کا باپ زید کی زندگی میں فوت ہو چکا تھا وصیت کی ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ زید کے فوت شدہ لڑکے کا نام خلیل تھا لہذا زید نے بوقت فوتید گی یہ الفاظ کہے کہ اس لڑکی کو خلیل کا حصہ دینا اور اس کو خلیل کی جگہ سمجھنا کیونکہ موجودہ اولاد زید کی پہلی بیوی سے تھی لہذا زید کو اس کی موجودہ زوجہ نے کہا کہ میرے حق میں کچھ کر جاؤ تو زید نے جواب میں کہا کہ تیرے حق میں کیا وصیت کروں تو خود حقدار ہے یعنی شرعاً تو وارث ہے لیکن لڑکی کے حق میں جو یتیمہ تھی مندرجہ بالا وصیت کی اب دریافت طلب یہ چیز ہے کہ کیا زید کا یہ کہنا کہ لڑکی کو خلیل کا حصہ دینا اور اس کو خلیل کی جگہ سمجھنا ایں الفاظ یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟ عمرو کہتا ہے کہ خلیل چونکہ اب خود وارث نہیں رہا اور یہ الفاظ لڑکی کو وارث قرار دیتے ہیں اور شرعاً پوتی وارث نہیں ہوتی لہذا یہ وصیت ناجائز ہے لیکن بکر یہ کہتا ہے کہ زید پڑھا لکھا مسائل سے واقف عامل شخص تھا اس نے اسی بنا پر پوتی کے حق میں خصوصیت سے یہ الفاظ کہے ہیں وہ جانتا تھا کہ اس کو ورثہ نہیں پہنچتا وصیت کے طور پر اس کو کچھ مل سکتا ہے اس لئے علی وجہ البصیرۃ پوتی کے حق میں وصیت کی ہے اور جسکو شرعاً ورثہ ملنا تھا یعنی زوجہ کو تو اس کے حق میں باوجود اس کے اصرار کے بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ تو تو حقدار ہے تیرے لئے کیا کہوں اب آپ فرمائیں کہ عمر بکر ہر دو میں سے کس کی دلیل قوی اور راجح ہے اور لڑکی یعنی پوتی کو زید کے قول پر عمل کر کے اس کے باپ کے حصہ کے مطابق دادا کی جائیداد سے بقدر وصیت دینا چاہیئے یا نہیں؟ **المستفتی نمبر ۱۹۵۳** عبید اللہ صراف (فیروز پور شی) ۱۴ شعبان ۱۳۵۶ھ م ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء

(جواب ۵۴۷) بکر کا قول صحیح ہے کہ یہ وصیت صحیح اور معتبر ہے۔[1] اور پوتی کو اس کے باپ کے حصہ کے برابر ترکہ میں سے بحق وصیت دیا جائے گا چونکہ یہ وصیت ثلث ترکہ سے یقیناً کم ہے اس لئے پوری مقدار معتبر ہے۔[2] فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دہلی۔

تم الجزء الثامن من كفاية المفتي ويليه الجزء التاسع اوله كتاب الحظر والا باحة

---

(۱) ويستحب ان يوصي الانسان بدون الثلث سواء كانت الورثة اغنياء اوفقراء كذافي الهداية (عالمگيرية' كتاب الوصايا ٦/ ٩٠ ط ماجديه)

(۲) لقوله عليه السلام : الثلث والثلث كثير (ابو داؤد شريف' ۲/ ۳۹ ط امداديه ملتان)

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

دارالاشاعت کی مطبوعہ کتب ایک نظر میں

تفاسیر و علوم قرآنی

کتاب	تفصیل	مصنف
تفسیر عثمانی بطرز تفسیر مع عنوانات جدید کتابت ۲ جلد		علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، اضافہ عنوانات جناب محمد ولی رازی
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلدیں	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ
قصص القرآن	۴ حصے در ۲ جلد کامل	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
تاریخ ارض القرآن		علامہ سید سلیمان ندویؒ
قرآن اور ماحولیات		انجینئر شفیع حیدر دانش
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن		ڈاکٹر حقانی میاں قادری
لغات القرآن	۶ جلد کامل	مولانا عبدالرشید نعمانی
قاموس القرآن		قاضی زین العابدین
قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی)		ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
سبک البیان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی)		حبان پبلشرز
اعمال قرآنی		مولانا اشرف علی تھانویؒ
قرآن کی باتیں		مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

کتاب	تفصیل	مصنف
تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو	۳ جلد	مولانا ظہور الباری اعظمی، فاضل دیوبند
تفہیم المسلم " " "	۳ جلد	مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی
جامع ترمذی " " "	۲ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابو داؤد شریف " "	۳ جلد	مولانا سرفراز احمد صاحب، مولانا خورشید عالم قاسمی صاحب فاضل دیوبند
سنن نسائی " " "	۳ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۳ جلد	۷ حصے کامل، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۳ جلد	مولانا عابد الرحمٰن کاندھلویؒ / مولانا عبداللہ جاوید
ریاض الصالحین مترجم	۲ جلد	مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہریؒ
الادب المفرد	کامل مع ترجمہ و شرح	از امام بخاری
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف	۵ جلد کامل اعلیٰ	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند
تقریر بخاری شریف	۴ حصص کامل	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
تجرید بخاری شریف	ایک جلد	علامہ حسین بن مبارک زبیدی
تنظیم الاشتات	شرح مشکوٰۃ اردو	مولانا ابوالحسن صاحب
شرح اربعین نووی	ترجمہ و شرح	مولانا مفتی عاشق الٰہی البرنی

دارالاشاعت ... اردو بازار ایم اے جناح روڈ ...